

فستوں پر خرید و فروخت سے متعلق شرعی احکام

[نفع کے ساتھ فستوں پر خرید و فروخت کے لئے شرطیں اور احکام پر تفصیلی بحث، جو علماء و ارباب افتاء نیز اصحاب ذوق مسلمانوں کے لئے عموماً اور مروجہ اسلامک بینکنگ سے مربوط لوگوں کے لئے خصوصاً بڑی اہمیت کا حامل ہے، اکیڈمی کے دسویں فقہی سمینار منعقدہ ممبئی بتاریخ ۲۳-۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں پیش کئے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات نیز مناقشات اور تجاویز کا مجموعہ]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق (سلا مکت فنہ الہدی) (ڈیڑنا) محفوظ

| | | |
|----------|---|--|
| نام کتاب | : | قسطوں پر خرید فرودخت سے متعلق شرعی احکام |
| صفحات | : | ۵۶۲ |
| قیمت | : | |
| سن طباعت | : | جنوری ۲۰۱۰ء |

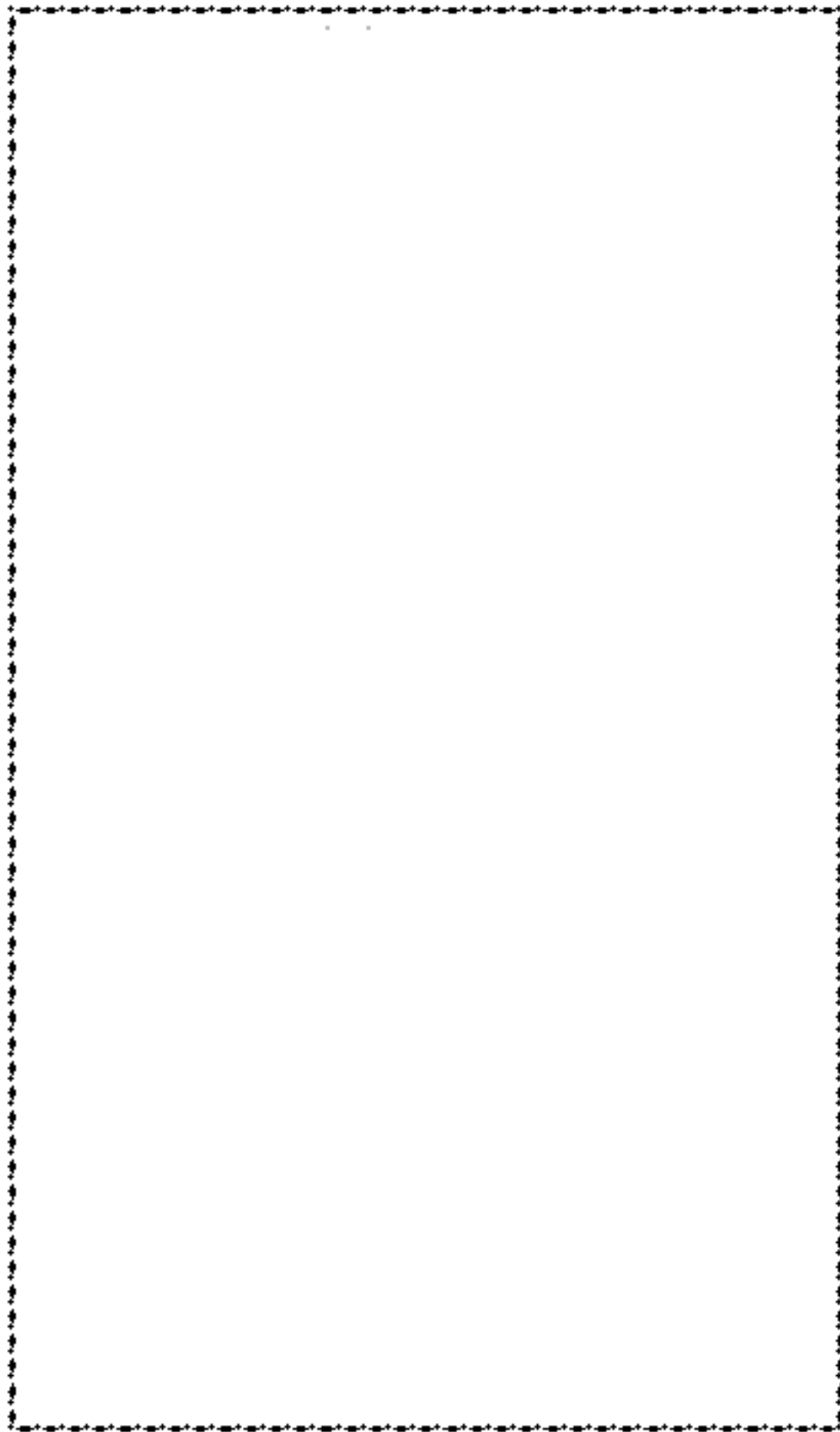
ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، جوگابانی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

مجلس اولیٰ

- ۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
- ۲- مولانا محمد پرواز الدین سنبھلی
- ۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
- ۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- ۵- مولانا عتیق احمد بستوی
- ۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی



فہرست

پہلا باب : تمہیدی امور

| | | |
|----|-----------------------------|-----------------|
| ۱۱ | مولانا خالد سیف اللہ رحمانی | دیباچہ طبع جدید |
| ۱۳ | قاضی مجاہد الاسلام قاسمی | پیش لفظ |
| ۱۵ | | اکیڈمی کا فیصلہ |
| ۱۹ | | سوانح نامہ |
| ۲۳ | منشی احمد درالقاسمی | تفہیم مقالات |

دوسرا باب : تفصیلی مقالات

| | | |
|-----|--------------------------------|--|
| ۳۱ | مولانا خالد سیف اللہ رحمانی | ادھار اور با لاقساط خرید و فروخت - چند اہم مسائل |
| ۵۶ | منشی محمد عبید اللہ امجدی | قسط و اربح و شراء شرعی نقطہ نظر |
| ۷۲ | مولانا زبیر احمد قاسمی | بیع بالتقسیت - فقہی نقطہ نظر |
| ۸۱ | مولانا انیس الرحمن قاسمی | قسطوں پر خرید و فروخت فقہی تناظر میں |
| ۹۹ | مولانا خمس پیرزادہ | قسطوں کی بنیاد پر خرید و فروخت |
| ۱۰۸ | منشی جنید عالم قاسمی | قسطوں پر خرید و فروخت کے احکام |
| ۱۳۰ | مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی | قسطوں کی بنیاد پر خرید و فروخت - ضرورت و مسائل |
| ۱۳۸ | مولانا خورشید احمد اعظمی | شرعی نقطہ نظر سے ادھار قیمت کی با لاقساط ادائیگی |
| ۱۵۹ | منشی شبیر احمد قاسمی | ادھار اور قسطوں پر خرید و فروخت کی شرعی حکم |
| ۱۶۸ | منشی نسیم احمد قاسمی | قسطوں پر خرید و فروخت کا شرعی حکم |
| ۱۸۹ | مولانا اختر امام عادل | قسطوں پر خرید و فروخت - احکام و مسائل |
| ۲۱۳ | مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی | بیع بالتقسیت کا شرعی حکم |
| ۲۲۱ | منشی انور علی اعظمی | قسطوں پر خرید و فروخت - فقہ اسلامی میں |

| | | |
|-----|----------------------------|---|
| ۲۳۰ | مولانا ابو جندل قاسمی | بالا قساط خرید و فروخت کے احکام |
| ۲۳۳ | مولانا ابو بکر قاسمی | شمن کی زیادتی مدت کے عوض میں |
| ۲۵۷ | مولانا اشتیاق احمد اعظمی | انہی کا نکاح بالقرآن بالتقسیت سے جوڑنا |
| ۲۷۶ | مفتی زین الاسلام | منظروں پر خرید و فروخت کا سو جوہ عرف |
| ۲۸۴ | مولانا اختر حسین رضوی | بیع و شرا میں چند قیمتوں کا تذکرہ |
| ۲۹۲ | مفتی عبدالقیوم پالپوری | نقد و فروخت کے مقابلہ میں ادھار میں قیمت زیادہ کرنا |
| ۳۰۴ | مفتی اعجاز احمد قاسمی | چند منظروں میں شمن ادا کرنے کی شرعی حیثیت |
| ۳۱۱ | مولانا محمد نور القاسمی | شمن کی ادائیگی منظروں میں - احکام و مسائل |
| ۳۲۶ | مولانا اقبال احمد قاسمی | ادھار قیمت زیادہ مقرر کرنا، کیا جاہل ہے؟ |
| ۳۳۲ | مفتی احمد درالقاسمی | سامان فروخت کرتے وقت دونوں قیمت بتانا |
| ۲۵۹ | مولانا امیر ارضا بدوی | خرید و فروخت میں صرف ادھار قیمت بتانا |
| ۳۷۱ | مولانا سید عقیل احمد قاسمی | خرید و فروخت، قسط در قسط |
| ۳۸۶ | مفتی عبداللہ قاسمی | ادھار فروخت میں قیمت کی زیادتی کی حیثیت |
| ۳۹۶ | مولانا جمال اکبر مظفر پوری | سامان کی قیمت مختلف منظروں میں ادا کرنا |
| ۴۰۸ | مولانا عبدالفتاح عادل | خرید و فروخت میں اقتساط کا لحاظ |
| ۴۱۸ | مولانا امیر الحق قاسمی | قسط و ادھار خرید و فروخت میں امر کا موقف |
| ۴۳۰ | مولانا جنید احمد فلاحی | نقد و ادھار قیمت میں مساوات کا مسئلہ |
| ۴۳۷ | مولانا عمر بن یوسف فلاحی | منظروں پر خرید و فروخت کا معاملہ |

تیسرا باب: مختصر تحریریں

| | | |
|-----|-------------------------|---|
| ۴۴۹ | مفتی شیر علی کجراتی | بیع بالتقسیت کا شرعی حکم |
| ۴۵۶ | مفتی محبوب علی وچھی | بیع بالتقسیت شریعت کی روشنی میں |
| ۴۶۱ | مفتی عزیز الرحمن مدنی | منظروں کی بنیاد پر خرید و فروخت کا معاملہ |
| ۴۶۳ | مفتی حبیب اللہ قاسمی | منظروں پر خرید و فروخت فقہاء کی نظر میں |
| ۴۶۷ | مفتی جمیل احمد زبیری | منظروں کی بنیاد پر خرید و فروخت اور اس کے احکام |
| ۴۷۴ | مفتی عبدالرحیم قاسمی | نقد کے مقابلہ ادھار میں قیمت کا اضافہ |
| ۴۷۹ | مولانا ابو سفیان مفتاحی | یکمشت اور منظور قیمت کی ادائیگی |

| | | |
|-----|--------------------------------|--|
| ۳۸۴ | مولانا سلطان احمد اصلاحی | ادھار قیمت کی ادائیگی کے جدید طریقے |
| ۳۸۸ | مفتی سعید الرحمن فاروقی | سامان فروخت کرتے وقت ایک سے زیادہ قیمت بتانا |
| ۳۹۳ | مولانا عبداللطیف پالنپوری | مستطوں پر سامان خریدنا اور فروخت کرنا |
| ۵۰۰ | ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی | بیع بالتقسیم کے مسائل |
| ۵۰۳ | مولانا عبدالرشید قاسمی | ادھار فروخت میں قیمت کی زیادتی کا مسئلہ |
| ۵۱۱ | مولانا اخلاق الرحمن قاسمی | قیمت کی ادائیگی میں سہولت کا مسئلہ |
| ۵۱۷ | مولانا ایوب بھنگلی | کیا مستطوں میں قیمت کی ادائیگی جائز ہے؟ |
| ۵۱۹ | مولانا تنویر عالم قاسمی | ادھار فروخت میں قیمت کی زیادتی کی حیثیت |
| ۵۲۶ | مولانا حبیب الرحمن قاسمی | ادھار معاملہ میں شی مرہون سے انقاع |
| ۵۳۱ | مولانا محمد انور بن ظہیر قاسمی | ادھار بیع میں زیادہ قیمت وصول کرنا |
| ۵۳۷ | مولانا فضل الرحمن قاسمی | مستطوں کی زیادتی پر بیع و شراء |
| ۵۴۳ | مولانا انیس احمد قاسمی | ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت و یکبارگی کرنا |

چوتھا باب اختتامی امور

۵۴۹

مناقشہ



جدید فقیہی تحقیقات

پہلا باب

تمہیدی امور

دیباچہ طبع جدید

خرید فخر وخت کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں، خریدار قیمت اور بیچنے والا اپنا سامان نقد ادا کر دے، یہ صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ اگر اثمان یعنی سونا، چاندی یا کرنسی کی خرید فخر وخت ہو تو واجب ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں طرف سے ادائیگی کو ادھار رکھا جائے، یعنی دین کی بیع دین سے ہو، یہاں جائز ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ قیمت نقد ادا کر دی جائے اور خرید کیا جانے والا سامان ادھار ہو، اسے ”سلم“ کہتے ہیں، یہ بھی کچھ شرطوں کے ساتھ جائز ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ سامان نقد دیا جائے اور قیمت ادھار ہو، اس کو اصطلاح میں ”بیع موجدل“ کہتے ہیں اور اس کی بھی اجازت ہے، نیز ان چاروں صورتوں کے مذکورہ احکام صریح حدیثوں سے ثابت ہیں، قیمت بعد میں ادا کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ پوری قیمت یک مشت مقرر مدت پر ادا کی جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ یک مشت قیمت ادا کرنے کے بجائے معاہدہ کے مطابق مختلف قسطوں میں ادا کی جائے، فقہاء نے اس کے درست ہونے کی بھی صراحت کی ہے۔

آج کل اسلامی مالیاتی ادارے سرمایہ کے خواہش مند لوگوں کو نقد سرمایہ دینے کے بجائے کوشش کرتے ہیں کہ انہیں مطلوبہ اشیاء فراہم کر دیں، جیسے مشین، گاڑی وغیرہ، ادارے ان کو کارخانوں سے خرید کرتے ہیں اور سرمایہ کے خواہش مند گاہکوں کو نفع کے ساتھ ادھار فخر وخت کر دیتے ہیں، کیونکہ شرعی نقطہ نظر سے وہ پیسے دے کر زیادہ پیسے نہیں لے سکتے اس لئے کہ یہ کھلا ہوا سود ہے، البتہ کوئی شے نفع کے ساتھ ان کو فخر وخت کی جاسکتی ہے جس کو اصطلاح میں ”مراہمہ“ کہا جاتا ہے، نیز حسب ضرورت قیمت کی ادائیگی میں انہیں سہولت بھی دی جاتی ہے کہ یک

مشت قیمت ادا کرنے کے بجائے قسطوں میں ادا کریں، اس لئے قسطوار ادھار قیمت پر خرید و فروخت جس کو اصطلاح میں ”بیج مراجعہ موجدل بالتقسیط“ کہا جاسکتا ہے۔ خصوصی اہمیت حاصل کر لی ہے اور اس میں قبضہ کا تحقق اور بعض دیگر مسائل شرعی نقطہ نظر سے قابل توجہ ہیں۔

اکیڈمی نے ممبئی میں منعقد ہونے والے دسویں فقہی سمینار بتاریخ ۲۲ تا ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء کے لئے اس عنوان کا انتخاب کیا تھا، بھمد اللہ موضوع سے متعلق بڑی اہم اور گراں قدر تحریریں مرتب کر کے اہل علم نے اکیڈمی کا تعاون کیا، ان مقالات کا مجموعہ بانی اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی زندگی میں ہی ان کے پیش لفظ سے مزین ہو کر شائع ہو چکا ہے، اب مجلس ادارت کی نگرانی میں محبت عزیز جناب مفتی احمد درالقاسمی صاحب رفیق شعبہ علمی اکیڈمی نے اسے مزید تصحیح کے ساتھ نئے طریقہ پر مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، اس مجموعہ کو پہلے بھی اہل علم نے پسند کیا تھا اور امید ہے کہ اب بھی اسے شوق کے ہاتھوں لیا جائے گا۔

یہ مجموعہ چار ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب تمہیدی ہے، اس میں مجلہ کی عام ترتیب کے مطابق ”عرض مسئلہ“ نہیں ہے، کیونکہ اس سمینار میں مقالات کی تلخیص پیش کرنے پر ہی اکتفاء کیا گیا تھا، دوسرے باب میں موضوع سے متعلق تفصیلی مقالات ہیں اور تیسرے باب میں مختصر تحریریں ہیں، چوتھا اور آخری باب سمینار کے مناقشات پر مشتمل ہے، موجودہ حالات میں جب کہ ہندوستان میں اسلامک بینکنگ کی قانونی گنجائش فراہم ہونے کے روشن امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ ایک رہنما لٹریچر ثابت ہوگا اور سودی نظام پر مبنی بینک کے حلال متبادل کے لئے ہونے والی کوششوں میں معاون بنے گا۔ واللہ اعلم۔

خالد سیف اللہ رحمانی

جنرل سکرٹری

۲ جون ۲۰۰۹ء

۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ

پیش لفظ

اللہ کا شکر ہے کہ ”مجمع الفقہ الاسلامی“ (ابہند) نے گذشتہ بارہ سالوں میں متنوع قسم کے اقتصادی، تجارتی اور معاشی مسائل کے علاوہ عصر حاضر کے معاملات کی مختلف نئی شکلوں کو غور و فکر کا موضوع بنایا ہے، چنانچہ مچھلی کی پانی میں خرید و فروخت، اسلامی بینکاری، غیر سودی سوسائٹیاں، قبضہ سے پہلے خرید و فروخت، شیئرز و کمپنی، گپڑی، بیع حقوق وغیرہ سے متعلق مختلف عنوانات پر علماء نے فقہ اسلامی کی روشنی میں سینکڑوں صفحات پر مشتمل سیر حاصل و قیغ مقالات پیش کئے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی نسطوں پر خرید و فروخت کا موضوع بھی ہے جسے اکیڈمی نے اپنے ایک تفصیلی سوالنامہ کے ذریعہ علماء کے روبرو پیش کر کے تصویر مسئلہ اور تنقیح و عرض کے بعد سنجیدہ فقہی مناقشہ و مذاکرہ اور اجتماعی غور و فکر کر کے قسط کے ذریعہ کی جانے والی لین دین اور خرید و فروخت کا شریعت کے معیار اور میزان کی روشنی میں جائزہ لے کر حکم متعین کرنے کی کوشش کی، اس صورت حال کے تحت اکیڈمی نے ”قسط وار خرید و فروخت“ کے موضوع پر تفصیلی و حقیقی معلومات کی روشنی میں مسئلہ کے مختلف رخ کو سمجھنے کی کوشش کی۔

آج تجارتی دنیا اور بازار میں نسطوں پر لین دین کا عرف جاری ہے اور تمام اشیاء، مکان، مشین، زندگی میں کام آنے والی چیزیں، خدمات، سب نسطوں پر مہیا ہیں، اور فائنانس کرنے والی کمپنیاں اس راہ سے خود تجارت کر رہی ہیں، اور نفع و فائدے کے نام پر دولت اکٹھا کر رہی ہیں، اب انفرادی طور پر بھی ضمانت اور سند ضمانت کے ذریعہ نسطوں پر خرید و فروخت کا سلسلہ بہت آسانی سے ہر جگہ موجود و جاری ہے، مسلم سماج ملک بھر میں اس مسئلہ سے دوچار ہے، اس لئے نسطوں پر خرید و فروخت کی مختلف رائج شکلوں کا شریعت کی روشنی میں جائزہ لے کر علماء

.....

نے پوری تفصیل اور حوالوں کے ساتھ فقہاء کی آراء سے استفادہ کرتے ہوئے یہ تصریحات پیش کیں کہ کون سی صورتیں جائز اور کون سی ناجائز ہیں؟ نیز اس کے جواز و عدم جواز کے دلائل و وجوہات کیا ہیں؟ ہزاروں صفحات کے مطالعہ کے نچوڑ پر مشتمل یہ قیمتی بحثیں کتابی شکل میں عام استفادہ کے لئے پیش کی جارہی ہیں، امید ہے کہ اہل علم مقالات کے اس مجموعہ سے استفادہ کریں گے، یہ وضاحت ضروری ہے کہ سابقہ روایات کے مطابق علماء نے اس موضوع پر اکیڑی کو بڑی تعداد میں مقالات ارسال کئے، جن کی کثرت اور طوالت کے مد نظر حسب ذیل انداز سے ان کو مختصر کرنے کی کوشش کی گئی:

الف- طویل اقتباسات کو حذف کر کے حوالے باقی رکھے گئے۔

ب- عربی عبارتوں کے ترجمے کئے گئے۔

ج- تکرار بیان سے بچنے کے لئے طویل جملوں سے ان کا خلاصہ لے لیا گیا۔

د- عبارت کی روح کو سمجھتے ہوئے وضاحت کے لئے ضما، اشارات کا اضافہ

کر دیا گیا۔

ر- غیر متعلق مباحث کو حذف کر دیا گیا۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دین کی متوازن اور سیدھی راہ پر چلائے اور دین کی سمجھ

عطا فرمائے۔

مجاہد الاسلام قاسمی

نزیل ذاکرباغ (نئی دہلی)

مارچ ۲۰۰۱ء

امکیت کی فیصلہ:

قسط پر خرید و فروخت

- ۱- خرید و فروخت کے معاملہ میں ادھار و فروخت کی صورت میں بمقابلہ نقد قیمت کا اضافہ جائز و درست ہے، اور اس طرح کی خرید و فروخت بھی درست ہے، بشرطیکہ معاملہ کو مکمل کرتے وقت بات اس پر ختم کی جائے کہ یہ خرید و فروخت ادھار اتنی قیمت پر اور اتنی مدت کے لئے ہو رہی ہے (۱)۔
- ۲- ادھار قیمت یکمشت ادا کی جائے یا چند حصوں و قسطوں میں، دونوں صورتیں درست ہیں۔

۱- تیسرے فقہی مینار منفقہ جون ۱۹۹۰ء میں مراجعہ کے ذیل میں فیصلہ نمبر ۳۸ کے متن (ب) میں کہا گیا ہے کہ ”یہ درست نہیں ہوگا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خرید اچانے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار خرید اچانے تو دوسری قیمت، یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے، بلکہ بینک خریدار کو غلطیہ برائے کا شونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی، اور بینک کو اس کی لاگت پر اٹنا منافع دینا ہوگا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہوگی)۔“

معاملہ کی اصل معیاری اور احسن صورت وہی ہے جس کا ذکر بذیل تجویز مراجعہ کیا گیا ہے یعنی ادھار اور نقد کی علاحدہ علاحدہ قیمتیں معاملہ کرتے وقت نہیں بتائی جائیں، ایسا کرنا درست نہیں، لیکن اگر اس کے باوجود یہ اصول معاملہ طے کرنے سے پہلے ہوئیں اور مجلس عقد میں ہی معاملہ کسی ایک صورت پر متعین طور پر کر لیا گیا تو یہ عقد صحیح ہو جائے گا۔
یہ واضح رہے کہ ادھار اور قسط و اربح میں مثلاً تین مہینہ یا ایک سال کی مدت قیمت کی ادائیگی کے لئے مقرر کی گئی ہو خریدار نے وقت مقررہ پر قسط ادا نہیں کی اور تین ماہ کے بجائے چھ ماہ یا ایک سال کے بجائے ڈیڑھ سال ادائیگی میں لگ گئے تو اس زائد مدت کی وجہ سے قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

۳- اس طرح کی خرید و فروخت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ معاملہ کو مکمل کرتے وقت قیمت متعین ہو جائے، ابتداءً، خواہ صرف ادھار قیمت ذکر کی جائے یا نقد و ادھار دونوں۔

۴- ادھار خرید و فروخت میں نقد معاملہ کے مقابلہ میں قیمت کی زیادتی ربا کے تحت نہیں آتی، جیسے نقد خرید و فروخت میں جو بھی قیمت ہو وہ بیع، یعنی خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے، اسی طرح ادھار خرید و فروخت کے مقابلہ میں بھی طے شدہ قیمت خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے۔

۵- متعین مدت میں قیمت یا قسط کے ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کسی طرح کی زیادتی کا مطالبہ اور معاملہ سود کے تحت داخل ہے، خواہ معاملہ کرتے وقت اس طرح کی شرط لگائی گئی ہو، یا یہ کہ بعد میں اس طرح کا مطالبہ کیا جائے۔

۶- جس شخص نے بطور رہن کوئی سامان اپنے پاس رکھا ہو، اس کا رہن رکھے ہوئے سامان سے نفع اٹھانا سود ہے جو کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

۷- رہن کا سامان اگر رہن رکھنے والے کے پاس ہلاک ہو جائے تو سامان کی قیمت اگر دین کے برابر ہے، تو کسی کے ذمہ کوئی حق نہیں رہا، اگر سامان کی قیمت کم ہے، تو دین کی باقی رقم دین والے (جس کے پاس رہن تھا اس) کے ذمہ واجب ہوگی، اگر سامان کی قیمت زیادہ ہے تو اگر رہن لینے والے کے عمل و لاپرواہی کو اس میں دخل ہے تو دین سے زیادہ قیمت رہن لینے والے کے ذمہ واجب ہوگی۔

۸- دین کو وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں قرض دار کو بار بار متوجہ کرنے کے بعد جب کہ اس کا مال منول ظاہر ہو قرض خواہ کو اجازت ہے کہ سامان کو واجب قیمت پر بیچ کر اپنا حق وصول کر لے۔

۹- قسط وار خرید و فروخت کی صورت میں فروخت کردہ سامان کو اگر بائع اس وقت تک کے لئے روکتا ہے جب تک کہ اس کو تمام قسطیں وصول نہ ہو جائیں، تو یہ درست نہیں، البتہ یہ ہو سکتا

ہے کہ فریقین طے کر لیں کہ خرید کردہ سامان بطور رہن فروخت کنندہ کے قبضہ میں اس وقت تک رہے گا جب تک اس کی جملہ اقساط ادا نہ ہو جائیں۔

۱۰ - طے شدہ مدت تک بعض قسطوں کو ادا کر دینے کے بعد بقیہ قسطوں کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع (فروخت کنندہ) کو یہ حق نہیں ہے کہ فروخت کردہ شی کو واپس لے لے اور ادا کردہ قسطوں کو واپس نہ کرے۔

۱۱ - خرید کردہ سامان کو مشتری (خریدار) کے قبضہ میں دے کر رہن قرار دینا درست نہیں ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خریدار سے بیچنے والا بطور رہن لے لے، اور اس کے بعد پھر مشتری کو عاریتہ دیدے۔

۱۲ - کریڈٹ لیٹر کی اجرت کی بابت کمیٹی نے یہ طے کیا کہ اس سلسلہ میں مزید غور و خوض کیا جائے۔

۱۳ - قرض کی دستاویز (رسیدات، پرچیاں وغیرہ) کا کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا کہ اب وہ قرض وصول کرے اور مالک ہو جائے قرض دینے والا یا واجبات کا مستحق واجب رقم سے کم لے کر اس معاملہ سے علیحدہ ہو جاتا ہے، اس طرح کی خرید فروخت جائز نہیں ہے۔

۱۴ - واجب الاداء رقم کی مقدار کم کر کے فوری وصول کر لینا جسے ”ضع و تعجل“ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر اصل معاملہ میں کوئی مدت اداء دین کی معین نہ ہو تو جائز ہے، کہ یہ ایک طرح کا تبرع ہے، اور اگر مدت متعین ہو تو اس طرح کا معاملہ جائز نہیں ہوگا کہ جس پر دین واجب ہے وہ مدت کا فائدہ اٹھا کر واجب الاداء کو کم کر رہا ہے۔

۱۵ - دین کی ادائیگی کے لئے طے شدہ مدت سے قبل دین کی ادائیگی کا مطالبہ جبکہ قسطیں وقت پر ادا نہ کی جارہی ہوں، درست ہے، اس لئے کہ فریقین نے جو معاہدہ کیا، ایک فریق نے جب اس کی خلاف ورزی کی تو دوسرے پر بھی اس کی پابندی لازم نہیں رہ گئی۔

۱۶ - جملہ اقساط کی ادائیگی سے قبل اگر مدیون (خریدار) کی موت ہو جائے تو بھی معاملہ علی

حالم باقى رھے گا، جیسا كہ دائن كى موت كى صورت میں باقى رہتا ہے، بشرطیکہ بائع (دائن) اس پر راضی ہو۔

☆☆☆

قسطوں کی بنیاد پر خرید و فروخت

ضرورت ایجاد کی ماں ہے، جس کی وجہ سے نئی مصنوعات سامنے آتی ہیں، معاملات کی صورتیں رائج ہوتی ہیں اور پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے ہیں، انہیں نئے مروج معاملات میں تقسیم کی بنیاد پر خرید و فروخت کا معاملہ بھی ہے، ایک آدمی ایک چیز کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور اس کو خریدنا چاہتا ہے، مگر اس کی قیمت اس شخص کے قوت خرید سے زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی ضرورت کی چیز خرید نہیں پاتا، عوام کی ضرورت کا احساس رکھنے والے ہوشیار تاجروں نے اس کے لئے یہ حل نکالا ہے کہ خریدار چند قسطوں (جو اس کی حیثیت و حالات کے مطابق ہوں) قیمت کو ادا کر کے اپنی ضرورت کی تکمیل کر لے، یہ معاملہ جس طرح مروج ہے، اس کی بابت متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں، جو پیش خدمت ہیں:

- ۱- کیا یہ درست ہے کہ جس سامان کو ادھار فروخت کیا جائے اس کی قیمت نقد فروختگی کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کر دی جائے؟
- ۲- ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت ضروری ہے یا اس کی بھی گنجائش ہے کہ ادھار قیمت کو قسطوں میں ادا کیا جائے، مثلاً خرید کردہ مال کی قیمت دس ہزار ہے، دس قسطوں میں (ہر ماہ کے آغاز میں ایک ہزار کی ایک قسط) اس کی ادائیگی طے پاتی ہے۔
- ۳- ایک شخص یہ کرتا ہے کہ سامان کو نقد و ادھار دونوں طرح فروخت کرتا ہے اور وہ یوں معاملہ کرتا ہے کہ نقد قیمت مثلاً سو روپے اور ادھار سو روپے ہے، معاملہ کی اس صورت کا کیا حکم ہے؟ کیا ادھار فروختگی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے یہ ضروری ہے کہ صرف ادھار قیمت

کا تذکرہ کیا جائے اور اسی پر معاملہ کیا جائے؟
۴- ادھار فر و ختگی کی صورت میں نقد فر و ختگی کے مقابلہ میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرے میں آتا ہے یا نہیں، یہ شبہ اس لئے ہوتا ہے کہ زائد قیمت وقت کے عوض محسوس ہوتی ہے۔

۵- ایک تاجر ادھار فر و ختگی اگر اس طرح کرتا ہے کہ ۶ ماہ میں چھ قسطوں میں ادا کرنے کی صورت میں مال کی قیمت بارہ ہزار روپے ہے (ہر قسط دو ہزار کی) اور ایک سال میں بارہ قسطوں میں ادا کرنے کی صورت میں مال کی قیمت گیارہ ہزار دو سو روپے ہے (ہر قسط ۱۱۰۰ روپے کی) خریدار کے سامنے دونوں صورتیں پیش کرنے کے بعد دونوں ایک صورت طے کر لیتے ہیں تو معاملے کی یہ شکل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۶- ایک چیز کی خرید فر و خت نقد معاملہ کے دس روپے طے ہوئی اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ یہ دس روپے ایک ماہ کے اندر ادا نہ کئے گئے تو مزید دو روپے ادا کرنے ہوں گے، اور اس طرح ہر ماہ کی تاخیر پر دو روپے کا اضافہ ادا کرنا ہوگا، تو اس کا کیا حکم ہے؟

۷- ادھار فر و ختگی میں ادھار قیمت طے کی گئی اور مدت بھی طے ہو گئی، خواہ قسطوں میں یا یکمشت، اور اس کے ساتھ یہ طے پایا کہ وقت مقرر پر یکمشت قیمت، یا جملہ قسطیں، یا کوئی قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کچھ رقم ادا کرنی ہوگی، خواہ اس کی مقدار طے کر دی جائے یا فیصد کا حساب رکھا جائے، معاملہ کی یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں، اس مزید رقم کو ”جرمانہ“ اور مالی تاوان قرار دیا جائے گا یا کچھ اور؟

۸- ادھار قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے بائع بسا اوقات خریدار سے کوئی مال رہن رکھواتا ہے، اس سلسلہ میں تین سوال پیدا ہوتے ہیں:

الف- کیا بائع اس مال مرہون (گروی رکھا ہو مال) سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

ب- بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ج- خریدار کے وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور نال مٹول کرنے کی صورت میں فروخت کنندہ مال مرہون کے ذریعہ اپنی واجب الادا قیمت کس طرح وصول کرے گا؟

۹- کیا خرید کردہ سامان کو بائع اپنے پاس اس وقت تک کے لئے روک سکتا ہے جب تک مکمل قیمت یا اس کی چند اقساط جمع نہ کی جائیں، اس صورت میں بائع کا فروخت کردہ سامان کو روکنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اس لئے کہ اس کی دو جہتیں ہو سکتی ہیں۔

الف- فروخت شدہ سامان کو رہن بنانے کی۔

ب- محض اپنا حق وصول کرنے کے لئے اس کو اپنے پاس روکنے کی یعنی (جس المبیع الاستیفاء الثمن) ان دونوں جہتوں کا حکم کیا ہوگا؟ ان میں کسی صورت و جہت کی اگر گنجائش ہے تو اس کے لئے کیا بندیاں عائد کی جاسکتی ہیں؟

۱۰- قیمت کے لئے طے شدہ اقساط کو ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع سامان کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اور پھر وہ سامان اسی کا ہو جاتا ہے، نیز جو اقساط ادا کی جا چکی ہیں وہ بھی واپس نہیں کی جاتیں، کیا یہ صورت شرعاً درست ہے؟ اگر درست ہے تو ادا کردہ اقساط کی رقم کو کیا حیثیت دی جائے گی؟ اس صورت میں فروخت کردہ سامان بائع کو مل رہا ہے، اور ساتھ ہی قیمت کا ایک حصہ بھی یعنی فروخت کردہ سامان مقررہ طے شدہ قیمت سے کم مل رہا ہے۔

۱۱- کیا ایسے خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس اور اس کے استعمال میں رکھ کر، رہن قرار دیا جاسکتا ہے؟ جس میں فروخت و تصرف کا حق بائع کو ہی ہو، جس کے حق کے لئے اس سامان کو رہن بنایا گیا ہے۔

۱۲- خریدار کی طرف سے گارنٹی و ضمانت لینے کی صورت، کفالہ کے مسلم و معروف کے تحت آتی ہے، مگر آج کل اداروں اور اشخاص کی طرف سے اجرت و معاوضہ کا لین دین رائج ہے، اس معاوضہ کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟ کیا کسی جہت و توجیہ سے اس کی گنجائش نکل سکتی ہے؟ جبکہ ”کریڈٹ لیٹر“ اس عہد کی ایک عام و مروج چیز بن گیا ہے۔

۱۳ - ایک تیسری صورت یہ بھی اختیار کی جاتی ہے کہ ایسے ادھار معاملہ کے مکمل کاغذات تیار کرائے جاتے ہیں، وقت مقررہ پر رقم ادا نہ کرنے کی صورت میں یا وقت سے پہلے رقم کو حاصل کرنے کے لئے اس دستاویز کی خرید و فروخت بھی رائج ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ دستاویز کی خرید و فروخت میں اس کے اندر تحریر کردہ قیمت و مالیت سے کم پر معاملہ کیا جاتا ہے۔

۱۴ - ادھار خرید و فروخت کے معاملہ میں یہ صورت بہت اہم ہے کہ بائع طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے پہلے اس شرط پر مانگتا ہے کہ اس کا ایک حصہ ہم تم کو معاف کر دیں گے، اس کے لئے اصطلاحی تعبیر (صنع و تعجل) کی استعمال ہوتی ہے معلوم ہے کہ طے شدہ رقم کو مقررہ مدت سے آگے بڑھانے پر زیادتی کا مطالبہ ناجائز ہے، اس لئے کہ ربوا ہے، تو اس کمی کو کیا حیثیت دی جائے گی۔

۱۵ - اگر معاملہ ادھار کیا گیا، مگر قیمت کے لئے صرف یہ طے ہوا کہ بعد میں دے دیں گے اور اس کے لئے وقت طے نہیں کیا گیا، اور اس صورت میں مذکورہ بالا شکل اختیار کی جائے کہ رقم کو کم کر کے نقد و فوری لین دین ہو جائے تو کیا حکم ہوگا؟

۱۶ - طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا اور فوری طور پر ماہی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کیا حکم رکھتا ہے؟

۱۷ - بیع بالتقسیت کے مسائل میں ایک نہایت ہی اہم مسئلہ یہ ہے کہ مقررہ وقت سے پہلے اگر فریقین (دائن و مدیون) میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ معاملہ اب بھی اسی تفصیل کے ساتھ باقی رہے گا جو طے شدہ تھا یا اس معاملہ کی نوعیت میں فرق آ جائے گا؟

۱۸ - آج کل یہ بات بھی رواج میں آچکی ہے کہ ایسے دکاندار (جو کہ بالاقساط خرید و فروخت کا کاروبار کرتے ہیں) ہر قسط کی ادائیگی کے وقت پر یا ماہ ب ماہ اور چھ ماہ و سال بھر اس مدت پر انعام دینے کا نظام بناتے ہیں، اس کے لئے وہ پہلے سے اعلان کرتے ہیں، اور فرقہ

اندازی کے ذریعہ کسی ایک خریدار یا چند خریداروں کو انعام دیتے ہیں، بیع بالتقسیط کے ساتھ اس نظام کو جوڑنے اور اس سے مستفید ہونے کا کیا حکم ہے؟ یہ تمارو ربو امیں داخل ہے یا نہیں؟

۱۹ - اسی طرح یہ بھی رواج پارہا ہے کہ تمام خریداروں کے ایک متعین مدت پر ایک سامان دینے کے لئے بالاقساط قیمت جمع کرائی جائے، اور ہر قسط کا ایک وقت مقرر رہو، جس کے ادا کرنے کے بعد قرضہ اندازی کی جائے، اور جس خریدار کا نام نکل آئے اس کو وہ سامان نقد دے دیا جائے اور پھر اس سے مزید کسی قسط کا مطالبہ نہ کیا جائے، بلکہ اس کی ادا کردہ قسط کو کافی سمجھا جائے، خواہ وہ ایک ہو یا مزید اور بقیہ لوگ اپنی اقساط جمع کرتے رہیں، اور اس طرح ہر مرتبہ کی قرضہ اندازی سے ایک آدمی جس کا نام قرضہ اندازہ میں نکلا ہے مال حاصل کر کے معاملہ سے الگ اور باہر ہو جائے اس معاملہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

فتسوں پر خرید و فروخت کے شرعی احکام

منفق احمد درالقاسمی ☆

۱- نقد خرید و فروخت کے مقابلہ ادھانر و ننگی میں سامان کی قیمت زیادہ لیما جائز ہے یا نہیں؟

تمام مقالہ نگار حضرات اس بابت ہم خیال اور متفق ہیں کہ نقد کے مقابلہ ادھانر و فروخت میں قیمت کا اضافہ جائز و درست ہے۔

مجوزین نے زیادہ تر محدثین اور فقہاء کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے جواز پر استدلال کیا ہے:

”عن ابي هريرة قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة..... وقال ابو عيسى: حديث ابي هريرة حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على إحدى البيعتين، فإذا فارقه على إحداهما فلا بأس إذا كانت العقدة على واحدة منهما“ (جامع الترمذی مع اشرح لابن العربی المالکی ۲۳۹/۵-۲۴۰)۔

”وقالت الشافعية والحنفية و زيد بن علي والمؤيد بالله والجمهور:

أنه يجوز لعموم الأدلة القاضية بجوازه، وهو الظاهر؛ لأن ذلك المتمسك هو الرواية الأولى من حديث أبي هريرة (نيل الأوطار للشوكاني ۵/۱۵۲)۔

البتہ مولانا ٹمس پیرزادہ اور حکیم ظل الرحمن صاحبان اسے غیر درست قرار دیتے ہیں، ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ یہ سودی کاروبار کے محض حیلے ہیں اور اس کے پس پشت سودی ذہنیت ہی کارفرما ہے، اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہے۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت ضروری ہے یا قسط و اراداً کرنے کی بھی گنجائش ہے؟
تمام مقالہ نگار حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ ادھار قیمت کا چند اقساط میں ادا کرنا جائز و مباح ہے، البتہ ٹمس پیرزادہ صاحب نے اسے بھی ناجائز کہا ہے، جواز کے لئے مجوزین نے درج ذیل عبارات سے استدلال کیا ہے:

”من باع سلعة بثمن على أن تعطيني كل يوم درهما و كل يومين درهمين“ (منحة الخالق علی البحر ۵/۲۸۰، خانیہ مع اہندیۃ ۲/۲۶۹) ”و من كانت عليه دنایر منجمۃ أو دراهم، فأراد أن يقبضها جملة فذلك له“ (حوالہ سابق)۔

”وفی الملتقط: علیه ألف ثمن جعله الطالب نجوما إن أخل بنجم حل الباقي، فالأمر كما شرط“ (البحر الرائق ۲/۲۸۰)۔

۳- قسط و ار خرید فروخت میں کیا یہ ضروری ہے کہ صرف ادھار ہی قیمت کا تذکرہ کیا جائے یا نقد و ادھار دونوں کے بتانے کی گنجائش ہے؟

بیشتر حضرات کی رائے میں مشتری کو دونوں قیمتوں کے بتانے کا اختیار ہے، البتہ معاملہ کی صحت کے لئے کسی ایک قیمت کی تعیین پر معاملہ کا اختتام اور بائع و مشتری کا اتفاق ضروری ہے۔

”عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة، وفي رواية عن صفقتين في صفقة، وعن شرطين في بيع۔“

والعمل علی هذا عند أهل العلم قالوا: بیعتین فی بیعة أن یقول:
أبیعک هذا الثوب بنقد بعشرة و بنسیئة بعشرين ولا یفارقه علی إحدى
البعیتین، فإذا فارقہ علی إحداهما فلا بأس إذا كانت العقدة علی واحدة
منهما“ (الجامع الصحیح للترمذی مع الشرح لابن العربی ۲۳۹/۵-۲۴۰)۔

البتہ مولانا ابو سفیان مفتاحی، مولانا عبد العظیم اصلاحی اور مفتی عبد الرحیم
قاسمی (بھوپال) نے مذکورہ صورت کے عدم جواز کی رائے دی ہے اور درج ذیل فقہی جزیئہ سے
استدلال کیا ہے:

”رجل باع علی أنه بالنقد بکنا، و بالنسیئة بکنا، و إلى شهر بکنا،
و إلى شهرین بکنا، لم یجز“ (فتاویٰ عالمگیری ۳/۱۳۶)۔

۴- اوصاف و ختگی کی صورت میں نقد و ختگی کے مقابلے سامان کی قیمت زیادہ کرنا ربوا کے
 دائرے میں آتا ہے یا نہیں؟

اکثر مقالہ نگار حضرات نے اوصاف و خت میں قیمت کی زیادتی کو سامان کی اصل طے
شدہ قیمت پر اردیا ہے اور ربا کی نفی کی ہے۔

”وقالت الشافعية والحنفية و زید بن علی و المؤید بالله و الجمهور:
أنه یجوز لعموم الأدلة القاضية بجوازه وهو الظاهر؛ لأن ذلك المتمسک
هو الروایة الأولى“ (نیل الاوطار للشوکانی ۵/۱۵۲)۔

”قال مالک: أيضا فیمن اشتری سلعة بأجل فباعها مرابحة : أنه لا
یجوز حتی یعلم بالأجل“ (بدائع الصنائع ۵/۲۲۳)۔

البتہ مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے اس زیادتی کو سود اور ربو پر اردیا ہے۔

۵- اوصاف و ختگی کی صورت اس طرح ہو کہ ۶ ماہ میں چھ قسطوں میں ادا کرنے کی
صورت میں مال کی قیمت گیارہ ہزار روپے اور ایک سال میں بارہ قسطوں میں ادا کیگی کی صورت

میں بارہ ہزار ہو اور متعاقدین ایک صورت طے کر لیں تو معاملہ کی یہ شکل درست ہے یا نہیں؟
اکثر مقالہ نگاروں نے اس صورت کے جواز کو راجح سمجھا ہے اور درج ذیل عبارات
سے استدلال کیا ہے:

”و کذا اذا قال: بعتك هذا العبد بألف درهم إلى سنة أو بألف و
خمس مائة إلى سنتين، لأن الثمن مجهول، وقيل: هو الشرطان في البيع-
وقد روی أن رسول الله ﷺ نهى عن شرطین فی البیع، فإذا علم و رضی به
جاز البیع؛ لأن المانع من الجواز هو الجهالة عند العقد، و قد زالت فی
المجلس“ (بدائع الصنائع)۔

حکیم ظل الرحمن، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شمس پیرزادہ اور مولانا عبد العظیم
اصلاحی نے زیادتی کو راجح قرار دیتے ہوئے ناجائز کہا ہے۔

۶- متعین مدت میں قیمت یا قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید رقم کا مطالبہ شرعاً کیسا
ہے؟

مسئلہ بالا کی بابت جملہ مقالہ نگار ہم خیال اور متفق ہیں کہ متعین قسط پر کسی قسم کی زیادتی کا
مطالبہ ناجائز اور سود میں داخل ہے، یہ اضافہ خواہ متعین رقم ہو یا شرح و فیصد کے حساب سے ہو۔
البتہ حکیم ظل الرحمن اور مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب نے مذکورہ صورت کو ادھار
قیمت میں زیادتی کے ساتھ فرحت کا معاملہ قرار دیتے ہوئے مباح قرار دیا ہے۔

۷- ادھار فرحتگی میں ادھار قیمت طے کی گئی اور مدت بھی طے ہوگئی، لیکن یہ شرط لگائی گئی
کہ متعین مدت میں عدم ادائیگی کی صورت میں مزید رقم ادا کرنی ہوگی، معاملہ کی یہ صورت شرعاً
جائز ہے یا نہیں؟ اس مزید رقم کو جرمانہ اور مالی تاوان قرار دیا جائے گا یا کچھ اور؟

اکثر حضرات اس پر متفق ہیں کہ یہ زیادتی ناجائز ہے اور یہ مزید رقم مالی تاوان نہیں، بلکہ

سود اور ربا ہے۔

”عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا“ (سنن الكبرى للبيهقي ۵/۳۵۰)۔

”وكان ربا الجاهلية في الديون أن يكون للرجل على الرجل الدين، فإذا حل قال له: أتقضي أم تری؟ فإن قضاؤه أخذه وإلا زاده في الأجل“ (المدونة الكبرى ۵/۱۸)۔

جبکہ حکیم ظل الرحمن، محمد امیر ارخاں ندوی اور سلطان احمد اصلاحی نے اس زیادتی کو مباح قرار دیا ہے۔

۸- مال مرہون سے مرتھن کا کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

اکثر مقالہ نگاروں نے اس بات پر اتفاق ظاہر کیا ہے کہ مال مرہون سے مرتھن کے لئے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔

”عن النبي ﷺ إذا قرض أحدكم قرضا فاهدى له أو حملة على المأبأة، فلا يركبها ولا يقبله إلا أن يكون برى بينه وبينه قبل ذلك“ (سنن ابن ماجه باب القرض ۱۷۷)۔

”وفي الاشباه: كل قرض جر نفعا حرام“ (الدر المختار مع الشامی ۲/۱۷۴)۔
 ”اجمع أهل العلم أن نفقة الرهن على الراهن لا على المرتهن، وأن ليس للمرتهن استعمال الرهن“ (شرح معانی لآثار ۲/۲۵۲)۔

”عن النبي ﷺ الرهن من الراهن له غنمه و عليه غرمه و منافعه من غنمه“ (المغنی ۲/۱۳۷)۔

ابن مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد جمال اکبر، مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحبان کے نزدیک مرتھن کو انتفاع کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتی ہے: ۱۔ یہ کہ عقد معاملہ کے وقت انتفاع کی شرط نہ لگائی ہو، ۲۔ بعد میں راہن نے اس کی اجازت دے دی ہو۔

اور شیخ و بیہ زحیلی کا خیال ہے کہ اگر رہن عقد بیع سے متعلق ہے تو مالکیہ اور حنفیہ کے مسلک کے مطابق اجازت کے ساتھ انتفاع درست ہے، مگر وہ انتفاع عثمین کا جز شمار ہوگا، اور اگر رہن کا معاملہ قرض کی وجہ سے ہے تو بااجازت بھی انتفاع جائز نہیں، کیونکہ یہ روح شریعت سے میل نہیں کھاتا۔

(ب): مال مرہون اگر بائع (مرتھن) کے قبضہ سے ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات باہم متفق نظر آتے ہیں کہ بائع کے قبضہ میں سامان کا ہونا بجائے خود قبضہ ضمان ہے، لہذا اگر اس سامان کی ہلاکت میں بائع (مرتھن) کی تعدی کا دخل ہے اور اس کی عدم توجہی اور لاپرواہی سے مال مرہون ہلاک ہوا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ اور متعدد حضرات نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ ہلاکت میں دین اور سامان کی قیمت برابر ہو تو معاملہ مساوی ہوگا اور اگر رہن زائد اور سامان کی قیمت کم ہو تو بائع مشتری سے بقیہ وصول کرے گا اور اگر اس کے برعکس ہو تو زائد کا بائع ائین ہوگا جسے مشتری کو لوٹانا ضروری ہوگا، فقہاء لکھتے ہیں:

”وإذا هلك الرهن في يد المرتهن أو يد العامل ينظر إلى قيمته يوم القبض وإلى الدين، فإن كانت قيمته مثل الدين سقط الدين بهلاكه، وإن كانت قيمته أكثر سقط الدين، وهو في الفضل أمين، وإن كانت قيمته أقل من الدين سقط من الدين قدر قيمة الرهن ويرجع المرتهن على الراهن بفضل الدين“ (الفتاویٰ اہند یہ ۵/۲۴۷، الکافی لابن قدامہ ۳/۱۳۵)۔

البتہ مولانا عبد الرشید قاسمی نے اپنے مقالہ میں اس کی وضاحت کی ہے کہ اگر دین اور سامان کی قیمت برابر ہو تو معاملہ مساوی ہو جائے گا اور اگر سامان کی قیمت زائد ہو تو چونکہ وہ زائد کا ائین ہے اس لئے اس کے بقدر ضمان بھی ساقط ہو جائے گا۔

وقت مقررہ پر خریدار کی جانب سے قیمت ادا نہ کرنے اور مال منول کرنے کی صورت میں فروخت کنندہ مال مرہون سے اپنی واجب رقم کس طرح وصول کرے؟ اس بابت مقالہ نگار حضرات کے دو نقاط نظر ہیں:

پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ مال مرہون کو فروخت کر کے بائع اپنی واجب رقم وصول کرے گا، یہ اکثر حضرات کی رائے ہے۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ مال مرہون کو قاضی کے حوالہ کر دے گا اور قاضی اسے فروخت کر کے رقم بائع کو دے گا، اس نقطہ نظر کے حاملین میں درج ذیل اشخاص ہیں:

مولانا عبداللہ تاقی، مولانا حبیب الرحمن تاقی (امارت شرعیہ)۔

مولانا محمد جمال اکبر اور مولانا محمد اقبال تاقی صاحب کی رائے میں مشتری کی اجازت سے بائع مال مرہون کو فروخت کر سکتا ہے اور مولانا خورشید احمد اعظمی کے نزدیک مشتری کو بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔

جبکہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبدالجلیل تاقی اور احمد تاقی صاحبان نے بائع کے مال منول کی صورت سے بچنے کے لئے یہ تجویز پیش کی ہے کہ معاملہ کرتے وقت ہی بائع اور مشتری کسی تیسرے شخص کو تراخی طرفین اس بات کا وکیل بنا دیں کہ اگر وقت پر رقم ادا نہ کی گئی یا بائع غائب ہو گیا تو وکیل سامان (مرہون) کو بیچ کر رقم ادا کرے گا۔

”فان وکل الراهن المرتہن أو العمل أو غیرہما بیعہ عند حلول المدین صحیح؛ لأن الراهن مالک فله أن یوکل من شاء من الأهل بیع مالہ مطلقاً ومنجزاً“ (المحررات ۸/۲۵۶، رد المحتار ۴/۳۲۳، تاضی خاں مع الہندیہ ۳/۶۰۶)۔

۹- کیا خرید کردہ سامان کو بائع اپنے پاس اس وقت تک روک سکتا ہے جب تک سامان کی مکمل قیمت یا چند اقساط جمع نہ ہو جائیں، اس صورت میں سامان کی دو چیزتیں ہو سکتی ہیں۔

(الف) رہن بنانے کی (ب) ”جس البیع لاستیفاء الثمن“ کی

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اس سوال کی پہلی شق (الف) کا ذکر کرتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ اس فروخت کردہ سامان کو مشتری کے بغیر قبضہ کئے ہوئے رہن قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، البتہ مشتری اس پر قابض و ذلیل ہونے کے بعد (خواہ قبضہ حسی ہو یا حکمی) بائع کے پاس رکھ کر اسے رہن بنا سکتا ہے۔

(ب) تقریباً تمام ہی مقالہ نگاروں نے اس بات پر اتفاق رائے ظاہر کیا ہے کہ قیمت کی وصولی کے لئے فروخت شدہ سامان کا روکنا نقد خرید فروخت میں جائز ہے، ادھار معاملہ کی صورت میں بیع کا روکنا جائز نہیں ہے، لہذا ”بیع بالتقسیط“ بھی چونکہ ادھار خرید فروخت کی فی زمانہ جدید شکل ہے اس لئے اس میں بیع کا روکنا درست نہیں ہوگا۔

”قال أصحابنا: للبائع حق حبس البیع لا استيفاء الثمن إذا كان حالاً كذا في المحيط، وإن كان مؤجلاً فليس للبائع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا بعده“ (الفتاویٰ الہندیہ ۱۵/۳)۔

البتہ مولانا محمد ابراہیم فلاحی صاحب نے مطلقاً ”حبس المبيع لاستيفاء الثمن“ کی اجازت کا رجحان ظاہر کیا ہے۔

۱۰- متعین مدت میں تمام اقساط کی عدم ادائیگی کی صورت میں اداشدہ قسط کی منسوخی کا کیا حکم ہوگا؟

تمام ہی مقالہ نگار حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قسطوں پر اشیاء کی خرید فروخت میں طے شدہ مدت تک اقساط ادا نہ کرنے پر اداشدہ قسط مشتری کو واپس نہ کرنا اور اسے سوخت کرنا درست نہیں ہے اور مشتری کو رقم یا سامان واپس نہ کرنا دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے ہڑپ کرنا ہے اور غصب کرنا ہے۔

يأبىها الذين آمنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منكم“ (سورہ نساء: ۲۹)۔

”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع العريان“ (سنن ابی داؤد ۳۳۳۳/۲۸۳)۔

البتہ مولانا محمد نور صاحب قاسمی نے مذکورہ صورت کو بیع عربون پر قیاس کرتے ہوئے اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کا قول اختیار کیا ہے اور اسے جائز قرار دیا ہے۔

۱۱۔ ایسے فروخت کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس اور اس کے استعمال میں رکھ کر رہن قرار دیا جاسکتا ہے جس میں فروخت و تصرف کا حق صرف بائع ہی کو ہو؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نویس ہم خیال و متفق ہیں کہ خرید کردہ شئی کو مشتری کے استعمال میں دے کر اسے رہن قرار دینا درست نہیں ہے، الا یہ کہ مشتری بیع پر قبضہ کرے اور بیع کو بائع کے سپرد کرے اور پھر بائع اسے مشتری کو عاریتہ دے دے تو یہ صورت درست ہوگی۔ مختلف حضرات نے درج ذیل فقہی جزییات نقل کی ہیں:

”ولو تعاقدنا علی أن یکون الرهن فی ید صاحبه لا یجوز الرهن، وکذا إذا قبضه المرتهن أو العدل ثم تراخیا علی أن یکون فی ید الراهن جاز“۔
 ”وإذا اعار المرتهن الرهن للراهن لیخدمه أو لیعمل له عملاً فقبضه خرج من ضمان المرتهن لمنافاة بین ید العاریة وید المرتهن، فإن هلك فی ید الراهن هلك بغير شئی لفوات القبض المضمون، وللمرتهن أن یسترجه الی یده؛ لأن عقد الرهن باق“ (ہدایہ ۴/۵۳۰)۔

البتہ مولانا محمد نور صاحب قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا عزیز الرحمن وغیرہم نے اسے سہ سے رہن نہ مانتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے۔

”ولا یصح أن یکون وکیلہ هو الراهن؛ لأن المقصود من القبض تأمین المرتهن، ولا یتم القبض مع بقاء الرهن فی ید الراهن“ (الفقه الاسلامی وادلتہ ۲۱۶/۵)۔

۱۲ - کریڈٹ لیٹر اور ضمانت وغیرہ پر اجرت لیما رائج ہے اس معاوضہ کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟ کیا کسی جہت و توجیہ سے اس کی گنجائش نکل سکتی ہے؟

اس مسئلہ میں زیادہ تر مقالہ نویس حضرات نے یہ تحریر کیا ہے کہ کفالتہ و گارنٹی پر معاوضہ لیما درست نہیں، البتہ موجودہ زمانہ کے تقاضہ اور جذبہ احسان کی قلت کے پیش نظر اجرت لیما مباح ہے۔

”جواز دفع الاجرة للضرورة أو الحاجة العامة لما يترتب على عدم المدفع من تعطيل المصالح... وأساس القول بالجواز فيه أن الفقهاء أجازوا دفع الأجر للحاجة لأداء القربات والطاعات من تعليم القرآن وممارسة الشعائر الدينية كما أنهم أجازوا دفع شئ من المال على سبيل الرشوة للوصول إلى الحق أو دفع الظلم“ (الفقه الاسلامي وادلتہ ۱۶۱/۵)۔

جبکہ مولانا محمد عمر بن یوسف فلاحي، مفتی عبد الرحیم قاسمی (بھوپال) اور مولانا عزیز الرحمن صاحبان نے کریڈٹ اور ضمانت پر اجرت کو بہر صورت ناجائز قرار دیا ہے۔

۱۳ - دستاویز کی خرید و فروخت کا شرعی حکم کیا ہے؟

اس بابت اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس بات پر اتفاق ظاہر کیا ہے کہ دستاویزات کی بیع، بیع الدین مع غیر من علیہ الدین کی قبیل سے ہے جو شرعاً ناجائز ہے، البتہ اس صورت کے جواز کے لئے اکثر حضرات نے اس حیلہ کی تجویز پیش کی ہے کہ حامل دستاویز بینک کو مشتری سے رقم وصول کرنے کا وکیل بنا دے اور از سر نو معاہدہ کر کے دستاویز پر درج شدہ رقم کے بقدر بینک سے قرض لے لے اور بینک کو اختیار دیدے کہ جب مشتری کے اس دستاویز کے عوض رقم وصول ہو جائے تو اس رقم سے اپنا قرض وصول کر لے تو یہ صورت جائز ہو سکتی ہے۔

البتہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا انیس الرحمن قاسمی، مولانا عامر حسین ندوی، مولانا محمد جمال اکبر، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابرار الحق قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی،

مفتی محبوب علی و جیبی، حکیم ظل الرحمن، مولانا اختر حسین رضوی، مولانا اختر امام عادل، مولانا فضل الرحمن تاسمی، مولانا اختر ضیاء تاسمی، مولانا محمد عمر بن یوسف فلاحی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا محمد نور القاسمی اور محمد ابراہم رضا ندوی نے ذکر کردہ صورت میں دستاویز کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

”والتعامل بالأسهم جائز شرعا أما التعامل بالسندات فحرام لا شتمالها على الفائدة الربوية“ (الفقه الاسلامی وادلتہ ۲/۷۷۴)۔

”ويشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحدا جنسا وإن اختلفا جودة وصياغة“ (الرد المحتار ۴/۲۶۱)۔

۱۵، ۱۴- بیع بالتقسیط میں مقررہ وقت سے پہلے سامان کی قیمت وصول کرنے کے لئے متعین رقم سے کچھ کمی کر کے فوراً ماٹھی وصول کرنے کا کیا حکم ہے؟ جسے اصطلاحی تعبیر میں ”ضع تعجل“ کہا جاتا ہے۔

اس بابت مقالہ نگار حضرات کی دورائیں ہیں۔

۱- یہ کہ اگر کمی تبرعاً بائع کی طرف سے ہو تو جائز ہے، یہ رائے اکثر حضرات کی ہے، اس کے حاملین نے عام طور پر حدیث ابن عباس سے استدلال کیا ہے۔

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما أمر بإخراج بنی نضیر جاء ۵ ناس منهم فقالوا: یا نبی اللہ! إنک أمرت بإخراجنا، ولنا علی الناس دیون لم تحل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ضعوا وتعجلوا“ (فقہ السنۃ ۳/۱۶۷)۔

۲- یہ ہے کہ ”ضع تعجل“ جائز نہیں ہے، اس رائے کے اپنانے والوں میں درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبداللہ تاسمی (سہارنپور) مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبداللطیف مظاہری، مولانا سید عقیل احمد

قاسمی، مولانا اختر حسین رضوی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا جمال اکبر، مولانا محمد عمر فلاحی اور مولانا محمد جنید احمد فلاحی، ان حضرات نے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

”عن ابن المسینب ابن عمر قال، من كان له حق على رجل إلى أجل معلوم فتنعجل بعضه وترك له بعضه فهو ربا، قال معمر: ولا أعلم أحدا قبلنا الا وهو يكره“ (مصنف ابن ابی شیبہ)۔

البتہ شیخ وہبہ زحیلی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری اور مولانا محمد ابو بکر قاسمی مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، نے دین کی ادائیگی کے لئے اگر کوئی ادھار مدت طے ہو (جیسا کہ بیع بالتقسیط میں ہوتا ہے) تو وضع تعجل کی صورت کو ناجائز قرار دیا ہے اور اگر دین کی ادائیگی کی کوئی مدت طے نہ ہو (دین حال ہو) تو جائز و درست ہے۔

۱۶ - طے شدہ قسطوں میں کسی قسط کی تاخیر پر مہلت ختم کر کے فوری طور پر جملہ قیمت کا مطالبہ کیا حکم رکھتا ہے؟

اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ متعین مدت تک دین یا قسط کی عدم ادائیگی پر بائع کو مہلت ختم کر کے فوری ماہی کے مطالبہ کا حق ہوگا، زیادہ تر ان حضرات نے ذیل میں ذکر کردہ عبارت پیش کی ہے۔

”ان المشتري إذا لم يؤد قسطا من الثمن في موعده المحدد، فإن بقية الأقساط تصير حالة ويجوز للبائع أن يطالب بها في الحال“ (مجموعہ فقہیہ معاصرہ)۔

جبکہ مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا محمد ایوب ندوی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا انور علی اعظمی اور مولانا نور القاسمی، صاحبان نے مہلت باقی رکھنے اور بائع کو فوری مطالبہ نہ کرنے کی رائے دی ہے اور سنن دارقطنی کی روایت سے استدلال کیا ہے:

”عن كثير بن عبد الله المزني عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ إِلَّا شَرَطَا حَرَمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا“ (السنن
الكبرى للبيهقي، ایضاً دارقطنی)۔

۱۷۔ ”بیع بالتقسیت“ میں یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے کہ دین کی ادائیگی کے لئے مقررہ وقت سے پہلے اگر فریقین میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو معاملہ اب بھی علیٰ حالہ رہے گا جو طے تھا یا اس میں کوئی فرق آجائے گا؟

زیادہ تر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ دائن کی موت سے ادھار مدت اپنی جگہ برقرار رہے گی، اور مشتری کی موت سے ادھار مدت باطل ہو کر فوری میں تبدیل ہو جائے گی اور دائن کا حق ہوگا کہ مشتری کے ورثہ سے اپنے دین کا مطالبہ کرے، مختلف حضرات نے درج ذیل فقہی عبارت پیش کی ہے: ”و بموت البائع لا يحل الثمن المؤجل و بموت المشتري يحل الخ“ (الفتاویٰ ر)۔

جبکہ شیخ وہبہ زحیلی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبداللطیف مظاہری، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا سید عقیل احمد قاسمی، مولانا محمد جمال اکبر صاحبان نے مختلف وجوہات کے پیش نظر امام احمد بن حنبل کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے علیٰ حالہ مدت باقی رہنے کی رائے دی ہے، امام موصوف کا قول ہے:

”لا تحل إذا وثق الورثة وهو قول ابن سيرين و عبد الله بن الحسن و أبي عبيد و اسحاق“ (المغنی)۔

۱۸۔ بیع بالتقسیت میں قمر اندازی کے ذریعہ انعام دینے اور بیع بالتقسیت کے ساتھ انعام کو جوڑنے اور اس سے مستفید ہونے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ قمار و جو میں داخل ہے؟

اس بابت مقالہ نویسوں کی دو رائیں ہیں: کچھ حضرات کے نزدیک اس انعام سے مستفید ہونا جائز و درست ہے، اور یہ قمار و جو میں داخل نہیں ہے۔

دلائل: ”وصح التصرف في الثمن قبل قبضه والزيادة فيه والحط منه والزيادة في المبيع“ (البحر الرائق)۔

ابنہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا احمد اور القاسمی صاحبان نے موجودہ حالات کے پیش نظر چونکہ اسے اس لئے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس کے پس پشت تماری ذہن کا فرما ہے۔
 ”والاصح عندهم صحة البيع مع الإثم وهو قول الحنفية“ (عمدة القاری)۔

ابنہ مولانا عبید اللہ سعیدی، مولانا اخلاق الرحمن، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا جمال اکبر، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ایوب، حکیم ظل الرحمن، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اختر حسین، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد الاعظمی اور مولانا انور علی صاحبان نے مذکورہ صورت کو ناجائز اور قمار و ربا کی قسم قرار دیا ہے۔

۱۹ - تمام خریداروں کو متعین مدت پر سامان دینے کے لئے بلا قسط قیمتیں جمع کرائی جائیں جس میں ہر قسط کا وقت بھی مقرر ہو، ابنتہ سامان مشتری کو دینے کے لئے قسط اندازی کی شکل اختیار کی جائے اور کسی خریدار کا نام نکلنے پر اس کی جمع کی ہوئی قسط ہی کافی سمجھی جائے اور سامان دے دیا جائے تو شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہوگا؟

اس مسئلہ میں مقالہ نگاروں کی دو رائیں ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ قسط وار خرید و فروخت میں اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً ناجائز اور ربا و قمار میں داخل ہے۔

بیشتر حضرات نے یہی رائے اختیار کی ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ قسط وار خرید و فروخت میں اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے اور یہ ربا و قمار کے دائرہ میں داخل نہیں ہے۔

درج ذیل حضرات نے یہ رائے اختیار کی ہے۔

.....
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، شیخ و بہہ الزحیلی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اختر امام
عادل، مولانا ابرار الحق قاسمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبداللطیف
مظاہری، مولانا اختر حسین رضوی، مولانا عبدالفتاح عادل، مولانا فضل الرحمن افضل، مولانا اختر
ضیاء قاسمی، مولانا محمد عمر بن یوسف، مولانا جنید احمد فلاحی۔

اور درج ذیل عبارت پیش کی ہے:

”إذا قال بعتك شاة من هذا القطيع، فالبيع فاسد، فإن عين البائع شاة
وسلمه اليه و رضی به جاز“ (بدائع الصنائع)۔

☆☆☆

جدید فقیہی تحقیقات

دوسرا باب
تفصیلی مقالات

ادھار اور بالاقساط خرید و فروخت چند اہم مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

عہد جدید نے جو شرعی اور فقہی مسائل پیدا کئے ہیں وہ زیادہ تر خرید و فروخت سے متعلق ہیں اور ان میں ایک اہم مسئلہ قسط وار قیمت کی ادائیگی پر خرید و فروخت ہے، نہ صرف افراد و اشخاص اس طریقہ کو اختیار کرتے ہیں، بلکہ بہت سے مالیاتی ادارے بھی اس طریقہ کار سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جو مالیاتی ادارے اسلامی بنیاد پر سرمایہ کاری کرتے ہیں، ان کے یہاں نفع کے لئے ایک محفوظ اور جائز راستہ ”بیج مراہمہ“ کا ہے، اور مراہمہ کی یہ صورت گاہوں کے لئے زیادہ پرکشش اور قابل قبول ہوتی ہے کہ ان کو بالاقساط قیمت کی ادائیگی کی سہولت دی جائے۔

سوالنامے میں دو باتیں نہایت اہمیت کی حامل ہیں: اول یہ کہ کن صورتوں میں ربایا شبہ ربا کا تحقق ہو رہا ہے؟ کیونکہ ربا کا پایا جانا بجائے خود اس معاملہ کی حرمت اور نادرستی کے لئے کافی ہے، گو اس میں فریقین کی رضامندی موجود ہو، دوسرے یہ کہ کن صورتوں میں ایسی جہالت، عدم تعین اور ابہام پایا جا رہا ہے جو امکانی طور پر باعث نزاع بن سکتا ہے کہ اس درجہ کا ابہام شرعاً معاملہ کو فاسد کر دیتا ہے، ہاں اگر معمولی درجہ کا ابہام ہو جو عام طور پر باعث نزاع نہیں ہوا کرتا تو کچھ حرج نہیں، اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی ابہام کے قابل برداشت اور ناقابل برداشت ہونے میں عرف و رواج کو بھی خاص دخل ہے، اس لئے اگر معاملہ کی کوئی خاص صورت

مروج ہو جائے اور اس میں ایک ایہام موجود ہو تو وہ بھی جائز و درست ہوگی۔
اسی پس منظر میں ان مسائل پر غور کرنا مناسب ہوگا۔

۱، ۴- ادھار میں نقد سے زیادہ قیمت:

نقد کے مقابلہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت رکھنا درست ہے، چونکہ یہ فقہ کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے، اس لئے فقہاء نے اصالتاً اس جزئیہ کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی، لیکن ان کے یہاں اس بابت واضح اشارات موجود ہیں، ملک العلماء علامہ کاسانی کا بیان ہے:

”لا مساواة بين النقد والنسيئة؛ لأن العين خير من الدين، والمعجل أكثر قيمة من المؤجل“ (بداية المجتهد، ۱۸۷/۵)۔

اسی لئے فقہاء نے بیع مراحمہ (نفع کے ساتھ فروخت) میں اس بات کو ضروری قرار دیا ہے کہ فروخت کرنے والے کو اپنی قیمت خرید بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر کرنا چاہئے کہ اس نے نقد قیمت ادا کر کے خرید اٹھایا ادھار؟ کیونکہ نقد اور ادھار قیمت میں فرق ہوا کرتا ہے۔ کاسانی کہتے ہیں:

”لو اشترى شيئاً نسيئة لم يبعه مرابحة حتى يبين؛ لأن للأجل شبهة المبيع، وإن لم يكن جميعاً حقيقة؛ لأنه مرغوب فيه ألا ترى أن الثمن قد يزداد لمكان الأجل“ (بداية المجتهد، ۲۲۳/۵)۔

ابن رشد مالکی رقمطراز ہیں:

”قال مالك: أيضا فيمن اشترى سلعة بأجل فباعها مرابحة: إنه لا يجوز حتى يعلم بالأجل“ (بداية المجتهد، ۲۱۵/۲)۔

فقہاء شافعیہ میں رافعی کا بیان ہے:

”إذا اشتراه بضمن مؤجل وجب الإخبار عنه للفتاوت الظاهر بين المعجل والمؤجل في المالية“ (فتح العزيز على ما مش المجموع، ۱۲/۵)۔ اور ابن قدامہ حنبلی لکھتے

ہیں: ”وإن اشترى شيئاً بشمن مؤجل لم يجز بيعه مباحة حتى يبين ذلك“ (یعنی ۱۳۲/۳)۔

فقہاء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ نقد اور ادھار قیمت میں فرق ان حضرات کے یہاں ایک درست اور تسلیم شدہ حقیقت ہے، ادھار قیمت زیادہ مقرر کرنے کے بارے میں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ یہ سود ہے، کیونکہ سود ایسے اضافہ کا نام ہے جس میں ایک شے کا تبادلہ اپنی ہی جنس سے ہو اور دوسرے فریق کی طرف سے اس کا کوئی بدل نہ پایا جائے، یہاں سامان کا تبادلہ پیسے سے ہے نہ کہ ہم جنس سے، اس لئے یہ سود نہیں۔

۲- قیمت کی قسط و ارادائیگی:

ادھار قیمت قسط وار بھی ہو سکتی ہے اور ایک مشنت بھی، صرف اس قدر ضروری ہے کہ اجل (مدت ادائیگی) اور شمن (قیمت) اس درجہ متعین ہو جائے کہ نزاع کا اندیشہ نہ رہے، آج کل بالاقساط خرید و فروخت کا رواج جس درجہ بڑھ گیا ہے، غالباً گذشتہ ادوار میں اتنا زیادہ اس کا رواج نہیں تھا، پھر بھی فقہاء کے یہاں سنتوں میں قیمت کی ادائیگی کا ذکر ملتا ہے، شامی نے ایسے ہی ایک معاملہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

”ومن باع سلعة بشمن..... علی أن تعطينی کل یوم درهما، وکل یوم درهمین“ (صحیح الخلیلی البحر ۲۸۰/۵)۔

شامی نے اس طرح کے بعض اور معاملات کا ذکر بھی کیا ہے (حوالہ سابق ۲۸۱/۵)۔
خود امام شافعی رقم طراز ہیں:

”ومن كانت علیه دنانیر منجمة أو دراهم، فأراد أن يقبضها جملة فذلك له“ (مجموع الام ۳۳/۳)۔

غرض قسط وار قیمت میں خرید و فروخت شریعت کے عام اصول و قواعد کی روشنی میں بلاشبہ جائز ہے، اور بظاہر اس میں فقہاء کا اختلاف بھی نظر نہیں آتا۔

۵،۳- نقد و ادھار دو قیمتیں:

اگر نقد و ادھار دو الگ قیمتیں ذکر کی گئیں، اور اس مجلس میں ان دونوں میں سے ایک طریقہ پر معاملہ طے نہ پایا تو بیع درست نہ ہوگی، کیونکہ معاملہ کی نوعیت غیر متعین ہے، ہاں اگر اسی مجلس میں نقد و ادھار میں سے ایک صورت طے پاگئی تو پھر یہ صورت جائز ہے، علامہ کاسانی نے ایسے معاملہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

”فاذا علم ورضی به جاز البیع؛ لأن المانع من الجواز هو الجهالة عند العقد، وقد زالت في المجلس، وله حكم حالة العقد، فصار كأنه كان معلوما عند العقد“ (بدائع الصنائع ۵/۲۵۸)۔

یہی رائے فقہاء شوافع کی ہے، شوافع کے یہاں اگر کسی ایک قیمت کی تعیین نہیں ہوئی یا خریدار نے بیک وقت دونوں قیمتوں کو قبول کر لیا تب یہ معاملہ باطل ہوگا ورنہ نہیں، ”و تخصیص البطلان بقبوله علی الإبهام أو لقبولهما معا“ (حاشیہ شروانی و ابن قاسم علی تحفۃ المحتاج ۳/۲۹۳)۔ اسی رائے کے حامی فقہاء حنابلہ بھی نظر آتے ہیں، ابن قدامہ کے الفاظ ہیں:

”لابأس به أن يقول: أبيعك بالنقد كذا وبالنسيئة بكذا فيذهب إلى أحدهما“ (المغنی ۳/۱۶۱)۔

مالکیہ کے یہاں اس مسئلہ میں مزید وسعت ہے، ان حضرات کا خیال ہے کہ اگر اس مجلس میں نقد یا ادھار میں سے ایک پر معاملہ طے نہیں ہوا تب بھی یہ معاملہ درست ہو جائے گا، اور خریدار کو اختیار ہوگا کہ ان دونوں میں سے جس طریقہ پر چاہے قیمت ادا کرے۔ ”وجعله مالک من باب الخيار“ (بویۃ الجہد ۲/۱۵۳)۔

جو حکم نقد اور ادھار کی دو قیمتوں کا ہے وہی حکم دو مدتوں کے لئے دو قیمتوں کا ہے کہ اگر مجلس کے اندر ہی دو صورتوں میں سے ایک معاملہ کے لئے متعین ہوگئی تو درست ہے، کیونکہ کہ ثمن اور اجل میں جہالت باقی نہیں رہ گئی، اور اگر ایک صورت پر معاملہ متعین نہ ہو تو حنفیہ، شوافع اور

حنابلہ کے نزدیک بیع درست نہ ہوگی، مالکیہ کے نزدیک درست ہو جائے گی، اور شریک اور کو دونوں قیمتوں میں سے کسی بھی ایک کو اس سے متعلق مدت کے ساتھ قبول کرنے کا حق ہوگا۔

کاسانی کی جس عبارت کا اوپر حوالہ مذکور ہوا ہے وہ دراصل ایسے ہی معاملہ سے متعلق ہے (بدائع الصنائع ۲۵۸/۵)۔

۶، ۷- تاخیر پر زیادہ رقم کی وصولی:

اس طرح معاملہ کرنا کہ وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں دس کے بجائے بارہ روپے ادا کرنے ہوں گے، کھلا ہوا رہا ہے اور قطعاً جائز نہیں، اور اس کی حرمت پر تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں سود کی جو صورت زیادہ مروج تھی وہ یہی صورت تھی، بقول امام مالک:

”وكان ربا الجاهلية في الديون أن يكون للرجل على الرجل المدين، فإذا حل، قال له: أتقضي، أم تربي فإن قضاه أخذه وإلا زاده في الحق وزاده في الأجل“ (المدوین الکبریٰ ۱۸/۵)۔

اس سے قطع نظر کہ تعزیر بالمال (مالی جرمانہ) جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے بھی قطع نظر کہ تعزیر کی ولایت خود صاحب معاملہ کو حاصل ہے یا تاضی اور اولو الامر کو؟ اس صورت میں چونکہ ربا کی صورت پائی جا رہی ہے، اور ربا ہی نہیں، شبہ ربا سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اسی لئے فقہاء نے ان معاملات کو بھی ناجائز قرار دیا ہے جو بالواسطہ سود کا ذریعہ بنتے ہیں، اس لئے یہ صورت جائز نہیں۔

۸- مال مرہون سے نفع اٹھانا:

(الف) اصولی طور پر مال مرہون سے فز وخت کنندہ کا فائدہ اٹھانا درست نہیں، کیونکہ رہن سے جس (روک رکھنے) کا حق حاصل ہوتا ہے نہ کہ نفع اٹھانے کا حق ”یفید ملک الحبس لا ملک الانتفاع“ (بدائع ۱۳۶/۶)، البتہ فقہاء نے عام طور پر اس وقت مال مرہون

سے نفع اٹھانے کی اجازت دی ہے جب خود رہن رکھنے والے کی طرف سے اذن حاصل ہو، ابن نجیم لکھتے ہیں:

”لیس للمرتھن أن ینتفع بالمرهون إلا یاذن الراهن“ (المحرر الرائق ۲/۸۸۷)۔

اور امام نووی شافعی کا بیان ہے: ”فلیس للمرتھن أن یفعل ذلک بغیر إذن

الراهن“ (شرح مہذب ۱۳/۲۳۵)۔

مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں اس میں کسی قدر توسع ہے، امام مالک کا خیال ہے کہ رہن کے مکان اور زمین سے فائدہ اٹھانا اور معاملہ کے وقت اس انتفاع کی شرط لگانا جائز ہے، البتہ حیوانات اور ملبوسات میں جائز نہیں، ابن تیمون نے امام مالک کا مسلک اس طرح بیان کیا ہے:

”إذا باعه وارتھن رهنا واشترط منفعة الرهن إلى أجل قال مالک: لا

أرى به بأسا في الدور والأرضين، قال مالک: وأكره في الحيوانات

والثياب“ (المدونة الکبریٰ ۴/۱۶۳)۔

حنابلہ کے یہاں اس مسئلہ میں خاصی تفصیلات بھی ہیں اور معمول کے مطابق اقوال کی کثرت اور اختلاف بھی، حاصل یہ ہے کہ: (۱) رہن میں نفع اٹھانے کی شرط درست نہیں، بلکہ یہ شرط فاسد ہے، (۲) مال مرہون اخراجات کا متقاضی ہے، اور سواری کے لائق یا دودھ دینے والے جانور کی صورت ہو تو اس کے اخراجات پورا کرنا اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے، گورہن رکھنے والے نے اجازت نہ دی ہو، (۳) ایسی چیزیں جو جانور کی قبیل سے نہ ہوں جیسے مکانات وغیرہ ان سے نفع اٹھانا جائز نہیں، نہ بلا اجازت، اور نہ اس کی اجازت سے، ہاں مکان کا مروچہ کرایہ ادا کر کے رہن پر لینے والا خود اس میں قیام کر سکتا ہے (المغنی ۴/۲۵۱)۔

ان تفصیلات کے بعد عرض ہے کہ شریعت کے مزاج سے قریب تر رائے وہی معلوم

ہوتی ہے، جو امام احمد کی مکانات وغیرہ کے بارے میں ہے، اصولی طور پر مال مرہون کے مالک

کی اجازت سے بھی اس سے انتفاع جائز نہ ہونا چاہئے، کیونکہ یہ انتفاع ”کل قرض جر نفعاً

فہو دبا“ (جس قرض سے نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے) کا مصداق نظر آتا ہے، اور سود کا لینا دینا اجازت سے بھی درست نہیں۔

اس لئے مال رہن سے انتفاع کے سلسلے میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر فروخت کنندہ نے مال رہن سے استفادہ کی شرط نہیں لگائی تھی، پہلے اس شخص کا دوسرے خریداروں کے مال مرہون سے انتفاع معلوم و معروف نہ ہو اور اس خطے میں بھی مال مرہون سے انتفاع کا رواج اور چلن نہ ہو تب تو خریدار کی اجازت سے اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، اور اگر مذکورہ تینوں باتوں میں سے کوئی بات پائی جائے تو انتفاع جائز نہیں، کیونکہ لین دین کے معاملہ میں ایک فریق کی طرف سے ایسے اضافہ کو شرط کرنا جس کا وہ کوئی معاوضہ نہ ادا کر رہا ہو باہر ہے، اور فقہاء کے نزدیک معروف بھی مشروط ہی کے حکم میں ہے۔ ”المعروف عرفا كالمشروط شرعا“ چنانچہ علامہ ابن ہمام کا بیان ہے:

”و الغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاه لما أعطاه الدراهم، وهو بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع“ (فتح القدير ۷/۸۹)۔

مال رہن سے قیمت کی وصولی:

(ب) قیمت مال مرہون سے زیادہ ہو تو باقی ماندہ پیسے خریدار ادا کرے گا، قیمت مال مرہون کے برابر ہو تو دین ساقط ہو جائے گا، اگر مال مرہون کی قیمت زیادہ ہو تو بھی معاملہ برابر ہو جائے گا، اور فروخت کنندہ کو دین سے زائد پیسے نہیں ادا کرنے ہوں گے، اس لئے کہ وہ ایک درجہ میں امین بھی ہے (ہدایہ مع النسخ ۱۰/۱۳۵، ہندیہ ۵/۲۳۷)۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مال مرہون کی حیثیت امانت کی ہے، اگر صاحب دین کی زیادتی کے بغیر وہ مال ضائع ہو گیا، تو اس پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں ہوگی (شرح مہذب: ۱/۱۳۸، المغنی

البتہ مالکیہ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ جس چیز کی ہلاکت مخفی ہو کر تھی ہے جیسے سونا، چاندی وغیرہ، اس کا صاحب دین ضامن ہوگا، اور جس چیز کا ہلاک ہونا ظاہر و باہر ہوتا ہے، جیسے جانور اور زمین و مکان، ان کا صاحب دین ضامن نہیں ہوگا (المدوینہ ۲۵۲/۴)۔

حنفیہ کا مسلک راجح ہے، اور اس میں دونوں فریق کی رعایت ہے۔

(ج) خریدار وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرے تو اس سے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے وکیل سے مطالبہ کیا جائے گا، کہ وہ مال مرہون کو فروخت کر کے دین ادا کرے، اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو تو قاضی خود فروخت کر کے اس کی قیمت ادا کر دیگا، یہ صاحبین کی رائے ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، ”و تقدم في البحر أن قولهما به يفتى“ (رد المحتار ۵۹۷/۳۵۹)۔

دوسرے فقہاء، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے (المدوینہ الکبریٰ ۱۱۶۳، شرح مہذب، المغنی ۲۶۳/۳)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاضی خود مال مرہون کو فروخت نہیں کرے گا بلکہ مدیون کو قید کرے گا، یہاں تک کہ وہ اسے فروخت کرنے پر آمادہ ہو جائے (بدایع الصنائع ۱۳۸/۶)۔

اس لئے فروخت کنندہ کو چاہئے کہ وہ معاملہ طے کرنے کے وقت ہی خریدار کی طرف سے کسی ایسے آدمی کو بوقت ضرورت مال مرہون کی فروختگی کا وکیل نامزد کروائے جس پر فروخت کرنے والے کو اطمینان ہوتا کہ خریدار کے غائب ہونے کی صورت میں اسے دشواری کا سامنا نہ ہو۔

۹- قیمت کی وصولی کے لئے سامان روکے رکھنا:

فروخت شدہ سامان کو قیمت کے لئے روک کر رکھنے کی دو صورتیں ہیں، (۱) خریدار اس پر قبضہ کر لے اور پھر بائع اس کو اپنی تحویل میں لے لے، یہ صورت رہن کی ہے، اور جائز ہے، بشرطیکہ فریقین کی رضامندی سے معاملہ طے پایا ہو، علامہ حاکمی فرماتے ہیں:

”هو المبيع الذي اشتراه بعينه لو بعد قبضه فهو رهن“ (الدر المختار ۵۳/۳۵۳)۔

نیز ” فتاویٰ بزازیہ “ میں ہے: ”قال للبائع: أمسك ههنا الثوب حتى أعطيك الثمن فهو عندنا رهن“ (بزازی علی ہاشم البندریہ ۵۵/۶)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خریدار نے ابھی اس پر قبضہ ہی نہ کیا ہو اگر بائع اسے روک لے تو یہ رهن نہیں ہوگا، بلکہ جس بالذین کے قبیل سے ہوگا، ”ولو قبله لا يكون رهنا به، لأنه محبوس بالثمن“ (الدر المختار علی ہاشم الردی ۳۵۳/۵)۔

حنفیہ کے یہاں نقد خرید و فروخت کا معاملہ طے پانے کی صورت میں فروخت کنندہ کو اس کے روکنے کا حق حاصل ہے، بشرطیکہ بیع سامان ہو اور ثمن روپے پیسے، ایک مدت کے بعد قیمت کی ادائیگی طے پائی ہو یعنی قیمت ادھار ہو تو فروخت کنندہ بیع کو روکنے کا حق نہیں رکھتا۔

”وثبوت حق الحبس لا ستيفاء الثمن، وهذا عندنا، أما شرط ثبوتہ فثینان: أحدهما أن يكون أحد الباعين عينا، والآ خر دینا، والثانی أن يكون الثمن حالا، فإن كان مؤجلا لا يثبت حق الحبس“ (بدائع المعانی ۲۳۹/۵)۔

ثانفیعہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر قیمت وصول نہ ہو پانے کا اندیشہ ہو تو بیع کو روکنے کی گنجائش ہے، شرح منہاج میں ہے: ”للبيع حبس مبيعه حتى يقبض ثمنه إن خاف فوته بلا خلاف“ (تختہ المحتاج ۳۲۳/۳، المغنی ۱۳۱/۳)۔

اس لئے بہتر صورت یہی ہے کہ قبضہ کے بعد خریدار سے بطور رهن اس سامان کو حاصل کر لیا جائے، ورنہ بغیر قبضہ کے بیع کو روک لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ عملاً بیع اور ثمن دونوں ہی ادھار ہو جائیں، اور حدیث میں اسی کو ”بیع الکالی بالکالی“ کے عنوان سے منع فرمایا گیا۔

۱۰- اگر تاخیر کی صورت میں ادا شدہ اقساط سوخت کر دی جائیں:

وصول شدہ اقساط کو واپس نہیں کرنا اور معاملہ ختم کر دینا جائز نہیں، اس کو ”بیع عربون“ اور ”بیع عربان“ بھی کہتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن عمرو سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا: ”نهی رسول اللہ ﷺ عن بیع العربان“ (ابن ماجہ ۱۳/۲، طبع ریاض)۔ بیع

عربان یہ ہے کہ کوئی سامان خرید اجائے، قیمت کا کچھ حصہ ادا کر دیا جائے، اور کہا جائے کہ اگر میں نے بقیہ قیمت ادا کر دی تو اس کا حساب قیمت میں کر لیا جائے، اور قیمت نہیں دے پایا تو یہ پیسے تمہارے ہیں (حجۃ اللہ البالغہ ۲۴/۱۰۸)۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا بیان ہے کہ اس میں ایک طرح کا قمار ہے۔ و فیہ معنی المیسر (حوالہ سابق) یہی رائے فقہاء شوافع کی اور مالکیہ کی بھی ہے (تختہ المحتاج ۲۴/۳۲۲، اشرح الکبیر علی ہاشم الدسوقی ۲۳/۶۳)۔

البتہ امام احمد کے نزدیک یہ صورت درست ہے، اور ابن قدامہ نے حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، محمد بن سیرین، اور سعید بن مسیب سے بھی اس کی اجازت نقل کی ہے (المغنی ۱۶۰/۳)۔ بیع عربون اور اس قسط وار خرید فروخت کی صورت میں فرق اتنا ہی ہے کہ بیع عربون میں خریدار، خریدنے ہی سے انکار کر جاتا ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں قیمت ادا کرنے میں تاخیر کرتا ہے اور وقت کی پابندی نہیں کرتا، لیکن دونوں میں اس بابت پوری مماثلت ہے کہ بائع ادا شدہ پیسے بلا معاوضہ روک لیتا ہے، اس لئے یہ صورت جائز نہیں۔

۱۱- بیع خریدار کے پاس رہن:

اگر فروخت کنندہ سامان پر قبضہ کر لے اور پھر اسے خود خریداری کے پاس بطور امانت رکھ دے، تو ایسا کرنا درست ہے، قبضہ سے پہلے درست نہیں، علامہ کا سانی رقم طراز ہیں:

”ولو تعاقدا علی أن یکون الرهن فی ید صاحبه لا یجوز الرهن
..... و کذا إذا قبضه المرتهن أو العمل ثم تراضیا علی أن یکون فی ید الراهن
جاز“ (بدائع الصنائع ۲۶/۱۳۷)۔

یہی رائے حنابلہ اور شوافع کی بھی ہے (تختہ المحتاج ۲۶/۶۷، المغنی ۲۶/۲۱۶)۔ مالکیہ کے نزدیک قبضہ کے بعد بھی اگر مال مرہون خریدار کے حوالہ کر دیا تو رہن ہی باطل ہو جائے گا، ابن رشد کا بیان ہے:

”إن من شرط صحة الرهن استدامة القبض وأنه متى عاد إلى ید

الراهن ياذن المرتهن بعارية أو ودیعة أو غیر ذلك فقد خرج من اللزوم“ (بدیة
الجمہد ۲/ ۲۷۳، نیز دیکھئے المدونۃ الکبریٰ ۳/ ۱۵۱)۔

۱۲- اجرت کفالت:

کفالت اسلام کی نگاہ میں عقد تبرع، یعنی ایک رضا کارانہ حسن سلوک پر مبنی معاملہ
ہے، اور اس پر اجرت لیما، احسان و سلوک کی شان کے خلاف ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ
کفالت انہی لوگوں کی جانب سے معتبر ہے جو تبرع کے اہل ہوں۔

”ولا تصح الكفالة إلا ممن يملك التبرع؛ لأنه عقد تبرع ابتداء“ (مجمع

الاشہد ۲/ ۱۲۳)۔

اس لئے ضمانت قبول کرنے اور کریڈٹ لیفروینے کی اجرت لیما جائز نہیں، البتہ اگر
کوئی شخص کسی چیز کے لینے پر مجبور ہو تو اس قاعدہ کے تحت کہ مجبوریاں ما جائز چیزوں کی گنجائش پیدا
کردیتی ہیں (الضرورات تبیح المحظورات) وہ اجرت ادا کر سکتا ہے، فقیہ العالم الاسلامی
ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رقم طراز ہیں:

”الكفالة عقد تبرع وطاعة يثاب عليها الكفيل ولو قام المكفول له
بتقديم شئ من المال لكفيل هبة أو هدية جاز..... لكن إن شرط الكفيل تقديم
مقابل أو أجر على كفالة، وتعدر على المكفول عنه تحقيق مصلحة من طريق
المحسنين المتبرعين..... جاز له دفع الأجر للضرورة“ (فتاویٰ اسلامیہ وادلتہ ۵/ ۱۶۱)۔

۱۳- دستاویز دین کی خرید و فروخت:

ادھار قیمت کی دستاویز کفر و خست کرنا کاغذ کی خرید و فروخت نہیں، بلکہ دستاویز میں
لکھی ہوئی رقم کی خرید و فروخت ہے، اور نقد کی قیمت اگر نقد کے عوض ہو تو ضروری ہے کہ دونوں
طرف سے نوری ادائیگی اور قبضہ ہو، اور مقدار کے اعتبار سے برابری بھی ہو، بیع صرف کا یہ ایک
مسلمہ قاعدہ ہے اور اس پر قریب قریب فقہاء کا اتفاق ہے (بدائع الصنائع ۵/ ۲۱۵، درمختار مع

ارد ۲/۵۰۲، تحفۃ المحتاج ۲/۲۷۳، شرح مہذب ۵/۲۰۳)۔ اس لئے یہ صورت قطعاً جائز نہیں۔

۱۴- مدت میں کمی کی وجہ سے قیمت میں کمی:

یہ صورت دو معاملوں سے مرکب ہے، ہر وقت کنندہ قیمت میں کمی کر دیتا ہے، اور اس کو اس کا حق ہے، خریدار وقت مقررہ سے پہلے ادا کر دیتا ہے، اور اس کے لئے یہ درست ہے، لیکن ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مشروط کر دینے کی صورت میں یہ نوعیت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ بائع نے جو حصہ قیمت میں سے کم کیا ہے، وہ اس مدت کے عوض ہے جو کم کی گئی ہے، کو یا قیمت کا کچھ حصہ، مدت (اجل) کے مقابلہ میں آگیا، اور اجل فی نفسہ قائل قیمت نہیں اور قیمت لی جائے تو سود ہے، پس یہ سود لینے کی وجہ سے حرام ہے، اسی لئے فقہاء نے اس صورت کو منع کیا ہے، اور وہ اس کی ممانعت پر قریب قریب متفق الرائے نظر آتے ہیں، ابن عابدین ثامی کا بیان ہے:

”ولا يصح الصلح عن ألف مؤجل على نصفه حالا؛ لأنه اعتياض عن المؤجل وهو حرام“ (رد المحتار ۲/۵۳۳)۔

اسی طرح کی بات فقہاء شوافع نے بھی لکھی ہے۔

”صالح عن عشرة مؤجلة على خمسة حالة لغى الصلح؛ لأنه إنما ترك الخمسة في مقابلة حلول الباقي وهو لا يحل“ (حواشی تحفۃ المحتاج ۵/۱۵۲)۔
امام مالک نے خود مؤطا میں اس پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور اس میں ”ضع و تعجل“ کی اصطلاح بھی استعمال ہوئی ہے، امام مالک کا خیال ہے کہ اگر فریقین بطور خود تمراً ایسا کریں تو حرج نہیں، لیکن مشروط طور پر ایسا معاملہ کرنا جائز نہیں:

”من وجب عليه دين إلى أجل فسأل أن يضع عنه ويعجل له ما بقى لم ينبغ له ذلك؛ لأنه يعجل قليلا بكثير دينا“ (سوطا امام مالک)۔

ابن قدامہ کا بیان ہے: ”إذا صالحه على المؤجل ببعضه حالا لم يجز“۔

پھر ابن قدامہ نے حضرت زید بن ثابت عبداللہ ابن عمر، سعید بن مسیب، قاسم، سالم

شعسی، امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور متعدد فقہاء و محدثین سے اس کا ناجائز ہونا نقل کیا ہے، اور عبداللہ ابن عباس، امیر ایہم نخعی، محمد بن سیرین اور حسن بصری سے اس کی اجازت بھی نقل کی ہے (المغنی ۳/۳۱۶)۔ غرض ”ضع و تجبل“ کی یہ صورت درست نہیں۔

۱۵- ادھار معاملہ اور قیمت طے نہیں:

جب ادھار معاملہ کیا گیا اور قیمت کی ادائیگی کا وقت طے نہیں کیا گیا تو اجل، یعنی وقت ادائیگی کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی، اور جب بیع فاسد ہوگی اور پھر دوبارہ اس سے کم قیمت پر نقد لین دین ہو گیا تو گویا یہی اصل بیع ہوئی، لہذا یہ صورت جائز ہوگی، اور اس کی حیثیت مستقل اور علیحدہ بیع کی ہوگی۔

۱۶- قسط کی ادائیگی میں تاخیر:

خریدار کی طرف سے قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں فروخت کرنے والا بلا قسط ادا کرنے کی سہولت ختم کر کے فوری طور پر پوری قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

”علیہ ألف ثمن جعله ربه نجوما إن أحل بنجم حل الباقي“ (شامی ۲/۲۶۷)۔

”مجلة الأحكام العلية“ (مرتبہ خلافت عثمانیہ ترکی) کے شارح علی حیدر کا بیان ہے:

”إذا كان لا نسان على آخر ألف ثمن جعله أقساطا إن أحل بقسط

حل الباقي“ (درر الاحكام ۱/۲۳۰)۔

۱۷- سفر یقین میں سے کسی کا انتقال:

اگر ادائیگی کی متعین مدت سے پہلے فروخت کرنے والے کا انتقال ہو گیا تو معاملہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ مہلت کا نفع جس فریق کو پہنچ رہا تھا وہ ابھی زندہ ہے، ہاں اگر خریدار کا انتقال ہو جائے تو مہلت ختم ہو جائے گی، اور متوفی کے ترکہ سے فی الفور اس کے ذمہ باقی کل پیسے ادا کئے جائیں گے۔

”ويبطل الأجل بموت المديون، لأن فائدة التأجيل أن يتجر فيؤدي الثمن من تمام المال، فإذا مات من له الأجل تعين المتروك لقضاء الدين، فلا يفيد التأجيل (بحر من شرح المجموع) وصرح قبله: لو مات البائع لا يبطل الأجل“ (۲۶، ۳۰)۔

یہی رائے فقہاء شوافع کی بھی ہے:

”انتقل بموت البائع لو ارثه، وحل بموت المشتري ولا يضر السقوط بموته“ (تخت المحتاج ۳، ۲۶۷)۔

۱۸- گاہکوں کے لئے ترغیبی انعام:

چونکہ اس صورت میں بیع اور ثمن متعین ہے، اور ہر خریدار کو اپنی بیع حاصل ہو جاتی ہے، انعام کمپنی اپنے منافع میں سے دیتی ہے، اس لئے یہ صورت جائز و درست ہوگی، اگر فریقین میں سے کسی کو ملنے والا عوض مستور العاقبہ، اور نامعلوم ہوتا، کسی کو بیع ملتی اور کوئی محروم ہو جاتا، تو یہ صورت تمار کی ہوتی، بھصا ص کے الفاظ میں ”إحقاق بعض وإنجاح بعض“ (احکام القرآن ۳۲۹/۱) اس لئے یہ صورت تمار میں داخل نہیں، ماضی قریب کے علماء میں مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی رائے بھی یہی ہے (جوہر ۵/۲۳۵، ۲۳۵، احکام القمار)۔

یہ حکم تو مسئلہ کی ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کاروبار کے اس طریقہ کے پیچھے ذہن تمار ہی کا کارفرما ہے، اس لئے ایسے معاملات کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے، اور موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ اس میں کراہت کا پہلو ضرور ہے۔

۱۹- قمر عہ میں نام نکلنے پر آئندہ قسط کی معافی:

یہ معاملہ اپنی ابتدائی شکل میں تو فاسد ہے، کیونکہ ثمن متعین نہیں، لیکن جب قمر عہ میں اس کا نام نکل آیا، اور پہلی ہی قسط کے بقدر پیسوں میں اسے وہ چیز دیدی گئی تو یہ لین دین مستقل عقد بیع یعنی خرید و فروخت متصور ہوگا، اور چونکہ فریقین رضامند ہیں، بیع اور ثمن متعین ہے، اس

لئے انجام کار یہ معاملہ درست قرار پائے گا۔

”إذا قال: بعتك شاة من هذا القطيع فالبيع فاسد، فإن عين البائع شاة، وسلمه إليه، ورضى به، جاز ويكون ذلك ابتداء بيع بالمرضاة“ (برائع المسانع ۱۵۶/۵، رد المحتار ۱۳/۳)۔

اور کچھ پہلے ہی دفعہ قرعہ میں نام نکلنے والے پر موقوف نہیں، بلکہ ہر بار نام نکلنے اور عوضین کے لینے اور دینے کے بعد ہی خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہوگا، ابتدائی مرحلہ میں قیمت اور مدت کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے معاملہ فاسد ہوگا، یہ حکم بھی معاملہ کی ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے، ورنہ اس کے پس پردہ بھی وہی قرار والا ذہن کا فرما ہے، اس لئے درحقیقت یہ بھی کراہت سے خالی نہیں۔

☆☆☆

فستوار بیع و شراء، شرعی نقطہ نظر

مفتی محمد عبداللہ اسعدی رحمۃ اللہ علیہ

بیع بالتقسیت کے مسائل و احکام میں بنیادی اہمیت ادھار فرخت اور اس کی وجہ سے قیمت کی زیادتی کی ہے، اس لئے اس بابت بطور تمہید درج ذیل سطور تحریر کی جاتی ہیں۔
قیمت کے ادھار ہونے کی صورت میں نقد قیمت کے مقابلہ میں قیمت کا زائد ہونا درست ہے۔ اور ادھار کی جانے والی زائد قیمت کا بازار کے عام نرخ سے بہت زائد ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مساوی ہو یا کم بھی۔

علامہ شوکانی کی تصریح کے مطابق چند حضرات کے علاوہ جمہور جواز کے ہی قائل ہیں، جیسا کہ صاحب ”اعلاء السنن“ اور صاحب ”مواقف الشریعۃ لاسلامیۃ“ دونوں نے ان سے نقل کیا ہے اور امام شوکانی کا اس سے متعلق ایک رسالہ بھی ہے، اس کے عدم جواز کے سلسلہ میں ایک حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے مگر شوکانی نے بچند وجوہ اس استدلال کو مرجوح قرار دیا ہے (اعلاء السنن ۱۳/۱۴، ۱۴۳، ۱۴۴، نیل الاوطار ۵/۱۷۱-۱۷۳)۔

فقہاء احناف میں سے صاحب ”ہدایہ“ اور صاحب ”در مختار“ وغیرہ نے ”باب المراسمہ“ میں ایک مسئلہ کے تحت اس کو عرف کہا ہے، اور اس کو تمام شراح ”ہدایہ“ اور شامی وغیرہ نے بدون نقد نقل و قبول کیا ہے (بواہج الفتح ۶/۳۳۰، رد المحتار ۵/۶۳۲)۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمارے عام فقہاء کے یہاں یہ جواز متعین ہے، اگرچہ

مولانا قتی صاحب نے مسئلہ سود میں قاضی خاں سے ایسی عبارت نقل کی ہے کہ جس سے اس کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے، مگر جواز مسئلہ کی جو توجیہ و تنقیح کی جاتی ہے اور خود مولانا قتی صاحب نے بھی فرمائی ہے اس کے بعد جواز میں کوئی خفاء نہیں رہ جاتا۔

رہ گیا یہ شبہ کہ ادھار خریدنے والا مجبور ہوتا ہے، اور اس سے زائد قیمت لینا اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا ہے، لہذا یہ غلط و ممنوع ہوگا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خریدار پر کچھ زائد قیمت کا بوجھ پڑ رہا ہے تو بیچنے والا بھی تو کچھ ایثار و نقصان کر رہا ہے، نقد بیچتا تو اصل پونجی ہی وقتی طور پر حاصل کر کے اس سے کام لینا ہے اور جتنی مدت کے بعد اس کو یہ ادھار قیمت وصول ہوگی اتنی مدت میں تو نہ جانے کتنی مرتبہ اس مالیت سے وہ سامان خریدنے و بیچنے کا کام کر سکتا ہے۔

البتہ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں قیمتوں (ادھار و نقد) میں بہت زیادہ فرق نہ کیا جائے کہ جس کوغبین فاحش اور کھلی ہوئی زیادتی قرار دیا جائے۔

دوسرا اہم شبہ اس میں رہا کہ ہے کہ زیادتی، مہلت و مدت و وقت کے مقابلے میں اختیار کی جاتی ہے تو اصل قیمت تو اصل سامان و شے کے بالمقابل ہوئی اور زائد بلا عوض، اس لئے کہ وقت کی کوئی قیمت و مالیت نہیں ہوتی، اور یہی رہا ہے، اس لئے کہ رہا کے طور پر لیا جانے والا مال دراصل وقت کی بنیاد پر لیا جاتا ہے اور اسی حساب سے گھٹتا بڑھتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ فرق ہے، یہاں یہ معاملہ نہیں ہوتا کہ اصل قیمت نو سو روپے ہے، نقد ادا کرو، نو سو دو، اور ادھار کرو تو اس سے اتنا بڑھا دو یا بڑھاتے رہو، بلکہ یہ معاملہ اس بنیاد پر ہے کہ ایک آدمی کو حق ہے کہ اپنا سامان جتنی قیمت میں چاہے فروخت کرے، یہ آدمی اس کو ایک وقت میں دو حالتوں کے اعتبار سے دو الگ الگ قیمتوں میں بیچتا ہے، خریدنے والا جس کو اختیار کرے اس کے مطابق قیمت ادا کر دے۔

رہا سود میں تو یہ ہوتا ہے کہ ایک حصہ اصل واجب الاداء رقم کا، اور ایک اس پر اضافہ شدہ رقم کا ہوتا ہے، اگر یہ معاملہ یوں ہو کہ اس سامان کی قیمت سو روپے ہے، اگر آپ ادھار

قیمت ادا کرنا چاہیں تو اس حساب سے اتنا مزید ادا کرنا ہوگا، یا اتنے دن پر اتنا اور اتنے پر اتنا، تو یہ بے شک ربا کہلائے گا، مگر جب معاملہ یکمشت دو حالتوں کے پیش نظر دو قیمتوں کا ہے تو یہ حکم نہیں لگے گا۔

نیز یہ کہ ربا کی اصل حقیقت۔ وقت کے عوض وبالمتقابل ہونا نہیں، بلکہ جائیداد سے باہم مالی لین دین کے معاملہ میں ایک طرف کے مال کی مقدار کا اس انداز میں دوسرے سے زائد ہونا کہ اس کے مقابلہ میں دوسری طرف کا مال یا اس کا کوئی حصہ نہ پڑ رہا ہو، یعنی اصلاً ربا وہ زیادتی ہے کہ جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو، اس لئے ربا صرف ادھار معاملات میں نہیں ہوتا، بلکہ نقد میں بھی ہوتا ہے، کتب فقہ میں ”ربا الفضل“ معروف ہے، اس کا مد اور نقد پر ہی ہے، اور مسئلہ صورت میں ایسا نہیں ہے، بلکہ ایک مال کی ایک مقدار جو نقد ہو، دوسرے کی دوسری جو ادھار ہو۔ جیسے کہ اگر دو الگ الگ دنوں میں آدمی ایک ہی چیز کو قیمت میں کمی و بیشی کر کے فروخت کرے، آج دس کی، کل بارہ کی، حالانکہ خرید ایک ہی قیمت میں تو یہ درست ہے۔ یا یہ کہ ایک ہی دن میں ایک کو دس کی، اور دوسرے کو بارہ کی دے رہا ہے، اسی طرح دو دوکانوں میں اس طرح کا فرق پایا جائے، حالانکہ سب مال ایک ساتھ ایک جگہ سے ایک مالیت میں لایا گیا ہے۔ ”اعلاء السنن“ میں مولانا ظفر احمد صاحب نے اور مسئلہ سود میں مولانا مفتی صاحب نے اس انداز کی توجیہات کی ہیں (اعلاء السنن ۱۳/ ۱۲۳-۱۲۴، مسئلہ سود ص ۱۳۳-۱۳۴)۔

خلاصہ یہ کہ اس فرق و زیادتی پر ربا کی تعریف صادق نہیں آتی، لہذا اس کو ربا کہنا درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ربا کے مسائل میں انتہائی احتیاط کے باوجود اکثر حضرات نے اس صورت کو درست قرار دیا ہے۔

۱- ادھار سامان کی قیمت زیادہ رکھنا:

یہ درست ہے کہ ایک سامان کی نقد فروخت کی صورت میں قیمت کم اور ادھار میں زیادہ رکھی جائے، مگر معاملہ مکمل ہوتے وقت اور جب مجلس عقد ختم ہو فریقین کا کسی ایک معاملہ و

پہلو پر متفق ہونا ضروری ہے، یعنی اس کا واضح ہونا کہ خرید فخر وقت نقد ہو رہی ہے، یا ادھار، اور یہ کہ سامان کو لینے کی صورت میں متعین طور پر کیا قیمت دینی ہوگی۔

۲- طے شدہ ادھار قیمت کا قسط و ارا دا کرنا:

سامان کی جو قیمت طے ہو جائے اس کی یکمشت ادائیگی ضروری نہیں ہے، اس کو حسب سہولت و معاملہ چند حصوں و قسطوں میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

۳- معاملہ کا اختتام اور گفتگو کی تکمیل ایک قیمت کی تعیین پر ضروری ہے:

اس معاملہ کی صحت کے لئے یہ تو ضروری نہیں ہے کہ صرف ادھار قیمت ذکر کی جائے۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ آدمی اسی طرح کے کاروبار کا نظام بنالے، جیسا کہ آج کل رواج بھی ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ نقد معاملہ کرتے ہی نہیں، نیز ادھار اور قسط وار معاملہ رکھتے ہیں۔

البتہ یہ ضروری ہے، جیسا کہ اوپر آچکا ہے کہ معاملہ کسی ایک حال اور اس کی قیمت کے طے کرنے پر ختم کیا جائے، یعنی بات اس پر ختم کی جائے کہ یہ سامان ادھار ہی خرید جائے گا، لہذا اس کی کل یہ قیمت ادا کرنی ہوگی اور اس کی یہ مدت ہوگی۔

۴- ادھار میں قیمت کی زیادتی اور ربا کا شبہ:

جب ایک سامان کو ادھار بیچا یا خرید جائے، اور محض اس کی وجہ سے اس کی قیمت نقد سے زیادہ رکھی جائے تو ربا و سود کا شبہ ہوتا ہے، اس لئے کہ زائد قیمت وقت کا معاوضہ و عوض محسوس ہوتی ہے، مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت پر ربا کی تعریف صادق نہیں آتی، تفصیل گذر چکی ہے۔

۵- ادھار فخر وقت میں الگ الگ مدت پر قیمتوں کا فرق:

اگر ادھار فخر وقت کرنے والا قسطوں و مدت ادائیگی کی کئی صورتیں تجویز کرے اور ہر صورت کی قیمت الگ الگ رکھے، تو یہ معاملہ بھی درست ہے، بس یہ کہ مجلس عقد میں وضاحت ہو جانی چاہئے کہ خرید فخر وقت کس صورت اور مدت و قیمت پر ہو رہی ہے؟

معاصر اہل نظر فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں اور جب ایک ہی صورت و مدت و قیمت والے معاملہ پر ربا کی تعریف صادق نہیں آتی تو اس پر بھی صادق نہیں آئے گی، کہ ربا کی حقیقت میں صرف وقت و مدت کا دخل نہیں ہوتا۔

۷، ۷- طے شدہ مدت و اقساط میں تاخیر پر رقم کا اضافہ:

معاملہ میں جو مدت و قیمت طے ہو جائے اور اقساط مقرر ہوں، اس میں کسی طرح کی تاخیر کی وجہ سے مزید کسی رقم کا مطالبہ و معاملہ سو فترار پائے گا۔

۸- قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے ذرائع میں رہن:

(الف) مال مرہون سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے، یہ ربا کے تحت آ جاتا ہے، اس لئے کہ قرض و ادھار رقم کے ماسوا یہ نفع ہے، خواہ راہن کی اجازت سے ہو، یا اس کے بغیر، اس لئے کہ اجازت رواج کی وجہ سے اور طیب خاطر کے بغیر ہوتی ہے۔

(ب) اگر مال مرہون بائع کے پاس رہتے ہوئے ضائع ہو جائے تو جو حکم معروف ہے، اس کے مطابق معاملہ ہوگا، یعنی قرض و مال مرہون کی مالیت اگر برابر تھی تو معاملہ برابر سراسر اہم قرار پائے گا، اور اگر مال مرہون کی مالیت کم تھی تو قرض کی ماہی مالیت ادا کرنی ہوگی، اور اگر مال مرہون کی مالیت زائد تھی تو مرہون یعنی بائع پر اس کا کوئی ضمان نہیں ہوگا، اس لئے کہ زیادتی امانت تھی، بشرطیکہ اس کی طرف سے کوئی تعدی و حرکت نقصان پہنچانے والی نہ پائی جائے، ورنہ اس کو ضمان ادا کرنا ہوگا۔

(ج) خریدار کی مال منول پر حسب معاہدہ سامان کو فروخت کر کے بائع اپنا حق و قرض وصول کر لے۔

۹- فروخت کردہ سامان کو بائع کار و کناتا کہ قیمت وصول کر سکے:

چونکہ گفتگو ادھار خرید و فروخت کے متعلق ہے، یعنی یہ کہ سامان کو نقد ادا کیا جاتا ہے، اور قیمت ادھار ادا کی جاتی ہے، یہ معاملہ ہوتا ہے، اس لئے معاملہ کی صحت کے لئے خریدار کا خرید

کردہ مال پر قبضہ ضروری ہے، ورنہ یہ معاملہ اس لئے صحیح قرار نہ پائے گا کہ قیمت تو ادھار ہی طے کی گئی، بیع و سامان بھی ادھار کر دیا گیا، اور خرید و فروخت میں جائیداد سے ادھار کا معاملہ منع ہے، اس کو فقہاء بیع الکاٹی بالکاٹی کہتے ہیں، یہ بالاتفاق منع و ناجائز ہے (فقہ الاسلامی ۲/۲۳۲)۔

خریدار کے قبضہ کر لینے کے بعد ہی کوئی صورت سوچی جاسکتی ہے، اس لئے بائع یہ نہیں کر سکتا کہ محض اپنا حق و قیمت وصول کرنے کے لئے بیع کو خریدار کے سپرد نہ کرے، اور اپنے پاس روک لے، اور اگر اس سامان کو رہن کی حیثیت سے رکھنا چاہے، تب بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ مال مرہون، رہن کی ملکیت ہوتا ہے، یہاں رہن خریدار ہوگا، اور خریداری نیز ملکیت خریدار کے قبضہ کے بعد ہی ثابت ہوگی، اس کے بغیر نہیں، بلکہ قبضہ کے بغیر رہن بنا تا تو اس کو اوپر والی صورت کے تحت داخل کر دے گا، جس کی بابت (مانٹگریو ۱۵/۳، ۱۵/۳، ۵۶۰) وغیرہ میں صراحت ہے کہ نقد بیع میں تو فروخت کنندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ فروخت کردہ مال کو قیمت وصول کرنے کے لئے اپنے پاس روک لے، لیکن ادھار فروخت میں کسی طرح یہ حق نہیں ہے۔

البتہ اگر خریدار قبضہ کر لے، اس کے بعد رہن بنانے کی بات اختیار کی جائے تو درست ہے، حتیٰ کہ اگر صلہ عقد میں اس کی شرط لگائی جائے کہ سامان پر قبضہ کے بعد اس کو بغرض رہن فروخت کنندہ کے سپرد کرنا ہوگا۔ تو بھی اکثر حضرات کے نزدیک درست ہے۔

بعد قبضہ قبل قبضہ رہن بنانے کے جواز و عدم جواز کی وضاحت و صراحت تفصیل سے در مختار و شامی میں آئی ہے (شامی ۹۶/۶، ۹۶/۶، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، البحر الرائق ۲۸/۲۵۲)۔

حتیٰ کہ اگر صلہ عقد میں رہن کی شرط کا تذکرہ ہو تو بھی درست ہے، یہ مسئلہ شامی و ہدایہ وغیرہ میں بھی اوپر والے مسئلہ سے متصل مذکور ہے، البتہ اس میں بیع کو رہن بنانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ یہ کسی متعین چیز کو رہن بنانے کا یہ شرط لگائی جائے (شامی ۶۱/۳، ۶۱/۳، ۹۹، ۱۰۰)۔ (۲۵۳/۲) تو متعین چیز خرید کردہ سامان بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ المغنی (فی الفقہ الحسنی) میں بیع کو رہن بنانے کی شرط کا اور حنا بلہ وغیرہ کے یہاں اس کے جواز کا تذکرہ آیا ہے (المغنی)۔

ضرورت و تعامل کی صورت میں اس رائے کو اختیار کیا جاسکتا ہے پھر یہ کہ فقہ حنفی میں بظاہر کہیں اس کا عدم جواز منقول نہیں ہے، بلکہ فقہاء احناف کی تصریحات جواز کی تائید میں ہیں۔ جیسے غیر بیع کو رہن بنانے کی شرط ہو سکتی ہے، یہ معاملہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیع کو مکمل کرنے کے بعد، بیع کو رہن رکھ دیا جائے گا، یعنی بیع پر قبضہ کر لینے کے بعد، عالمگیر یہ کہ ایک جزئیہ میں بیع کو رہن بنائے جانے کا تذکرہ یوں آیا ہے۔

”لو دفع المشتري إلى البائع عينا تكون رهنا عنده مع المبيع بالثمن تهلك العين بحصتها، كما في التتارخانية“ (مائگیر یہ ۲۳۸/۵)۔

قیمت کے بالمقابل رہن کی شرط لگانے اور اس کے جواز کا تذکرہ بدائع (۱۷/۵) اور مبسوط (۱۸/۱۲) وغیرہ میں بھی آیا ہے، ویسے اس مسئلہ میں کچھ تفصیل بھی ہے، بعض صورتیں جواز کی اور بعض عدم جواز کی ذکر کی گئی ہیں (ملاحظہ ہوں سابق حوالہ جات نیز الفقہ الاسلامی ۲۷۷-۲۷۹)۔

”المغنی“ کی عبارت میں عدم جواز کے قول میں یہ بات آئی ہے کہ صلح عقد میں اگر بیع کو رہن بنانے کی شرط لگائی جائے تو معاملہ یہ ہے کہ مال بوقت عقد تو خریدار کا مملوک نہیں تو اس کو کیسے رہن بنایا جاسکتا ہے، لیکن معاملہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کی رو سے یہ نفاذ رہن کی شرط ہے بس، رہن کے جواز و صحت کی شرط نہیں ہے، اس لئے بعض صورتوں میں اصل مالک کی اجازت کے بغیر بھی اس کا سامان رہن رکھا جاسکتا ہے (مثلاً ۵۱۳/۶ وغیرہ)، لہذا ایسے مشروط معاملہ کے تحت رہن کا معاملہ موقوف رہ کر ثابت ہوگا۔ اور خریدار فرخت کا معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد جب شرط کے مطابق رہن کے لئے لین دین ہوگا تو رہن کا معاملہ بھی صحیح و نافذ قرار پائے گا۔

۱۰- جملہ اقساط کو ادا نہ کرنے کی صورت میں ادا کردہ اقساط و سامان کا ضبط کر لینا:
فریقین کے درمیان خرید فرخت کا معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد سامان خریدار کا ہو گیا، اب فرخت کنندہ کا حق طے شدہ قیمت ہے، جب خریدار ادا کرے اور ادائیگی کو مکمل

کرے، وقت مقرر پر ادائیگی مکمل نہ کرنے کی صورت میں فروخت کنندہ یا تو سامان کو واپس لے لے، اور حاصل کردہ رقم واپس کر دے، یا حاصل کردہ رقم کو لے لے اور سامان کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کر کے اپنی ماہی رقم لے لے، اور جو بچے وہ خریدار کو دے کہ اس کا حق ہے، سامان کو واپس لینے کی صورت میں یہ بھی درست ہے کہ بوقت فروخت اس کی جو حیثیت تھی اگر اس عرصہ میں استعمال وغیرہ کی وجہ سے اس میں فرق و کمی واقع ہوئی ہے تو اس کی رعایت کی جائے، اور سامان کے ساتھ بقدر کمی رقم ادا کی جائے یا ادا کردہ اقساط سے کاٹ لی جائے (اس لئے کہ یہ معاملہ اقالہ کا ہوگا۔ اور اقالہ اگرچہ اصل ثمن و قیمت پر ہوتا ہے، مگر عیب کی صورت میں کمی کی جاسکتی ہے (ملاحظہ ہو ٹاوی ۱۳۶/۵)۔

لیکن مروج صورت کہ ادا کردہ اقساط اور سامان دونوں کو فروخت کنندہ لے لیتا ہے، یہ کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا ”امداد الفتاویٰ“ میں ایک جواب اسی انداز کی صورت کا یہ آیا ہے:

معاملہ مذکورہ ناجائز ہے، مگر ناجائز ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ ادھار میں قیمت زیادہ لے لی، کیونکہ سیئہ میں بہ نسبت نقد زیادہ قیمت لے لیا، جبکہ مجلس عقد میں نقد یا ادھار ہونا متعین ہو جائے جائز ہے، بلکہ ناجائز ہونے کی وجہ دوسری ہے، وہ یہ کہ یہ معاملہ یا بیع ہے یا اجارہ (اگر ماہانہ قسط کے لئے عنوان کرایہ کا اور اخیر میں بیع کا کیا جائے جیسا کہ صورت مسئولہ میں سائل نے ذکر کیا ہے) اگر بیع ہے تو یہ شرط فاسد ہے کہ ادنیٰ جزو قیمت رہ جانے پر واپس کر لیں گے، اور ادا شدہ رقم کو کا اعدم سمجھا جائے گا اور اگر اجارہ ہے تو یہ شرط فاسد ہے کہ زر کرایہ کے عوض میں بیع کر دیں گے (امداد الفتاویٰ ۱۳۳/۳)۔

۱۱- خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس رہن قرار دینا:

خرید کردہ سامان کو اگر خریدار کے قبضہ میں لے لینے کے بعد پھر فروخت کنندہ بعنوان رہن واپس لے لے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ رہن کا معاملہ خریدار اور فروخت کنندہ کے قبضہ

کے بعد ہی صحیح ہوگا، اور اس کے بعد پھر وہ خریدار کے قبضہ و تصرف میں دے دے، جس کے لئے عاریت کا ہی عنوان ہو سکتا ہے تو درست ہے، فقہاء نے رہن کے تصرفات میں عاریت کا ذکر کیا ہے (۵۱۱/۶)۔

لیکن اگر فروخت کنندہ نے قبضہ نہیں کیا اور خریدار کے قبضہ میں رہتے ہوئے اس کو رہن قرار دیا گیا، تو یہ معاملہ درست نہیں ہے کہ اگر فروخت کنندہ نے فروخت کرنے کے بعد اپنے قبضہ میں رکھتے ہوئے اس کو رہن بنایا تو درست نہیں تھا، جس مال کو رہن قرار دیا جائے ضروری ہے کہ مرہن (رہن بنانے والا) اس کو اپنے قبضہ میں لے، ورنہ رہن کا انعقاد نہیں ہوتا (مانگنیر ۲۳۳/۵)، نیز شامی وغیرہ میں بھی قبضہ کا تذکرہ آیا ہے اور یہ کہ قول راجح میں لزوم رہن کے لئے قبضہ ضروری ہے (۵۱۱/۶، البدائع ۱۳۷/۶)۔

اور پہلی شق میں جبکہ فروخت کنندہ قبضہ میں واپس لے کر پھر خریدار کو دے اور رہن قرار دے تو یہ معاملہ صحیح ہے، لیکن اس کے نتیجے میں مال فروخت کنندہ کے ضمان سے باہر ہو جائے گا، اور اگر خریدار کے پاس رہتے ہوئے ضائع ہوا تو وہ معاملہ نہیں ہوگا جو مال مرہون کے مرہن (رہن بنانے والے) کے پاس رہتے ہوئے ضائع ہونے کی صورت میں ہوتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے۔

اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ از روئے حکم اس صورت معاملہ کے لئے عاریت کی تعبیر ہوگی، نہ کہ رہن کی، اگرچہ عرف اس کو رہن کہتا ہو۔ عاریت اس لئے ہے کہ جو مال مرہن (رہن بنانے والے) کو اپنے پاس رکھنے کا حق تھا وہ اس نے خریدار کو بغرض استعمال دیدیا ہے اور خریدار اگرچہ اس کا مالک ہے، مگر صرف استعمال و انتفاع کا حق رکھتا ہے فروخت وغیرہ کا نہیں، بلکہ اس کی پابندی ہے، اس لئے اس کو اصطلاح میں رہن کا عنوان دیدیا گیا ہے کہ رہن میں مرہن کو فروخت وغیرہ کا حق نہیں ہوتا۔

اس ضمن میں اہم بات یہ ہے کہ آج کل فروخت کنندہ کے قبضہ کے بغیر خریدار کے

پاس مال کورہن قمر اردینے اور ماننے کا رواج ہو گیا ہے، اور فقہاء اس کو درست قرار نہیں دیتے، تو یا تو مذہب اربعہ میں کوئی قول گنجائش کامل جائے تو اس کو اختیار کیا جائے تعامل کی وجہ سے۔ ورنہ مولانا تقی صاحب نے جو بعض توجیہات ذکر کی ہیں جن کا معنی ضرورت و تعامل ہے، ان کی بنیاد پر اس کے جواز کو اختیار کیا جائے، جیسا کہ خود مولانا کارجمان ہے جن میں نہایت مناسب توجیہ خرید کردہ شے سے متعلق کاغذات کو فروخت کنندہ کے پاس رہن قمر اردینا ہے کہ وہ ان کاغذات کو اپنے پاس رکھے اور انکی بنا پر خریدار کو پابند بنائے اور بنایا بھی جاتا ہے، آج کل اس طرح کے معاملات گاڑیوں اور مشینریوں وغیرہ میں ہوتے ہیں جن کے کاغذات کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے، اور آج کل تو ایسے کاغذات ہی کی خرید و فروخت کو اہمیت حاصل ہے، اور ان کو سرمایہ و اثاثہ کی حیثیت دی جاتی ہے، بلکہ بینک و بعض ادارے، بکثرت زمین مکان و کھیت وغیرہ کی بنیاد پر قرض دیتے ہیں، اور ان کے کاغذات اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں، تصرف خود مالک کا ہر قمر ار رہتا ہے، اور تعلیمی اسناد کورہن بنا کر ان کی بنیاد پر قرض دیا جاتا ہے، اس لئے یہ بنیاد و وجہ، توجیہ کی رو سے قوی ہے اور بظاہر دوسرے مذاہب و ائمہ کا کوئی قول ایسا نہیں کہ جس کو گنجائش کی بنیاد بنایا جاسکے۔

۱۲- کریڈٹ لیٹر اور ضمانت کی اجرت:

کفالت و ضمانت وغیرہ ہتھیارات کے قبیل سے ہیں، ان پر کسی طرح کا معاوضہ لیما منع ہے۔ مولانا تقی صاحب نے اپنے مقالات میں اس پر وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔

لیکن معاملہ وہی ہے کہ آج کل یہ تعامل ہو چکا ہے، اور اس درجہ کہ یہ چیز ایک مستقل کاروبار بن گئی ہے، بینک تو یہ کام کرتے ہیں، اس کے لئے الگ سے ادارے بھی قائم ہونے لگے ہیں، اس لئے ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ اس کا کوئی حل پیش کیا جائے۔

مولانا تقی صاحب کی رائے میں اس کام کی انجام دہی کے واقعی مصارف و اخراجات لئے جاسکتے ہیں، اس لئے کہ اس کے مخصوص کاغذات تیار کئے جاتے ہیں، اس میں وقت لگتا ہے،

افر او مشغول رہتے ہیں تو نفس ضمانت و کفالت کی نہیں، بلکہ اس محنت کی اجرت لی جاسکتی ہے۔ اور ایک بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے ادارے اگر اس غرض سے کوئی سرٹیفیکٹ تیار کر انہیں اور اس کی ایک مالیت طے کر دیں تو اس کی قیمت کی حیثیت سے جو عوض لیا جائے وہ درست ہوگا، اور اس سے ادارے نیز بینک کے ایسے عملے کے اخراجات بھی پورے ہوں گے اور مقصد بھی حل ہو سکے گا۔

۱۳- ادھار خرید و فروخت کے کاغذات و دستاویز کی خرید و فروخت:

قسط وار ادھار خرید و فروخت کی صورت میں فروخت کنندہ کبھی یہ معاملہ کرتا ہے کہ معاملہ کے کاغذات کسی تیسرے شخص کو دے کر اس سے رقم حاصل کر لیتا ہے، ایسا کبھی وہ ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے اور کبھی طے شدہ وقت سے پہلے اپنی رقم حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے، اور یہ معاملہ طے شدہ قیمت سے کم پر ہوتا ہے، اس لئے کہ تیسرے فریق کو اس سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ یہی طے شدہ قیمت اور اس کی طرف سے ادا کردہ رقم کے درمیان فرق کا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب دو آدمیوں کے درمیان معاملہ مکمل ہو چکا ہے، اور فروخت کنندہ خریدار پر واجب الادا قیمت و رقم کو وصول کرنے کے لئے تیسرے سے معاملہ کرتا ہے، تو یہ معاملہ اصولی طور پر حوالہ کا ہے، کہ میرا قرض جو فلاں پر ہے وہ تم اس سے وصول کر لینا اور فی الحال مجھ کو اپنے پاس سے ادا کرو اور حوالہ میں ضروری ہے کہ کسی طرح کی کمی بیشی کا معاملہ نہ کیا جائے، اس لئے مروج معاملہ درست نہیں ہے، اور اگر اس کو بیع قرار دیں تو اس میں کرنسی کی کرنسی سے بیع ہوگی، اور کمی بیشی کے ساتھ یہ بھی درست نہیں ہے، یا ایک شق اور نکلتی ہے، وہ ہے بیع الدین من غیر من علیہ الدین، یعنی جس آدمی پر کوئی حق واجب ہے، وہ حق اس کے ہاتھ فروخت نہ کر کے کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا، یہ بھی درست نہیں ہے۔

ہاں ایک صورت اس کو درست کرنے کی یہ ہے کہ معاملہ خرید و فروخت کے عنوان سے ہونے کے بجائے اجارہ کے عنوان سے یوں ہو کہ مقررہ رقم کا ایک حصہ کرایہ کا ترادیا جائے، اور

اس کے عوض تیسرے شخص کو اس قرض کے وصول کرنے کا ذمہ دار بنایا جائے، اور فی الحال فروخت کنندہ اپنے حق و حصے کے بقدر تیسرے سے قرض لے لے، اور معاملہ یہ کرے کہ رقم وصول کرنے پر مجر کر لیا۔ یہ صورت مولانا مفتی صاحب نے ذکر کی ہے، اور اس قسم کے معاملہ میں دیگر حضرات کے یہاں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے (مفتی مقالات ص ۹۹، ۱۰۰ و امداد الفتاویٰ ۳/۳۲۲) بلکہ ”امداد الفتاویٰ“ میں ایک سوال، سوال بالا و صورت بالا کے مطابق بھی آیا ہے اور جواب ممانعت کا ہے اور پھر صورت و حل (امداد الفتاویٰ ۱۶۹/۳)۔

مگر یہ معاملہ کا حل نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں اصل فروخت کنندہ قرض لینے والا اور تیسرا شخص قرض دینے والا، یعنی معاملہ قرض کا بن رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ تیسرا شخص یہ رقم خریدار سے وصول نہ کر سکے تو کیا حکم ہوگا؟ کیا فروخت کنندہ سے وہ ادا کردہ رقم (جس کو قرض کہا گیا) وصول کرے گا، جبکہ مروج معاملہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ اس معاملہ کے بعد بالکل دست بردار و بری ہو جاتا ہے، اور تیسرا شخص بھی معاملہ اسی بنیاد پر اور یہ سمجھ کر کرتا ہے، تو قرض تو اس کو واپس ملنا چاہئے (امداد الفتاویٰ کے حاشیہ میں اس کی صراحت آئی ہے کہ وصول نہ ہونے پر قرض ادا کرنا ہوگا۔ ۳/۳۲۲) احسن الفتاویٰ میں بھی توجیہ مذکور کے ساتھ یہ بات ذکر کی گئی ہے (احسن الفتاویٰ ۱۷۶/۷)۔

اور کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ ”الفقہ الاسلامی“ میں لکھا ہے:

”لا يجوز تملك الدين من غير من عليه الدين كأن يشتري إنسان فرس زيد مثلاً بمئة ليرة على عمرو؛ لأنه لا يقدر على تسليمه إلا في ثلاث صور الأولى: إذا سلطه على قبضه فيكون وكيلاً قابضاً للموكل ثم لنفسه، الثانية: الحوالة، الثالثة: الوصية“ (الفقہ الاسلامی ۳/۴۱۳، ۴۱۴)۔

(دین کا مالک کسی ایسے شخص کو نہیں بنایا جاسکتا کہ جس پر دین کا وجوب نہ ہو، مثلاً ایک آدمی نے زید کا گھوڑا خرید اور کہا کہ میرے سو روپے عمر و پر ہیں ان کے بدلے میں دے دو، یہ

اس لئے درست نہیں کہ اس آدمی کو اس پر قدرت نہیں کہ طے شدہ قیمت وہ زید کو پہنچائے، ہاں تین صورتیں دوسرے کو ذمہ دار بنانے کی ہیں:

ایک تو یہ کہ اس کو اپنا وکیل بنا دے تو وہ اولاً اس کی طرف سے وصول کرے گا، اور پھر اپنے لئے قبضہ کرنے والا مانا جائے گا دوسرے حوالہ اور تیسرے وصیت)۔

اب صرف ”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ کی ہی ایک شق ہے کہ اگر اس میں بعض ائمہ کے یہاں گنجائش ہو تو یہ مروج معاملہ درست قرار دیا جاسکتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بطور دین جو چیز و رقم جس شخص پر واجب ہے، اس کے بجائے کسی دوسرے کو معاملہ کر کے اس کا مالک بنا دیا جائے جس میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کے ہاتھ اس قرض کفر و خست کر کے اس کی قیمت اس سے نقد وصول کر لی جائے وہ خود بعد میں حسب معاملہ اصل خریدار سے اپنا حق وصول کرے گا، اور صورت حال کے واضح ہونے کی وجہ سے، فریختگی کا معاملہ کرنے والا یعنی اصل دائن و بائع جس نے سامان بیچا تھا، وہ دستاویز کفر و خست کرنے کے بعد کسی طرح کا ذمہ دار نہیں رہ جائے گا، دستاویز کی رقم اس معاملہ کرنے والے کو حاصل ہو، نہ ہو، اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، اس میں غرر و ضرر کا پہلو ضرور موجود ہے، مگر خود معاملہ کرنے والا اس کے تحمل کو تیار ہے تو بائع کی کیا ذمہ داری۔ چنانچہ بعض ائمہ کے یہاں اس کی اجازت ہے جیسا کہ ”الفقہ الاسلامی“ میں بحوالہ ”المہذب و اعلام المؤمنین“ وغیرہ نقل کیا ہے (الفقہ الاسلامی ۳/۳۳۵، ۴/۵۰۳، المہذب ۱/۲۶۲ و اعلام المؤمنین ۱/۳۸۸ و شرح المہذب ۱/۲۶۲ و ۲/۲۳۵، ۲/۲۴۵)۔ مگر اس کے جواز میں ان حضرات کے یہاں بہت سی قیدیں ہیں جن کا مذکورہ معاملہ میں تحقق نہیں، پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اگر اس کو بیع قرار دیتے ہیں تو یہ کرنسی کی کرنسی سے بیع ہوگی جس میں ادھار کی بھی خرابی ہے اور کمی و بیشی کی بھی، جیسا کہ مولانا رشید احمد صاحب نے بھی ایک موقع پر ذکر فرمایا ہے (حسن الفتاویٰ ۱/۱۷۶)۔

امام محمد نے موطا میں اس قبیل کی بعض چیزوں کے ذکر کے بعد فرمایا ہے: ”لا ینبغی للرجل إذا کان له دین أن یبیعه حتی یستوفیه؛ لأنه غور، فلا یدری أیخرج أم لا

یخرج، وهو قول أبي حنيفة“ (موطا، کتاب البصر، اعلاء السنن ۱۳/۲۳۱)۔

حنفیہ کے یہاں صک وغیرہ کی بیع کا جو مسئلہ آیا ہے جس پر مولانا ظفر احمد صاحب نے تفصیل سے کلام کیا ہے (اعلاء السنن ۱۳/۲۳۹-۲۳۶) اس کے تحت بھی کوئی قول اور وسعت نہیں نکل سکی۔

۱۳، ۱۵- ”ضع و تجل“ کا معاملہ یعنی قرض کی فوری ادائیگی کا مطالبہ تخفیف کے ساتھ:

ادھار معاملات میں اب بالخصوص بکثرت یہ ہوتا ہے کہ دائن اور مال کا فروخت کنندہ، مدیون و خریدار سے اپنے دین و رقم کی فوری ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کو یہ چھوٹ و سہولت دیتا ہے کہ واجب الاداء رقم کا اتنا حصہ کم کر دو، اس کی دو صورتیں بنتی ہیں: ایک یہ کہ دین مؤجل ہے، یعنی اس کے ادا کرنے کی کوئی مدت و وقت مقرر ہے، اور پھر یہ معاملہ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ صرف بعد میں دینا طے ہوا ہے، مگر کوئی وقت مقرر و طے نہیں ہے۔

اسی طرح یوں بھی دو صورتیں بنتی ہیں: ایک یہ کہ قرض کا معاملہ ہو، یعنی روپے پیسے ادھار لینے کا، اور دوسرے یہ کہ کسی دوکاندار و تاجر سے کوئی سامان ادھار لینے اور اس کی قیمت کا۔ اگر دین مؤجل نہیں ہے یعنی اس کی ادائیگی کا وقت مقرر نہیں کیا گیا، بلکہ صرف بعد میں دینے کی بات ہے تو اس میں اس کی اجازت ہے، مولانا مفتی صاحب کے بیان کے مطابق مالکیہ کے یہاں اس کی صراحت ہے، اور دوسرے حضرات کی عبارات کی دلالت ہے۔

اس طرح اگر معاملہ قرض روپے ادھار لینے کا ہے، تو اس میں بھی یہ اس بنا پر جائز ہے کہ قرض میں دائن (قرض دینے والے) پر تا جیل (مقررہ مدت) کی پابندی لازم نہیں ہے، بلکہ وہ بغیر تعیین مدت اور طے شدہ مدت کے لزوم کے بغیر دیا لیا جاتا ہے، کسی بھی وقت دائن اس کو مانگ سکتا ہے، لہذا معاملہ اس دین کا ہوا جو مؤجل نہیں، اکثر فقہاء کے یہاں قرض کی یہی حیثیت

ہے۔ مالکیہ کا اختلاف ہے، اور اکثر حضرات کی رائے کے مطابق اس امر کا جواز بخاری وغیرہ کی بعض روایات سے ہے۔

مولانا فتی صاحب کے علاوہ، دیگر بعض معاصر اکابر ارباب افتاء نے بھی اسی امر کو اختیار کیا ہے جیسے مفتی رشید احمد لدھیانوی۔

ہاں دین کے مؤجل ہونے کی صورت میں یہ درست نہیں ہے، ائمہ اس پر متفق ہیں اور ان حضرات نے بھی صراحت کی ہے، اور از خود بغیر شروط و مطالبہ پیشگی ایسا کرنا بالاتفاق درست ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے فقہی مقالات ۱/ ۱۰۰ تا ۱۱۳، و اعلاء السنن ۱۳/ ۳۵۰-۳۵۲، ۵۰۸، ۵۱۳، و احسن الفتاویٰ ۷/ ۱۸۰-۱۸۳)۔

دین مؤجل کی صورت میں اس معاملہ کی بابت مولانا فتی صاحب نے دو متعارض روایات کا تذکرہ کیا ہے، اور دونوں کو ضعیف بتایا ہے، جیسا کہ بیہقی کی صراحت ہے، اور کچھ اور تفصیل بھی کی ہے، مگر مولانا ظفر احمد صاحب نے مستدرک حاکم وغیرہ کے واسطے سے جواز و ثبوت کی روایت کی تقویت ذکر کی ہے، اور نبی کی روایت کی بھی، اور اس مضمون کی دیگر روایات بھی ذکر کی ہیں (ملاحظہ ہو: اعلاء السنن ۱۳/ ۳۵۱)۔

البتہ چونکہ ایک جماعت دین مؤجل میں بھی اس کو جائز کہتی ہے جن میں امام زہری بھی شامل ہیں، اس لئے تعامل عام کی صورت میں اس قول کی وجہ سے گنجائش نکل سکتی ہے، اور بظاہر تعامل مفقود ہے۔

۱۶- ادائیگی قسط میں تاخیر پر فوری مطالبہ:

قسط وار معاملہ کا خریدار ہر قسط کو وقت پر ادا کرنے کا مکلف و پابند ہے، اگر وہ تاخیر کرے تو اس کو گوارا کرنا ہوگا، معاملہ میں تاخیر اور وقت کی تعیین کی صراحت کی وجہ سے دونوں ہی پابند ہیں۔ اور فروخت کنندہ کو وقت سے پہلے مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے، لہذا تاخیر کی وجہ سے تاخیر کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ اگر معاملہ میں بطور شرط یہ بات شامل ہے کہ کسی قسط کی تاخیر کی صورت میں تاخیر و تاخیر کی سہولت ختم ہو جائے گی اور فوری ادائیگی لازم ہوگی تو مہلت ختم کرنا اور فوری مطالبہ درست ہے، چنانچہ متعدد فقہاء احناف نے اس کی صراحت کی ہے (خلاصہ الفتاویٰ ۳/ ۵۳، فقہی مقالات ص ۱۱۸-۱۲۰)۔

۱۷- قسط وار خرید و فروخت پر انعامی اسکیم:

قسط وار خرید و فروخت کے نظام میں انعامی اسکیموں کا جو رواج ہے کہ ہر قسط کے موقع پر یا مناسب مدت پر بذریعہ قرضہ اندازی انعام دیئے جاتے ہیں، اور یہ سلسلہ معاملہ مکمل ہونے تک چلتا رہتا ہے اس بابت قسط وار معاملات اور دوسرے معاملات میں بظاہر فرق نہیں ہے کہ عام خرید و فروخت میں انعامی کوپن و اسکیم کو اختیار کیا جائے، مفتی شفیع صاحب نے فرمایا ہے کہ ایسے معاملات میں حکم مقصد پر لگے گا، ایک آدمی سامان ہی کو مقصد بنانا ہے، انعام ملا تو ٹھیک ورنہ اہمیت نہیں تو درست ہے، اور ایک محض انعام کی وجہ سے اس کو سوچتا ہے، اور اس کو مقصد و اہم قرار دیتا ہے تو قمار ہے اور منع ہے (جوہر فقہ ۳/ ۳۳۵)۔

۱۸- ہر قسط پر انعامی اسکیم کے ذریعہ بعض ممبران و خریداران کی معاملہ سے علیحدگی:

ایک دوسری شکل یہ بھی چل پڑی ہے کہ ہر قسط کے موقع پر قرضہ اندازی کی جائے اور جس کا نام نکل آئے اس کو سامان اسی رقم کے عوض دے دیا جائے، جو اب تک اس نے ادا کی ہے اور مزید کوئی قسط و رقم اس پر لازم نہ کی جائے، یہ معاملہ درست نہیں ہے، قمار کے تحت داخل بلکہ کھلا ہوا ہوا ہے۔

بیع بالتقسیت - فقہی نقطہ نظر

مولانا زبیر احمد کاکی ☆

۱- سامان کو ادھار فرخت کرنے کی صورت میں اس کی قیمت نقد فرختگی کے مقابلہ میں زیادہ رکھنا تراضی طرفین کے ساتھ جائز ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں:

”لأن للأجل شبهها بالمبيع ألا يرى أنه يزداد في الثمن لأجل الأجل“ (ہدایہ

نارث ۶، باب المراءح والبیع)۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت اور قسطوں میں، دونوں طرح جائز ہے۔ اب جو بھی صورت تراضی طرفین سے بوقت عقد طے ہو جائے اس کی پابندی و رعایت فریقین پر لازم ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں کہ ”المسلمون علی شروطہم“ (مشکوٰۃ کتاب المبیع رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ و ترمذی) حدیث پاک کی ہدایت ہے۔

۳- ادھار فرختگی کے وقت اگر بائع قیمت تو دونوں بیان کر دے کہ ادھار قیمت اتنی، اور نقد قیمت اتنی، مگر معاملہ کا ایجاب و قبول قطعی انداز سے صرف کسی ایک ہی قیمت پر متعین کر کے ہو تو معاملہ جائز ہوگا، لیکن اگر ادھار و نقد دونوں قیمت کے درمیان تردد کرتے ہوئے ایجاب و قبول ہوگا تو پھر جہالت ثمن کی وجہ سے یہ معاملہ صحیح نہ ہو سکے گا۔

۴- ادھار فرختگی کے وقت، نقد قیمت کے مقابلہ میں قیمت کی زیادتی، اولاً محض صوری اور ظاہری زیادتی ہے ورنہ ”للنقد مزیة علی النسیئة“ کے معروف اصول کے مطابق کہا جاسکتا

ہے کہ درحقیقت حکماء دونوں قیمتیں برابر ہی ہیں۔

ثانیا یہ زیادتی کو بظاہر وقت واجل کا عوض معلوم ہوتی ہے، لیکن فقہاء لکھتے ہیں: ”لأن للأجل شبهة بالمبيع“ اس طرح یہ زیادتی شبہ بیع کا عوض ہوتی ہے نہ کہ وقت اور اجل محض کا۔
ثالثا عوض اجل وہاں ربوا بن جاتا ہے جہاں کسی مدیون سے اجل و مہلت کے عوض قدر دین سے زائد لیا جائے، یہاں بوقت عقد کوئی کسی کا مدیون نہیں ہوا کرتا اور نہ کسی سابق قدر دین میں مہلت دے کر اضافہ کیا جاتا ہے، اس لئے اوصار قیمت کی زیادتی پر شبہ ربوا محض وہم ہے۔
۵- اوصار فرختگی کے وقت قسطوں میں ثمن کی ادائیگی کے لئے دو مدتیں بیان کرتے ہوئے ایک مدت قصیر میں مال کی قیمت کم، اور دوسری مدت طویل میں مال کی قیمت زیادہ ہونے کا بھی تذکرہ کر دے مگر معاملہ کا ایجاب و قبول تراضی طرفین کے ساتھ صرف کسی ایک ہی صورت کے قطعی تعین کے ساتھ ایک قیمت اور ایک مدت پر ہی ہو تو پھر یہ صورت معاملہ بھی جائز ہے، کیونکہ ثمن واجل دونوں معلوم ہیں۔

۶- کسی سامان کی خرید و فروخت جب مثلاً دس روپے کے عوض تراضی طرفین سے ہو جائے، اور اس کے ساتھ یہ بات بھی طے پائے کہ اس دس روپے ثمن کی ادائیگی ایک ماہ کے اندر کرنی ہوگی تو یہ معاملہ بھی نقد نہیں، بلکہ اوصار ہی کہلائے گا، شرعی اصطلاح میں اسی کو بیع مؤجل کہا جاتا ہے جو یقیناً جائز ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ دوسری شرط لگائی کہ اگر ایک ماہ کے اندر یہ دس روپے ثمن ادا نہیں کئے گئے تو ہر ماہ کی تاخیر پر مزید دو روپے کا اضافہ کرنا ہوگا، یہ شرط جائز نہیں اگرچہ تراضی طرفین بھی ہو جائے، کیونکہ اس شرط کی وجہ سے یہ معاملہ عقد ربوا پر مشتمل ہو جائے گا جو قطعاً حرام ہے، اس کی تفصیل اور وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہاں جب دس روپے سامان کی قیمت طے ہوگئی تو بیع کا کل عوض دس روپے قرار پا گیا، اور عقد کے مؤجل ہونے کے سبب وہ خریدار اس دس روپے ثمن کا مدیون ہو گیا، اب مدیون سے محض وقت و مہلت کے عوض دس

روپے سے زائد وصول کرنا باہمی کہلائے گا، خواہ وہ قدر زائد فیصد کے حساب سے ہی ہو۔

۷۔ یہ سوال، سوال بالاعی جیسا ہے، اور یہ صورت بھی بیع مؤجل ہی کی ہوتی ہے، اس کا حکم بھی وہی ہے کہ ابتداً یہ معاملہ صحیح تھا، مگر دوسری شرط کے وقت مقررہ پر یکمشت یا جملہ قسطیں، یا کوئی قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کچھ رقم ادا کرنی ہوگی، اب اس مقدار زائد کی تعیین کر دی جائے یا فیصد کا حساب رکھا جائے۔ بہر صورت اس دوسری شرط نے اس معاملہ کو ناجائز بنا دیا، وہ مزید رقم بہر حال ایک مدیون مشتری سے قدر دین سے زائد لیما ہوا، جو فضل اور خالی عن العوض ہو کر باہمی بنے گا۔

۸۔ (الف): اوصار قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے اگر مشتری کا کوئی سامان بائع اپنے قبضہ میں بطور رہن رکھتا ہے تو تراضی طرفین سے یہ بھی جائز ہے، مگر اصح اور مفتی بہ قول کے مطابق اس مرہون سامان سے بائع (مرتنن) کسی بھی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا، نہ مشتری (راہن) کی اجازت سے نہ بلا اجازت۔

(ب): بائع (مرتنن) کے قبضہ میں چونکہ وہ مال مرہون، امانت کے طور پر محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے اگر وہ مال بلا تعدی کے ضائع ہو جائے تو بائع کا جو دین مشتری کے ذمہ تھا وہ ادا شدہ بن جائے گا، مگر مشتری ماز ادلی الدین کے بقدر بائع سے مطالبہ کا بھی حق نہیں رکھے گا۔

ہاں اگر بائع (مرتنن) کی لاپرواہی اور تعدی سے وہ مال مرہون ضائع ہوگا تو دین سے زائد اس مال کی جتنی قیمت ہوگی اس کا مطالبہ بائع (مرتنن) سے یقیناً کیا جائے گا، لیکن اگر مال مرہون کی کل قیمت قدر دین سے بھی کم ہوگی تو اس قیمت کے بقدر تو بائع کا دین وصول شدہ ہو جائے گا، اس کے بعد باقی ماندہ قدر دین کا مطالبہ پھر مشتری راہن سے کر کے وصول کرے گا (مٹا ۵/۳۱۰، بحر ۸/۲۳۳)۔

(ج): اگر خریدار وقت مقررہ پر قیمت نہ ادا کرے، مطالبہ کے باوجود مال منول کرے تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مال مرہون کو بیچ کر بائع (مرتنن) کا دین ادا کرے، اس پر

بھی وہ تیار نہ ہو تو پھر قاضی شریعت، حاکم وقت یا جماعت مسلمین کے ذریعہ اسے فروخت کر کے بائع اپنا دین وصول کرے گا۔

۹- (الف، ب) : فروخت شدہ سامان کی قیمت کی ادائیگی اگر حالاً و معجل طے ہوئی ہے تب تو بائع کو یہ حق ملتا ہے کہ وہ مکمل ثمن کی وصولیابی تک اس فروخت شدہ مال کو اپنے قبضہ میں رکھے (ابند یہ ۱۵۳، رد المحتار ۵/۳۱۷) اور اس کی حیثیت محض، ”حبس المبیع لاستيفاء الثمن“ ہی کی ہو گی، اسے رہن نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ رہن عقد تبرع ہے، اس پر مشتری کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، ہاں اگر خود مشتری ہی یہ کہدے (جبکہ بائع اس بیع کو حوالگی کے لئے تخلیہ اور رفع مانع عن القبض کر چکا ہے) کہ آپ اس سامان کو اپنے پاس ہی رکھیں جب تک کہ میں ثمن ادا نہ کر دوں تو اس صورت میں وہ بیع بحکم رہن ہو سکتی ہے ورنہ نہیں (ہدایہ ۳/۵۱۸)۔

(ب) : ”الرهن بالمبيع باطل“ (ہدایہ رابع ۱۰، ۵۱۱، رد المحتار ۵/۳۱۷) تو جب بیع فی ید البائع کے بدلے مشتری کا کوئی سامان اس کی رضامندی کے بغیر یا رضا سے بھی رہن نہیں رکھا جاسکتا تو خود اس سامان بیع ہی کو رہن کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ ہاں اس بیع کو بحکم رہن قرار دینے کی ایک ہی صورت ہے کہ بائع تخلیہ اور قبضہ کے مواقع کو رفع کر دے، اس کے بعد خود مشتری پیشکش کرے، ”امسک ہذا حتی اعطیک الثمن“ اس میں بھی امام ابو یوسف اور امام زفر کا اختلاف ہی ہے (ہدایہ ۳/۵۱۹)۔

۱۰- قیمت کی ادائیگی جب قسطوں میں طے ہوتی ہے تو اس کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ بیع مؤجل ہو کر منعقد ہوتی ہے، اور بیع کے مؤجل ہونے کی صورت میں بیع کو اپنے قبضہ میں محبوس رکھنے کا حق بائع کو نہیں ہوتا۔ اب بائع اس بیع کو اپنے قبضہ میں رکھ کر کو یا پہلے ظلم کرتا ہے، پھر دوسرا ظلم یہ ڈھاتا ہے کہ ادا کردہ کچھ قسطوں کو بھی ہضم کر جاتا ہے، اور اس طرح عوض اور معوض عنہ دونوں ہی کا مالک بن جاتا ہے، حالانکہ ”لا یجتمع الوصفان فی ملک واحد“، معروف مسئلہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ معاملہ ”ظلم فوق ظلم“ کے قبیل سے ہو گیا، اور ادا شدہ قسطوں کو ہضم

کرنا "اکل بالباطل" میں داخل ہوا جو شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔

۱۱ - عقد رہن کی صحت کے لئے شرط ہے کہ باضابطہ تراضی طرفین سے ایجاب و قبول ہو کر مال مرہون مرتہن کے قبضہ میں آجائے (بواہر رابع / ۵۰۸)۔

خرید کردہ سامان جب مشتری کے قبضہ و استعمال میں ہوگا تو ظاہر ہے کہ "رہان مقبوضہ" کا تحقق نہیں ہوگا، اور جب مال مرہون مرتہن (بائع) کے قبضہ ہی میں نہ آیا تو عقد رہن کا وجود ہی کہاں ہوا، پھر اسے رہن کیسے کہا جاسکتا ہے؟ باقی رہا یہ امر کہ فروخت شدہ سامان مشتری کے قبضہ و استعمال میں ہوتے ہوئے بھی اس میں مالکانہ فروخت و تصرف کا حق بائع ہی کو حاصل رہے یہ تو بالکل ناقابل فہم و تصور ہے، اگر اس مالکانہ فروخت و تصرف کے حق ملنے اور رہنے کی شرط بائع کی جانب سے بوقت بیع ہی لگا دی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ شرط فاسد کے سبب یہ معاملہ بیع ہی اپنی اصل سے ابتداءً بیع فاسد ہو کر واجب الفسخ و ارفع ہو جائے گا۔

۱۲ - خریدار کی طرف سے ثمن کی تسلیم کی ضمانت لینا کنالہ کا معروف و مسلم معاملہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے عقد تبرع ہے حتیٰ کہ اگر خریدار (مدیون) کی اجازت و حکم کے بغیر کسی نے ضمانت لے لی تو ادا کردہ رقم تک کا بھی مطالبہ مدیون (خریدار) سے اس کفیل کو کرنے کا شرعاً حق نہیں، چہ جائیکہ کوئی مزید اجرت و معاوضہ کالین دین ہو، اور اگر خریدار (مدیون) کی اجازت و حکم سے وہ کفیل بنا ہے تب بھی ادا کردہ قدر دین سے زائد اجرت و معاوضہ کسی بھی نام سے یقیناً جائز نہیں، یہ بائع ہی کہلائے گا۔

ہاں اگر معاملہ کی یہ صورت ہو کہ آج کل وہ ادارے اور اشخاص جو اس طرح کا کام کرتے ہیں وہ بائع (دائن) سے معاملہ اجارہ کریں، اور اس کی طرف سے وکیل بالاجرة بن کر مشتری (مدیون) سے ثمن و دین وصول کر کے بائع کے سپرد کریں، اور اس عمل تسلیم و تسلیم کی اجرت و معاوضہ جو تراضی طرفین سے طے شدہ ہو وہ لیا کریں تو جائز ہے، گویا یہ معاملہ عقد کنالہ نہیں عقد اجارہ کی حیثیت سے اور اشخاص و ادارے کفیل کی حیثیت سے نہیں، بلکہ وکیل بالاجرة ہو کر کیا

کریں تو شاید حد جواز میں آجائے اور بس۔

۱۳ - ادھار خرید فخر وخت کے وقت اس معاملہ کے مکمل کاغذات تیار کرائے جاتے ہیں، جس میں غالباً عاقدین عقد بیع، بیع، ثمن اور ادائیگی ثمن کے وقت وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہوگا، ان کاغذات کی اصل حیثیت محض ایک ثبوت اور وثیقہ و سند کی ہوتی ہے کہ فلاں کے ذمہ فلاں کا اتنا اور ایسا واجب الادا دین ہے، اب وقت مقررہ سے پہلے یا وقت پر رقم کی عدم ادائیگی کی وجہ سے اس دستاویز میں درج شدہ قیمت مالیت سے کم قیمت کے بدلے اس کی خرید فخر وخت کا جو رواج ہے اس کی حیثیت اگر واقعتاً خرید فخر وخت ہی کی تسلیم کر لی جائے تو ظاہر ہے کہ اسے جائز کہنا مشکل ہے۔

کیونکہ اس تبادلہ میں اصل مقصود ان کاغذی دستاویزات کی ذات نہیں، بلکہ اس میں درج شدہ ثمن و مال ہی ہوتا ہے تو تبادلہ ثمن با ثمن ہونے کے سبب مساوات ضروری ہوگی، کم و بیش کرنا ربا کو مستلزم ہوگا، ہاں اس معاملہ کی اگر یہ توجیہ کی جائے کہ یہ دراصل نہ اس دستاویز کی بیع ہے، نہ اس میں درج شدہ ثمن و مال کی بیع بلکہ یہ مستقل قرض و استقرض کا معاملہ ہے وہ اس طرح کہ درحقیقت صاحب دستاویز اس دستاویز کی بنیاد پر دستاویز کے ظاہری خریدار سے بزبان حال سے یہ کہتا ہے کہ تم اتنا قرض (دستاویز میں درج شدہ رقم سے کم) ہم کو دو۔ اور ہمارا اتنا دین جو فلاں کے ذمہ ہے جس کا ثبوت و سند یہ دستاویز ہے۔ وہ دین تم ہمارے وکیل بالاجرة ہو کر وصول کر لیا اور اسی سے تم اپنا دیا ہوا یہ قرض جو ہم کو آج دے رہے ہو وضع کر لو گے، اس کے بعد جو زائد رقم ہمارے مقرض سے وصول کردہ رقم میں بچے گی وہ تمہارا حق الحقت اور اجرت عمل ہوگی۔ تو اس توجیہ کی صحت کی تسلیم کے بعد یہ معاملہ صحیح ہو سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

۱۴ - خرید فخر وخت کے وقت جب یہ طے ہو جائے کہ اس کا ثمن فلاں وقت مقررہ پر دینا ہے تو یہ تا جیل ثمن مشتری کے حق میں سہولت و آسانی کا باعث ہوتی ہے، اور یہ سہولت ویسر گویا مشتری کا ایک حق ثابت ہو جاتا ہے اور کسی کے حق ثابت کو باطل و ساقط کرنے کا اختیار کسی

دوسرے کو نہیں ہوا کرتا، اس لئے ادھار خرید و فروخت کی صورت میں ثمن کے مؤجل ہو جانے کے بعد بائع وقت مقررہ سے پہلے ثمن کا مطالبہ ہی نہیں کر سکتا، اور اگر مطالبہ کرتا ہے اور مشتری بھی راضی ہو جائے تو ایسا کیا جاسکتا ہے، کیونکہ مشتری نے اپنی رضاء سے خود اپنے حق یسر کو ساقط کر کے عسر کا پہلو اختیار کیا ہے، بہر حال وقت مقررہ سے پہلے بائع اپنے ثمن مؤجل کو کویا حالاً و معجل کرتے ہوئے مطالبہ کرے اور یہ کہے کہ اگر تم ہمارے حق مؤجل، ثمن مؤجل کا اتنا ہی حصہ (مثلاً دو ٹکٹ) آج کل میں ادا کر دو گے تو بقیہ حصہ (ایک ٹکٹ) ہم معاف کر دیں گے تو بشرط رضاء مشتری ایسا کرنا صحیح ہے۔ اس کی کو ”إبراء عن بعض الحق“ اور ”إسقاط بعض الحق“ کہا جائے گا، صاحب حق کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے اپنا کل حق یا بعض حق معاف کر دے۔ یہاں ہلکا سا شبہ وہی مشتری کے حق یسر کے ابطال کا ہو سکتا تھا مگر جب خود مشتری بھی بائع کے مطالبہ معجل پر راضی ہے تو اب یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

۱۵ - اگر معاملہ ادھار کیا جائے مگر قیمت کی ادائیگی کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہ کیا جائے، صرف یہ کہا جائے کہ بعد میں دیدینا، تو یہ بیع مؤجل نہیں معجل ہی ہوگی، اور ثمن درحقیقت حالی اور معجل ہی رہے گی، بائع کو ہر دن ہر وقت مطالبہ کا حق رہے گا۔

اس صورت میں بھی اگر بائع یہ کہے کہ تم ہمارے دین و ثمن کا اتنا ہی حصہ (مثلاً دو ٹکٹ) ابھی دے دو تو ماٹھی حصہ (ایک ٹکٹ) ہم معاف کر دیں گے اور اس طرح فوری لین دین ہو جائے تو یہ معاملہ بھی جائز ہی کہلائے گا۔

۱۶ - جیسا کہ معلوم ہے کہ ثمن کی ادائیگی میں اجل و مہلت سے مشتری کو سہولت و آسانی ہو جاتی ہے، اس لئے جب معاملہ بیع کے وقت طرفین کی رضامندی سے ثمن کی ادائیگی میں مشتری کو مہلت دی جا چکی ہے تو یہ مہلت ویسر مشتری کو ایک حق لازم و ثابت مل چکا۔

اس لئے طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر اس مہلت ویسر کو یکطرفہ ختم کر کے ماٹھی جملہ قیمت کا فوری مطالبہ کرنا بائع کے لئے جائز نہیں۔ ”لأن الأجل حق الملبون،

ولا يملك أحد إبطال حق الغير“۔

ہاں اگر معاملہ کے وقت ہی یہ شرط لگا دی جائے کہ اگر کوئی بھی قسط اپنے وقت مقررہ پر ادا نہ ہو سکی تو پھر کل باقی کو فوری ادا کر دینا ہوگا۔ تب کسی بھی قسط کی تاخیر سے اپنے آپ مہلت ختم ہو جائے گی اور باقی جملہ کے مطالبہ کا حق بائع کو حاصل ہو جائے گا (البحر الرائق ۱۳۱/۶)۔

۱۷- بیع بالتسبیط یعنی بیع مؤجل میں مقررہ وقت سے پہلے اگر مدیون مر جائے تو اجل باطل ہو جائے گا، دین مغل ہو کر اس کے ترک سے فوراً وصول کیا جاسکتا ہے۔

لیکن اگر دائن کی موت ہو جائے تو معاملہ علی حالہ اپنی تفصیل کے مطابق مؤجل ہی رہے گا (شامی ۲۳/۳، بحر الرائق ۲۸۰/۵)۔

۱۸- آج کل کا یہ رواج کہ بالائتسا خرید و فروخت کرنے والے دکاندار ہر قسط کی ادائیگی پر یا ماہ بیاہ یا مثلاً چھ مہینے یا سال پر ایک خاص رقم بنام انعام اپنے خریداروں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، اور اس انعام کے مستحق کی تعیین قریباً اندازی سے کرتے ہیں، یہ جائز ہے، اسے قمار و بائیس کہا جاسکتا۔ دراصل دکاندار اپنی شہرت اپنی ساکھ اور مارکیٹ میں اپنے مال کی کھپت بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ خریداروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور رکھنے کے لئے یہ تقسیم انعام کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ مگر ہر خریدار کو انعام دینے میں فائدہ سے زیادہ نقصان محسوس کر کے ضابطہ یہ بنایا جاتا ہے کہ وقت مقررہ پر قسط ادا کرنے والوں میں سے ایک کو یا مثلاً چار کو اتنا انعام دیا جائے گا، اور اسی کا اعلان کیا جاتا ہے، یہ واقعتاً محض تبرع اور انعام ہی ہوتا ہے، مگر تطنیباً للتغلوب اس ایک یا چار مستحقین انعام کی تعیین قریباً اندازی کے ذریعہ ہوتی ہے اور بس۔

اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ معقول نہیں۔ رہا تو اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ انعامی رقم مدیون ہی کو ملا کرتی ہے، کسی مدیون سے زائد رقم نہیں لی جاتی، اور قمار اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ من جانب واحد انعام دینا طے اور معلوم ہے۔ ”تعليق الملك على امر متردد دائر بين النفع والنقصان“ کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

۱۹ - بعض دکاندار کا یہ طریقہ کار کہ ایک متعین مدت پر ایک سامان دینے کے لئے چند خریداروں سے بالاقساط قیمت جمع کرائی جائے، اور ہر قسط کا ایک وقت مقرر ہو جس کے ادا کرنے کے بعد قرض اندازی کی جائے، اور جس خریدار کا نام نکلے اس کو وہ سامان دے دیا جائے، اور اس کے بعد اس سے کسی قسط کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے وہ معاملہ سے الگ سمجھا جائے۔

اسی طرح ہر مرتبہ کی قرض اندازی سے جس کا نام نکلتا جائے وہ سامان پاتا جائے، اور معاملہ سے الگ ہو جائے، یہ طریقہ کار بالکل ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ یہ صریح قمار ہے۔

یہ طریقہ دراصل قمار کی ماڈرن شکل ہے جو چالاک جوئے باز دکاندار کی چال بازی ہے۔ اس چالاک دکاندار کو تو ہر دفعہ اپنے سامان کی مکمل قیمت و لاگت کچھ نفع و اضافہ کے ساتھ مل ہی جاتی ہے کو یا اس نفع کی تو گارنٹی ہوتی ہے، مگر خریداروں کا معاملہ ”دائر بین النفع والمقتصان“ رہتا ہے۔ چنانچہ کسی کو وہی سامان صرف دو سو میں مل جاتا ہے تو کسی کو دو ہزار میں مل پاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی ”تعليق الملك على الأمر المتعدد“ والی صورت ہے، جسے قمار کہا جاتا ہے۔



قسطوں پر خرید و فروخت فقہی تناظر میں

مولانا انیس الرحمن نقاسی ✽

انسانی معیشت اور اقتصاد پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ضرورتوں کی تکمیل اور معیشت کے فروغ کے لئے بنیادی طور پر لین دین کے طریقوں میں سے ”بیع“ یعنی تجارت کو جائز قرار دے کر اسے اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور سودی طریقہ سے لین دین کو حرام قرار دے کر اس سے بچنے کی تاکید کی ہے (۱) بیع (خرید و فروخت) کے دو جز ہوتے ہیں: ایک ثمن اور دوسرا بیع۔

ثمن بنیادی طور پر سونا چاندی اور روپیہ ہوتا ہے، اور کبھی سامان بھی ہوتا ہے لہذا ”بیع“ ہمیشہ سامان ہی ہوتا ہے، اس طرح سامان کا ثمن یا سامان سے رضامندی کے ساتھ تبادلہ کا نام بیع ہے (۲)۔ مگر اس تبادلہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ سامان قابل انتفاع ہو (۳) اور عقد بیع دھوکہ و غرر سے خالی ہو (۴) نیز عقد بیع کے منافی کوئی شرط بھی نہ ہو (۵) اور جس چیز کو فروخت کیا جا رہا ہے اس پر قبضہ بھی ہو (۶) اور بھاؤ تاؤ میں ثمن و بیع کی تعیین بھی ہو جائے اور وہ ربا سے خالی ہو وغیرہ، (۷) اس طرح ان بنیادی امور کی رعایت کرتے ہوئے جو بھی خرید و فروخت ہوگی چاہے وہ نقد ہو یا ادھار، جائز ہے (۸) چنانچہ نقد اور ادھار خریداری کے دونوں طریقے خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہیں (۹) اور آپ ﷺ کے بعد بھی ہر دور میں نقد اور ادھار دونوں طریقوں پر خریداری کا تعامل مسلمانوں میں جاری رہا ہے، اس لئے شیخ

الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ مسلمان برابری قسط پر خریداری کا معاملہ کرتے آ رہے ہیں اور یہ تعامل کو یا ان کی طرف سے اس مسئلہ پر اجماع ہے (۱۰)۔

لیکن ادھار فر و ختگی کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ قیمت (قسط میں) ادا کرنے کی مدت فریقین کے درمیان متعین و طے شدہ ہوتا کہ کسی طرح کی نزاع نہ پیدا ہو (۱۱) اور جس طرح قیمت کو ایک قسط میں ادا کرنا صحیح ہے، اسی طرح ایک سے زیادہ قسطوں میں بھی ادا کرنا صحیح ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ خرید و فروخت (بیع) کا معاملہ کرتے وقت ہر قسط کی ادائیگی کی مدت متعین ہو (۱۲) لیکن مدت کی ابتداء کس وقت سے شمار کی جائے گی، کیا معاملہ کرنے کے وقت سے یا سامان کی سپردگی کے وقت سے؟ اس بارے میں فقہ حنفی کی کتابوں: ”رد المختار اور مجلہ الاحکام العدلیہ“ وغیرہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ بیع (سامان) کی سپردگی کے وقت سے مدت کا شمار ہوگا (۱۳)۔

قسط پر فر و ختگی کی صورت میں قیمت کی زیادتی:

اقتط پر خرید و فروخت کی صورت میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بیچنے والا نقد فر و ختگی کی صورت میں سامان کی قیمت کم رکھتا ہے اور ادھار یا قسطوں پر فر و ختگی کی صورت میں قیمت زیادہ رکھتا ہے، ایسا کرنا فقہاء اربعہ کے یہاں جائز ہے (۱۴) کیونکہ بائع کو شرعاً یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی چیز جس قیمت پر چاہے فروخت کرے، بعض اوقات ایک ہی چیز قیمت مقام و وقت کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے، لہذا اگر کوئی شخص اپنی چیز کی قیمت ایک حالت میں ایک مقرر کرے اور دوسری حالت میں دوسری قیمت مقرر کرے تو شریعت اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی، البتہ کسی کی حاجت و محتاجی سے فائدہ اٹھا کر اگر بہت گراں فروخت کرتا ہے تو شریعت کے اس عام قاعدے کے مطابق کہ زیادہ گراں فروخت کیا جائے بائع کے لئے ایسا کرنا مکروہ ہوگا (۱۵)۔

۳، ۴ - دو قیمتوں میں سے ایک کی تعیین:

نیز ادھار فر و ختگی کی صورت میں جس طرح قیمت زیادہ کر کے معاملہ کرنا جائز ہے، اسی

طرح یہ بھی جائز ہے کہ معاملہ کرتے وقت، مثلاً یہ کہا جائے کہ نقد سو روپے میں اور ادھار سو سو روپے میں، مگر اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ مجلس عقد ہی میں کسی ایک صورت پر اتفاق کر لیا جائے، اور مدت ادائیگی متعین ہو جائے، ایسا کرنے میں اگرچہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ مدت کے عوض روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے جو سود ہے، مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے، کیونکہ ادھار میں مدت کی وجہ سے سامان کی قیمت میں اضافہ کرنا اور مدت (اجل) کا عوض لینا دونوں میں فرق ہے، کیونکہ کسی سامان کی قیمت میں اضافہ کے اسباب مختلف ہوتے ہیں، کبھی تو سامان کی قیمت مقام کے لحاظ سے بڑھ جاتی ہے، اور کبھی وقت کے لحاظ سے بڑھتی ہے، اسی طرح ہر صاحب مال کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال کی قیمت میں اضافہ کرے، اس لئے جب صاحب مال کے لئے نقد فروخت کرنے کی صورت میں بھی قیمت بڑھا کر لینا جائز ہے تو ادھار فروختگی کی صورت میں بھی اضافہ کرنا جائز ہے، جو صورت ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ نقد اور ادھار دونوں صورتوں کو بائع پیش کرے اور خریدار کسی ایک پر اتفاق کئے بغیر اٹھ جائے، اور پھر بعد میں اس کو قبول کرے، اس سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیعتین فی بیعة“ (۱۶) اس سے مراد یہ ہے کہ مثلاً بائع خریدار سے یہ کہے کہ میں یہ کپڑا تم سے نقد دس روپے میں بیچتا ہوں اور ادھار بیس روپے میں، پھر کسی ایک قیمت پر اتفاق کئے بغیر جدائی ہوئی تو بیع صحیح نہیں، اور اگر کسی ایک پر اتفاق کر کے دونوں کی جدائی ہوئی تو بیع مکمل ہوگئی، یہ جمہور علماء اور فقہاء اربعہ کا مسلک ہے (۱۷)۔

۵، ۶، ۷ - دو مدتوں اور دو قیمتوں میں سے ایک پر اتفاق ضروری ہے:

بعض دفعہ تجارت ادھار و خنکی کا یہ طریقہ اپناتے ہیں کہ سامان کو ادھار ہی فروخت کرتے ہیں مگر اس کی قیمت دو یا دو سے زائد طرح کی رکھتے ہیں اور قیمتوں میں فرق ادائیگی کی مدت میں فرق کی وجہ سے ہوتا ہے، مثال کے طور پر فروخت کرنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر آپ نے سامان کی قیمت چھ ماہ میں ادا کر دی تو مال کی قیمت گیارہ ہزار ہے، اور اگر سال بھر میں ادا کی تو بارہ ہزار

روپے ہے، اور ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہو گیا تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہے، اور اگر کسی ایک پر اتفاق نہ کر کے عاقدین اس خیال سے جدا ہو گئے کہ خریداران میں سے جو صورت چاہے اپنے حالات کے اعتبار سے اختیار کر لے تو یہ صورت حرام ہے، اور فریقین پر واجب ہے کہ وہ اس عقد کو ختم کر دیں اور اگر چاہیں تو دوبارہ نیا معاملہ کریں (۱۸)۔

ادائیگی میں تاخیر کے عوض منافع:

ادھار و ختگی میں معاملہ طے کرتے وقت تو قیمت میں اضافہ کرنا جائز ہے، لیکن اگر خرید فرشتہ اس طرح کی جائے کہ قیمت طے کر لی جائے اور ادائیگی کی مدت بھی طے ہو جائے، خواہ قسطوں میں ہو، یا یکمشت، اور اس کے ساتھ ہی یہ طے کر لیا جائے کہ یکمشت قیمت یا جملہ قسطیں یا کوئی قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کچھ رقم مثلاً ۲ فیصد دینی ہوگی تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ قیمت طے ہونے کے بعد خریدار کے ذمہ اسی قیمت کی ادائیگی لازم ہوتی ہے، اور یہ دین ہوتا ہے، اور دین کی ادائیگی میں تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں واقع ہوگا، اگر تاخیر کی صورت میں اس سے مزید رقم لی جائے گی تو یہ مدت کا عوض ہوگا، جو جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ربا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ حدیث رسول میں اصلا مدت کے عوض ہی لینے کو ربا قرار دیا گیا ہے (۱۹) اسی لئے بعض فقہاء نے ربا کی تعریف یہ کی ہے کہ ”الربا هو الزيادة علی رأس المال بتأخیر الآجال“ (۲۰) اور علامہ ابو بکر جصاص الرازی لکھتے ہیں: ”ومعلوم أن ربا الجاهلیة انما كان قرضاً موجلاً بزيادة مشروطة فكانت الزيادة بدلاً من الاجل فابطله الله تعالى وجهه“ (۲۱) (یہ معلوم ہے کہ عہد جاہلیت کا ربا قرض مؤجل ہوتا تھا جس میں (واپسی) اضافہ کے ساتھ مشروط ہوتی تھی، اور یہ اضافہ اجل (مدت) کے بدلہ ہوتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے باطل و حرام قرار دیا ہے) اسی لئے قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کے بدلے جو بھی اضافی رقم لی جائے گی وہ ربا ہوگی۔

ادائیگی قیمت پر رہن کا مطالبہ:

چونکہ قسطوں میں قیمت ادا کرنے کا معاملہ ایسا ہوتا ہے جس میں بائع کو اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں خرید اقسط کو متعینہ مدت میں ادا کرے گا یا نہیں، اس لئے وہ خریدار سے ضمانت طلب کرتا ہے جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ خریدار اپنی کوئی مملوک شئی بائع کے پاس بطور رہن رکھتا ہے، اور دوسری یہ کہ کوئی دوسرا شخص خریدار کی طرف سے ادائیگی کا کفیل ہوتا ہے، یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، رہن رکھنے کا جواز تو خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے (۲۲) اسی طرح کفالت و گارنٹی کا جواز قرآن کریم اور حدیث رسول نیز تعامل صحابہؓ سے ثابت ہے (۲۳)۔

رہن سے انتفاع کا حق:

رہا یہ سوال کہ رہن رکھنے کے بعد اس مال مرہون سے مرہن (یعنی بائع) کے لئے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ایک خریدار اپنی جس چیز کو بائع (فروخت کرنے والے) کے پاس بطور رہن رکھتا ہے وہ چیز خریدار ہی کی ملک ہوتی ہے، اور بائع (جو مرہن ہے) وہ اس چیز کو اپنے دین کے بدلے قبضہ میں رکھنے کا حق دار ہوتا ہے، مگر اس رہن سے خریدار کی نفس ملکیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اب خریدار (راہن) اس شئی میں گروی رکھنے کی وجہ سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا ہے، لیکن اصولاً اس شئی کی منفعت کا حقدار وہی ہوتا ہے، اور مرہن (یعنی بائع) اس شئی کو اپنا دین وصول کرنے کے لئے بطور ضمانت رکھتا ہے، اس کی بنیاد پر کسی طرح کا نفع اٹھانے کا حق اسے نہیں ہوتا ہے، اسے تو صرف اپنا دین (قیمت) وصول کرنے کا حق ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”کل قرض جور نفعاً فہو ربا“ (۲۴) (ہر ایسا قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے) نیز فرمایا: ”إذا أقرض أحدكم قرضاً فإهدى إليه أو حملة على المأبأة فلا يركبها ولا يقبله إلا أن يكون جوري بينه وبينه قبل ذلك“ (۲۵) (جب تم میں سے کوئی کسی کو قرض دے پھر قرضدار اس کو کچھ ہدیہ دے یا اپنی سواری پر بٹھائے تو نہ بیٹھے اور نہ ہدیہ قبول کرے

الا یہ کہ ان دونوں کے درمیان پہلے سے تحفہ تحائف دینے کا معمول ہو) اسی لئے جمہور رائے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام مالک (ذین فترض) کی صورت میں مرتہن کے لئے مال رہن سے نفع اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں (۲۶) اسی طرح امام احمد بن حنبل بھی مال رہن سے نفع اٹھانے کی اجازت (ذین فترض کی صورت میں) نہیں دیتے ہیں الا یہ کہ مال رہن سواری یا دودھ والا کوئی جانور ہو اور مرتہن اس پر خرچ کر رہا ہو (۲۷) اس قول کی وجہ وہ حدیث ہے جو اکثر کتب حدیث میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”الظہر یرکب بنفقته إذا کان مرہونا“ (۲۸) مگر احناف و شوافع اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں، امام ابو جعفر طحاوی اس حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ مال رہن سے انتفاع کا یہ جواز اس وقت کی بات ہے جبکہ ربا کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، جب اس کے حرام ہونے کا حکم آیا تو فترض کی بناء پر ہر طرح کا انتفاع بھی ناجائز ہوا، چنانچہ اصحاب علم کا اس پر اجماع ہے کہ رہن کا خرچہ رہن پر ہے نہ کہ مرتہن پر، اور یہ بھی کہ مرتہن کے لئے رہن کا استعمال جائز نہیں ہے (۲۹)، نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلی حدیث جو ذکر کی گئی اس سے حرمت معلوم ہوتی ہے، اور دوسری حدیث اباحت پر دلالت کر رہی ہے اور جب حلت و حرمت کی نص میں تعارض ہوتا ہے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے، اس لئے عدم جواز کی روایت ہی راجح قرار پائے گی۔

مالک کی اجازت سے مال رہن سے انتفاع:

البتہ جو سامان رہن کا مالک ہے اگر وہ خود مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے دے تو کیا اس کی اجازت سے وہ رہن والے مال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ اس بارے میں فقہاء اربعہ کے اقوال مختلف ہیں، مالکیہ کہتے ہیں کہ مال رہن سے مرتہن کے لئے استفادہ تین شرطوں سے جائز ہے:

- ۱۔ مال رہن سے انتفاع کی بات معاملہ کے اندر مصرح ہو، ۲۔ انتفاع کی مدت متعین ہو، ۳۔ مال مرہون کسی دین کی وجہ سے نہ رکھا ہوا ہو۔

پس اگر صلب عقد میں انتفاع مصرح نہ ہو اور راہن نے مفت انتفاع کی اجازت دے دی تو یہ جائز نہیں (۳۰) حنا بلہ کے نزدیک سواری اور دودھ والے جانور سے انتفاع اس پر خرچ کے بقدر جائز ہے، اگر چہ راہن سے اجازت نہ لی ہو اسی طرح انتفاع معاوضہ دے کر جائز ہے، جیسے مکان میں کرایہ دے کر رہنا، لیکن اگر دین کے بدلے مال بطور رہن رکھا ہو تو انتفاع جائز نہیں ہے (۳۱) شوانغ کے نزدیک مال مرہون سے انتفاع جائز نہیں ہے (۳۲)۔

احناف کے یہاں راہن کی اجازت سے انتفاع کے سلسلے میں کتب فقہ میں چار اقوال ملتے ہیں: پہلا قول مطلق جواز کا ہے۔ امام مرغینانی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: ”ولیس للمرتہن أن ینتفع بالرہن لا بالاستخدام، ولا سکنی، ولا لبس، إلا أن یأذن له المالك“ (۳۳)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ راہن کی اجازت کے بعد مرتہن کے لئے مال رہن سے انتفاع حرام ہے، علامہ ابن عابدین ثامی الخ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”وعن عبد اللہ بن محمد بن أسلم السمرقندی۔ وکان من کبار علماء سمرقند: أنه لا یحل له أن ینتفع بشئ منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له فی الربا، لأنه یتوفی دینہ کاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً فیكون ربا“ (۳۴)۔

تیسرا قول یہ ہے کہ راہن کی اجازت سے مال مرہون سے انتفاع مکروہ ہے، یہ قول امام ابو یوسف سے منقول ہے (۳۵)۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اگر رہن رکھتے وقت یا رہن کا معاملہ کرتے وقت اس سے انتفاع کی شرط لگائی گئی تو انتفاع حرام ہے، اور اگر ایسی کوئی شرط نہ لگائی گئی، اور نہ معاشرہ اور سماج میں انتفاع کا رواج عام ہے، اور راہن بعد میں طیب خاطر اس سے انتفاع کی اجازت دے دے تو درست ہوگا (۳۶)۔

یہی قول قرب الی الصواب اور راجح ہے، اسی کی طرف علامہ شامی کا رجحان ہے، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں لوگوں کا عام حال یہی ہے کہ وہ قرض دیتے وقت مال مرہون سے نفع حاصل کرنے کی نیت رکھتے ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو وہ دراہم (قرض کے طور پر) دیں ہی نہیں، اور یہ شرط ہی کے درجہ میں ہے ”المعروف کالمشروط“ (معروف مشروط کے حکم میں ہے) اور یہ اس کی ممانعت ہی کو متعین کرتا ہے (۳۷) اس لئے رہن کے مال سے مرہن کے لئے انتفاع حرام ہے، اور صرف اس صورت میں جائز ہے، جبکہ رہن کے معاملہ میں اس سے انتفاع نہ حقیقتہً مشروط ہو اور نہ حکماً و عرفاً، پھر بعد میں اگر راہن بطیب خاطر قرض دہندہ کو اس سے نفع اٹھانے کی اجازت دے دے (بشرطیکہ وہ اپنے دل میں یہ خیال نہ رکھتا ہو کہ اگر وہ اس کی اجازت نہ دے گا تو آئندہ اسے قرض یا قسط پر مال نہیں ملے گا) تو اس کے لئے انتفاع جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

انتفاع ناجائز ہونے کو اکابر علماء ہند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳۸) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی مفتی اول دارالعلوم دیوبند (۳۹) نے بھی لکھا ہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ نے تفصیل کر کے اس چوتھے قول کو اختیار کیا ہے، مگر ان کا رجحان یہی ہے کہ انتفاع کی شرط نہ حقیقتہً ہو اور نہ حکماً (۴۰) حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مسلک کی بنیاد پر مذکورہ روایتوں اور فقہاء کے اقوال میں تعارض بھی باقی نہیں رہتا، اور حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ روایت جس سے مطلقاً انتفاع جائز معلوم ہوتا ہے، وہ اسی غیر مشروط انتفاع پر محمول ہوگی اور وہ احادیث جن سے عدم جواز مفہوم ہوتا ہے اس سے مشروط انتفاع مراد ہوگا، اسی طرح فقہاء کے اقوال میں بھی تطبیق ہو جائے گی کہ جو حضرات اذن کے بعد انتفاع کو مطلقاً جائز کہتے ہیں اس سے ان کی مراد رہن کا وہ معاملہ ہے جس میں کسی طرح بھی انتفاع شرط نہ ہو اور بطیب خاطر راہن اجازت دے دے، اور جو حضرات اذن کے بعد بھی انتفاع کو حرام کہتے ہیں ان کی مراد انتفاع مشروط اور

وہ اذن ہے جس کے پیچھے اکراہ اور مجبوری کام کر رہی ہو اور وہ انشراح صدر کی صفت سے خالی ہو (۴۱)۔

اب رہا بعض فقہاء کا یہ مسلک کہ اذن کے بعد انتفاع مکروہ تنزیہی ہے تو اس سے مراد بھی انتفاع غیر مشروط ہے، لیکن فقہاء کا یہ مسلک احتیاطی ہے، چونکہ یہ انتفاع کسی نہ کسی درجے میں جا کر رہا ہو جاتا ہے اس لئے غیر مشروط ہونے کے باوجود اور صحیح اذن کے بعد بھی اس سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے (۴۲)۔

مال رہن کا اتلاف:

اگر مال رہن مرہن کے یہاں تلف ہو جائے، چاہے یہ اتلاف مرہن سے ہو یا کسی اور سے (۴۳) اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اور مال رہن پر قبضہ کے دن جو قیمت ہوگی اسی قیمت کا اعتبار راہن کے حق میں ہوگا، مثلاً اگر مال رہن کی قیمت اس پر قبضہ کے دن ایک ہزار تھی، اور ضائع ہونے کے دن پانچ سو تو مرہن ایک ہزار روپے کا ضامن ہوگا، البتہ اگر کسی اور نے ضائع کر دیا تو اس کے اوپر پانچ سو ہی دینا لازم ہوگا اور باقی پانچ سو روپے مرہن اپنی طرف سے دے گا (۴۴) نیز مال رہن کے ضائع ہونے کی صورت میں اگر اس کی قیمت دین کے برابر ہے تو دین ساقط ہو جائے گا، اور اگر اس کی قیمت دین سے زیادہ ہے تو دین ساقط ہو جائے گا، اور باقی قیمت کے بارے میں اس تفصیل پر عمل ہوگا کہ اگر مرہن کی تعدی کی وجہ سے ضائع ہوا ہے تو وہ زیادہ کا ضامن ہوگا، اور اگر کسی تعدی کے بغیر ضائع ہوا ہے تو باقی کا ضامن نہ ہوگا، اس میں وایعت و امانت کا قانون نافذ ہوگا (۴۵) البتہ اگر راہن نے مرہن کو مال مرہون کے استعمال کی اجازت دے دی، اور وہ شئی مرہون حالت استعمال میں ہلاک ہوگئی تو یہ ہلاکت قائل ضمان نہیں، کیونکہ راہن کی طرف سے مرہن کو اس وقت عاریتہ یہ شئی حاصل تھی، لیکن اس کے استعمال سے پہلے یا استعمال سے فراغت کے بعد وہ شئی ہلاک ہوئی تو قائل ضمان ہوگی۔

در مختار میں ہے: "ولو أذن الراهن للمرتهن في استعماله أو اعارته للعمل

فهلك الرهن قبل أن يشرع في العمل، أو بعد الفراغ منه هلك بالدين لبقاء عقد الرهن، ولو هلك في حالة العمل والا ستعمال هلك أمانة لثبوت بدالعارية حينئذ“ (۴۶)۔

قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مال رہن فروخت کرنے کا حکم:

مرتہن کو مال رہن میں راہن کی طیب نفس کے ساتھ اجازت کے بغیر تصرف کا اختیار نہیں، اس لئے خریدار کی طرف سے قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کی صورت میں مال رہن کو وہ فروخت نہیں کر سکتا ہے، البتہ اگر رکھتے وقت مرتہن راہن کی طرف سے اس کی اجازت لے لے تو پھر مدت ادائیگی کے ختم ہونے پر اسے فروخت کر سکتا ہے، اس صورت میں مرتہن راہن کی طرف سے وکیل ہوگا، اور رہن رکھتے وقت جب اس کی شرط لگائی گئی ہو تو راہن اس کو اختیار سے روک بھی نہیں سکتا ہے، یہ مسئلہ فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں موجود ہے (۴۷)۔

مال رہن فروخت کرنے کی صورت میں مرتہن اپنا دین وصول کرے گا، اور اگر مال رہن کی قیمت زائد ہے تو زائد روپے راہن کو لوٹائے جائیں گے اور کم ہے تو باقی روپے راہن پر دین رہیں گے۔

فروخت شدہ سامان کو روک لینے کا حق:

خرید و فروخت کی تکمیل کے بعد نقد خریداری میں جب خریدار قیمت ادا کر دے تو سامان کو اس کے حوالہ کر دینا لازمی ہوتا ہے اور اگر وہ قیمت ادا نہ کرے تو بائع سامان کو اپنے پاس روک لے گا اور چاہے تو بیع فسخ کر دے گا، لیکن ادھار معاملہ میں بائع کو یہ اختیار نہیں ہوتا ہے کہ وہ سامان مکمل یا بعض قیمت ملنے تک روک لے، کیونکہ ادھار معاملہ میں بیع نقد ہوتی ہے اور قیمت ادھار، اس لئے بیع کو روکنے کا استحقاق بائع کو نہیں ہے۔

”قال أصحابنا رحمهم الله: للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن، إذا كان حالاً كذا في المحيط وإن كان موجلاً فليس للبائع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا بعده“ (۴۸)۔

البتہ اگر بائع کو اندیشہ ہو کہ خریدار وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرے گا تو بیع (سامان) کو اپنی تحویل میں قسط وصول کرنے کی خاطر روکنے کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ سامان کو پہلے خریدار کے حوالے کر کے اس کے قبضہ میں دے (۴۹)، پھر خریدار اسی سامان کو رہن کے طور پر بائع کے حوالہ کر دے تو یہ صورت جائز ہے، کیونکہ خریدار کے لئے اپنی ملکیت کی کوئی بھی چیز رہن رکھنا جائز ہے، چاہے خرید کردہ سامان ہو، یا کوئی دوسری شے، لیکن بیع پر خریدار کی ملکیت ہوگی، اگرچہ بائع کے قبضہ میں ہو، اور اس پر رہن کا حکم عائد ہوگا (۵۰) لیکن ایسی صورت میں جبکہ بیع پر قبضہ کے بعد بائع اس کو رہن کے طور پر رکھتا ہے وہ سامان اس کے پاس صرف رہن رہے گا، ملکیت خریدار کی ہوگی، اس لئے اگر خریدار اس کی قیمت (جو دین ہے) ادا نہ کرے تو بائع اس کو اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا ہے، اور نہ ہی اسے فروخت کر سکتا ہے جب تک کہ بائع کو خریدار کی طرف سے وکالت اس کی اجازت نہ ہو۔

۱۰- بعض جگہ پر تجارتیہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ طے شدہ قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع سامان کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اور پھر وہ سامان اسی کا ہو جاتا ہے، تو یہ صورت رہن رکھنے کی شکل میں صحیح نہیں ہے، اسی طرح خریدار اگر قیمت کی بعض قسط ادا کر کے رک جاتا ہے، اور بائع رہن سے اپنا قرض وصول کرنے کے علاوہ قسط کو وضع بھی نہیں کرتا ہے اور نہ واپس کرتا ہے تو یہ صورت صحیح نہیں ہے۔

۱۱- اور اگر قسط پر خریداری میں یہ صورت اختیار کی جائے کہ سامان فروخت کیا جاتا ہے، اور خریدار اس پر قبضہ کے بعد اسی سامان کو بائع کے پاس رہن رکھ دیتا ہے، اور بائع حق رہن باقی رکھتے ہوئے پھر اسی سامان کو عاریتہ خریدار کے حوالہ یہ کہہ کر کرتا ہے کہ اس کو اپنے استعمال میں لائے، تو خریدار اس کو استعمال کر سکتا ہے، مگر اس کو فروخت نہیں کر سکتا ہے، مرتنہن جب چاہے اس کو واپس لے کر رہن میں محفوظ رکھ سکتا ہے، کیونکہ مال رہن کو مجبوس رکھنے کا حق اصلاً مرتنہن کو حاصل ہوتا ہے، فقہاء اربعہ، احناف، شوافع اور مالکیہ و حنابلہ کا یہی قول ہے (۵۱)۔

گارنٹی پر اجرت:

فسطوں پر اوصار خریداری کی صورت میں خریدار سے اگر بائع کبھی کسی شخص کی یا بینک وغیرہ کی گارنٹی طلب کرتا ہے اور گارنٹی یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ یہ خریدار (جواب مدیون ہے) اگر قیمت ادا کرنے سے قاصر رہے تو یہ ادا کرے گا تو یہ صحیح ہے، فقہ اسلامی کی اصطلاح میں گارنٹی کو کفیل کہا جاتا ہے اور گارنٹی کو ”کفالت“ یہ طریقہ شریعت اسلامی میں محبوب اور پسندیدہ ہے، کیونکہ گارنٹی ایک ضرورت مند شخص کے کام آ کر اس کی ضرورت و مجبوری کو دور کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے، اور فریقین پر احسان کرتا ہے، اسی لئے شریعت میں معاملہ کفالت کو قرض کی طرح، تبرع و احسان کا معاملہ قرار دیا گیا ہے (۵۲) اسی لئے کفالت و گارنٹی پر کسی طرح کی اجرت کا مطالبہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ آج کل مقامی و بین الاقوامی تجارت میں عام طور پر گارنٹی بینک ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں کریڈٹ لیٹر بھی جاری کرتا ہے، اور اس پر تجارتی مالیت کے لحاظ سے تین چار فیصد رقم لیتا ہے، اور ایسا نہ صرف شخصی لین دین میں ہوتا ہے، بلکہ اسلامی ملکوں کی بین الاقوامی تجارت میں بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے تو ایک مسلمان ایسی حالت میں کیا کرے؟

تو اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ دونوں فریق اگر مسلمان ہوں تو ان کو چاہئے کہ معاملہ میں تھوڑی سی تبدیلی کر لیں وہ یہ کہ خریدار بینک کو اپنے معاملہ کی تکمیل کے لئے وکیل بنا دے، اور اس پر اجرت طے کر دے اور اگر دونوں فریق مسلمان نہ ہوں تو بھی اس کی کوشش کی جائے کہ اسی طرح وکیل بنا کر معاملہ کیا جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو حتی الامکان اس سے پرہیز کیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر توکیل نہ ہو تو بینک لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے کے عوض اپنے واجب اخراجات و مصارف عمیل سے لے لے۔

بیع مؤجل میں دین کا کچھ حصہ چھوڑ دینا:

آج کل بعض تجار ”بیع بالتسیط“ یا ”مطلق بیع مؤجل“ میں دین کا کچھ حصہ اسی شرط پر

چھوڑ دیتے ہیں کہ مدیون (قسط پر خریدنے والا) باقی دین کے روپے فی الحال ادا کر دے، مثلاً خریدار کے ذمہ سو روپے دو قسطوں میں ادا کرنے تھے، مگر ادائیگی کی تاریخ سے پہلے بائع یہ کہتا ہے کہ تم ابھی ۷۵ روپے نقد ادا کر دو اور ۲۵ میں چھوڑ دیتا ہوں تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں خریدار اپنی حاصل شدہ مہلت (اجل) کے بدلے ۲۵ روپے حاصل کر رہا ہے، کیونکہ اس پر سو روپے ادا کرنے لازم تھے، احادیث میں ہے کہ حضرت مقداد کے واقعہ میں اس طرح کے دین مؤجل میں نقد ادا کر کے چھوٹ لینے کا معاملہ پیش آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا: اے مقداد! تم نے خود بھی سود کھایا اور دوسروں کو بھی کھلایا (۵۳)۔

اسی لئے عام طور پر فقہاء اربعہ اور صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابتؓ اور تابعین میں سے امام شعبی، امام محمد بن سیرین، حضرت حسن بصری، اور حضرت ابن مسیب وغیرہ اس کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں، لیکن کچھ دیگر صحابہ و فقہاء مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ امام ابراہیم نخعی، امام نضر بن ہذیل اور امام ابو ثور اس کے جواز کے قائل ہیں، ان کا استدلال بنی نضیر کا واقعہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ضعوا وتعجلوا“ (کچھ ساقط کر دو اور جلدی ادا کر دو) (۵۴)۔

لیکن اس روایت کے بارے میں علامہ سرحسی کا قول ہے کہ یہ روایت اہل حرب کے بارے میں ہے، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان اور حربی کے درمیان سود نہیں ہے (۵۵) علاوہ ازیں علامہ وقدی نے مغازی میں اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس زائد دین کو ساقط کرنے کو کہا تھا وہ دین میں اس المال سے زائد سود کا حصہ تھا، اس لئے کہ بنو نضیر سود لیتے تھے (۵۶) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ سود کی حرمت سے قبل کا ہو، نیز جب دو روایتیں آپس میں متعارض ہوں اور حلت و حرمت کا معاملہ ہو تو حرمت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے حرمت ہی کا پہلو یہاں راجح ہوگا (۵۷)۔

نقد معاملہ میں کچھ حصہ چھوڑ دینا:

اوپر جو تفصیل گذری اس کا تعلق ”دین مؤجل“ سے ہے، جہاں تک ”دیون حالہ“ (یعنی نقد معاملہ) کا تعلق ہے جس کی ادائیگی کے بارے میں معاملہ کرتے وقت کسی مدت کو شرط نہیں قرار دیا گیا ہے، بلکہ دیون ان کی ادائیگی میں کسی بھی وجہ سے تاخیر کر رہا ہے تو ایسے دیون میں بائع اگر کچھ حصہ چھوڑ دیتا ہے تو جائز ہوگا (۵۸) اسی طرح دین مؤجل میں بھی اگر دائن تبرعاً بلا شرط تجیل کچھ حصہ چھوڑ دے تو جائز ہوگا، علامہ ابو بکر جصاص نے ”احکام القرآن“ میں اس موضوع پر وارد آٹارو روایات کا تجزیہ کرتے ہوئے جواز کی رائے دی ہے (۵۹)۔

مراجمہ مؤجلہ میں دین کا کچھ حصہ ساقط کرنا:

دین مؤجل اگر ”بیع مساومہ (۶۰) میں ہو تو تجیل کی شرط کے ساتھ کچھ حصہ ساقط کرنا تو جائز ہے، لیکن اگر بیع مراجمہ ہو جس میں بائع مدت کے مقابلہ میں قیمت میں جو اضافہ کر رہا ہے اس کو صراحتاً بیان کر دیتا ہے، اگر ایسی بیع میں دیون (خریدار) مقررہ مدت سے پہلے قیمت ادا کر دے، مثلاً ایک شخص نے ایک سامان دس روپے میں خریدا اور وہی چیز دوسرے کو اصل قیمت بتا کر دس ماہ کے ادھار پر بیس روپے میں فروخت کر دی اور خریدار نے پانچ ماہ بعد ہی روپے ادا کر دیئے یا اس کی وفات ہو گئی تو اس صورت میں خریدار سے (یا اس کے ورثاء سے وفات کی صورت میں) بائع اصل ثمن دس روپے کے علاوہ منافع کے پانچ روپے لے گا اور پانچ روپے چھوڑ دے گا، یہ صورت جائز ہے (۶۱)۔

قسط کی ادائیگی میں کوتاہی سے مہلت ختم کرنا:

بیع مؤجل میں اگر ثمن کی ادائیگی قسط میں طے ہو اور معاملہ کرتے وقت ایگریمنٹ میں اس کی صراحت کر لی جائے کہ خریدار اگر مقررہ وقت پر کوئی قسط ادا نہ کر سکا تو اس صورت میں آئندہ کی باقی اقساط کو فوراً ادا کرنا ضروری ہوگا، اور بائع کے لئے تمام اقساط کافی الفور مطالبہ صحیح ہوگا، تو یہ صورت جائز ہے، اور بائع مال مؤجل کی صورت میں یا قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں کل

ثمن کا مطالبہ کر کے فوری طور پر لے سکتا ہے۔

”ولو قال: كلما دخل نجم ولم تؤد فالجمال حال، صح، ويصير المال

حالا (۶۲)۔

حواشی:

- ۱- قال تعالى شأنه: أحل الله البيع وحرم الربوا“ (سورة بقرہ ۵۵-۲۷)۔
- ۲- ”هو مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله على وجه مفيد مخصوص... على التراضي“ (الدر المختار ۲/۲)۔
- ۳- ”أن جواز البيع يدور مع حل الانقاع“ (الدر المختار ۲/۱۱)۔
- ۴- ”للهي رسول الله ﷺ: عن بيع الغرر“۔
- ۵- ”للهي رسول الله ﷺ: عن بيع و شرط“۔
- ۶- ”قال رسول الله ﷺ: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يسو فيه“ (صحیح بخاری ۲۸۶/۱)۔
- ۷- ”و شرط لصحة معرفة المبيع و ثمن و وصف ثمن“ (الدر المختار ۵/۲)۔
- ۸- ”وصح بضمن حال وهو الأصل و مؤجل إلى معلوم لتلا يفضي إلى النزاع“ (الدر المختار ۶/۲)، لیکن بیان احوال میں ہے جو احوال ربویہ سے نہ ہوں، ورنہ ان میں نقدی خرید و فروخت جائز ہے ادھار ناجائز ہے۔
- ۹- ”اشتری رسول الله ﷺ من يهودي طعاما بسنة أي بالأجل و رهنه درعا له من حديد“۔ فق مؤجل کا جواز قرآن کریم میں بھی ہے اور اسی سے ”يا ايها الذين آمنوا اذا نديتم بدين، إلى أجل مسمى فاكبوه“ (بقرہ ۲۸۲/۲) اس سے مراد ہر ایسا معاملہ ہے جس میں عوضین میں سے ایک نقد اور دوسرا ادھار ہو (تفسیر احکام القرآن قرطبی ۳/۷۷۳، نیز فتح القدير لابن ہمام ۳/۶۸)۔
- ۱۰- ”قال ابن نمية: والأجماع يدل على أن البيع بالنسيئة لا بأمن به، فالمسلمون لا يوزنون يستعلمون مثل هذه المعاملة وهو كالإجماع منهم على جوازها“ (مجموع تآوی ابن تیمیہ ۳۹۹/۲۹)۔
- ۱۱- ”ويجوز البيع بضمن حال و مؤجل إذا كان الأجل معلوما لا طلاق قوله تعالى: ”وأحل الله البيع الخ“ وعده عليه السلام أنه اشتری من يهودي طعاما إلى أجل و رهنه درعه“ (ہدایہ ۲۱/۳)۔
- ۱۲- ”وإذا ثبت جواز تأجيل الثمن ثبت جواز تأجيله ليدفع لقسما واحدا وأقساطا؛ لأن الحالين مشمولتان بالتأجيل“ (مجلد مجمع الفقہ الاسلامی)۔
- ۱۳- ”يعبر مدة الأجل و القسط المذكورين من وقت تسليم المبيع“ (مجلد الاحکام العدلیہ بارۃ

- ۲۳۶/۔ اور در مختار میں ہے ”والأجل ابتداءه من وقت التسليم“ (رد المحتار علی الدر المختار ۵۳۵/۳)۔
- ۱۳۔ البتہ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص صرف ادھار فر وخت کرنا ہے اور نقد نہیں فروخت کرنا ہے تو اس کا یہ معاملہ مکروہ ہوگا، اس لئے کہ لکھی صورت میں غالب یہی ہوتا ہے کہ ادھار فر وخت کرنے میں بائع ”اجل“ کی بنا پر زیادہ قیمت لیتا ہے (المغنی ۵۳۵/۳) لیکن احتاف عام طور پر اس کو بر حال میں جائز لکھتے ہیں۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں ”وان کون الثمن علی نقد الفدا و علی نقد السببۃ الفین لبس فی معنی الربوا“ (فتح القدير ۸۱/۶)۔
- ۱۵۔ یہی وجہ ہے کہ غذائی اور ضرورت کے سامانوں میں گراما فروشی کو کنٹرول کرنے کے لئے ”تسعیر“ کو جائز قرار دیا گیا ہے در مختار میں ہے ”الا إذا تعدی الأرباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیسعر بمشورۃ أهل الوائی“ اور علامہ ثنائی لکھتے ہیں ”قوله: تعدیا فاحشا“ یہ الذی یلعی وغیرہ بالبیع لضعف القیمۃ“ (۳۰۰/۶، نیز دیکھئے حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۲۷۱)۔
- ۱۶۔ ”وقد فسر بعض أهل العلم: قالوا بیعین فی بیعۃ: أن یقول: أبعک هذا الثوب بقصد بعثو، و بسببۃ بعثوین، ولا یفارقہ احد البیعین، فإن فارقہ علی أحدهما فلا بأس، إذا كانت العقدۃ علی احد منهما“ (ترمذی)۔
- ۱۷۔ بسو طبرستی ۲۸/۱۳، المغنی ۲۶۹/۳، تحفۃ الفقہاء ۶/۶۶ سو غیرہ۔
- ۱۸۔ ”إلہم قالوا: لا بأس بأن یقول: أبعک هذا الثوب بعشرۃ إلى شہر أو بعشرین إلى شہرین، فباعہ علی أحدهما قبل أن یفارقہ فلا بأس بہ“ (العمدۃ لعمد الزواق ۱۳۶/۸)۔
- ۱۹۔ ”وقال نافع فی حدیث امامۃ بن زید المدنی رواہ عبد الرحمن بن عباس: إنما الربوا فی السببۃ، و فی بعض الالفاظ، لا ربا إلا فی السببۃ“ (احکام القرآن للجصاص ۲۶۵/۱)۔
- ۲۰۔ الربوا ۳۰، نقل عن کشف الخطاء عن وجہ معنی الربوا۔
- ۲۱۔ احکام القرآن للجصاص ۱/۲۶۷۔
- ۲۲۔ سنن نسائی و صحیح بخاری وغیرہ میں یہ روایت درج ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔
- ۲۳۔ قرآن مجید کے سورہ یوسف میں آیا ہے ”ولمن جاء بہ حمل یعبو والابہ زعیم“ (آیت ۷۲) اور حدیث میں آیا ہے ”الغارم ضامن“ (تعالیٰ صحابہ میں حضرت ابو قتادہ کا عمل ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ ”ان رجلا من الأنصار اتی بہ النبی ﷺ لیصلی علیہ فقال: إن علی صاحبکم دینا، فقال أبو قتادہ: انا انکفل بہ“ (سنن ابن ماجہ ۲۳۳/۳)۔
- ۲۴۔ فتح القدير ۱۸۔
- ۲۵۔ سنن ابن ماجہ۔

- ۲۶- رد المحتار ۵/۳۳۸۔
- ۲۷- المغنی ۳/۳۲۶۔
- ۲۸- رواہ البخاری ۲۔
- ۲۹- (شرح صحافی الاثار ۲/۲۵۲)۔
- ۳۰- بلغة الممالک علی لشرح المغیر ۲/۱۱۲۔
- ۳۱- المغنی ۳/۲۲۶ تا ۲۳۲۔
- ۳۲- روضة الطالبین ۳/۹۷۔
- ۳۳- الہدایہ ۳/۵۰۶، نیز دیکھئے الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۶۷، البدائع ۶/۶۳، طحاوی ۳/۵۳ وغیرہ۔
- ۳۴- رد المحتار ۵/۳۲۸۔
- ۳۵- توبہ ص ۳۶۲ وغیرہ۔
- ۳۶- جامع الرموز لہمحتا فی ص ۷۰، ایضاً۔ رد المحتار ۵/۳۳۸ وغیرہ۔
- ۳۷- رد المحتار ۵/۳۳۸۔
- ۳۸- امداد الفتاویٰ ۳/۵۳۔
- ۳۹- فتاویٰ دارالعلوم (قدیم) ۸/۲۹۳۔
- ۴۰- فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۲۹، سرمایہ بحث و نظر شمارہ ۲/۶۷۔
- ۴۱- سرمایہ بحث و نظر مقالہ مولانا منت اللہ رحمانی۔ بعنوان: مال رہن کی آمدنی سے انتفاع، شمارہ ۲/۷۰۔
- ۴۲- بحث و نظر شمارہ ۲/۹۶۔
- ۴۳- "قال فی الدر المختار: والرهن إن أئلفه أجیبی أی غیر الراءن فالمرہن بضمہ۔ ای المختلف لیمتہ یوم ہذک، ونکون القیمۃ رھنا عندہ، کما مر، وأما ضمائہ علی المرہن فعنبر لیمتہ یوم القبض؛ لآلہ مضمون بالقبض السابق" (۶/۵۱۰)۔
- ۴۴- رد المحتار مع الدر المختار ۶/۵۱۰۔
- ۴۵- ہدایہ ۳/۵۱۹۔
- ۴۶- الدر المختار ۶/۵۱۲۔
- ۴۷- الہدایہ ۳/۵۱۹، نیز دیکھئے الدر المختار ۶/۵۰۳، البحر الرائق وغیرہ۔
- ۴۸- فتاویٰ ہندیہ۔
- ۴۹- شریعت میں قبضہ کی کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے بلکہ قبضہ کے بارے میں عرف کا اعتبار ہے عرف میں قبضہ کی جو صورت ہوگی اس طریقہ پر قبضہ صحیح ہوگا۔
- ۵۰- ہدایہ ۳/۵۲۶، در مختار مع رد المحتار ۶/۲۹۷۔

قسطوں کی بنیاد پر خرید و فروخت

سوالنامہ خمس پیر زادہ، ممبئی

۱- کیا یہ درست ہے کہ جس سامان کو ادھار فروخت کیا جائے اس کی قیمت نقد فروختگی کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کر دی جائے؟

نقد فروخت کے مقابلہ میں ادھار فروخت پر زیادہ قیمت لینے کے جواز میں کوئی نص صریح موجود نہیں ہے، فقہاء کی رائیں اس میں مختلف ہیں، جمہور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، لیکن ایک گروہ اس کو جائز نہیں سمجھتا۔

جواز کے قائلین کے مختصر دلائل درج ذیل ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے: ”وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ“ (سورہ بقرہ ۲۷۵)

اس کی عمومیت میں ہر قسم کی بیع شامل ہے سوائے اس کے جس کے عدم جواز کی کوئی دلیل ہو۔

(ب) عقود میں اصل اباحت ہے، اس لئے یہ صورت بھی جائز ہے۔

(ج) قیمت میں اضافہ مدت کے عوض نہیں ہے، کیونکہ بعض لوگ اپنا مال، جبکہ بازار

میں طلب کم ہوتی ہے ادھار کم قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔

(د) شریعت میں ہر عقد اپنی جگہ مستقل ہے، اس کو دوسرے عقد کے مقابلہ میں نہیں

رکھا جاسکتا۔ عقد مع تاجیل ائمن (ادھار قیمت کے ساتھ عقد) بھی اپنی جگہ مستقل عقد (معاملہ)

ہے اس میں ربا کا کوئی شائبہ نہیں۔

(ه) بیع کا یہ طریقہ عام طور سے رائج ہے، اور مصلحت اس بات کی متقاضی ہے کہ

جمہور کی رائے کو اختیار کیا جائے ورنہ لوگوں کے لئے مشکلات پیدا ہوں گی۔
ان دلائل کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قائل ذکر ہے کہ جدہ کی ”مجمع الفقہ الاسلامی“ کی
مجلس نے اپنے اجلاس منعقدہ مارچ ۱۹۹۰ء میں اس مسئلہ پر بحث و تمحیص کے بعد اس کے جواز
میں قراؤن منظور کی ہے۔

”تجاوز الزيادة في الثمن المؤجل عن الثمن الحال، كما يجوز ذكر
ثمن البيع نقدا و ثمنه بالأقساط لمدة معلومة ولا يصح البيع إلا إذا جزم
العاقدان بالنقد أو التأجيل، فإن وقع البيع مع التردد بين النقد والتأجيل بأن لم
يحصل الاتفاق الجازم على ثمن واحد محدد فهو غير جائز شرعا“۔

(موجودہ قیمت سے ادھار قیمت زیادہ لیا جائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مال
کی نقد قیمت کا ذکر کیا جائے اور اس کی قیمت نسطوں میں مقررہ مدت میں ادا کی جائے، یہ بیع اسی
صورت میں جائز ہوگی، جبکہ خرید و فروخت کرنے والے نقد یا ادھار کا تعین کر لیں، اگر نقد اور
ادھار میں تردد کے ساتھ سود کیا گیا، یعنی کسی ایک قیمت پر حتمی طور پر اتفاق نہیں ہو سکا تو ایسی بیع
شرعاً ناجائز ہوگی)۔

جو علماء جواز کے قائل نہیں ہیں ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(الف) آیت: ”أحل الله البيع وحرم الربوا“ (سورہ بقرہ ۲۷۵) (اللہ نے بیع کو
حلال ٹھہرایا اور ربا کو حرام) ہر اس بیع کو جس میں اجل (مدت) کے مقابلہ میں زیادہ رقم لی جائے
حرام قرار دیتی ہے، کیونکہ یہ لفظ ربا کے عموم میں داخل ہے۔

(ب) قیمت میں یہ اضافہ اجل (مدت) کی وجہ سے ہے، بنا پر یہ یہ عوض
(بدل) سے خالی ہے، اس لئے اس پر ربا (سود) کا اطلاق ہوتا ہے جس کی حقیقت ہی بغیر عوض
کے زیادتی ہے، مطلب یہ ہے کہ قیمت میں یہ زیادتی اس اجل، یعنی مدت کی بنا پر ہے جو بائع
مشتری کو ادائیگی کے لئے دیتا ہے، اور ظاہر ہے مدت کی بنا پر زیادہ رقم وصول کرنا سود ہے، اس

نقطہ نظر کے قائل زین العابدین علی بن الحسین، ناصر، منصور باللہ، ہادیہ، امام سنی اور ابو بکر الجصاص ہیں۔

(ج) حدیث میں ایسی بیع سے جس میں بائع کے اضطرار سے فائدہ اٹھایا گیا ہو نیز اس بیع سے جس میں غرر ہو منع کیا گیا ہے (ابوداؤد، عون المعبود ۹/۲۳۵) اور قیمت کی وصولیابی میں تاخیر کی وجہ سے بازار کے نرخ سے زیادہ قیمت لینا استحصال کی صورت ہے، اور یہ آیت: ”إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم“ (سورہ نساء ۲۹) (الا یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہو) کے بھی خلاف ہے، لہذا یہ صورت جائز نہیں۔

(د) جواز کے قائلین کا یہ استدلال کہ ادھار فریضت کی صورت میں بائع کی رقم رک جاتی ہے اور وہ ادھار کی مدت تک اس سے استفادہ نہیں کر پاتا، اس لئے قیمت میں اضافہ جائز ہے۔ اگر یہ استدلال صحیح مان لیا جائے تو پھر قرض پر بھی زیادتی جائز تر ارپائے گی، کیونکہ قرض کی رقم بھی تو مقرض کے پاس رک جاتی ہے اور قرض دینے والا اس سے استفادہ نہیں کر پاتا، لیکن شریعت نے اسے سو قدر اڑیا ہے، اس لئے ادھار کی بیع میں زیادتی بھی سودی قرار پائے گی۔

(ه) رعی حاجت و مصلحت کی بات تو چونکہ ادھار کی صورت میں قیمت میں زیادتی استحصال (Exploitation) ہے، اس لئے یہ حاجت و مصلحت کے منافی ہے۔

(و) بیع بالنسیئۃ میں قرض کا شبقوی ہے، اس لئے قیمت میں زیادتی سودی کی ایک شکل ہوگی۔ ان دلائل کے علاوہ اس صورت حال کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ تاجر ادھار اور قسطوں (Installments) کی فروخت پر اشیاء کی قیمت میں اتنا زیادہ اضافہ کر دیتے ہیں کہ خریدار ادائیگی سے قاصر رہتا ہے۔ وہ بائع سے بدگمان ہو جاتا ہے کہ اس نے اس کی مجبوری سے غلط فائدہ اٹھانا چاہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ بائع کی اصل رقم بھی بسا اوقات خطرہ میں پڑ جاتی ہے اور نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، اگر ایک کار بینک کے توسط سے خرید لیں تو جتنا سود ادا کرنا پڑتا ہے اس سے کہیں زیادہ بائع سے قسطوں میں کار خریدنے کی صورت میں رقم ادا کرنی پڑتی ہے، گو اس کا نام

سوڈ نہیں ہوتا۔ ایک بھینس اگر دس ہزار میں نقد فر وخت ہوتی ہے تو ادھار کی صورت میں قیمت بارہ ہزار یا اس سے زیادہ بھی مقرر کی جاتی ہے۔

علماء نے ادھار فر وخت پر قیمت میں اضافہ کے جواز کا جو فتویٰ دیا ہے اس کے عملاً کیا نتائج نکل رہے ہیں اور کتنے بڑے پیمانہ پر مالی استحصال ہو رہا ہے اس کو بھی ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

راقم سطور کی رائے میں عدم جواز کے قائلین اگرچہ تعداد میں کم ہیں، لیکن ان کے دلائل قوی ہیں، اور اشتباہ سے بچنے کا بھی یہی طریقہ ہے، اس لئے ان کی رائے ہی درست ہے، لہذا ادھار فر وخت خواہ اس کی ادائیگی منتطوں میں ہو، یا بغیر منتطوں کے، نقد کی قیمت سے زیادہ قیمت پر جائز نہیں قرار دی جاسکتی، دین میں اصلاً مقاصد کا اعتبار ہے، صرف ظاہری اشکال کا نہیں، ادھار بیع میں قیمت کا اضافہ بظاہر بیع کی صورت معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ معاملہ کی محض ظاہری شکل ہے، اس کے پیچھے جو مقصد ہے وہ رقم کی وصولیابی میں تاخیر (اجل) کا معاوضہ وصول کرنا ہے، ایک تاجر کے سوچنے کا انداز یہی ہوتا ہے کہ ادھار فر وخت کی صورت میں سرمایہ رک جاتا ہے، اس لئے خریدار سے اس کا معاوضہ وصول کرنا چاہئے، ظاہر ہے یہ ذہنیت ہی سودی کاروبار کی ہے اور قیمت میں زیادتی پر سود کا اطلاق ہوتا ہے، کسی حرام کو حیلہ کر کے حلال نہیں قرار دیا جاسکتا۔ معنی میں ہے:

”والحیل کلھا محرمة غیر جائزۃ فی شیء من الدین۔ وهو أن یظہر عقداً مباحاً یرید بہ محرماً، مخادعة وتوسلاً إلى فعل ما حرم اللہ، واستباحة محظوراتہ، أو إسقاط واجب أو دفع حق ونحو ذلك“ (یعنی ۶۳)۔

(دین کے کسی معاملہ میں بھی حیلے خواہ کسی قسم کے ہوں حرام اور ناجائز ہیں، اور حیلہ یہ ہے کہ ظاہری صورت مباح عقد (معاملہ) کی ہو لیکن مطلوب حرام چیز ہفتزیب کی صورت میں اور اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حرام کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنا کر اور اس کی محظورات کو جائز قرار دینے یا واجب کو ساقط کرنے یا حق کو دفع کرنے جیسی اغراض کی خاطر)۔

اور بدائع میں ہے:

”فإذا باعه بعشرين ثم اشتراه بعشرة، صار كأنه اشترى ثوبا، وعشرة بعشرة، فيكون العشرة بالعشرة، ويبقى الثوب خاليا عن العوض في عقد المعاوضة فيتمكن شبهة الربا، فلم يبعه مرابحة، والله سبحانه وتعالى أعلم“ (بدائع ۲۲۵/۵)۔

(اگر اس نے کپڑا بیس (درہم) میں فروخت کیا، اور اس کے بعد دس (درہم) میں خرید تو گویا کپڑا خرید، اور دس کے بدلہ دس (درہم) دئے، تو دس درہم دس کے عوض ہوئے، اور معاوضہ کے معاملہ میں کپڑا عوض سے خالی رہا جس سے ربا (سود) کا شبہ پیدا ہو گیا، اور اس نے کپڑا امرابحہ پر فروخت نہیں کیا)۔

موجودہ زمانہ میں نقد کے مقابلہ میں قیمت بڑھا کر مال ادھار فروخت کرنے اور خاص طور سے قسطوں (Instalments) میں ادائیگی کی شرط پر زائد قیمت پر مال فروخت کرنے کا طریقہ بالکل عام ہے، اور اس سے بڑے پیمانہ پر معاشی لوٹ کھسوٹ ہو رہی ہے اور سود کا نام لئے بغیر تاجر سودی معاملہ کر رہے ہیں، اس لئے بیع کی اس صورت پر سخت گرفت کی ضرورت ہے۔

۲- جب ادھار بیع جائز ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ قیمت کی ادائیگی قسطوں میں جائز نہ ہو۔ یہ اس صورت میں ہے، جبکہ نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت بڑھانہ دی گئی ہو، اور قسطوں کی ادائیگی کے لئے وقت کی تحدید معاملہ کرتے وقت طے کر دی گئی ہو۔

۳- سوال نمبر (۱) کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ ادھار فروخت کی صورت میں قیمت میں زیادتی جائز نہیں۔

۴- ادھار فروخت کی صورت میں قیمت میں زیادتی ربا (سود) کے دائرہ میں آتی ہے، جیسا کہ سوال نمبر (۱) کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے، یہ زائد قیمت حقیقتہ ادائیگی میں تاخیر

(اجل) ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

۵- یہ سوال معلوم ہوتا ہے غلط طور سے مرتب ہوا ہے چھ ماہ میں ادائیگی کی صورت میں قیمت زیادہ اور بارہ ماہ میں ادائیگی کی صورت میں قیمت کم معاملہ کی صحیح تصویر نہیں ہے۔ بہر صورت نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔

۶- یہ صورت سود کی ہے۔ قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے اضافہ کرنا سود ہے۔ جدہ کی ”مجمع الفقہ الاسلامی“ کی مجلس نے اپنے اجلاس منعقدہ مارچ ۱۹۹۰ء میں جو قرار منظور کی اس کی ایک شق یہ ہے:

”إذا تأخر المشتري المدین فی دفع الأقساط عن الوعد المحدد، فلا يجوز إلزامه أى زيادة على الدين بشرط سابق أو بدون شرط، لأن ذلك ربا محرم“۔

(اگر ادھار خریدنے والا قیمت کی ادائیگی مقررہ وقت پر نہیں کرتا، اور قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو اس پر مزید رقم عائد کرنا جائز نہیں، خواہ وہ دین (ادھار) پر کسی قسم کی زیادتی ہو، اور خواہ پہلے سے طے شدہ شرط کے مطابق ہو یا بغیر شرط کے ہو، کیونکہ یہ حرام سود ہے)۔

حدیث میں آتا ہے: ”مطل الغنی ظلم“ (ابوداؤد) (غنی کا قرض کی ادائیگی سے تاخیر کرنا ظلم ہے)، اس صورت میں بلا وجہ ادائیگی میں تاخیر کو ظلم کہا گیا ہے، اس لئے معاصر علماء اس صورت میں جرمانہ کی اجازت دیتے ہیں، لیکن فقہاء نے ایسے شخص کے لئے جس (قید) کی سزا مقرر کی ہے۔

۷- معاملہ کی یہ صورت جائز نہیں۔ اس مزید رقم کو جرمانہ اور مالی تاوان ہی قرار دیا جائے گا اور یہ سود ہوگا۔

۸- (الف) بائع مال مرہون سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، کیونکہ یہ سود ہوگا۔ قرض پر جو فائدہ بھی حاصل کیا جائے سود ہوگا۔

(ب) بائع مال مرہون کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، اس لئے ضائع ہو جانے پر اسے اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔

(ج) اس صورت میں فروخت کنندہ مال مرہون کو فروخت کر کے اپنی واجب الادا قیمت وصول کر سکتا ہے، اور جو رقم بچ جائے وہ خریدار کو لوٹا دے۔

۹- (الف، ب):

بائع خرید کردہ مال کو اپنے پاس اس وقت تک کے لئے روک سکتا ہے جب تک مکمل قیمت یا اس کی چندا تقاطع نہ کی جائیں، بائع کا یہ روکنا محض اپنا حق وصول کرنے کے لئے ہوگا۔ رہن کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا، پابندیاں ان جائز شرائط کے مطابق ہوں گی جن پر معاملہ طے کرتے وقت فریقین کا اتفاق ہوا ہو۔

۱۰- بیع بالتقسیط کا معاملہ کرتے وقت جو معاہدہ ہوا ہو اس کی پابندی ہونی چاہئے۔ طے شدہ اقساط کو ادا نہ کرنے کی صورت میں جو قسطیں ادا کی جا چکی ہیں، ان کو واپس نہ کرنے کا بائع کو اختیار ہے، اور اس کی حیثیت بیع نہ کی ہوگی جس کا واپس کرنا ضروری نہیں، بشرطیکہ قسطیں اسی حد تک ضبط کی جائیں جو مناسب اور منصفانہ ہو۔

۱۱- رہن میں قرض کی واپسی پر شے مرہون کو لازماً واپس کرنا پڑتا ہے۔ یہ صورت یہاں نہیں ہے، بائع سامان کی قیمت ادا کر کے خریدار سے سامان واپس نہیں لے سکتا، لہذا رہن کے قواعد کا اطلاق یہاں نہیں ہوگا۔

۱۲- جو ادارے ”کریڈٹ لیئر“ جاری کرتے ہیں ان کو ایک کارروائی کرنا پڑتی ہے، جو خدمت وہ انجام دیتے ہیں اس میں دفتری اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں، اس لئے کریڈٹ لیئر کا معاوضہ لیما جائز ہے، اور جب یہ طریقہ رائج اور معروف ہو گیا ہے تو اس کی رعایت ضروری ہے، کوئی وجہ نہیں کہ اس کو ناجائز قرار دیا جائے اور لوگوں کو مشکلات میں ڈالا جائے۔

۱۳- اس میں سود کا احتمال ہے، اس لئے اسے جائز نہیں کہا جاسکتا۔

۱۴ - ”ضع و تعجل“ کے مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے: حضرت عبد اللہ بن عباس، ابراہیم نخعی، زفر بن ہذیل (حنفی)، ابو ثور (شافعی) جواز کے قائل ہیں، لیکن عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت، محمد بن سیرین، حسن بصری، ابن المسیب، حکم بن عتیہ اور شععی سے اس کا عدم جواز منقول ہے، اور ائمہ اربعہ سے بھی یہی منقول ہے۔

راقم سطور کی رائے میں کمی کی یہ صورت جائز ہے، کیونکہ یہ قرض میں تخفیف اور سہولت ہے، اور اس سلسلہ میں ایک حدیث سے بھی رہنمائی ملتی ہے، حضرت کعب بن مالک کا عبد اللہ بن حدر و سلمیٰ پر قرض تھا، انہوں نے ان سے مطالبہ کیا اور آوازیں بلند ہو گئیں۔ نبی ﷺ کا ان کے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے فرمایا: کعب اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نصف۔ تو انہوں نے نصف قرض لے لیا اور نصف قرض چھوڑ دیا (مقالہ محمد تقی عثمانی۔ بحوالہ بخاری)۔

اور ”مجمع الفقہ الاسلامی جلد ۱۰“ کی مجلس نے اپنے اجلاس منعقدہ مئی ۱۹۹۲ء میں جو قراورد منظور کی اس کی ایک شق یہ ہے:

”الحطیطة من الدين المؤجل لأجل تعجيله، سواء أكان يطلب الدائن أو المدين (ضع و تعجل) جائزۃ شرعاً، لا تدخل فی الربا المحرم إذا لم تكن بناء علی اتفاق مسبق، ومادامت العلاقة بین الدائن والمدين ثنائية، فإذا دخل بينهما طرف ثالث لم تجز، لأنها تأخذ عندئذ حکم حسم الأوراق التجارية“۔
(دین مؤجل کو تعجیل کی وجہ سے کم کرنا خواہ قرض دینے والا ایسا کرنا چاہے یا مقرض (ضع و تعجل) شرعاً جائز ہے۔ حرام سود میں داخل نہیں) جبکہ یہ صورت پہلے سے طے شدہ نہ ہو، اور قرض دینے والے اور مقرض صرف دونوں کی حد تک معاملہ ہو، اگر ان کے درمیان تیسرا فریق شامل ہو تو جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں تجارتی دستاویزات پر کمیشن کا حکم لا کو ہوگا)۔

۱۵ - یہ صورت بھی جائز ہوگی۔ اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔

۱۶ - اس صورت میں ماہی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا جائز ہے، کیونکہ خریدار نے

طے شدہ معاہدہ کی پابندی نہیں کی۔

۱۷- اگر بائع کا انتقال ہو جائے تو معاملہ اسی صورت میں باقی رہے گا جو طے شدہ تھا، البتہ اگر مشتری کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکہ سے فوراً ادا کرنا ضروری ہوگا، کیونکہ ترکہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ دین (قرض) کی ادائیگی کے بعد ترکہ تقسیم کر دیا جائے (من بعد وصیة یوصی بہا أو دین۔ سورہ نساء، ۱۱)۔

۱۸- یہ طریقہ وہی دکاندار اختیار کرتے ہوں گے جو ادھار فروخت کی قیمت زیادہ مقرر کرتے ہیں، اور جب معاملہ کی یہ صورت سود کے دائرہ میں آتی ہے تو انعام دینے کا نظام بھی اسی سے متعلق ہوگا، جب کلیہ ہی غلط ہے تو جزئیہ کے درست ہونے کا کیا سوال؟

۱۹- یہ طریقہ بھی وہی اختیار کیا جاتا ہوگا جہاں ادھار فروخت کی صورت میں قیمت بڑھادی جاتی ہے، اور جب یہ صورت سود کی ہے تو یہ نظام ہی غلط قرار پاتا ہے۔

☆☆☆

قسط وار خرید و فروخت کے احکام

منشی محمد سعید عالم بدوی ٹاکنی ۶۶

شریعت اسلام نے ربا کو حرام اور خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے۔ ربا کی حرمت اور بیع و شراء کی حلت کی صراحت کتاب و سنت میں موجود ہے، خرید و فروخت کی مختلف صورتیں ابتداء اسلام سے اب تک رائج ہیں، خاص طور سے ہمارے اس زمانہ میں نئی صورتیں سامنے آتی رہتی ہیں، انہیں میں سے ”بیع بالتقسیط“ بھی ہے، یعنی مجلس عقد ہی میں فروخت کرنے والا بیع خریدار کے حوالہ کر دے، اور خریدار اس کی قیمت مجلس عقد میں ادا نہ کرے، بلکہ قسط وار ایک متعین مدت پر ادا کرے، اس صورت کے جواز پر تقریباً تمام علماء و فقہاء کا اتفاق ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس پر مسلمانوں کے تعامل سے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

”والإجماع يدل على أن البيع بالتقسیط لا بأس به، فالمسلمون لا يزالون يستعملون مثل هذه المعاملة وهو كالإجماع منهم على جوازها“
(مجموع الفتاوى لابن تیمیہ ۲۹/۳۹۹)۔

البتہ ”بیع بالتقسیط“ کے جواز کی چند شرطیں ہیں جن کی رعایت بہر حال لازم ہے:
۱۔ معاملہ جو بھی طے ہو وہ ترازی طرفین سے ہو، اس لئے کہ بیع کی جو بھی صورت ہو اس کی حقیقت میں ترازی طرفین، یعنی دونوں فریق کی رضامندی شامل ہے، اور یہ شرط قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے....

”یا ایہا الذین آمنوا لا تاكلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منکم“ (سورہ نساء ۲۹)۔

۲۔ عویض معلوم و متعین ہوں اور ایسی جہالت نہ ہو جو باہم جنگڑے کا سبب بن جائے۔

”ومنها أن يكون المبيع معلوما والتمن معلوما علما يمنع من المنازعة، فبيع المجهول جهالة تفضي إليها غير صحيح كبيع شاة من هذا لقطيع“ (فتاویٰ ہندیہ ۳/۳)۔

۳۔ ثمن کی ادائیگی کے لئے مدت متعین ہو ایسی جہالت نہ ہو جس سے جنگڑے کا اندیشہ ہو معمولی جہالت نقصان دہ نہیں ہے۔

”و أما الخاصة فمنها معلومية الأجل في البيع بضمن مؤجل فيفسد إن كان مجهولا“ (فتاویٰ ہندیہ ۳/۳)۔

۴۔ ثمن اموال ربو یہ میں سے نہ ہو جن پر قبضہ مجلس عقدی میں ضروری ہوتا ہے، اگر ثمن اموال ربو یہ میں سے ہے تو ”بیع بالتقسیط“ جائز نہ ہوگی، اس لئے کہ اس میں ثمن پر قبضہ مجلس عقد میں نہیں ہوتا ہے جبکہ اموال ربو یہ میں مجلس عقدی میں قبضہ ضروری ہے۔

”ومنها القبض في الصرف قبل الافتراق“ (فتاویٰ ہندیہ ۳/۳)۔

۵۔ بدلین مال متقوم ہوں۔

”ومنها في البدلين وهو قيام المالية حتى لا ينعقد متى عدمت المالية، هكذا في محيط السرخسي“ (فتاویٰ ہندیہ ۲/۳)۔

۶۔ اس میں غرر اور دھوکہ نہ ہو۔

۱۔ بیع بالتقسیط میں قیمت کا اضافہ:

ہر شخص کو اپنی مملوکہ شی کو اصل قیمت میں کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے کا اختیار

ہے، خواہ نقد فر وخت کرے یا ادھار، خرید فر وخت کرنے والے دونوں فریق باہمی رضامندی سے جس قیمت پر بھی اتفاق کر کے خرید فر وخت کا معاملہ کریں معاملہ درست ہوگا۔ ایک روپے کی چیز کو ایک لاکھ میں بھی باہمی رضامندی سے خرید فر وخت کر سکتے ہیں، جب نقد فر وختگی میں قیمت گھٹانے اور بڑھانے کا اختیار ہے تو ظاہر ہے کہ ادھار فر وختگی کے سلسلہ میں بھی یہ اختیار ہوگا، شرط یہ ہے کہ خریدار بھی اس پر راضی ہو، بلکہ کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ مدت کے مقابلہ میں قیمت میں اضافہ جائز ہے (ہدایہ ۳/۴۳، باب الراسخ والبولیہ، بدائع الصنائع ص ۳۳۰۲)۔

”فقہ السنۃ“ میں ہے: ”إذا كان الثمن مؤجلاً وزاد البائع فيه من أجل التأجيل جاز؛ لأن لاجل حصة من الثمن وإلى هذا ذهب الأحناف والشافعية وزيد بن علي والمؤيد بالله وجمهور الفقهاء لعموم الأدلة القاضية لجوازه ورجحه الشوكاني“ (فقہ السنۃ ۳/۴۳)۔

مذکورہ فقہی عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ مدت اگرچہ حقیقتہً بیع نہیں ہے، لیکن مرغوب فیہ ہونے کی وجہ سے بیع کے ساتھ ایک کونہ اس کی مشابہت ہے، یہی وجہ ہے کہ مدت کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے، یہی مسلک حنفیہ، شافعیہ بلکہ جمہور محدثین اور فقہاء کا ہے، اگرچہ بعض حضرات ایسی صورت میں زیادتی ثمن کو اجل کا عوض قرار دے کر اس کو سود میں شامل کر کے ناجائز قرار دیتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، عقل و نقل کی روشنی میں جمہور کا مسلک ہی صحیح و راجح ہے۔ علامہ شوکانی نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی قسط وار جائز ہے یا نہیں؟

اوپر تمہید میں یہ بات گذر چکی ہے کہ بیع کی حقیقت میں تراخی طرفین شامل ہے۔ بائع اور مشتری دونوں فریق جس بات پر اتفاق کر کے معاملہ طے کر لیں، شرعاً جائز و درست ہوگا بشرطیکہ معاملہ ربا سے خالی ہو اور کسی طرح کا غرر و دھوکہ نہ ہو، اور باہمی اختلاف کا سبب نہ بنے،

ثمن بائع کا حق ہے وہ اپنے اس حق کو بروقت بھی وصول کر سکتا ہے اور بعد میں بھی اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ بعد میں بیک مشت وصول کرے یا قسط وار۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر قسط کی ادائیگی کی مدت متعین کر دے تاکہ آئندہ کسی طرح کا اختلاف نہ ہو۔ صاحب ”ہدایہ“ نے لکھا ہے کہ کسی شخص نے نقد ثمن پر اپنا کوئی سامان فروخت کیا، پھر اس نے ثمن کی ادائیگی کو مؤخر کر دیا تو یہ شرعاً جائز و درست ہے، اور ایسی صورت میں ثمن کی ادائیگی نقد ضروری نہیں ہوگی، بشرطیکہ ادائیگی کی مدت متعین ہو، اس لئے کہ ثمن اس کا حق ہے، وہ اپنے حق کی وصولیابی بعد میں بھی کر سکتا ہے، البتہ اگر ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین نہیں ہے، بلکہ مجہول ہے اور یہ جہالت فاحشہ ہے مثلاً اس نے یہ کہا کہ جب ہوا چلے گی تو ادا کروں گا تو اس طرح معاملہ کرنا درست نہ ہوگا، اور اگر معمولی جہالت ہے جس سے جھگڑے کا اندیشہ نہیں، مثلاً یہ کہا کہ فلاں فصل کے کٹنے کے وقت ادا کروں گا تو یہ صورت شرعاً جائز ہے (ہدایہ باب المراءضہ والخریۃ ۷۶۳)۔

جب نقد طے شدہ قیمت کو مؤخر کرنے کا اختیار بائع کو ہے اس لئے کہ وہ اس کا حق ہے تو بوقت عقد قسط وار قیمت کی ادائیگی طے کرنے کا اختیار بھی ہوگا (فتاویٰ خانہ علی ہاشم، فتاویٰ ہندیہ ۲۶۹۲، مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی، العدد السادس الجز الاول، ص ۲۷۹)۔

۵، ۳ - نقد اور ادھار فروختگی پر دو مختلف قیمتوں کا تذکرہ:

کوئی شخص معاملہ اس طرح طے کرتا ہے کہ اگر نقد لوگے تو اس کی قیمت ایک سو روپے ہوگی، اور ادھار لوگے تو سو سو روپے ہوگی تو اس صورت کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مجلس عقد ہی میں دونوں فریق کسی ایک صورت پر اتفاق کر لیتے ہیں، مثلاً خریدار یہ کہتا ہے کہ میں ایک سو روپے میں نقد لوں گا، یا سو سو روپے میں ادھار لوں گا، کسی ایک صورت پر اتفاق کے بعد مجلس ختم ہوتی ہے تو شرعاً جائز و درست ہے، اس لئے کہ جب اتفاق ہو گیا تو ثمن کی جہالت ختم ہوگئی جو مفسد بیع ہے، اور اگر کسی ایک صورت پر اتفاق کئے بغیر مجلس عقد ختم ہو جاتی ہے تو چونکہ تردد کے ساتھ معاملہ ہوا جس کی وجہ سے ثمن مجہول ہے، اور صحت بیع کے

لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ثمن معلوم و متعین ہو جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا، اس لئے اس صورت میں بیع جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر ادھار فروختگی میں ثمن کی ادائیگی دو مختلف مدتوں میں ہونے کی وجہ سے الگ الگ دو قیمتوں کا تذکرہ ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ چھ ماہ میں چھ قسطوں میں ادا کرنے کی صورت میں مال کی قیمت بارہ ہزار روپے ہوگی، ہر قسط دو ہزار کی، اور ایک سال میں بارہ قسطوں میں ادا کرنے کی صورت میں مال کی قیمت پندرہ ہزار ہوگی، ہر قسط پندرہ سو کی اس طرح اگر معاملہ کیا جائے اور مجلس عقد ہی میں کسی ایک صورت پر دونوں فریق کا اتفاق ہو جائے تو جہالت ختم ہو جانے کی وجہ سے معاملہ درست ہوگا، اور اگر مجلس عقد میں اتفاق نہیں ہو تو چونکہ ثمن مجہول رہا اس لئے بیع صحیح نہیں ہوگی۔

امام ترمذی ترمذی شریف میں ”باب ماجاء فی انہی عن بیعتین فی بیعة“ کے تحت حدیث ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”وقد فسر بعض اهل العلم قالوا: بیعتین فی بیعة ان یقول: ابيعک
هنا الثوب بنقد بعشرة، وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه علی أحد البيعتين، فإذا
فارقه علی أحدهما فلا بأس، إذا كانت العقدة علی واحد منهما“ (ترمذی
شریف، ۱۳۷، نیز الوسوط المرصی، ۸/۱۳، بدائع الصنائع، ۵۸/۵، کفاہت المفتی، ۸/۳۰)۔

۴- ادھار فروختگی میں قیمت کا اضافہ سود کے دائرہ میں آتا ہے یا نہیں؟

ادھار فروختگی میں نقد فروختگی کے مقابلہ میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرہ میں نہیں آتا ہے، اس لئے کہ ربا یا تو وہ زیادتی ہے جو قرض کی ادائیگی میں ہو، یعنی کسی نے قرض لیا اور وہ قرض دینے والے کے مطالبہ پر، یا ماحول سے مجبور ہو کر کچھ اضافی رقم دے رہا ہے، یا قرض کی ادائیگی کی مدت متعین ہوگئی، اس مدت پر قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں کچھ اضافی رقم دینی پڑی ہے، اس کو ”ربا الجاہلیۃ“ یا ”ربا النسیئۃ“ بھی کہتے ہیں، یا ربا اس زیادتی کا نام ہے جو کسی عوض سے خالی ہو اور اس میں ربا (سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، نمک) میں ایک جنس کا تبادلہ

اسی جنس سے ہو، اور ظاہر ہے کہ یہاں پر نہ تو قرض پر اضافہ دیا جا رہا ہے اور نہ ہی اموال ربوہ میں ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس سے ہے، بلکہ سامان کی فروختگی روپے پیسے سے ہو رہی ہے جس طرح اپنا سامان نقد کی پیشی کے ساتھ فروخت کرنے کا اختیار ہے، اسی طرح ادھار بھی کسی پیشی کے ساتھ فروخت کرنے کا اختیار ہوگا۔

جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ اضافہ وقت کے عوض محسوس ہوتا ہے تو اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی جگہ پر مدت ہی مقصود ہو اور اصلاً اسی کی قیمت لی جائے تو یہ شرعاً ناجائز ہوگا، اس لئے کہ مدت مال نہیں ہے جس کا عوض لیا جائے۔ اور اگر مدت مقصود نہ ہو، بلکہ مقصود کچھ اور چیز ہو اور مدت کا تذکرہ ضمناً ہو تو وہاں پر اضافہ ناجائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہاں پر مدت کا عوض نہیں لیا جا رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مذکورہ صورت میں مدت مقصود نہیں ہے جس کا عوض لیا جا رہا ہے، بلکہ اپنے سامان کی قیمت ادھار فروختگی کی صورت میں زیادہ لی جا رہی ہے، یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ بہت سی چیزیں اصلاً اور مقصوداً ناجائز ہوتی ہیں لیکن ضمناً اور تبعاً جائز ہو جاتی ہیں۔

”الا صل أنه قد يثبت الشيء تبعاً و حکماً، وإن كان قد يبطل قصداً“

(تو اعدا فقہ ۱۶۷)۔

۶، ۷۔ ثمن کی ادائیگی میں تاخیر پر مزید رقم لینے کا حکم:

اگر معاملہ اس طرح طے ہو کہ اس سامان کی قیمت دس روپے ہے جس کو ایک ماہ میں ادا کر دینا ہے، اگر ایک ماہ میں قیمت کی ادائیگی نہیں ہوئی تو مزید دو روپے دینے ہوں گے، اسی طرح ہر ماہ کی تاخیر پر دو روپے کا اضافہ کرنا ہوگا، یا ادھار فروختگی میں ادھار قیمت طے کر لی گئی جس کی ادائیگی کے لئے بیک مشت یا قسط واردت بھی طے ہو گئی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے پایا کہ وقت مقررہ پر مکمل قسط یا کوئی قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید رقم دینی ہوگی، خواہ اس کی مقدار طے کر دی جائے، یا فیصد کا حساب رکھا جائے، اس طرح کا معاملہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اس لئے کہ اس میں صریح سود ہے جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، کیونکہ یہ اصلاً اور قصداً

مدت کی قیمت لینا ہے جو حرام ہے (کشف الغطاء عن وجہ معنی الربا بحوالہ الربا ۳۰)۔
 نیز یہ صورت درحقیقت اس ربا کی ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا، اس لئے کہ زمانہ
 جاہلیت کا ربا یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ سامان فروخت کرتا اور قیمت کی ادائیگی کے لئے
 وقت مقرر کر دیتا، جب خریدار وقت مقررہ پر قیمت ادا نہیں کرتا تو فروخت کرنے والا قیمت میں
 اضافہ کر کے ادائیگی کی مدت بڑھا دیتا (تفسیر ابن جریر ۳/۱۰۱، نیز المدونۃ الکبریٰ، احکام القرآن للخصاص
 ۱/۲۶۷)۔

۸- (الف) بائع کامل مرہون سے انتفاع:

شئی مرہون راہن (رہن رکھنے والے) کی ملکیت سے نہیں نکلتی ہے، بلکہ اس کی ملکیت
 میں رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ رہن کے تمام اخراجات راہن ہی پر لازم ہوتے ہیں، البتہ قرض کی
 ادائیگی تک مرہن (جس کے پاس رہن رکھا جائے) کے پاس وہ شئی قرض کے عوض مجبوس ہوتی
 ہے جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مرہن کو اطمینان رہے اور قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں
 مرہن اپنا حق وصول کر لے، چونکہ شئی مرہون قرض کے عوض مجبوس رہتی ہے اس لئے مرہن کے
 لئے اس سے فائدہ اٹھانا درحقیقت اپنے قرض سے نفع اٹھانا ہے، اور یہ حرام ہے جس کی صراحت
 تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔

”وفی الاشباہ: کل قرض جرنفعا حرام“ (الدر المختار علی ہاشم رد المحتار ۳/۱۷۳)۔

احادیث میں تو اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ قرض لینے والا اگر قرض دینے والے کو کچھ
 ہدیہ دے یا اپنی سواری پر اس کو بیٹھائے تو اس کے ہدیہ کو قبول نہ کرے اور اس کی سواری پر نہ
 بیٹھے۔ الا یہ کہ قرض دینے سے پہلے ہی سے ہدیہ لینے دینے کا معمول ہو۔ آپ ﷺ نے
 ارشاد فرمایا کہ:

”إذا أقرض أحدكم قرضا فأهدى له، أو حملة على الدابة، فلا يركبها

ولا يقبله إلا أن يكون جرى بينه وبينه قبل ذلك“ (سنن ابن ماجہ باب القرض، ۱/۱۷۷)۔

لہذا سامان فروخت کرنے والے کے لئے شئی مرہون سے جو اس کے پاس قرض کے عوض محبوب ہے فائدہ اٹھانا حرام ہے، قطعاً اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، یہ مسلک ائمہ اربعہ اور جمہور کا ہے، البتہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر رہن سواری اور دودھ والا جانور ہو جس پر مرہن خرچ کرنا ہو تو راہن کی اجازت کے بغیر بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے جمہور کا قول ہی صحیح اور راجح ہے۔

شرح معانی لا تار میں اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔

”أجمع أهل العلم على أن نفقة الرهن على الراهن لا على المرتهن،

وإن ليس للمرتهن استعمال الرهن“ (شرح معانی لا تار ۲/۲۵۲)۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ راہن نے مرہن کو شئی مرہون سے انتفاع کی اجازت نہیں دی، لیکن اگر راہن، مرہن کو شئی مرہون سے انتفاع کی اجازت دے دے تو ایسی صورت میں مرہن کو شئی مرہون سے انتفاع کا حق ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں خود فقہاء احناف کے مختلف قول کتب فقہ میں ملتے ہیں:

۱۔ چونکہ شئی مرہون پر راہن کی ملکیت رہتی ہے اور ہر شخص کو اپنی مملوکہ شئی سے فائدہ اٹھانے کا حق ہوتا ہے اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کو یہ حق دے دے تو اس کو بھی انتفاع کا حق ہوگا اس لئے راہن کی اجازت کے بعد مرہن کو شئی مرہون سے انتفاع کا حق ہوگا۔

۲۔ چونکہ شئی مرہون سے نفع اٹھانا اپنے قرض سے نفع اٹھانا ہے، اس لئے راہن کی اجازت کے بعد بھی مرہن کے لئے شئی مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہ ہوگا۔

۳۔ راہن کی اجازت کے بعد مرہن کے لئے نفع اٹھانا کراہت کے ساتھ جائز ہوگا۔

۴۔ اگر معاملہ کرتے وقت شئی مرہون سے نفع اٹھانے کی کوئی شرط ذکر نہیں کی گئی اور بعد میں راہن نے کسی خارجی دباؤ اور ماحول سے مجبور ہوئے بغیر محض اپنی خوشی و رضا مندی سے انتفاع کی اجازت دے دی تو مرہن کے لئے شئی مرہون سے انتفاع جائز ہوگا (الدر المختار علی ہامش رد

لمختار کتاب الرهن ۵/۳۱۰-۳۱۱، نیز دیکھئے البحر الرائق ۸/۲۷۱)۔

چوتھا قول عی راجح ہے، علامہ شامی کا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے۔ البتہ اگر شئی مرہون سے انتفاع کا عام رواج ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ راہن نے اپنے عرف کو سامنے رکھتے ہوئے مجبوراً انتفاع کی اجازت دی ہے، اس لئے ”المعرف کالمشروط“ کے تحت اس کی اجازت کے بعد بھی مرہون کے لئے انتفاع جائز نہ ہوگا۔ اس وقت عام طور سے مرہون شئی مرہون سے فائدہ اٹھاتا ہے خواہ راہن اس کی اجازت دے یا نہ دے۔ کسی جگہ پر اگر راہن اس کی اجازت بھی دیتا ہے تو مجبوراً اس لئے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر انتفاع کی اجازت نہ دی جائے تو کوئی شخص بھی قرض نہیں دے گا، لہذا ارقام الحروف کی ناقص رائے میں حالات اور تعامل ماس کے پیش نظر خریدار کی اجازت کے بعد بھی بائع کے لئے شئی مرہون سے انتفاع جائز نہیں ہوگا، علامہ شامی نے اپنے دور کے حالات اور تعامل ماس کو سامنے رکھتے ہوئے یہی فتویٰ دیا ہے (رد المحتار ۵/۳۱۱)۔

(ب) مال مرہون بائع کے پاس ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہوگا:

اب ایک مسئلہ یہ رہا کہ جو شئی خریدار کی طرف سے فروخت کرنے والے کے پاس بطور رہن رکھی ہوئی ہے وہ اس کے پاس سے ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلہ میں یہ غور کرنا ہوگا کہ شئی مرہون پر مرہون کا قبضہ، قبضہ ضمان ہے یا قبضہ امانت؟ یعنی شئی مرہون مرہون کے پاس بطور ضمان ہے یا بطور امانت۔

روایات و آثار صحابہ اور فقہی عبارتوں پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل باقی سامنے آتی

ہیں:

(الف) بقدر قرض شئی مرہون پر مرہون کا قبضہ، قبضہ ضمان ہے۔

(ب) اگر شئی مرہون کی قیمت قرض سے زائد ہے تو زائد قیمت پر مرہون کا قبضہ، قبضہ امانت ہے، یعنی زائد قیمت اس کے پاس بطور امانت ہے۔

(ج) اگر راہن، مرہون کو شئی مرہون سے انتفاع کی اجازت دے دے تو اس کے استعمال کی حالت میں وہ شئی بطور عاریت ہوگی، اور اس حالت میں اس کا قبضہ، قبضہ امانت ہوگا۔

البتہ استعمال سے قبل اور استعمال کے بعد اس پر اس کا قبضہ، قبضہ ضمان ہوگا۔
 (د) کوئی شئی کسی شخص کے پاس بطور امانت ہو اور وہ شئی ائین کی پوری حفاظت کے
 باوجود ضائع ہو جائے تو پھر ائین اس کا ضامن نہیں ہوگا، اور اگر ائین کی کوتاہی اور تعدی کی بنا پر
 ضائع ہو جائے تو ائین ضامن ہوگا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شئی بائع کے پاس بطور رہن رکھی ہوئی ہے وہ بقدر ثمن بطور
 ضمان ہے اور ثمن سے زائد کی قیمت بطور امانت ہے۔۔۔ کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ اگر
 شئی مرہون مرتہن کی تعدی اور کوتاہی کے بغیر ضائع ہوئی تو دین اور شئی مرہون کی قیمت میں سے
 جو کم ہوگا اس کا وہ ضامن ہوگا، یعنی اگر ایک ہزار قرض ہے اور ایک ہزار شئی مرہون کی قیمت بھی تو
 معاملہ برابرا ہوگا۔ نہ راہن، مرتہن سے کچھ لے گا اور نہ مرتہن، راہن سے، اور اگر قرض پندرہ
 سو ہے اور شئی مرہون کی قیمت ایک ہزار تو ایک ہزار شئی مرہون کی قیمت کے بقدر قرض سے سا قظ
 ہو جائے گا اور پانچ سو روپے وہ راہن سے وصول کرے گا اور اگر قرض پانچ سو روپے ہے اور شئی
 مرہون کی قیمت ایک ہزار روپے تو پانچ سو روپے بقدر قرض سا قظ ہو جائیں گے اور پانچ سو
 روپے جو شئی مرہون کی فاضل قیمت ہے وہ چونکہ بطور امانت ہے اور مرتہن کی تعدی کے بغیر ضائع
 ہوئی ہے۔ لہذا مرتہن اس کا ضامن نہیں ہوگا اور اگر اس کی کوتاہی سے ضائع ہوئی ہے تو پانچ سو
 روپے مرتہن کو راہن کے حوالہ کرنا ہوگا، اور اگر راہن نے مرتہن کو شئی مرہون سے انتفاع کی
 اجازت دے دی تھی اور شئی مرہون استعمال کی حالت میں مرتہن کی تعدی کے بغیر ضائع ہوئی ہے
 تو چونکہ اس وقت اس کے پاس بطور امانت تھی، اس لئے مرتہن ضامن نہ ہوگا، اور کچھ بھی قرض
 سے سا قظ نہیں ہوگا، البتہ اگر استعمال سے قبل یا استعمال کے بعد ضائع ہوئی ہے تو اس کا حکم وہی
 ہوگا جو اوپر عام رہن کا بتلایا گیا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک کل شئی مرہون بطور امانت ہی ہوتی ہے، اس لئے بلا تعدی ضائع
 ہونے کی صورت میں کچھ بھی قرض سا قظ نہ ہوگا (درمختار مع تنویر الابصار رد المحتار کتاب الرہن ۵/۳۰۹،

۳۱۰، نیز دیکھئے: البحر المرقوم کتاب المرہن ۸/۲۶۵، ہدایہ ۳/۵۳۰۔

کس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا:

اس ذیل میں ضمنی طور پر یہ بحث بھی آتی ہے کہ شئی مرہون کی قیمت کے سلسلہ میں کس دن کا اعتبار ہوگا؟ آیا شئی مرہون پر قبضہ کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا اس کے ضائع ہونے کے دن کا؟ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خود مرہن سے وہ شئی ضائع ہوئی ہے تو پھر قبضہ کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر قبضہ کے دن اس کی قیمت پانچ سو روپے تھی اور ضائع ہونے کے دن ایک ہزار تو پانچ سو روپے کا ضامن ہوگا نہ کہ ایک ہزار کا۔ اور اگر کسی دوسرے شخص نے اس کو ضائع کیا ہے تو پھر اس کے ضائع ہونے کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور ضائع کرنے والا شخص اس کے ضائع ہونے کے دن کی جو قیمت ہے وہ دے گا اور دونوں صورتوں میں قیمت مرہن کے پاس بطور رہن رہے گی (رد المحتار ۵/۳۰۹، نیز دیکھئے ہدایہ ۳/۵۳۰)۔

(ج) وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کی وصولی کس طرح ہو: اگر خریدار اپنے خرید کردہ سامان کی قیمت وقت مقررہ پر ادا نہیں کرتا ہے، بلکہ مال منول کرتا ہے تو اس صورت میں خود فروخت کرنے والا اپنے سامان کی قیمت کی وصولیابی کے لئے شئی مرہون کو فروخت نہیں کر سکتا ہے، جب تک کہ خریدار اس کی اجازت نہ دے دے اور وہ اس کی فروختگی پر راضی نہ ہو جائے، اس لئے کہ شئی مرہون پر اسی کی ملکیت ہے، البتہ تقاضی شریعت کے پاس اور جہاں دار القضاء کا نظام نہ ہو وہاں جماعت مسلمین کے پاس درخواست دے کر خریدار کو شئی مرہون کی فروختگی پر مجبور کرائے اور اس طرح شئی مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کر لے (ہدایہ ۳/۵۳۲، شرح فتح القدیر ۱۰/۱۷۶)۔

البتہ بہتر صورت یہ ہے کہ کوئی شئی بطور رہن رکھتے وقت ہی خریدار سے یہ معاملہ طے کر لے کہ وہ کسی دوسرے کو یا خود فروخت کرنے کو اس بات کا وکیل بنا دے کہ اگر وقت مقررہ پر قیمت کی ادائیگی نہیں ہوئی تو وکیل، خواہ دوسرا شخص ہو یا خود مرہن شئی مرہون کو فروخت کر کے اس کی

قیمت ادا کر دے گا، اگر اس طرح کی شرط شروع ہی میں لگا دی جائے تو پھر خریدار وکیل کو معزول بھی نہیں کر سکتا ہے، بلکہ اس کے انتقال کے بعد بھی وہ معزول نہیں ہوگا، وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں وکیل کو شرعی اختیار ہوگا کہ شئی مرہون کو فروخت کر کے بائع کا قرض ادا کر دے، اگر شئی مرہون کی قیمت بقدر قرض ہو تو معاملہ برابر رہے گا اور اگر قرض سے کم ہو تو بقیہ رقم خریدار ادا کر دے گا اور اگر قرض سے زائد ہو تو زائد قیمت خریدار کے حوالہ کر دی جائے گی (البحر المراقب ۲۹۲/۸)۔

۹- بائع کافر و خست کردہ سامان کو ثمن کی ادائیگی تک اپنے پاس روک کر رکھنا:

بائع کا اپنے فروخت کردہ سامان کو اپنے پاس اس وقت تک روک کر رکھنا جب تک کہ خریدار پوری قیمت یا چند قسطیں ادا نہ کر دے اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) خود بائع اس سامان کو خریدار کے حوالہ کئے بغیر اپنے پاس رکھے، یا خریدار قبضہ سے قبل بائع سے یہ کہے کہ یہ سامان تمہارے پاس رہن ہے۔

(ب) پہلے خریدار کے حوالہ کر دے اور وہ اس پر قبضہ کرنے کے بعد اسی سامان کو بائع کے پاس بطور رہن رکھ دے، پہلی صورت ”حبس المبیع لاستيفاء الثمن“ کی ہے، یعنی بیع کو محض ثمن کی وصولیابی کے لئے روک کر رکھنا ہے اور یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع کی دو صورتیں ہیں، ایک وہ جس میں ثمن نقد طے پاتا ہے اور دوسری صورت وہ ہے جس میں ثمن ادھار طے پاتا ہے جس کی ادائیگی کے لئے مدت متعین کر دی جاتی ہے، خواہ بیک مشت ہو یا قسط وار ہو، اگر ثمن نقد طے پایا ہے تو اس صورت میں بائع کو شرعی اختیار ہے کہ ثمن کی ادائیگی تک سامان کو روک کر رکھے اور اگر ثمن ادھار طے پایا ہے تو پھر بائع کو شرعی اختیار نہیں ہے کہ ثمن کی ادائیگی تک بیع کو اپنے پاس روک کر رکھے (فتاویٰ ہندیہ ۱۵۳)۔

”مبسوط للسرہنی“ میں اس کی علت بھی ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ متعینہ مدت کے آنے سے قبل اس لئے روکنے کا حق نہیں ہے کہ اس سے پہلے بائع کو ثمن کے مطالبہ کا حق نہیں

ہے، اور بیع کو روکنے کا اختیار صرف اس ضمن کے بدلہ میں ہے جس کے مطالبہ کا حق ہو اور متعینہ مدت کے آنے کے بعد بیع کو روکنے کا حق، اس لئے نہیں کہ ادھار ضمن کی صورت میں بیع کو روکنے کا حق اصل عقد سے ثابت نہیں ہے، لہذا عقد کے بعد بھی یہ حق ثابت نہ ہوگا (الوسط للسرخصی ۱۳/۱۹۲)۔

اور اگر مشتری قبضہ سے قبل بائع سے یہ کہتا ہے کہ میرا خرید کردہ سامان تمہارے پاس رہن ہے تو چونکہ قبضہ سے قبل اس میں رہن بننے کی صلاحیت نہیں ہے، نیز یہ جس المبیع الاستیفاء ضمن کی صورت ہے، اس لئے یہ بھی جائز نہیں ہے، البتہ دوسری صورت میں جبکہ بائع نے سامان کو مشتری کے حوالہ کر دیا، اس نے اس پر قبضہ کرنے کے بعد بائع کے پاس بطور رہن رکھ دیا تو یہ صورت شرعاً جائز و درست ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں خریدار قبضہ کے بعد اس کا مالک ہو گیا اور ہر شخص کو اپنی مملوکہ شئی رہن رکھنے کا اختیار ہے، خواہ وہ مملوکہ شئی خرید کردہ ہو یا دیگر اسباب ملکیت کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو، اب یہ شئی جو بائع کے پاس رہے گی اس پر ملکیت خریدار ہی کی رہے گی، اور اس سے انتفاع یا اس کے ضائع ہونے کی صورت میں تاوان اور نال منول کی صورت میں فروخت کر کے اپنے حق کی وصولیابی کے سلسلہ میں وہی احکام جاری ہوں گے جو جواب نمبر ۸ میں تفصیل سے گزر چکے ہیں۔

درمختار میں صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر قبضہ سے قبل مشتری بائع سے یہ کہتا ہے کہ یہ سامان تمہارے پاس بطور رہن ہے تو یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ضمن کے عوض میں مجبوس ہے اور اگر قبضہ کے بعد بطور رہن رکھتا ہے تو یہ جائز و درست ہے، اس لئے کہ قبضہ کے بعد اس پر ملکیت آ جانے کی وجہ سے اس میں رہن بننے کی صلاحیت ہوگی (رد المحتار ۵/۳۲۰، باب ما یجوز ارتھانہ مالا یجوز)۔

۱۰۔ مقررہ اقساط کو ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع کا سامان اور ادا کردہ قسطیں ضبط کر لینا کیسا

ہے:

بائع کا سامان روک کر رکھنا اور باقی قسطیں ادا نہ کرنے کی صورت میں ادا کردہ قسطوں کو ضبط کر لیا شرعاً حرام ہے، بیع فسخ کر دینے کی صورت میں ادا کردہ قسطوں کو خریدار کے حوالہ کرنا ہوگا۔

۱۱ - یہ سوال غیر واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ خریدار جب خود اس سامان کا مالک ہے تو وہ اس کے پاس رہن کیسے قرار پا سکتا ہے؟ اس لئے کہ سامان خود مالک کے پاس بطور رہن رہے یہ ایک ناقابل فہم حقیقت ہے، رہن تو مدیون کی طرف سے دائن کے پاس توثیق و اعتماد کے لئے ہوتا ہے نہ کہ مدیون کا مال مدیون کے پاس، اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ خریدار جب اس سامان کا مالک ہو گیا تو پھر اس کو فروخت کرنے یا دیگر جائز تصرف سے کیسے روکا جاسکتا ہے اور بائع کو اس میں تصرف کا حق کیسے دیا جاسکتا ہے؟ البتہ اگر اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے اس پر قبضہ کر لینے کے بعد وہ سامان بائع کے پاس بطور رہن رکھ دیا، پھر بائع نے مشتری کو عاریۃ استعمال کے لئے دے دیا تو یہ صورت جائز و درست ہے، اس لئے کہ مرتہن خود رہن کو شئی مرہون سے نفع اٹھانے کی اجازت دے سکتا ہے، اس صورت میں شئی مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گی۔ اگر خریدار کے پاس وہ سامان ضائع ہو جائے تو بائع اس کا ضامن نہیں ہوگا، بلکہ حسب دستور خریدار پر ضروری ہوگا کہ بائع سامان کی قیمت ادا کر دے، اس لئے کہ اس صورت میں شئی مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل جاتی ہے (ہدایہ ۳/۵۳۰)۔

۱۲ - گارنٹی و ضمانت پر اجرت:

اداروں یا اشخاص کا کسی کے متعلق گارنٹی و ضمانت لینا درحقیقت عقد کفالت ہے۔ اور چونکہ عقد کفالت تبرع و احسان پر مبنی ہے، اس لئے اس میں اجرت لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ یہ تبرع و احسان کے منافی ہے، لہذا مذکورہ صورت میں اداروں یا اشخاص کے لئے گارنٹی اور ضمانت لینے پر اجرت لینا از روئے شرع جائز نہیں ہے، اس سے امتراز لازم ہے، البتہ اگر ادارے یا اشخاص ضمانت لیتے وقت کچھ سعی بھی کریں مثلاً متراض دلانے اور ضمانت لینے کے لئے

بینک تک جا کر بینک سے اپنی ضمانت رقرض دلوائیں، اور اس محنت کی اجرت طے کر لیں تو ایسی صورت میں اپنی اس محنت کی اجرت لیما شرعاً جائز ہے، لیکن یہ اجرت اجرت مثل سے زائد نہیں ہونی چاہئے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنی کتاب ”کفایت المفتی“ میں اس طرح محض ضمانت لینے پر اجرت لینے کو ناجائز اور محنت و عمل کے پائے جانے پر اس عمل کی اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے (کفایت المفتی ۸/۱۵۷-۱۵۸)۔

۱۳- ادھار معاملہ کے لئے تیار شدہ دستاویز کی خرید و فروخت:

جو کاغذات و دستاویز ادھار معاملہ کے لئے تیار کرائے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس میں عقد بیع، بیع، شمن اور ادائیگی شمن کی مدت کی تفصیل ہوتی ہوگی۔ ان کاغذات و دستاویزات کی خرید و فروخت درحقیقت اس رقم کی خرید و فروخت ہے جو ان کاغذات و دستاویز میں درج ہے ان کاغذات و دستاویز کی خرید و فروخت مقصود نہیں ہے، اگر شمن میں کوئی سامان ہے اور وہ اموال ربوہ میں سے نہیں ہے، یا اموال ربوہ میں سے ہے، لیکن روپے پیسے سے اس کو فروخت کیا جا رہا ہے تو پھر کمی، بیشی کے ساتھ خرید و فروخت شرعاً جائز ہے اور اگر شمن میں روپے پیسے ہیں اور روپے پیسے سے خرید و فروخت بھی ہو رہی ہے تو چونکہ روپے پیسے شمن عرفی ہیں، اس لئے اس پر بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے اور کمی بیشی کے ساتھ اور ادھار خرید و فروخت جائز نہ ہوگی، برابری اور نقد معاملہ کرنا ہوگا، اس لئے کہ بیع صرف میں ادھار اور کمی بیشی دونوں حرام ہیں۔

البتہ اس صورت میں جواز کا پہلو یہ نکل سکتا ہے کہ جس سے فروخت کرنا مقصود ہو اس سے قرض لے لے، اور اس کو اپنے قرض کی وصولیابی کے لئے اپنا وکیل بنالے، اور اس وکالت پر جو اجرت طے کرنا چاہے کر دے، اس طرح پر کہ اس سے لئے گئے قرض اور وکالت پر طے شدہ اجرت کی رقم دستاویز میں لکھی گئی رقم کے برابر ہو، مثلاً دس ہزار روپے دستاویز میں درج ہیں، اور اس دستاویز کی خرید و فروخت نو ہزار روپے میں کرنا چاہتے ہیں تو ہزار روپے اس سے قرض لے

لے اور اس کو بینک سے قرض وصول کرنے کے لئے اپنا وکیل بنا دے اور اس وکالت کی اجرت ایک ہزار روپے طے کر دے، اس طرح کا معاملہ درست ہوگا، اس لئے کہ عقد وکالت میں وکیل کے لئے اجرت لیما از روئے شرع جائز ہے (شرح فتح القدر، کتاب الوکالۃ ۳/۸)۔

۱۴- ثمن کے ایک حصہ کی معافی کی شرط پر وقت سے قبل اس کا مطالبہ:

بیع بالتقسیط میں ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین ہوگئی کہ فلاں تاریخ تک ثمن ادا کرنا ہے، ظاہر ہے کہ اس تاریخ سے قبل بائع ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے، لیکن وہ خریدار سے یہ کہتا ہے کہ تم ثمن ابھی یا وقت سے پہلے پہلے ادا کر دو، میں ثمن کا کچھ حصہ معاف کر دوں گا، اس کے لئے اصطلاحی تعبیر ”ضع و تعجل“ کی استعمال ہوتی ہے، اس صورت کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس صورت میں درحقیقت خریدار مدت کا عوض لے رہا ہے، اس لئے کہ جب ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین ہوگئی تو مدت کو اس شرط پر کم کر دینا کہ بائع ثمن میں کمی کر دے، کم کیا ہو ثمن درحقیقت اس مدت کا عوض ہوگا جو خریدار نے کم کیا ہے اور اوپر یہ مسئلہ بیان ہو چکا کہ مدت کا عوض لیما حرام ہے۔

کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ اس طرح کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مالک، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمرؓ کے آثار ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

جس طرح وقت مقرر پر قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں قرض دینے والا مدت میں کچھ اضافہ کر دے اس شرط کے ساتھ کہ قرض میں بھی اضافہ کرنا ہوگا ناجائز و حرام ہے، اسی طرح میرے نزدیک اگر قرض دینے والا قرض کا کچھ حصہ معاف کر کے قرض کا فوری مطالبہ کرے تو ناجائز اور حرام ہوگا، دونوں میں صریح رہا ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں: ملاحظہ ہو عبارت:

”قال مالک: والأمر المکروه الذی لا اختلاف فیہ عندنا أن یکون للرجل علی الرجل الدین إلی أجل، فیضع عنه الطالب ویعجله المظلوم....“

قال مالک: وذلك عندنا بمنزلة الذي يؤخر دينه بعد محله عن غريمه ويزيد الغريم في حقه قال: فهنا لربا بعينه لا شك فيه“ (سوطا امام مالک کتاب ابو خطاب ماجاء فی امر بائی الدین ۶۰۶/۱)۔

امام محمد نے اس کے ناجائز ہونے کی علت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

”لأنه يعجل قليلا بكثير ديناً، وهو قول عمر بن الخطاب وزيد بن ثابت وعبد الله بن عمر وهو قول أبي حنيفة“ (سوطا امام محمد باب الرجل يبيع المتاع او غيره ميسر ثم يقول انقروا مضع منك ۳۳۲/۱)۔

(اس لئے ناجائز ہے کہ وہ اس صورت میں دین کثیر کے بدلے دین قلیل کو جلد طلب کر رہا ہے گویا کہ وہ قلیل نقد کو کثیر دین کے عوض فروخت کر رہا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، یہی قول عمر بن الخطاب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر اور امام ابو حنیفہ کا ہے)۔

علامہ شامی نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس طرح کی مصالحت کہ ایک ہزار جو ادھار ہے فوراً پانچ سو دے دو اور پانچ سو معاف کر دیتا ہوں، اجل کا عوض ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

”ولا يصح (الصلح) (عن دراهم على دنانير مؤجلة) (أو عن الف مؤجل على نصفه حالا) (در مختار) (قوله حالا)، لأنه اعتياض عن الأجل وهو حرام“ (رد المختار ۲۹۸۳/۲ فصل فی دعوی الدین)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ کہ بائع، مشتری سے یہ کہے کہ میں تمہیں کچھ حصہ معاف کر دیتا ہوں اور تمہیں فوراً ادا کر دو حرام ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

۱۵- ادھار بیع میں ثمن مطلق کو فی الفور ادا کرنے پر چھوٹ دینا:

معاملہ ادھار کیا گیا، لیکن ثمن کی ادائیگی کے لئے مدت متعین نہیں ہوئی، بلکہ مطلق رکھا گیا، خریدار نے کہا کہ میں ثمن ادا کروں گا، پھر بائع نے جب دیکھا کہ خریدار ثمن ادا نہیں کر رہا

ہے اور بائع کو اس کی ضرورت بھی ہے تو اس نے خریدار سے کہا کہ تم فوراً ثمن ادا کر دو میں ثمن کا کچھ حصہ معاف کر دوں گا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں پہلے مندرجہ ذیل نکتوں پر غور کرنا ہوگا۔

- (الف): ادھار معاملہ میں اگر ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین نہ ہو، بلکہ خریدار صرف یہ کہے کہ میں ثمن ادا کر دوں گا تو اس طرح کی بیع صحیح ہوگی یا فاسد؟
- (ب): اگر یہ بیع صحیح ہوگی تو ثمن کی ادائیگی نوری ضروری ہوگی یا تاخیر کی بھی گنجائش ہوگی؟
- (ج): اگر تاخیر کی گنجائش ہوگی تو کتنے دنوں تک؟

اس سلسلہ میں فقہی عبارتیں باہم متضاد نظر آتی ہیں جس کی وجہ سے کوئی ایک قطعی رائے قائم کرنا مشکل ہوتا ہے، بعض عبارتوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیع فاسد ہو جائے گی، اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ہو جائے گی، یہ مسئلہ تقریباً تمام کتب فقہ معتبرہ اور متداولہ میں ہے کہ صحت بیع کے لئے جبکہ ادھار ہو ادائیگی ثمن کی مدت معلوم ہونا ضروری ہے، اگر ادائیگی ثمن کی مدت مجہول ہو، اور یہ جہالت فاحشہ ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی، جیسا کہ خریدار کہے کہ میں ثمن نیروزیامہر جاں یا صوم نزاری تک ادا کر دوں گا تو ایسی صورت میں جہالت مدت کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے: ”ومنها الخاصة، فمنها معلومية الأجل في البيع بضمن مؤجل فيفسد إن كان مجهولاً“ (فتاویٰ ہندیہ ۳/۳)۔

ہدایہ میں ہے: ”والبیع إلى النیروز والمہر جان و صوم النزاری و فطر الیہود إذا لم يعرف المتبايعان ذلك فاسد لجهالة الأجل“ (ہدایہ باب البیع الفاسد ۳/۵)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ادائیگی ثمن کی مدت متعین نہیں ہوئی، بلکہ خریدار نے صرف یہ کہا کہ میں ثمن ادا کر دوں گا تو اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی۔

اس کے برخلاف علامہ علاء الدین اَلْجسکَی در مختار میں تحریر فرماتے ہیں کہ ثمن نقد مقرر کرنا بھی صحیح ہے اور ادھار بھی، جبکہ مدت معلوم و متعین ہونا کہ باہمی جھگڑے کا سبب نہ بن جائے۔ اور اگر ثمن کو مطلق رکھا تو مفتی بہ قول کے مطابق ایک ماہ تک مؤجل سمجھا جائے گا۔

” (وصح بضمن حال) وهو الأصل (ومؤجل إلى معلوم) لئلا يفضى إلى النزاع، ولو باع مؤجلاً صرف لشهر به يفضى“ (تویر الابصار مع الدر المختار علی ہاشم رد المختار کتاب بیوع ۲۳، ۲۴)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ادھار بیع میں اگر ثمن کی ادائیگی مطلق ہو تو بیع صحیح ہو جائے گی، اور ثمن کی ادائیگی ایک ماہ تک مؤجل رہے گی۔

اوپر جو مسئلہ بیان کیا گیا یعنی معلومیۃ الاجل اور بیع نیروز وغیرہ اس کو علامہ شامی نے ذکر کر کے اس پر اشکال کیا ہے اور ”قابل“ کہہ کر غور و فکر کی دعوت دے دی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں میں غور کرنے سے حقیقت میں تضاد نظر نہیں آتا۔ دونوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر ثمن کی ادائیگی کی مدت فریقین کی جانب سے مقرر ہے، لیکن اس میں جہالت فاحشہ ہے تو ایسی صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی، اور اگر ادائیگی ثمن کی مدت فریقین کی جانب سے متعین نہیں ہے، بلکہ مطلق ہے کہ ادا کر دیں گے تو اس صورت میں بیع صحیح ہو جائے گی اور ادائیگی ثمن کی مدت ایک ماہ تک مؤجل رہے گی، پہلی صورت میں واقعی جہالت ہے، اور دوسری صورت میں جہالت نہیں ہے، اس لئے کہ مطلق کی صورت میں عرفاً اور شرعاً ایک ماہ کی مدت متعین ہو جاتی ہے، جیسا کہ بیع سلم اور بیعین میں کہ کوئی شخص یہ قسم کھاتا ہے کہ میں تمہارا قرض مؤجلاً ادا کروں گا تو دونوں صورتوں میں ایک ماہ کی مدت متعین ہو جائے گی۔

راقم الحروف کی ناقص رائے یہی ہے کہ اگر ادھار بیع میں ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین نہ ہو بلکہ مطلق ہو تو بیع صحیح ہو جائے گی اور ثمن کی ادائیگی کی مدت ایک ماہ تک مؤجل رہے گی۔

اس تفصیل کی روشنی میں سوال کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں بیع صحیح ہو جائے گی

اور ثمن کی ادائیگی ایک ماہ تک مؤجل رہے گی، چونکہ بائع کو ایک ماہ کے اندر اندر ثمن کے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا، اس لئے اگر ایک ماہ سے قبل وہ خریدار سے یہ کہتا ہے کہ تم فی الفور ثمن ادا کر دو میں ثمن کا کچھ حصہ معاف کر دوں گا تو جواب ۱۳ کی تفصیل کے مطابق خریدار کے لئے یہ مدت کا عوض لینا ہوگا جو حرام ہے۔ اس طرح کا معاملہ نہیں کر سکتے ہیں، امترا از لازم ہے، اور اگر ایک ماہ کے بعد اس طرح کا معاملہ کرنا ہے تو چونکہ ایک ماہ کے بعد بائع کو ثمن کے مطالبہ کا حق ہے، اس لئے اس وقت یہ ثمن نقد ہو جائے گا اور ثمن نقد میں بائع کو یہ اختیار ہے کہ ثمن کے کچھ حصہ کو معاف کر کے بقیہ ثمن کو فی الفور ادا کرنے پر مصالحت کر لے، یہ مدت کا عوض نہ ہوگا، بلکہ اس کی طرف سے حظ و امداء ہوگا جو شرعاً جائز ہے (بہایہ باب الصلح فی الدین ۲۵۱/۳)۔

۱۶- ایک قسط کی تاخیر پر بقیہ قسطوں کی مہلت کو ختم کرنا:

ادھار بیع میں جب دونوں فریق کی باہمی رضامندی سے مختلف قسطوں میں ثمن کی ادائیگی طے پائی اور ہر قسط کی ادائیگی کی مدت بھی متعین ہوگئی تو محض ایک قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے بقیہ قسطوں کی مہلت کو بائع ختم نہیں کر سکتا ہے، اس لئے کہ مختلف قسطوں میں ادائیگی کی مدت متعین کرنا درحقیقت بائع کی جانب سے خریدار کو بئیر و سہولت دینا ہے، اور بئیر و سہولت خریدار کو ہر قسط پر حاصل ہے۔ لہذا محض ایک قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے بقیہ قسطوں کی سہولت کو ختم کرنا انصاف کے خلاف معلوم ہوتا ہے، البتہ اگر معاملہ کرتے وقت ہی دونوں فریق باہمی رضامندی سے یہ طے کر لیں کہ اگر کسی قسط کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی اور خریدار مال منول سے کام لے گا تو بقیہ قسطوں کی مہلت ختم کر دی جائے گی، اور بائع کو فی الفور ادائیگی ثمن کے مطالبہ کا حق ہوگا۔ تو پھر بائع بقیہ قسطوں کی مہلت کو ختم کر کے فی الفور ادائیگی کا مطالبہ کر سکتا ہے، اس کی صراحت کتب فقہ میں موجود ہے۔

بائع المصانع میں ہے: "ولو جعل المال نجوماً بكفيل، أو بغير كفيل، وشرط إن لم يوفه كل نجم عند محله، فالمال حال عليه، فهو جائز على

ماشروط، لأنه جعل الإخلال بنجم شرطاً لحلول كل المال عليه، وأنه صحيح“ (بواعع المنافع ۳۵۶)۔

۱۷۔ اگر فریقین میں سے کسی کے انتقال سے معاملہ پر اثر:

نتیجہ بالتقسیم کے ذیل میں ایک اہم مسئلہ یہ آتا ہے کہ اگر فریقین (بائع اور مشتری) میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس سے معاملہ پر اثر پڑے گا یا نہیں؟ یا اب بھی معاملہ طے شدہ تفصیل کے مطابق باقی رہے گا؟

اس سول کے جواب سے قبل یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ثمن کی ادائیگی کو مؤثر کرنے سے بائع کو کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ اصل فائدہ خریدار کو ہے۔ بائع وقت سے پہلے اپنے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی یہ صراحت موجود ہے کہ اگر بائع کا انتقال ہو جائے تو معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، جس طرح خود بائع کو اپنی حیات میں مدت متعینہ سے قبل ثمن کے مطالبہ کا حق نہیں تھا اسی طرح اس کے وارثین کو بھی حق نہیں ہوگا، اس لئے کہ تا جیل سے جس کو فائدہ پہنچ رہا تھا وہ اب بھی حیات ہے، البتہ اگر خریدار کا انتقال ہو جائے تو پھر جو ثمن ادھار تھا وہ نقد ہو جائے گا، اور فی الفور اس کی ادائیگی خریدار کے ترکہ سے لازم ہوگی، اس کی وجہ فتاویٰ بزازیہ میں یوں بیان کی گئی ہے کہ تا جیل کا فائدہ یہ ہے کہ خریدار اپنے مال کو تجارت کے ذریعہ بڑھا کر اس سے ثمن کی ادائیگی کرے، لیکن جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے ترکہ سے اس کی ادائیگی لازم ہوگئی، لہذا اب تا جیل کا کوئی فائدہ نہیں۔

”و بموت البائع لا يحل الثمن الموجل وبموت المشتري يحل... ولو أجله الوارث لا يصح، لأن الثمن في الذمة، وكان فائدة التأجيل أن يتجر ويؤدى الثمن من نماء المال، وبالموت تعين الأداء من التركة، فلا فائدة في التأجيل“ (الفتاویٰ البرازیلی ہاشم الفتاویٰ الہندیہ نوع آخر فی التاجیل ۳۵۱-۵۱۳)۔

۱۸- دوکانداروں کی طرف سے سامان خریدنے والوں کو ترغیبی انعام:

یہ طریقہ جو رائج ہے کہ بلا قسط خرید فخر و خست کا کاروبار کرنے والے دوکاندار ماہ بہ ماہ یا سال بسال ہر قسط کی ادائیگی پر اپنے خریداروں کو قرضہ کے ذریعہ انعام دیتے ہیں اور انعام کی رقم شمن کا جز نہیں ہوا کرتی ہے، بلکہ محض خریداروں کی ہمت افزائی اور ان کی ترغیب کے لئے ایسا کرتے ہیں تو اس طرح انعام دینا شرعاً جائز و درست ہے، یہ صورت ربایا قمار کے دائرے میں نہیں آتی ہے، اس لئے کہ اس پر نہ تو ربا کی تعریف صادق آتی ہے، اور نہ ہی قمار کی، دوکاندار تو محض اپنے کاروبار کو چکانے اور خریدار کو ترغیب دلانے کے لئے اس طرح کے انعام کا اعلان کرتے ہیں:

۱۹- جوا کی ایک شکل:

خریداروں سے قسط جمع کرنا اور ہر قسط پر قرضہ اندازی کے ذریعہ جس کا نام نکل آئے اس کو سامان نقد دینا، پھر دوسری مرتبہ تمام خریداروں سے قسط جمع کر کے قرضہ اندازی کے ذریعہ دوسرے کو انعام دینا، اس طرح ہر خریدار کو باری باری سے قرضہ اندازی کے ذریعہ سامان دینا اور جس کا نام قرضہ اندازی میں آ جائے اس سے مزید قسط جمع نہ کرنا، یہ سراسر جوا ہے جو شرعاً حرام ہے۔ قطعاً اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

قسطوں کی بنیاد پر خرید و فروخت ضرورت و مسائل

مولانا ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام قاسمی اعظمی ☆

- ۱- نقد فروختگی کے اعتبار سے ادھار میں قیمت کی زیادتی شرعاً جائز اور درست ہے وہ ربا نہ ہوگی (رد المحتار ۶/۵۷۷، ہدایہ ۵۸۳)۔
 - ۵۲- ظاہر ہے آدمی بیع بالاقساط تو اسی لئے کرتا ہے کہ فوری طور پر دشمن کی ادائیگی پر قادر نہیں ہے، اس لئے بموجب آیت ربانی ”وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة“ میں تنوین میسرہ کو عام لے کر جملاً جملاً بیع کے جواز کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔
 - ۳- ادھار قیمت کا تذکرہ تو ضروری ہے ورنہ مفہمی الی الجہالت ہونے کے باعث بیع کا اہم رکن تراضی فوت ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ معاملہ درست نہ ہوگا، پھر یہ کہ بائع کو اختیار ہے چاہے وہ نقد معاملہ کرے یا ادھار۔
- ”ولا يمنع الشرع من أن يبيع المرء سلعته بشمن في حالة وبشمن آخر في حالة أخرى“۔
- ۴- امام زین العابدین ناصر، المنصور ربانہ اور ہادویہ کے نزدیک یہ معاملہ جائز نہیں، کیونکہ اجل ایک وصف ہے اور وصف کے مقابل میں دشمن نہیں ہوتا، بنا بریں یہ صورت ربا یا شبہ ربا ہو کر

ناجائز ہوگی، جیسا کہ شوکانی کی تحریر باطریق ہے۔

”وقد تكلم الفقهاء في هذه المسئلة قديما و حديثا فذهب بعض العلماء إلى عدم جوازه لكون الزيادة عوضا عن الأجل وهو الربا أو فيه مشابهة للربا، وهذا المنهه مروي عن زين العابدين علي بن الحسين والناصر والمنصور بالله والهادوية“ (مثل الاوطار ۵/ ۱۷۲)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ ائمہ اربعہ و جمہور علماء کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:

”أما الأئمة الأربعة و جمهور الفقهاء والمحدثين، فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر انعقد بشرط أن يبت العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم و بشمن متفق عليه عند العقد“ (تقائما لکھنؤ صحا ۷/ ۷)۔

(ائمہ اربعہ و جمہور فقہاء و محدثین نے نقد فروختگی کے مقابلہ میں ادھار کے اندر قیمت کے زیادہ کرنے کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ متعاقدین عقد کے وقت ہی بیع مؤجل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں قطعی فیصلہ کر کے ایک شمن پر متفق ہو جائیں)۔ علامہ عثمانی نے جواز کی دلیل میں ترمذی کی ایک روایت ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بيعتين في بيعة“ کے تحت امام ترمذی کی تحریر ”وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول“أبيعك هذا الثوب بنقد عشرة و بنسيئة بعشرين“ ولا يفارقه علي أحد البيعين فإن فارقه علي أحدهما فلا بأس إذا كانت العقدة علي أحد منهما“ کا خلاصہ یوں لکھا ہے کہ عدم جواز کی وجہ سے تردد اثنین بین الحالین ہے جو مفہمی الی الجہالت ہے، اس کی وجہ ادھار کے باعث قیمت کا اضافہ نہیں ہے، لہذا اگر عقد کے وقت ہی یہ جہالت کسی ایک شمن کے تعین سے ختم کر دی جائے تو جواز میں کوئی مضائقہ نہیں۔

راقم کے خیال میں جواز کی گنجائش ہونی چاہئے، کیونکہ یہ صورت نہ تو ربا ہے اور نہ ہی

جہالتہ فاحشہ فی لأجل ہے جس کی وجہ سے غرر کثیر پیدا ہو جائے، اس سلسلہ کی ایک عبارت ابن حزم کی بھی نقل کر رہا ہوں جس سے جواز عی کا ثبوت ہو رہا ہے۔

”ولا يجوز البيع بشمن مجهول ولا إلى أجل مجهول..... وهو قول الشافعي وأبي حنيفة“ (مکملی ابن حزم ۸/۲۲۳)۔ سراج العلماء ابو بکر کاسانی کے مطابق ”ومنها أن يكون المبيع معلوما وثمنه معلوما علما يمنع من المنازعة، فإن كان أحدهما مجهولا جهالة مفضية إلى المنازعة فسد البيع وإن كان مجهولا لا تفضي إلى المنازعة لا يفسد“ (بدائع المنافع ۱۵۶/۵) مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو (بدیۃ المجتہد ۲/۵۹۲ تا ۵۹۳، اعلاء السنن للشیخ ظفر احمد اشعانی ۱۳/۱۳۶، کتاب الفقہ علی امیر اہلب الاربعۃ لعبدالرحمن الجزیری ۲/۲۳۵، مثنی لابن قدامہ وشرح ۳/۲۳۰، مسوط للمرحوم ۱۳، قواعد الفقہ از سید عمیر الاحسان ۳۹۹)۔

بہر حال یہ زائد قیمت بیع کا وصف بن کر ضمننا صحیح ہو جائے گی، نیز ربا اور صورت مسئلہ میں بین فرق ہے۔

۶- اگر ایک چیز کی خرید و فروخت نقد معاملہ کے طور پر دس روپے طے ہوئی اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ یہ دس روپے ایک ماہ کے اندر ادا نہ کئے گئے تو مزید دو روپے ادا کرنے ہوں گے اور اس طرح ہر ماہ کی تاخیر پر دو روپے کا اضافہ کرنا ہوگا تو احقر کی رائے یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعا درست نہیں، جیسا کہ درج ذیل عبارات سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔

”أما مايفعله بعض الناس من تحلید ثمن البضاعة علی أساس سعر انعقد و ذکر القدر الزائد علی أساس أنه جزء من فوائد التأخیر فی الأداء، فإنه ربا صراح، وهما مثل أن يقول البائع: بعته هذه البضاعة بثمانی ربيات نقدا فإن تأخرت فی الأداء إلى مدة شهر فعليك روبيتان علاوة علی الثمانیة سواء سماها فائدة أولا، فإنه لا شك فی كونه معامله ربويه.....“ (بحوث فی فقہایا کلمیہ صحابہ از شیخ تقی عثمانی ۱۰)۔

بہر حال نقد کو بنیاد بنا کر تاخیر کی وجہ سے ثمن کا اضافہ رہا محرم ہے جو نصوص فقہاء سے

ثابت ہے۔

۷۔ اگر یہ شرط صلب عقد میں ہے تو قطعاً اس کے جواز کی گنجائش نہیں نکلتی، کیونکہ یہ قرض میں منافع کے قبیل سے ہے جس کی حرمت ”کمل قرض جو نفعاً فہو رہا“ والی حدیث سے ثابت ہے، لیکن اگر اسی مجلس عقد میں بعد انعقاد بیع یعنی بعد ایجاب و قبول متعاقدین اس پر راضی ہو جائیں تو میرے خیال میں بایں وجہ جائز ہونا چاہئے کہ فی زمانہ دائن کے امہال کے باوجود جانب آخر مدیون سے ٹال مٹول اور مظل سے کام لیا جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے بموجب ”لا ضرر ولا ضرار“ و بنص حدیث صحیح ”مظل الغنی ظلم“ اس لئے اس زائد رقم کو (جو بقدر مدین دائن مدیون کے درمیان معبود ہو) لے کر ایک تیسرے آدمی کو جس کی دیانت و تقویٰ سے لوگ مطمئن ہوں یہ کہہ کر دے دیا جائے کہ وہ اس رقم کو ناجی و رفاہی کاموں پر صرف کر دے، جو اب مذکور اس صورت میں ہے، جبکہ مدیون ادائیگی کی استطاعت کے باوجود وقت میعاد پر ادا نہ کرے لیکن اگر وہ خدانخواستہ تنگ دست ہے تو اسے تورب العالمین ہی نے فریختی اور مہلت دے دی ہے، ”وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة“ (سورہ بقرہ ۲۸۰) اور جب کبھی بھی اسے استطاعت ہو جائے گی تو ثمن کی زائد رقم نہ دے کر اصل رقم دے گا۔ یہ مالی جرمانہ اور تاوان نہیں ہے جو تقریباً تمام فقہاء کرام قدیم و جدید کے یہاں غیر مشروع ہے۔

۸۔ (الف) جمہور کے نزدیک شی مرہون سے انتفاع جائز نہیں مگر ایک قوم نے کہا ہے کہ اگر حیوان ہو تو اس سے انتفاع اتنی مقدار میں ہو سکتا ہے جتنا کہ بطور چارہ اس پر خرچ کیا ہے، اور یہ مسلک امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کا ہے (بدریۃ المجدد ۲/۲۹۹)۔

علامہ ابن حزم کی تحریر سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے: ”وأما الركوب والاحتلاب خاصة لمن أنفق على المركوب والمحلوب، فلما روينا من طريق البخاري عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: الظهر يركب بنفقته إذا كان مرهونا ولبن

المر يشرب بنفقته إذا كان مرهونا“ (مکمل ۸/۹۰)۔

امام مالکؒ بھی راہن سے شرط لگانے کے بعد بعض چیزوں میں انتفاع کے جواز کے قائل ہیں لیکن ابن حزم نے ان پر بایں الفاظ نقد کیا ہے: ”و أما مالکؒ فإنه قال: لا بأس أن يشترط المرتهن منفعة الرهن إلى أجل في المور والأرضين وكره ذلك في الحيوان والثياب وهما قول لا برهان على صحته، وتقسيم فاسد و شرط ليس في كتاب الله تعالى فهو باطل“ (مکمل ۸/۹۱)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کے نزدیک بدون شرط انتفاع درست نہیں، ہاں اگر راہن سے لگائی جائے تو بعض اشیاء میں بغیر کراہت اور بعض میں مع الکرہت انتفاع درست ہوگا۔ نیز علامہ ابن عابدین شامی نے فتح القدر سے نقل کیا ہے کہ: ”لا يحل له أن يتفعل بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا“ (خلاصۃ الفتاویٰ ۱۸۶/۳)۔

(اگر راہن مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے دے تو بھی انتفاع درست نہ ہوگا کیونکہ یہ اجازت ربا پر مشتمل ہے جس کی حرمت طے ہے)۔

نیز ابن قدامہ حنبلی کی تحریر سے بھی بقدر چارہ جواز کی گنجائش ہے۔ چارہ اضطرار (راہن کے غائب ہونے یا قدرت نہ ہونے) یا بدون الاضطرار (راہن کی قدرت کے باوجود یا اس کی اجازت) سے دیا جائے بہر حال دونوں انتفاع درست ہے۔

”فأما المحلوب والمركوب فللمرتهن أن ينفق عليه ويركب ويحلب بقدر نفقته متحررًا للعدل في ذلك نص عليه أحمد.... وهو قول إسحاق وسواء أنفق مع تعذر النفقة من الراهن لغيبته أو امتناعه من الإنفاق أو مع القدرة على أخذ النفقة من الراهن واستئذانه“ (معنی و شرح ۲۳۲/۳)۔

اس کے بعد ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے ایک روایت جمہور علماء

وائمر کے موافق بھی ہے جس میں شے مرہون کا کسی حالت پر انتفاع درست نہیں۔

”و عن أحمد رواية أخرى لا يحتسب له بما أنفق وهو متطوع بها ولا ينتفع من الرهن بشئٍ وهذا قول أبي حنيفة و مالك والشافعي لقول النبي ﷺ: الرهن من رهنه له غنمه و عليه غرمه“ (حوالہ سابق)۔

اس دعویٰ کی دلیل میں کچھ اور اقتباسات ائمہ و فقہاء بھی منقول ہیں۔

”وقال الشافعي: جميع منافع الرهن للراهن كما كانت، وقال أبو ثور بذلك قال أبو محمد: وقدموى عن ابن مسعود وابن عمر و شريح أن لا ينتفع المرتهن بشئٍ من الرهن“ (مخلى لابن جزم ۸/۹۱، ۹۳)۔ صاحب بحر الرائق ۸/۲۳۸ پر لکھتے ہیں:

”قال في المبسوط: وليس للمرتهن أن ينتفع بالمرهون إلا بإذن الراهن، فإن أذن له جاز أن يفعل ما أذن له فيه ولو فعل من غير إذن صار ضامنا بحكم الرهن“۔

(مبسوط میں ہے کہ مرتهن شے مرہون سے راہن کی اجازت کے بغیر انتفاع نہیں کر سکتا اور اگر راہن نے اجازت دیدی تو اس کا نفاذ صرف انہیں صورتوں میں ہوگا جس کی تخصیص راہن نے کر دی ہے اور اگر بدون اجازت انتفاع کیا تو مرتهن پر ضمان لاکو ہوگا)۔

مذکورہ تمام تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ انتفاع کے سلسلہ میں عبارات فقہاء و مسالک ائمہ متعارض ہیں بعض کے نزدیک چارہ کھلانے کے بقدر انتفاع جائز ہے تو بعض کے یہاں مطلقاً درست نہیں، اس کا بطور چارہ خرچ کرنا تبرعاً ہوگا، بعض کے نزدیک راہن کی اجازت سے انتفاع جائز ہے تو بعض کے یہاں باوجود اجازت کے درست نہیں۔ اگر علامہ ابن قدامہ کی تحریر جو (۴/۲۳۲) پر ہے، اس کو ملحوظ رکھا جائے تو مسئلہ اور آسان ہو جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل اور امام مالک سے بھی ایک روایت عدم انتفاع ہی کی ہے جو مسلک جمہور کے عین مطابق ہے۔

اس احقر کی تو رائے یہ ہے کہ عدم انتفاع کو عام رکھا جائے اور شے مرہون اگر حیوان ہو تو اس سے دودھ نکال ہی لیا جائے اور معاملہ اس طرح کیا جائے کہ متعاقدین کے درمیان انتفاع معہ و بدون اشراط ہوتا کہ جانور کو دودھ نہ نکالنے کی صورت میں جو تکلیف اور ضیق ہوتی ہے اس سے بچایا جاسکے۔

(ب) اگر شے مرہون کی بلاکت میں بائع کی تعدی کو دخل نہیں یعنی بائع نے شے مرہون کی حفاظت و نگہداشت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اس کے باوجود شے بلاک ہوگئی تو یہ بلاکت مشتری کے مال سے سبھی جائے گی اور معاملہ فسخ نہ ہوگا اور اگر بائع کی زیادتی و تعدی کو اس کی بلاکت میں دخل ہے تو اس وقت مرہن بازار قیمت کا ضامن ہوگا نہ کہ ثمن کا، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

”فالمرہون إذا هلك لا يخلوا إمام أن يهلك بنفسه وإما أن يهلك بالاستهلاك، فإن هلك بنفسه يهلك مضمونا بالمدین عنلنا“ (بائع المذابح ۱/۱۵۳)۔
مسئلہ مجوشہ میں کتب فقہیہ کے دیکھنے کے بعد ائمہ کے مذاہب اس طرح ہیں:

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر ابن ابی لیلی اور حسن بن صالح کے نزدیک رہن مضمون ہے دین اور اس کی اقل قیمت کے ساتھ ابن وہب نے امام مالک کا مذہب یوں بیان کیا ہے کہ اگر بلاکت معلوم ہو تو وہ راہن کے مال سے ہوگی اور اگر نامعلوم ہو تو مرہن کے مال سے محسوب ہوگی۔ ابن القاسم نے جو فقہ مالکی کے ایک بڑے ترجمان ہیں مدونہ میں بھی یہی ذکر کیا ہے۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک یہ شے امانت ہوگی، کسی حالت میں بھی مرہن پر ضمان نہ ہوگا جبکہ ابو بکر صاص رازی (بحوالہ احکام القرآن ۲/۳۲۲-۳۳۳ از مولانا ظفر احمد عثمانی) لکھتے ہیں کہ سارے صحابہ ضمان پر متفق ہیں، ہاں کیفیت ضمان میں اختلاف ہے، اسی کی تائید ابن عابدین شامی کی اس عبارت سے بھی ہو رہی ہے جو درج ذیل ہے:

”لأنه حينئذ يصلح الخ أي لتعين ملكه فيه حتى لو هلك يهلك على

المشتری ولا ینفسخ العقد، قوله: لأنه محبوس بالثمن أي و ضمانه یخالف ضمان الرهن، فلا یكون مضمونا بضمانین مختلفین لاستحالة اجتماعهما حتی قال: أمسك المبیع حتی أعطیک الثمن قبل القبض فهلك انفسخ البیع . زیلعی“ (رد المحتار علی الدرر ۶/۳۹۷)۔

(قبضہ کی وجہ سے مشتری کی ملکیت کا تعین ہو چکا، اس لئے اگر شے مرہون بلاک ہو جاتی ہے تو معاملہ فسخ نہ ہوگا، اس لئے کہ محبوس بالثمن کا ضمان رہن کے ضمان سے مختلف ہے اور ایک ہی شے دو ضمانوں کے ساتھ مضمون نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اگر مشتری بیع پر قبضہ کئے بغیر بلاک سے کہہ دے کہ جب تک میں تم کو ثمن ادا نہ کروں بیع اپنے پاس رکھنا اور اس صورت میں اگر بیع بلاک ہو جاتی ہے تو معاملہ بیع بھی فسخ ہو جائے گا)۔

اس حقیر کی بھی وہی رائے ہے جس کی جانب جمہور کا میلان ہے اور جس کی تائید ابو بکر جصاص اور ابن عابدین شامی کی تحریروں سے ہو رہی ہے۔

(ج) اگر خریدار وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کر سکے تو بائع شے مرہون کو فروخت کر کے اپنی واجب الاداء قیمت لے لے گا اور باقیہ خریدار کو واپس کر دے گا۔

فتاویٰ و فقہ کی بیشتر کتابوں میں اس کا حکم یہی مرقوم ہے، لیکن یہ کام اگر قضاء تاقضی کے توسط سے ہوتا تو بہتر تھا، ممکن ہے راہن کے ذہن میں یہ بات آ جائے کہ شے مرہون کم قیمت پر فروخت کر دی گئی ہے، دوسری ایک صورت یہ بھی ہے کہ مرہون شے مرہون کسی معتبر آدمی کے حوالہ کر دے اور وہ اسے فروخت کر کے اس پر گواہ بنا لے۔ بندہ کو اس سلسلہ میں مجموع الفتاویٰ کی عبارت مناسب معلوم ہو رہی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

”فأجاب إذا كان أذن له في بيعه جاز وإلا باع الحاكم إن أمكن ووفاه حقه منه، ومن العلماء من يقول: إذا تعذر ذلك دفعه إلى ثقة يبيعه و يحتاط بالإشهاد على ذلك ويستوفي حقه منه“ (مجموع الفتاویٰ ۳/۵۳۸)۔

۹- (الف) اس کا جواب سوال ۸ کے جز (ب) کے ذیل میں گذر چکا۔
 (ب) جس المبیع لاستیفاء الثمن کی صورت میں اگر بیع ہلاک ہوگئی تو یہ معاملہ فسخ ہو گیا اور بائع ثمن مشتری کے حوالہ کرے گا نہ کہ بازار کی قیمت۔ ”فلو هلك المبيع وهو محبوس عنده يفسخ البيع ولا يكون مضمونا عليه بقيمته السوقية“۔

واضح ہو کہ صورت مسئولہ میں فروخت شدہ سامان کو بائع اپنے پاس (جبکہ مشتری سے معاملہ اوصار کیا گیا ہے) بطور رہن رکھے گا۔ جس المبیع لاستیفاء الثمن بیع تنفیذ میں نہیں چل سکتا، کیونکہ وہ بیع مؤجل ہے اور اس کا وجود اس بیع میں ہوتا ہے جو مؤجل ہو۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:
 ”قال أصحابنا رحمهم الله تعالى: للبائع حق حبس المبيع لا استيفاء الثمن إذا كان حالاً كذا في المحيط إن كان مؤجلاً، فليس للبائع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا بعده كذا في المبسوط“۔

شے مرہون کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ بیع قابل للبیع ہو، دوسرے یہ کہ مرہن یا اس کے نائب کو مرہون پر قبضہ کرا دیا جائے جو چہ ارشاد ربانی ”فرہان مقبوضۃ“ تیسری یہ کہ مرہون غیر مرہون سے فارغ اور خالی ہو یعنی اگر مکان وغیرہ گروی رکھا ہے تو اس میں سے سامان وغیرہ راہن نکال لے اور پھر مرہن کے حوالہ کرے، صاحب بدائع لکھتے ہیں:
 ”ومنهما أن يكون المرهون فارغاً عما ليس بمرهون“۔

صاحب بدایۃ المجتہد بھی اسی کی ترجمانی اپنے الفاظ میں کرتے ہیں: ”فأما شروط الصحة المنطوق بها في الرهن: أعني في كونه رهنا فشرطان: أحدهما متفق عليه بالجملة، فأما القبض فاتفقوا بالجملة“ (۲/۲۹۷) (شے مرہون کی دو شرطوں میں سے ایک شرط متفق علیہ ہے اور وہ مرہن کا قبضہ ہے)۔ یہی مفہوم محلی ابن حزم (۸/۸۸، احکام القرآن از مفتی ظفر احمد عثمانی ۲/۲۳۳) کی عبارتوں سے بھی نکلتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مشتری اولاً بیع پر قبضہ کرے گا اور پھر بائع کو وہ شے بطور رہن لوٹا دے گا،

یہی شکل ادھار کی صورت پر رہن کی ہوگی۔ بیع پر قبضہ کئے بغیر بائع کا گروی رکھنا درست نہیں ہے۔

۱۱۔ اگر بائع نے مشتری سے بیع بلا قسط کر کے بیع اپنے ہی پاس رکھ لی تو اس صورت میں بائع مرتہن ہوا اور مشتری راہن، اس کا تفصیلی جواب گذر چکا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ بائع نے مشتری کے حوالہ بیع بھی کر دی تو کیا مشتری کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہوگا؟ جیسا کہ پہلی صورت میں حاصل تھا جبکہ شے مرہون بائع کے پاس تھی کیونکہ مرہون کو بائع سے لے کر راہن انتفاع کر سکتا تھا اور پھر اسے مرتہن کے پاس لوٹانے کا حق تھا۔ صاحب ہدایہ کی اس عبارت کی روشنی میں اس کا حکم واضح ہو جاتا ہے جو نیچے ذکر کی جارہی ہے۔

”وإذا أعار المرتهن الرهن للراهن ليخدمه أو ليعمل له عملاً فقبضه خروج من ضمان المرتهن لمنافاة بين يد العارية ويد الرهن، فان هلك في يد الراهن هلك بغير شئ لفوات القبض المضمون وللمرتهن أن يسترجعه، إلى يده؛ لان عقد الرهن باق“ (ہدایہ ۳/۵۳۰)۔

(اگر مرتہن شے مرہون راہن کو خدمت اور استعمال کے لئے عاریتہ دے دے اور راہن اس پر قبضہ بھی کرے تو وہ چیز مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گی، اس لئے کہ ید رہن و ید عاریتہ دونوں میں منافات ہے۔ اب اگر راہن کے پاس وہ چیز ہلاک ہوگی تو بغیر کسی ضمان کے ہلاک ہوگی، اس لئے کہ اس چیز پر راہن کا قبضہ مضمون قبضہ نہیں اور مرتہن کے لئے دوبارہ اس چیز کو اپنے قبضہ میں لیا جائز ہے، اس لئے کہ معاملہ رہن ابھی باقی ہے)۔

بہر کیف بائع کو سارے اختیارات رہن کے باقی ہیں اور عدم ادائیگی کی صورت میں بیع کفر و خت کر کے اس کی قیمت لینے کا تو حق پہلے ہی سے حاصل ہے، اس لئے خود خریدار کے پاس شے مرہون رکھتے ہوئے بائع کفر و خت و تصرف کا حق حاصل ہوگا، بندہ کے خیال میں اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے زیادہ سے زیادہ یہی خرابی لازم آئے گی کہ مرتہن کا شے

مرہون پر قبضہ ہونا چاہئے جو یہاں مفقود ہے۔ تو قبضہ حسی نہ سہی قبضہ معنوی تو مرہن کا ثابت ہی ہے۔

۱۲ - گارنٹی محض ایک عقد تبرع ہے، کوئی مادی چیز نہیں جس پر نفع لیما جائز ہو، جب فقہاء نے ”استقرار بالرجح“ سے منع فرمایا ہے جبکہ وہ بھی عقد تبرع ہی ہے تو اس کی ممانعت صورت مسئولہ میں بدرجہ اولیٰ ہوگی، کیونکہ کفالت میں مکفولہ کی طرف سے دین کی ادائیگی کا محض التزام ہوتا ہے، لیکن چونکہ بینکنگ نظام اور تجارت کے عرف میں غیر مادی چیز کو فی زمانہ مال گردانا جاتا ہے اور بالمعاوضہ اس کا لین دین عام سے عام تر ہوتا جا رہا ہے، لہذا اب یہ صرف عقد تبرع نہیں رہا بلکہ تجارت کا ایک لازمی عنصر ہو گیا ہے، بنا پر اس حق کی رائے یہ ہے کہ اس کی گنجائش نکلتی چاہئے، ظاہر ہے اس دور میں بینک کے علاوہ کوئی پائیدار اور مضبوط وثیقہ بن سکتا ہے جس پر سبھی کو اعتماد ہو؟ اس لئے کفیل خواہ بینک ہو یا اشخاص کریڈٹ لیٹر کا واجبی معاوضہ مکفول عنہ سے لیا جاسکتا ہے۔

۱۳ - چونکہ دستاویز محض ایک وثیقہ ہے جو شمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے اس کی بیع وشرائیں ہوتی چاہئے (اعلاء السنن ۱۳/۱۳۳، ۲۳۳، ۱۵۷۳)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ سے بھی اسی کی تائید ہو رہی ہے۔ ”والصواب الذی علیہ جمہور العلماء أو هو ظاہر مذهب الشافعی أنه يجوز بيع المدين ممن هو عليه، لأن ما فی الذمة مقبوض للمدين“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۵۱۱/۲۹، ۵۱۲)۔

ہاں اگر مديون ہی سے یہ معاملہ کر لیا جائے تو جواز کی گنجائش ہے، مگر یہ بات ملحوظ رہے کہ اس میں جتنی رقم پر متعاقدين کے درمیان معاملہ طے ہوا ہے اسی قیمت پر فروخت کرنا چاہئے، کیونکہ مد اول و تعاطی کے باعث اب اس کی حیثیت شمن کی ہوگئی تو اگر کمی و زیادتی کے ساتھ معاملہ کیا گیا تو کو یا کم دے کر زیادہ یا زیادہ دے کر کم لیا گیا، ساتھ ہی نسبتہ بھی ہے اور یہ تینوں ممنوع نہیں جس کے ربا ہونے میں کوئی شبہ نہیں، حاصل یہ کہ تحریر شدہ رقم کے مطابق بدون کمی و زیادتی کے اگر معاملہ کر لیا جائے تو اس کے جواز کا امکان ہے۔ اور یہ معاملہ حوالہ اور استقرار کے قبیل

سے ہو جائے گا (اعلاء السنن ۱۳/۲۳۳)۔

سٹس قتی عثمانی صاحب نے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ اس معاملہ کو صحیح قرار دیا ہے

(بحوث فی تفہیم فقہیہ معاصرہ ۲۹۸)۔

بندہ کا بھی رجحان جواز ہی کی جانب ہے۔

۱۴ - اعلاء السنن (۱۳/۵۰۸ و احکام القرآن ۱/۴۸۳) کی عبارتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دائن کو اپنے قرض کی وصولی میں اختیار ہے چاہے قرض دیون مؤجلہ سے ہوں یا دیون حالہ سے، جمہور ائمہ کا یہی مسلک ہے، لیکن امام مالک اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ دائن دیون کے درمیان طے شدہ مدت سے پہلے دائن کو وصولی کا حق نہیں ہے، اتنی گفتگو کے بعد ظاہر ایہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ”ضع و تعجل“ کی صورت انہیں لوگوں کے یہاں ہوگی جو دائن کو وصولی کا حق بہر حال دیتے ہیں، یہ صورت حضرت امام مالک کے یہاں ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ جب مدت سے پہلے وصولی کا حق نہیں تو پھر وضع و تعجل کا سوال ہی کہاں سے اٹھتا ہے؟

مجوزین و غیر مجوزین نے دو مختلف حدیثوں سے استدلال کیا ہے، طائفہ اولیٰ کی دلیل

آپ کی وہ روایت ہے جسے بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی سند سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے بنی نضیر کو مدینہ طیبہ سے جلا وطن کرنے کا حکم فرمایا تو کچھ لوگ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا ہے، حالانکہ لوگوں پر ان کے دیون باقی ہیں جن کا وقت اداء ابھی نہیں آیا ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ سا قسط کر دو اور جلدی او اکر دو۔ غیر مجوزین کی دلیل یوں ہے کہ:

”عن المقداد بن الأسود قال اسلفت رجلا مائة دينار ثم خرج سهمي

في بعث بعثه رسول الله فقلت له: عجل لي تسعين دينارا و أحط عشرة دنانير

فقال نعم: فذكر ذلك رسول الله ﷺ فقال: أكلت ربا يا مقداد

و أطعمته“ (السنن الكبرى للبيهقي ۱/۲۸)۔

میں نے ایک شخص کو سودینا قرض دینے اس کے بعد حضور اکرم ﷺ جو وفد بھیج رہے تھے اس میں میرا نام بھی آ گیا، میں نے اس شخص سے کہا کہ اگر تم مجھے نوے دینار فوراً دے دو تو میں دس دینار چھوڑ دیتا ہوں، اس نے منظور کر لیا پھر بعد میں کسی وقت آنحضرت ﷺ کے سامنے تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے مقداد تم نے خود بھی سود کھلایا اور دوسروں کو بھی کھلایا۔ بہر حال مذکورہ دونوں احادیث کو پہنچتی نے نقل فرمانے کے بعد ضعیف الاسناد کہا ہے، اس لئے دونوں میں سے کوئی بھی قابل استناد نہ رہ جائے گی، اس لئے ضابطہ مشہورہ حلت و حرمت کے بیچ تعارض کی صورت میں حرمت کو ترجیح دی جائے گی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن قدامہ کی عبارت بھی جو اس سلسلہ میں ائمہ کے اقوال سے متعلق ہے تحریر کر دی جائے۔

”إذا كان عليه دين مؤجل فقال لغريمه ضع عني بعضه واعجل لك بقیته لم یجز کرهه زید بن ثابت وابن عمر والمقداد و سعید بن المسیب وسالم والحسن و حماد والحکم والشافعی ومالك والثوری وهیثم وابن عطية وإسحاق وأبو حنیفة وقال المقدماد لرجلین: فعلا ذلک کلا کما قد آذنا بحرب من الله ورسوله“ (یعنی وشرح ۲/ ۱۷۴) (اگر کسی شخص کا دوسرے پر دین مؤجل ہو اور وہ شخص اپنے قرض خواہ سے کہے کہ دین کا کچھ حصہ مجھ سے ساقط کر دو تو میں بقیہ دین ادا کروں گا تو یہ صورت ناجائز ہے، اسے مذکورہ ائمہ و فقہاء نے ناپسند کیا ہے اور ایسے ہی دو شخصوں سے حضرت مقداد نے کہا کہ تم دونوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا ہے)۔

ہاں اس صورت میں جبکہ دائن اپنے مدیون سے کہے کہ تم میرا دین جلد ادا کرو میں تمہیں کچھ دین معاف کروں گا، اس صورت میں دائن نے تبرعا اگر کچھ چھوڑ دیا تو جائز ہے، بالفاظ دیگر بغیر شرط کے دائن کچھ حصہ دین کا ساقط کر دے اور مدیون بغیر شرط کے دین جلدی ادا کر دے (بحوث فی فقہ اسلامیہ معاصرہ ۲۹۰-۳۰۰)۔

ابن حزم کی ایک عبارت بھی اسی کی ترجمانی ہوتی ہے (مغلی ابن حزم ۸۴/ ۸۳)۔

خلاصہ کلام اس عاجز کے خیال میں یہ ہے کہ نصوص فقہاء و کتب فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد احوط یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدت کے مقابلے میں دین کے کچھ حصہ کے سقوط کی حرمت کو راجح قرار دیا جائے جبکہ وہ مع اشراط ہو، ہاں بدون اشراط بعض حصہ کا سقوط جائز ہے، اس کے عدم جواز کی ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ جب تاخیر کے مقابلہ میں دین کی زیادتی سے (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) ربا کا ثبوت ہو جاتا ہے تو آخر تعجیل کے مقابلہ میں خط اور کمی ربا کا باعث کیوں نہیں ہوگی۔

۱۵ - بندہ کی رائے یہ ہے کہ اگر معاملہ اوصار کیا گیا اور قیمت کی ادائیگی کے لئے صرف یہ طے ہوا کہ بعد میں دے دیں گے اور پھر رقم کم کر کے نقدی و فوری ادا کر دی گئی تو یہ ایک ہی معاملہ ہے جو بیعتین فی بیعتہ کے تحت نہیں ہے، اس لئے ایسا کرنا جائز ہے، کیونکہ اسقاط اجل بھی صحیح ہے اور ثمن کی کمی بھی بدون اشراط قابل قبول ہے۔

۱۶ - دین چاہے مؤجل ہو یا غیر مؤجل، بہر دو نوع دائن اپنا قرض جب چاہے وصول کر سکتا ہے، بیع بالاقساط تو صرف ایک وعدہ ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب امام اوزاعی، ابن منذر، امام شافعی، ابوہریرہ نخعی اور ابن ابی شیبہ کا یہی مسلک ہے، لیکن امام مالک اور لیث کے نزدیک دین تاخیر سے مؤجل ہو جاتا ہے حلول سے قبل مطالبہ درست نہیں۔

علامہ ابن قدامہ مغنی تحریر کرتے ہیں کہ:

”وإن أجل القرض لم يتأجل و كان حالا و كل دين حل أجله لم يصر مؤجلا بتأجيله و بهنا قال الحارث العكلي و الاوزاعي و ابن منذر و الشافعي، و قال مالک و الليث: يتأجل الجميع بالتأجيل و قال أبو حنيفة: في القرض و بمل المتلف كقولنا“ (الشرح ۴/ ۳۵۳)۔

شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی کے نزدیک بھی قرض مؤجل ہو یا غیر مؤجل دائن جب چاہے اسے وصول کر سکتا ہے اور ایسے ہی عاریتہ اور اس کے علاوہ اس لئے کہ ان کے نزدیک

تاجیل صرف ایک وعدہ اور ہمتہ غیر مقبوض کے مانند ہے۔ ”سواء كان القرض إلى أجل أو غير أجل له أن يأخذ منه متى أحب و كذلك العارية و غیرها؛ لأن عندهم من باب العلة و الهبة غیر مقبوضة“ (عمدة القاری ۶۰/۶)۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ قرض میں حق فی الفور ثابت ہو جاتا ہے، تاجیل صرف تبرع اور وعدہ ہے۔ لہذا اس سے ایفاء لازم نہیں آتا جیسا کہ کسی کو کوئی چیز عاریتاً دی اور اسے موجد کر دیا۔ ”ولنا أن الحق یشبہ فی القرض حالا و التأجیل تبرع منه و وعدہ، فلا یلزم الوفاء به كما لو أعاره شیئا و أجله“ (اعلاء السنن ۵۰۸/۱۳)۔

مذکورہ احکام اس صورت میں ہیں جبکہ دائن و مدیون کے درمیان کسی طرح کی کوئی شرط نہ ہو لیکن اگر شرط لگائی گئی کہ تم نے قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی تو یہ معاملہ ختم ہو کر فوری نقدی بن جائے گا تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

”ولو قال: كلما دخل نجم ولم تؤد، فالمال حال صحح و بصیر المال حالا“ (خلاصۃ الفتاویٰ ۵۳/۳)۔ اور شرط فاسد کے باوجود بظاہر اجل ہو جائے گا۔

۱۷۔ جمہور فقہاء و ائمہ کے نزدیک میت دائن ہو یا مدیون مرتے ہی مہلت کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ دین فی الفور واجب الادا ہو جائے گا۔

”کل من مات وله دیون علی الناس مؤجلة أو للناس علیہ دیون مؤجلة، فکل ذلک سواء، وقد بطلت الآجال کلها و صار کل ما علیہ وله من دین حالا“ (اعلاء السنن ۵۱۵/۱۳)۔

لیکن امام مالک کے نزدیک اگر میت مدیون ہے تو فی الفور واجب الادا ہوگا اور اگر میت دائن ہے تو وہ موجد ہی رہے گا۔

”وقال مالک: أما المیون التي علیہ مؤجلة، فقد حلت و أما التي له علی الناس فالی أجلها“ (حوله سابق)۔

احناف و دیگر ائمہ کے دلائل ”من كان له دين إلى أجل، فإذا مات فقد حل“ ”إذا مات الميت فقد حل دينه“ ہیں۔

لیکن ابن قدامہ کی تحریر سے جہاں مذاہب ائمہ معلوم ہوتے ہیں وہیں یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ امام مالک کا مسلک بھی وہی ہے جو جمہور ائمہ کا ہے۔

”فأما إن مات وعليه ديون مؤجلة تحل بالموت؟ فيه روايتان إحداهما لا تحل إذا وثق الورثة وهو قول ابن سيرين وعبيد الله بن الحسن وإسحاق وأبي عبيد وقال طاؤس وأبو بكر بن محمد والزهرى وسعيد بن ابراهيم: المدين إلى أجله وحكى ذلك عن الحسن والرواية الاخرى أنه يحل بالموت، وبه قال الشعبي والنخعي وسوار و مالك والثوري والشافعي وأصحاب الراي“ (معنى لابن قدامه ۳۸۶/۳)۔

(اگر کسی کا انتقال ہو جائے اور اس پر دین موجل ہو تو کیا موت کی وجہ سے وہ دین نوری واجب الادا ہوگا؟ اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ اگر وراثت اس دین کی توثیق کر دے تو پھر وہ نوری واجب الادا نہ ہوگا، یہ قول محمد بن سيرين، عبيد الله بن حسن، اسحاق اور ابو عبید کا ہے، البتہ طاؤس، ابو بکر بن محمد، علامہ زہری اور سعید بن ابراہیم کہتے ہیں کہ وہ دین اپنی مدت تک موجل ہی رہے گا اور امام حسن سے بھی یہی منقول ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ مدیون کی موت کی وجہ سے وہ دین فی الفور واجب الادا ہو جائے گا۔ یہ قول امام شافعی، امام نخعی سوار امام مالک، امام ثوری اور اصحاب اہل رائے سے منقول ہے۔

راقم کا خیال ہے کہ امام مالک کا جمہور کے ساتھ جزئی اشتراک ہے، اس لئے ان کے مسلک کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

بہر کیف معنی وغیرہ کے حوالہ سے ائمہ کے مذاہب معلوم ہو گئے لیکن خود علماء احناف کے درمیان قدرے اختلاف ہے، متقدمین احناف کا تو وہی مسلک ہے جو اوپر بیان کیا گیا مگر

متاخرین احناف کی رائے اس کے برعکس ہے۔

”قضى المديون الدين قبل الحلول أو مات فاخذ من تركته - فجواب المتأخرين: أنه لا يأخذ من المرابحة التي جرت بينهما إلا بقدر ما مضى من الأيام قيل له: أتفتى به أيضا؟ قال: نعم، وذكر الشارح آخر الكتاب: أنه أفتى به المرحوم مفتي الروم أبو السعود وعلله بالرفق من الجانبين“ (رد المحتار علی الدرر ۱۶۰/۵)۔

وہ یہ کہ اگر مدیون نے دین موجل مدت کے حلول سے قبل دے دیا یا اس کا انتقال ہو گیا اور دین میت کے ترکہ سے وصول کیا گیا تو ان دونوں صورتوں میں متعاقبین کے درمیان جو ثمن طے ہوا تھا اس میں سے صرف اسی قدر لے گا جو گذشتہ مدت کے مقابلہ میں ہوگا یہی متاخرین احناف کا جواب ہے۔ آخر کتاب (۷۵۷/۶) پر شارح نے ذکر کیا ہے کہ اسی کے مطابق مفتی روم ابو السعود کا فتویٰ ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس میں بائع اور مشتری دونوں کی رعایت موجود ہے۔

ابن عابدین نے اس کی صورت یوں بیان کی ہے۔

”اشترى شيئا بعشرة نقد او باعه لآخر بعشرين إلى أجل هو عشرة اشهر فإذا قضاه بعد تمام خمسة أو مات بعدها يأخذ خمسة ويترك خمسة“ (بحر الدرر المحتار علی الدرر ۷۵۷/۶)۔

اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے کوئی چیز دس درہم نقد میں خریدی اور پھر بیع کسی تیسرے کو دس ماہ کی مدت پر ادھار کے ساتھ بیس درہم میں فروخت کر دیا پس جبکہ پانچ ماہ ہوئے مشتری ثانی اس کی قیمت ادا کر دے یا وہ مر جائے تو اس صورت میں بائع صرف نفع کے پانچ درہم وصول کرے گا اور پانچ درہم چھوڑ دے گا، یعنی کل پندرہ درہم وصول کرے گا۔

حضرت مولانا مفتی عثمانی صاحب کی عبارت ”ولعل الصورة الأخيرة أولى للبعد عن تذبذب الثمن بأجال مختلفة التي مشابهة صورية للمعاملات الربويه“ (تفصیلاً

۱۴۷ (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک حنبلی مسلک پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ مدتوں کے اختلاف کی وجہ سے شمن میں جو تذبذب کے باعث معاملات ربو یہ سے مشابہ صورت پائی جاتی ہے اس سے احتراز ہو سکے گا۔ لیکن بندہ کے خیال میں حنبلی مسلک پر عمل کی صورت میں ضمان و رہن کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے لئے ممکن ہے ورنہ راضی نہ ہوں، پھر یہ کہ کیا یہ ضروری ہے کہ میت و دائن کے درمیان جو معاملات اور روابط تھے وہی ہم آہنگی دائن اور ورنہ کے درمیان بھی برقرار رہے، اس لئے میرے نزدیک متاخرین احناف کے مسلک پر عمل کیا جانا زیادہ بہتر ہے جو بقول شامی ارفق للجامین بھی ہے۔

۱۹ - یہ معاملہ مفصی الی المنازعت ہے، میری دانست میں اس کی گنجائش نہیں دینی چاہئے، کیونکہ یہ صورت قمار سے ملتی ہے۔

☆☆☆

شرعی نقطہ نظر سے ادھار قیمت کی بالاقساط ادائیگی

مولانا خورشید احمد اعظمی، سکو

- ۱- جس سامان کو ادھار فرخت کیا جائے اس کی قیمت نقد فرختگی کے مقابلہ میں زیادہ کرنا درست ہے (سنن الترمذی ۳/۵۲۳، حدیث ۱۲۳۱)۔
- ۲- ثمن کو متعدد قسطوں میں طلب کرنا بھی درست ہے، آپس میں یہ بات طے پا جائے تو منقصی الی النزاع بھی نہیں ہوگی (درمختار ۳/۲۲، ہدایہ ۲/۴۳، البحر الرائق ۵/۲۸۰)۔
- ۳- ادھار فرختگی کی صورت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ادھار قیمت کا ہی تذکرہ ہو، بلکہ ایسی صورت میں، جبکہ وہ ادھار معاملہ میں نقد فرختگی کے مقابلہ میں زیادہ قیمت رکھتا ہے اس کا جواز ہے کہ بائع مساومت اور معاملہ کے وقت نقد اور ادھار دونوں قیمتوں کا تذکرہ کرے، اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، البتہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عاقدین اسی مجلس میں اس کی تعیین کر لیں کہ بیع نقد رہے گی یا ادھار، اگر وہ معاملہ کو مبہم چھوڑ دیتے ہیں کہ مشتری اپنی مرضی سے کسی ایک کی تعیین کر لے گا تو یہ درست نہیں ہے (نقد علی الابد ابواب ۳/۲۲۳)۔
- ۴- ادھار بیع کی صورت میں نقد فرختگی کے مقابلہ میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرہ میں نہیں آئے گا، اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادتی مدت کے مقابلہ میں ہے پھر بھی یہ ربا کے دائرہ میں اس لئے نہیں آئے گی کہ بیع کے وقت عاقدین کی رضامندی سے جو قیمت مقرر ہوتی ہے وہی ثمن قرار پاتی ہے، اب بائع ہر حال میں اسی ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے، خواہ مشتری وقت مقررہ پر اس ثمن کی ادائیگی کرے یا وقت مقررہ سے بھی تاخیر کرے، وقت مقررہ سے زیادہ

تاخیر کی صورت میں اگر کسی اضافہ کا مطالبہ ہوگا تو وہ مدت کے عوض ہوگا، اور ربا کہلائے گا، اسی طرح اگر مشتری اس شرط پر وقت سے پہلے ثمن کی ادائیگی کرتا ہے کہ بائع اصل ثمن میں کچھ کمی کر دے تو یہ بھی درست نہیں ہوگا (نیل لاوطار للشوکانی ۲۵۰/۵)۔

۵- معاملہ کی یہ شکل شرعاً درست ہونی چاہئے، کیونکہ معاملہ کی دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کی تعیین تمام عقد سے پہلے اس عقد کو مفصی الی النزاع ہونے سے بچالے گی، اور اجل یعنی مدت اور ثمن کی جہالت لازم نہیں آئے گی۔

۶- معاملہ کی یہ صورت شرعاً درست نہیں ہے، اور تاخیر کی صورت میں اصل ثمن یعنی دس روپے پر یہ دو روپے کا اضافہ سود اور ربا ہوگا، اگرچہ نفس عقد کے وقت ہی کیوں نہ یہ طے ہوا ہو (فقہ علی المذاہب لا ربح ۲۳۶/۲، تکملة فتح الملہم ۱/ ۵۶۷، بحوالہ احکام القرآن ۱/ ۵۵۷)۔

۷- معاملہ کی یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ وقت مقررہ پر قیمت یا قسط کا ادا نہ کرنا دو وجوہ سے ہو سکتا ہے۔

۱- یا تو مشتری تنگدست اور مفلس ہوگا، اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے قول مبین ”وإن کان ذو عسرة فنظرة إلى میسرة“ (سورۃ بقرہ ۲۸۰/۵)، اور حدیث پاک: ”من أحب أن یظله الله فی ظله فلینظر معسراً أو لیضع له“ (ابن ماجہ ۸۰۸/۲) کے پیش نظر اس کو مزید مہلت ملنی چاہئے، اور اس کے لئے سہولت اور آسانی کا راستہ نکالنا چاہئے، نہ کہ اس کے اوپر مزید مالی بوجھ ڈال کر ظلم کا راستہ اختیار کیا جائے، امیر صنعانی صاحب ”سبل السلام“ لکھتے ہیں:

”ثم یدل بمفہومہ علی أن مطل غیر الواجد وهو المعسر لا یحل عرضه ولا عقوبتہ، والحکم كذلك عند الجماہیر، وهو الذی دل له قوله تعالیٰ: فنظرة إلى میسرة“ (سبل السلام ۸۷۶/۲)، علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ”فإذا أعسر المديون وجب النظارة ولا سبیل إلى ضربه ولا إلى حبسه“ (فتح الباری ۳۰۹/۳)۔

علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ معسر اور تنگ دست کو عدم ادائیگی کی صورت میں قید کرنا یا سزا دینا درست نہیں ہے، اور مزید رقم جو اس پر مسلط کی جارہی ہے ظاہر ہے کہ وہ صریح ظلم ہے کہ جب وہ اصل مظلوم بد رقم دینے سے قاصر ہے تو یہ اضافہ کہاں سے ادا کرے گا۔

۲۔ یا مشتری تنگ دست نہیں ہے، بلکہ موسر اور مالدار ہے، وقت پر ادائیگی ثمن کی استطاعت رکھتے ہوئے ادائیں کر رہا ہے تو یہ مشتری کی طرف سے ظلم متصور ہوگا، حدیث پاک میں ہے: ”مطل الغنی ظلم“ یعنی مالدار کا مال منول کرنا ظلم ہے، لیکن اس حالت میں بھی اس پر کسی طرح کا مالی تاوان، جرمانہ وغیرہ عائد کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کو فاسق قرار دیا جائے، قید میں ڈال دیا جائے یا ایسی سزا دی جائے جو اس کی اہانت کا سبب ہو، یہ سب جائز ہو سکتا ہے۔

”لی الواجد يحل عرضه وعقوبته“ وذل الحدیث علی تحریم مطال الواجد، ولذا أباحت عقوبته، یعنی مالدار کا مال منول کرنا اس کی ہتک عزت اور سزا کو حلال کر دیتا ہے (سئل اسلام ۸۷۶/۲) اس کی تفسیر میں مختلف علماء سے منقول ہے کہ بائع کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ اس کی اس خصلت شنیعہ کو لوگوں میں عام کرے، شکایت کرے کہ مشتری اس کا حق مار رہا ہے، معاملات کا صحیح نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، یعنی دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ بلیک لسٹ میں اس کا نام ڈال دیا جائے، تاکہ لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرنے سے گریز کریں، اور اس کے کاروبار پر اثر پڑے۔

”قال أحمد: قال وكبيع: عرضه شكايته، وعقوبته حبسه“ (نیل الاوطار

۳۶۱/۵)۔

”وإلى جواز الحبس للواجد ذهبت الحنفية وزيد بن علي“ (نیل

لاوطار ۳۶۱/۵)۔

لہذا وقت مقررہ پر عدم ادائیگی کی صورت میں اصل ثمن پر کسی بھی طرح کا اضافہ درست نہیں ہے، خواہ مشتری معسر و تنگ دست ہو، یا موسر و غنی۔

۸- (الف) بائع کے لئے مال مرہون سے فائدہ اٹھانا اور نفع حاصل کرنا درست نہیں ہے، اور امام شافعی کے نزدیک اگر مرہون کا ضرر نہ ہو تو راہن مال مرہون سے فائدہ اٹھا سکتا ہے (لا نفع عن سحابی الصحاح لابن امیر ۱۴/۳۷۷)۔

ہاں اگر راہن (مشرقی) مرہون (بائع) کو مال مرہون سے انتفاع کی اجازت دے دے تو بائع کے لئے اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہوگا، بشرطیکہ انتفاع کی شرط صلب عقد میں نہ ہو، اور اگر نفس عقد میں یہ شرط ہو کہ بائع مال مرہون سے نفع کا حقدار ہوگا تو پھر انتفاع جائز نہیں ہوگا (مجمع لا سیر ۲/۵۸۷، در مختار ۵/۳۱۰، فقہ علی احمد اہب لا ریحہ ۲/۳۳۵)۔

بلکہ عبد اللہ بن محمد سمرقندی کا قول تو یہ ہے کہ اجازت کے باوجود مرہون کیلئے مال مرہون سے انتفاع جائز نہیں، کیونکہ یہ ربا اور سود سے خالی نہیں ہے۔

(ب) بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے تو اگر مال مرہون کی قیمت اور ثمن کی مقدار برابر ہے تو بائع اپنے دین کا مستوفی مانا جائے گا، اور مال مرہون جو ضائع ہو گیا مشتری اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

اور اگر مال مرہون کی قیمت مقدار ثمن سے زیادہ ہے، تو ثمن سے زائد رقم اس کے یہاں بطور امانت ہے اگر بائع کی طرف سے تعدی و تصرف اور لاپرواہی کی وجہ سے وہ مال مرہون ضائع ہوا ہے تو وہ بقیہ قیمت کا ضامن ہوگا (ہدایہ ۲/۵۰۲، در مختار ۵/۳۱۰ نیز لا نفع لابن امیر ۱۴/۳۷۷)۔

اس صورت میں جبکہ بیع اوصار ہے اور متعینہ مدت تک کے لئے مؤجل ہے، مال مرہون کی ہلاکت کی صورت میں بائع اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اور وہ قیمت بطور رہن اس کے پاس رہے گی، اور پھر جب ادائیگی کا وقت آئے گا تو مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اس قیمت مرہونہ سے اپنا دین (ثمن) وصول کرے گا (ہدایہ ۲/۵۲۹)۔

(ج) وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور مال منول کرنے کی صورت میں فروخت کنندہ

خریدار سے ادائیگی ثمن کا مطالبہ کرے گا، اور اس کے لئے یہ جواز ہوگا کہ وہ اس کی قید کا مطالبہ کرے اور لوگوں میں اس کی تشہیر کرے کہ وہ حق کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لے رہا ہے، معاملہ کا ٹھیک آدمی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، لیکن اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مال مرہون کو بیچ کر اپنا حق وصول کرے، البتہ اگر مشتری بیچنے اور فروخت کرنے کی اجازت دیتا ہے تو بائع کے لئے اس کا بیچنا جائز ہوگا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسئلہ یہی ہے (ہدایہ ۲/۵۲۲، درمختار ۵/۳۱۰)۔

امام شافعی کے نزدیک استیفاء دین کے لئے راہن کی اجازت کے بغیر مال مرہون کا

بیچنا جائز ہے (المغنی لابن قدامہ ۴/۲۳۷، فقہ السنۃ ۳/۱۵۹)۔

لہذا امام شافعی کے نزدیک یہ صورت ہے کہ حاکم راہن کو مال مرہون کے فروخت

کرنے پر مجبور کرے گا، اور اسی کی قیمت سے مرہون اپنا دین وصول کرے گا۔

۹- (الف) بائع بیع کو بطور رہن اپنے پاس روک سکتا ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ عقد بیع کے بعد مشتری اس بیع پر قبضہ کرے پھر اس کو بطور رہن بائع کے حوالہ کرے، کیونکہ قبضہ سے پہلے وہ اس کی مملوک نہیں ہے، اور کسی دوسرے کی ملکیت پر تصرف کرنا یا اس کا رہن رکھنا جائز نہیں ہے، اور قبضہ کر لینے کے بعد چونکہ وہ بیع بائع کی ملکیت میں آگئی، اس لئے اب اس کا اس میں تصرف جائز ہو گیا، اب جس طرح اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس بیع کو غیر بائع کے پاس رہن رکھے اسی طرح بائع کے پاس بھی رہن کے طور پر رکھنا درست ہوگا (ہدایہ ۲/۵۱۸، درمختار ۵/۳۲۰)۔

(ب) بائع کا محض استیفاء ثمن کے لئے بیع کو روکنا بیع بائع میں جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع مؤجل ہوتی ہے اور بیع مؤجل یعنی ادھار خرید و فروخت میں بائع کو اس کا حق نہیں ہے، کیونکہ بیع کا مقصد یہ ہے کہ بائع ثمن کو حاصل کرے، اور مشتری بیع کو حاصل کر کے اس سے فائدہ اٹھائے، ادھار بیع میں بائع اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہوتا ہے، لیکن اس کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کا حق مارے، اس صورت میں بیع کا مقصد فوت ہو رہا ہے، اس لئے درست نہیں۔

۱۰- قیمت کے لئے طے شدہ اقساط کو جمع نہ کرنے کی صورت میں بائع کا سامان کو اپنے قبضہ

میں رکھنا اور وہ اقساط جو ادا کی جا چکی ہیں ان کا واپس نہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے (احسن الفتاویٰ ۵۱۹/۶)۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسے اقالہ کی صورت میں داخل کیا جائے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ بیع مشتری کے قبضہ میں ہو، اور چونکہ موجودہ عرف میں وہ ”سکنڈ ہینڈ“ ہوگی جو عرفاً ایک عیب ہے اور اس عیب کی بنا پر قیمت میں کمی آ جاتی ہے، اس لئے اقالہ بالائے اقل کی گنجائش ہوگی، لیکن اگر بیع مشتری کے قبضہ میں نہ ہو اور وہ بائع کے پاس ہی ہو تو یہ صورت درست نہیں ہونی چاہئے (ہدایہ ۵۳/۲)۔

لیکن اقالہ والی صورت اسی وقت ممکن ہے جبکہ نفس عقد میں وہ شرط نہ ہو، اور اگر ضبط اقساط کی شرط کے ساتھ بیع ہوئی تو پھر یہ درست ہی نہیں ہے۔

۱۱ - ایسی صورت میں جبکہ بائع بیع پر بطور رہن قبضہ کر لے (اس لئے کہ صحت رہن کے لئے مرتہن کا مال مرہون پر قبضہ ضروری ہے) اور پھر اس کے بعد بطور عاریت اس کو مشتری کے حوالہ کر دے کہ وہ اسے استعمال کرے اور اس سے انتفاع حاصل کرے تو یہ درست ہے۔

لیکن اگر رہن کے طور پر بائع نے بیع پر قبضہ نہیں کیا، اور اسے مشتری کے پاس ہی رہنے دیا، اس تصور پر کہ وہ میرے پاس رہن ہے یہ درست نہیں، اسے رہن قرار نہیں دیا جائے گا، اس لئے بیع کے عند البائع مرہون ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بائع بطور رہن اس پر قبضہ کر لے، خواہ یہ قبضہ حسی ہو یا قبضہ حکمی، جیسے بیع کے کاغذات اور دستاویز وغیرہ جن کی وجہ سے مشتری اس پر فز و ختگی وغیرہ کا تصرف بغیر بائع کی اجازت کے نہیں کر سکے گا (ہدایہ ۵۳۰/۲)۔

لہذا جب اس کے فز وخت و تصرف کا حق مرتہن کو حاصل ہے مشتری صرف استعمال کا حق رکھتا ہے اور بطور عاریت اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۲ - خریدار کی طرف سے گارنٹی اور ضمانت لینے کی صورت پر کفالہ کی تعریف صادق آتی ہے ”وہی ضم ذمۃ الی ذمۃ فی المطالبۃ“ اور کفالہ ایک طرح کا تبرع ہے، شامی میں

ہے: ”و اهلها من هو اهل للتبرع“ (۲۵۱/۴)، اس لئے اس پر کسی طرح کی اجرت وغیرہ لیا درست نہیں ہے، ایسا کرنا، ”کل قرض جو منفعة فہو ربا“ کے تحت سود کے مرادف ہوگا۔

اس لئے کہ کفالت کی صورت میں وہ نمن جو مشتری کے ذمہ واجب الاداء تھا، وقتی طور پر ذمہ کفیل کی طرف منتقل ہو گیا، اور جب کفیل یہ نمن مشتری کی طرف سے بائع کو ادا کر دے گا تو اسے اس بات کا حق حاصل ہوگا کہ وہ مشتری سے اس رقم کا مطالبہ کرے جو اس نے کفالت کی صورت میں ادا کر دی ہے، اگر اس پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جتنا اس نے دین دیا ہے اس پر نفع کا مطالبہ کر رہا ہے جو عینہ سود ہے (ہدایہ ۱۰۲/۲)۔

بینک وغیرہ جو لیٹر آف کریڈٹ جاری کرتے ہیں اس کے متعلق مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے دو صورتیں بیان کی ہیں، لکھتے ہیں:

بینک کے لئے اپنے عمیل سے دو چیزوں کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

۱۔ لیٹر آف کریڈٹ (Letter of Credit) جاری کرنے کے عمل میں بینک کو جو

واقعی اخراجات اور مصارف ہوتے ہیں ان کا مطالبہ کرنا عمیل سے جائز ہے۔

۲۔ ایپورٹ اور ایکسپورٹ کے درمیان معاملہ کی تکمیل کے سلسلہ میں بینک جو خدمات بجا

لاتا ہے اس پر بحیثیت وکیل یا بحیثیت دلال یا درمیانی واسطہ ہونے کی حیثیت سے اپنی خدمات پر

اجرت کا مطالبہ کرنا بینک کے لئے جائز ہے، لیکن صرف کفالت اور گارنٹی پر کسی اجرت کا مطالبہ

کرنا بینک کے لئے جائز نہیں (فقہی مقالات، ص ۹۹)۔

۱۳۔ دستاویز کی خرید و فروخت میں اس کے اندر تحریر کردہ قیمت و مالیت سے کم پر جب

معاملہ ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ شرعاً یہ خرید و فروخت جائز نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ یہ ”بیع یا

تو بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ کی جنس سے ہوگی، یا کرنسی کی بیع کرنسی کی جنس سے

تفاضل کے ساتھ، اور یہ دونوں صورتیں جائز نہیں (مکملۃ فہم ۱/۳۶۳)۔

دستاویز پر موجود رقم جو زیادہ ہے اس کی بیع کم قیمت پر اسی لئے تو کی جا رہی ہے کہ وہ کچھ مدت کے بعد ملے گی، اور یہ بانیسینہ کی صورت ہے جو جائز نہیں ہے۔

اگر اس معاملہ کی نوعیت تھوڑی سی بدل کر اس طرح کر لی جائے کہ جو شخص دستاویز خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے، بجائے اسے بیچنے کے اس شخص کو دستاویز پر موجود رقم وصول کرنے کا وکیل بنایا جائے اور اس وکالت کے عوض میں اسے اجرت دی جائے۔ نیز دستاویز پر موجود رقم کے برابر اس شخص سے قرض لیا جائے اور اس کو اجازت دی جائے کہ وہ جب مشتری سے دستاویز پر موجود رقم وصول کرے گا تو اسی رقم سے اپنا قرضہ بھی وصول کر لے گا۔

اس طرح یہ دو الگ الگ معاملے ہوں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہوگی، یہ واضح رہے کہ دونوں معاملے ایک دوسرے کے لئے شرط نہ ہوں (تمکلتہ فسخ الہام ۱/ ۳۶۳)۔

۱۴ - ادھر خرید و فروخت کے معاملہ میں بائع کا مشتری سے طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے پہلے اس شرط پر مانگنا کہ وہ ثمن کا کچھ حصہ معاف کر دے گا، درست نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ تاخیر جو کہ مدیون کا حق ہے، وہ اس حق یعنی تاخیر کے عوض میں بائع سے ثمن میں کمی کے فائدہ کو حاصل کر رہا ہے۔

امام محمدؒ نے ابو صالح بن عبید کا واقعہ نقل کرنے کے بعد زید بن ثابتؓ کا فتویٰ نقل کیا

ہے:

”فقال: لا آمرک ان تاکل ذلک ولا توکلہ۔ قال محمد: وبہذا نأخذ، من وجب له دین علی انسان إلی أجل فسأل أن یضع عنہ ویعجل له ما بقی لم ینبع ذلک، لأنه یعجل قليلا بکثیر دینا، فکأنه یبیع قليلا نقدا بکثیر دینا وهو قول عمر بن الخطاب و زید بن ثابت و عبد اللہ بن عمر و هو قول أبی حنیفۃ جمیعاً“ (مؤطا امام محمد ۲/ ۳۳۲)۔

معنی میں ہے: ”اذا کان علیہ دین موجل فقال لغريمہ: ضع عنی بعضہ

و أعجل لك بقية لم يجز“ (المعنى ۳۳، ۱۷۳)۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ مدت معینہ سے پہلے تعجیل کی صورت میں وضع بعض الدین کی شرط ہو، لیکن اگر شرط نہیں ہے، بلکہ مشتری مدت معینہ سے پہلے ثمن کی ادائیگی کرتا ہے اور بائع تبرعا اس کا کچھ حصہ وضع کر دیتا ہے تو یہ جائز ہے۔

”ومن أجاز من السلف إذا قال: عجل لي أضع عنك فجائز أن يكون أجازوه إذا لم يجعله شرطاً فيه، وذلك بأن يضع عنه بغير شرط ويعجل الآخر الباقي بغير شرط“ (فقہی مقالات، ص ۱۱۳، بحوالہ احکام القرآن للجصاص ۱/ ۳۶۵)۔

۱۵- اس صورت میں اگر وضع تعجیل والا معاملہ اختیار کیا جائے تو چونکہ ثمن میں کمی مدت کے عوض میں نہیں ہوگی اس لئے یہ صورت درست اور جائز ہے۔

۱۶- طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا اور فوری طور پر ماہی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا درست ہے، بائع اس صورت میں بقیہ ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے جیسا کہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے فقہی مقالات میں خلاصۃ الفتاویٰ (۳/ ۵۴) کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

”ولو قال: كلما دخل نجم ولم تؤد، فالمال حال صحح ويصير المال حالاً“ (فقہی مقالات، ص ۱۱۹)۔

۱۷- ایسی صورت میں، جبکہ خرید و فروخت کا معاملہ اوصار قسطوں میں طے پایا، اور ادائیگی ثمن سے پہلے فریقین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا تو اگر بائع کا انتقال ہوا ہے تو بیع کے مذکورہ معاملہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور اجل باطل نہیں ہوگی، مشتری کو وہ مہلت حاصل رہے گی، لیکن اگر مشتری کا انتقال ہو گیا تو جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ اجل کی مہلت ختم ہو جائے گی، اور بائع فوری طور پر مطالبہ کا حقدار ہوگا (البحر الرائق ۵/ ۲۸۰)۔

کیونکہ مشتری کو مہلت تو اس لئے ملی تھی کہ وہ بیع کی تجارت سے فائدہ حاصل کر کے

شمن کی ادائیگی کر دے گا، لیکن جب وہ خود ہی نہ رہا اور اس کے ترکہ سے ہی قضاء دین کی تعیین ہوگئی تو ایسی تاخیر کا کیا فائدہ؟

حنابلہ کے یہاں مختار اور راجح قول یہ ہے کہ اگر وراثت مشتری اس دین کی توثیق کر دیتے ہیں اور اس کی ادائیگی پر اطمینان دلا دیتے ہیں تو وہ تاخیر کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور بائع فوری مطالبہ کا حقدار نہ ہوگا (فقہی مقالات ۱۳۲)۔

۱۸- یہ کو یا کمپنی کی طرف سے بیع میں اضافہ ہے اور بائع کے لئے بیع کا زیادہ کرنا جائز ہے (البحر الرائق ۱۱۹۶)۔

اور کمپنی قرضہ اندازی کے ذریعہ اس کی تعیین کرتی ہے کہ کس خریدار کے لئے بیع میں اضافہ ہو، قرضہ اندازی کی مشروعیت میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہے اور بعض احناف نے اس کا انکار بھی کیا ہے مگر جمہور علماء اس کی مشروعیت کے قائل ہیں، رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کے مابین معیت سفر کے لئے قرضہ اندازی فرماتے تھے (فتح الباری ۲۹۳/۵)۔

لہذا خریداروں کے مابین قرضہ اندازی کے ذریعہ اس انعام کی تعیین درست ہے۔

”ومشروعية القرعة مما اختلف فيه والجمهور على القول بها في الجملة وانكرها بعض الحنفية وحكى ابن المنذر عن ابي حنيفة القول بها“۔
آگے ہے: ”وهي إما في الحقوق المتساوية، وإما في تعيين الملك، فمن الأول عقد الخلافة إذا استورا في صفة الإمامة..... ومن صور تعيين الملك الإقراع بين الشركاء عند تعديل السهام في القسمة“ (فتح الباری ۲۹۳/۵)۔

مذکورہ صورت میں چونکہ خریداروں میں سے کسی کا نقصان نہیں ہوگا، البتہ بعض خریداروں کو بیع سے زائد ایک چیز مل جاتی ہے جس کی تعیین قرضہ اندازی کے ذریعہ ہوتی ہے، اس لئے جدال کا بھی خطرہ نہیں ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہونی چاہئے۔

۱۹ - اسی طرح یہ صورت کہ ہر قسط کی ادائیگی کے موقع پر بائع یا کمپنی قرضہ اندازی کرے اور جس خریدار کے نام قرضہ نکلے اس کو وہ سامان نقد دے دے، اور اس کی ادائیگی قسطوں کو ہی کافی سمجھا جائے اس سے مزید قسطوں کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

یہ صورت بھی ایسی ہے کہ بائع ہر قسط کے موقع پر کسی ایک خریدار کو ضمن میں رعایت دیتا ہے، اور اس کی تعیین کہ وہ کس خریدار کو رعایت دے وہ قرضہ اندازی کے ذریعہ کرتا ہے (البحر الرائق ۱۱۹۶)۔

اور قرضہ اندازی کی تفصیل گذر چکی ہے (دیکھئے: فتح الباری ۵/ ۳۹۳، حسن الفتاویٰ ۶/ ۵۱۸)۔

☆☆☆

ادھار اور قسط و اہ خریداری کا شرعی حکم

مفتی شبیر احمد قادری ☆

۱- نقدی کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت زیادہ کرنا:

لوکل اور بین الاقوامی مارکیٹ میں یہ دستور ہے کہ نقد معاملہ میں رعایت ہوا کرتی ہے، اور ادھار میں رعایت نہیں ہوتی، بلکہ بازاری بھاؤ سے کچھ زیادہ قیمت کے ساتھ ہی معاملہ ہوا کرتا ہے، اور جائین اضافہ قیمت کے ساتھ ادھار معاملہ کرنے کے لئے تیار ہو جایا کرتے ہیں، اور لوگوں کے درمیان بڑے کاروبار میں ۷۵ فیصد معاملہ اضافہ قیمت کے ساتھ ادھار ہوا کرتا ہے، اس لئے شریعت نے بھی اس کی رعایت رکھی ہے جبکہ مدت کو متعین کر لیا جائے، مگر قیمت کا یہ اضافہ مستقل طور پر مدت کی قیمت تسلیم نہیں کیا جاتا، بیع کی قیمت کے ضمن میں ہی تسلیم کیا جاتا ہے (جوہر فقہ ۱/۵۱۳، احسن الفتاویٰ ۷/۳۱۷) اور اس اضافہ کو سود میں داخل نہیں کیا جاسکتا بلکہ گراں فروشی کہا جاسکتا ہے (آپ کے مسائل اور دن کا حل ۶/۷۲، البحر الرائق ۶/۱۱۵، کتاب الحجج علی المل المدینہ ۲/۶۹۲)۔

۲- ادھار قیمت کو قسطوں میں ادا کرنا:

ادھار معاملہ طے ہو جائے اور ساتھ ساتھ ہی مدت اور قسطیں متعین کر لی جائیں اور کسی قسط کی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر مزید کسی قسم کا اضافہ نہ ہو تو قسطوں میں ادا کرنے کی شرط پر بھی معاملہ جائز اور درست ہو جاتا ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۵۰، ۳۷۳)۔

۵،۳- نقد و ادھار میں قیمت کا تعین:

اس صورت میں اگر بائع و مشتری دونوں کسی ایک قیمت پر اتفاق کئے بغیر لین دین کریں گے تو عقد فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ اس صورت میں کسی ایک کی قیمت متعین نہیں ہوتی ہے، اور قیمت متعین نہ ہونے سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے، اور اگر اسی مجلس میں دونوں ادھار یا نقد میں سے کسی ایک قیمت پر متفق ہو جائیں تو معاملہ شرعاً درست ہو جائے گا (امداد الفتاویٰ ۲۰/۳-۱۳۲/۳، فقہی مقالات ۸۲/۱، بسوط نمبر ۸/۱۳، ہندیہ ۱۳۶/۳، بحوث فی تفصیلاً فقہیہ صحابہ ص ۸)۔

۶،۷- تاخیر پر شرح سود کا اضافہ:

اس طرح کا معاملہ قطعاً جائز اور حرام ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۷۳)۔ اسی طرح اگر ادھار کی مدت متعین ہوگئی اور یکمشت یا تسطوں میں ادائیگی کی بات طے ہوگئی مگر ساتھ ساتھ یہ بھی شرط لگا دی گئی کہ وقت مقررہ پر پوری رقم یا کوئی قسط ادا نہ کی جائے تو مزید کچھ رقم ادا کرنا ہوگی تو یہ اضافہ فیصد کے حساب سے ہو یا اس کی مقدار متعین کر دی جائے بہت صورت شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہے، اور زمانہ جاہلیت کے سودی معاملہ کی طرح ہے (دیکھئے تفسیر کبیر ۹۱/۷)۔

۸- ادھار کی وصولی کو رہن کے ذریعہ یقینی بنانا:

۱- بعض فقہاء نے خریدار کی اجازت سے بائع کے لئے مال مرہون سے فائدہ اٹھانے کو جائز لکھا ہے، مگر زیادہ صحیح اور راجح یہی ہے کہ بائع کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ خریدار کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے اور خریدار چونکہ بائع کا قرض دار ہے اور قرض دار کے مال سے نفع اٹھانا شرعاً ربا اور سود ہے، اس لئے جائز نہیں ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۸۳، درمختار مع الثانی ۱۰/۸۳، ہامی، زکریا ۱۳۸)۔

۲- مال مرہون بائع کے یہاں امانت نہیں ہے، بلکہ ضمانت ہے، لہذا جب ضائع ہو جائے گا تو بائع کے مال میں سے شمار ہوگا، اس لئے بیع کے ضمن میں سے مجرا ہو جائے گا (دیکھئے بیع

القدر ۱/ ۱۵۸، ہدایہ ۳/ ۵۱۲، البحر الرائق ۸/ ۲۳۵، شامی زکریا دیوبند ۱۰/ ۱۳۔

۳۔ اگر خریدار شئی بیع کی قیمت ادا کرنے میں نال منول کرے یا وہ تنگ دست ہو جائے اور ادھار کی مدت بھی ختم ہو جائے تو بائع کے لئے جائز ہے کہ خریدار کو مطلع کر کے مناسب قیمت میں مال مرہون فروخت کر کے اپنی رقم وصول کر لے، لیکن اگر مال مرہون کی قیمت زیادہ ہو تو زائد رقم خریدار کو واپس کر دینا لازم ہوگا (مفتی مقالات ۱/ ۸۷، بحث فی تفایا کلمیہ صحابہ ۱۵، شامی زکریا ۱۰/ ۱۲۷)۔

۹۔ ثمن کے لئے بیع کو روک لینا:

دونوں صورتوں میں بائع کو بیع یا بعض بیع کو روکنے کا حق ہے، البتہ اگر بیع کی حیثیت دی جائے گی تو ثمن نہ ہونے کی وجہ سے عقد ختم کر دینے کا حق ہوگا اور اگر رہن کی حیثیت دی جائے گی تو ثمن وصول کرنے کے لئے اس کو فروخت کرنے کی صورت میں زائد قیمت خریدار کا حق ہوگا جسے خریدار کو واپس کر دینا لازم ہوگا، البتہ رہن مقرر دینا اس وقت صحیح ہوگا، جبکہ خریدار نے قبضہ کے بعد بطور رہن دے دیا ہو، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے (شامی، زکریا دیوبند ۷/ ۹۳، ہدایہ ۱۵/ ۱۵۳)۔

۱۰۔ چند قسطیں ادا کر کے بقیہ میں عاجز ہونے سے بیع اور ادا شدہ رقم کو ضبط کر لینا:

زیادہ سے زیادہ بیع کو واپس لے کر عقد کو فسخ کر دینے کا حق ہے، مگر ادا شدہ قسطوں کو ضبط کرنے کا حق نہیں ہے، ان قسطوں کو واپس کر دینا لازم ہوگا، بائع کے لئے وہ حلال نہیں ہوں گی (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۳۵، حسن الفتاویٰ ۶/ ۵۱۹)۔

۱۱۔ بیع کو بائع کے پاس رکھ کر رہن مقرر دینا:

اگر ادھار خریداری میں بیع کو بائع کے پاس اس طرح رہن مقرر دیا جائے کہ بیع بائع کے پاس بطور رہن اس وقت تک رہے گی جب تک ثمن ادا نہ ہو جائے تو اس کی دو چیزیں ہیں:

۱- خریدار نے بیع پر قبضہ ہی نہیں کیا، بغیر قبضہ کے رہن رکھ دیا تو یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ادھار خریداری میں بیع کو قبضہ سے قبل روک لیا جائز نہیں ہے (فقہی مقالات ۸۸)۔

۲- خریدار نے بیع پر قبضہ کر لیا تھا، اس کے بعد بطور رہن رکھتا ہے تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ اس میں ادھار معاملہ میں بائع نے بیع کو حصول ثمن کے لئے نہیں روکا ہے، بلکہ اس نے اس کو خریدار کے حوالہ کر دیا تھا، پھر اس کے بعد ثمن کی ادائیگی کو یقینی بنانے کے لئے خریدار نے بطور رہن بائع کے حوالہ کر دیا تھا (درمنا مع عثمانی زکریا دیوبند ۵۱۸)۔

۱۲- ضمانت لینے والے کی اجرت:

ضمانت ایک فعل تبرع ہے، مگر آج کل بغیر اجرت کے کوئی شخص ضمانت کا بار اپنے اوپر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، تو کیا اجرت پر کفیل اور ضامن بنانا اور کفیل کے لئے اجرت لیا جائز ہوگا یا نہیں؟

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنے مقالہ میں کفیل کو قرض خواہ پر قیاس کر کے اس کے لئے اجرت لینے کو ناجائز قرار دیا ہے اور موصوف نے کفیل اور قرض خواہ کے درمیان بہت دور سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، مگر اکثر فقہاء کرام نے کفیل کے لئے اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، یہ ان کے نزدیک ”کل قرض جور نفعاً“ میں داخل نہیں، اور اس زمانہ میں اس کی ضرورت بھی ہے، اس لئے کریڈٹ لیٹر کے جاری کرنے پر اجرت لیا درست ہوگا، حضرات فقہاء کی عبارت کی روشنی میں اس کو جائز قرار دینا ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے (بدائع ۲۰۲)۔

۱۳- ادھار معاملہ میں دستاویز کی خرید و فروخت:

حضرات فقہاء کرام نے اس طرح کے معاملہ کو ناجائز لکھا ہے، لہذا ایسا معاملہ جائز نہ ہوگا (درمنا مع عثمانی کراچی ۵۱۷، اعلاء السنن ۲۳۳/۱، مجمع المہم ۳۶۳)۔

۱۴- ادھار فروختگی میں ثمن کا کچھ حصہ معاف کر کے بقیہ فوری وصول کرنا:
 اگر معاملہ نقدی طے ہوا ہے پھر اس کے بعد فروخت کرنے والا اپنی خوشی سے کچھ زائد
 رقم دیتا ہے یا ثمن کا کچھ حصہ معاف کر دیتا ہے یا خریدار اپنی خوشی سے ثمن میں کچھ اضافہ کر دیتا ہے
 تو یہ بلا تردد جائز اور درست ہے، جیسا کہ (ہدایہ ۵۵۳/۳، بزازیہ ۵۰۸/۴) میں اس کی
 صراحت ہے۔

مگر اس کے برخلاف اگر معاملہ ادھار طے ہوا ہے اور بائع نے کہا کہ ثمن میں سے کچھ
 حصہ معاف کر دیں گے اور بقیہ فوری ادا کر دو تو اس طرح کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے
 میں علماء کے دو فریق ہیں:

فریق اول: حضرت ابن عباسؓ، امام زفر، امیر اہم نخعی، ابو ثور وغیرہ کے نزدیک ایسا
 معاملہ جائز ہے، ان کی دلیل امام بیہقی کی سنن کبریٰ میں مذکور حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت
 ہے:

”عن ابن عباس قال: لما امر النبي ﷺ ياخراج بنى النضير من
 المدينة جاءه ناس منهم، فقالوا: يا رسول الله ﷺ! إنك أمرت ياخراجهم،
 ولهم على الناس ديون لم تحل، فقال النبي ﷺ: ضعوا و تعجلوا. الحديث“
 (سنن بیہقی ۲۸/۶)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ نے بنو نضیر کو مدینہ سے جا
 وطن کرنے کا حکم صادر فرمایا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے
 ان کو شہر بدر کرنے کا حکم فرمایا، حالانکہ لوگوں پر ان کے قرض ہیں جن کی مدت ابھی باقی ہے تو آپ
 ﷺ نے فرمایا کہ کچھ کم کرا کے بقیہ فوری ادا کر دو)۔

فریق ثانی: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، حضرات ائمہ اربعہ، حسن بصری، محمد
 بن سیرین، سعید بن مسیب اور عامر شععی وغیرہ کے نزدیک یہ معاملہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ان

میں صرف مدت کے عوض میں ثمن کا ایک حصہ آ رہا ہے، نیز حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے، اور اس کو سو فتر اردیا گیا ہے۔

”من كان له حق على رجل إلى أجل معلوم فتعجل بعضه وترك له بعضه فهو ربا، الحديث“ (مصنف عبدالرزاق ۸/۷۸، مؤطا امام مالک ۵/۱۳۳)۔
(جس کسی کا حق دوسرے شخص پر متعین مدت تک ہے پھر بعض حق نوری وصول کر کے بقیہ چھوڑ دے تو وہ سود ہے)۔

”عن المقداد بن الاسود قال: اسلفت رجلا مائة دينار ثم خرج سهمي في بعث بعثه رسول الله ﷺ فقلت له: يجعل لي تسعين ديناراً وأحط عشرة، دينار فقال: نعم، فذكرت ذلك لرسول الله ﷺ فقال: أكلت ربا يا مقداد وأطعمته“ (الحديث) (سنن بیہقی ۶/۲۸)۔

(حضرت مقداد بن اسود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو سو دینار ادھار دیا اس کے بعد جب آپ ﷺ نے ایک دینار روانہ کیا اور اس میں میرا نام بھی آ گیا تو میں نے اپنے مقروض سے کہا کہ نوے دینار اور دس معاف کر دیتا ہوں، اس نے کہا ٹھیک ہے پھر حضور ﷺ سے اس کا ذکر کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے مقداد تم نے سو دکھایا اور اس کو بھی کھلایا)۔

بہر حال واقعہ بنو نضیر میں بہت سے اشکالات ہیں، مثلاً یہ حدیث شریف سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، نیز بنو نضیر کو آیت ربا کے نزول سے قبل جلا وطن کیا گیا ہے، اس لئے اس حدیث شریف سے استدلال درست نہ ہوگا (بحوث فی فقہ اسلامیہ صحاح ۲۳/۲۳)۔

لہذا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت جو موطا امام مالک اور مصنف عبدالرزاق میں ہے اور حضرت مقداد بن اسود کی روایت جو سنن بیہقی میں ہے وہی معتبر ہوگی اور حضرات فقہاء نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

”ولو كانت له ألف مؤجلة، فصالحه على خمس مائة حالة لم

یعجز“ (ہدایہ ۵/۳۳۵)۔

(اور اگر کسی کے دوسرے پر ایک ہزار ادھار ہوں پھر دونوں پانچ سو فوری دینے اور بقیہ معاف کرنے پر اتفاق کر لیں تو ایسا کرنا جائز نہیں)۔

الغرض ادھار معاملہ میں ثمن کا کچھ حصہ معاف کر کے بقیہ فوری وصول کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر مدت پوری ہو چکی ہے، پھر ادا نہیں کیا ہے اور صاحب حق کہتا ہے کہ بھائی فوری اتنا دے دو بقیہ معاف کر دیتا ہوں تو جائز ہے، کیونکہ مدت اب ہے ہی نہیں۔

۱۵- ادھار معاملہ میں کچھ ثمن معاف کر کے بقیہ فوری وصول کرنا:

اگر اس طرح لین دین کا رواج ہے تو ایسا معاملہ بھی جائز ہے، مگر مدت ایک ماہ تک مانی جائے گی اور بائع کے لئے مزید مہلت دینے بغیر ایک ماہ سے زائد تاخیر کا حق نہ ہوگا، دیکھئے (درمختار معنای زکریا ۵/۵۳، تقریرات رائی ۷/۱۱۳)۔

اور اگر بلا بیان مدت ادھار کا معاملہ طے ہوا، پھر آپس کی رضامندی سے ثمن کا کچھ حصہ معاف کر کے فوری ادائیگی پر اتفاق ہو جائے تو اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرات علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ جو ثمن معاف کیا گیا ہے وہ مدت کا عوض نہیں ہے، بلکہ تبرع ہے، کیونکہ مدت کا عوض اس وقت قرار دیا جاسکتا ہے کہ جب مدت متعین ہو جائے، اور یہاں متعین نہیں ہے، لہذا یہ شکل جائز ہوگی (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶۷، بحث فی فقہا کلمیہ حاصرة ۲۹)۔

نیز اسی طرح اگر مدت متعین تھی اور اس مدت میں ادا نہیں کیا گیا تو صاحب حق نے کہا کہ میں کچھ معاف کر دیتا ہوں بقیہ فوری ادا کر دو تو بھی جائز ہے، کیونکہ یہاں بھی اب مدت باقی نہیں رہی۔

۱۶- قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر پر جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا:

حضرات فقہاء نے خریدار کی لاپرواہی کی وجہ سے بائع کے اکٹھے ادا کرنے کے مطالبہ

کو جائز لکھا ہے، لہذا تاخیر کی وجہ سے مہلت کی شرط باطل ہو جائے گی اور فوری وصول کرنے کا حق ہوگا (بحوث فی فقہ اسلامیہ، ص ۳۳، حاشیہ جامع المصوبین للبحیر المرئی ۳/۳)۔

۱۷- ادھار معاملہ کے بعد کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اس سلسلے میں تین صورتیں پیش آتی ہیں:

۱- ذمہ داری میت کے اوپر ہے تو اس کے اوپر ذمہ داری باقی رکھنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ موت کی وجہ سے ذمہ داری فاسد ہو جاتی ہے۔

۲- ورثاء کے اوپر ذمہ داری عائد ہو جائے تو یہ بھی درست نہیں، اس لئے کہ ورثاء نے یہ ذمہ داری قبول نہیں کی ہے، اور نہ دائن ورثاء کی ذمہ داری پر راضی ہے۔

۳- میت کے مال کے ساتھ اس کا تعلق ہے تو ایسی صورت میں فوری طور پر معاملہ صاف ہو جانا ہی بہتر ہے، اس لئے کہ مدت پوری ہونے تک مال ضائع بھی ہو سکتا ہے، اور بعد میں ورثاء مال منول بھی کر سکتے ہیں، اس لئے فوری ادائیگی کی شکل زیادہ بہتر ہے، اور یہ حنفیہ کا مسلک بھی ہے (فقہی مقالات، ۱/۱۳۳)۔

قسط و اخریہ اور انعام:

اس زمانہ میں ایسا بھی خرید و فروخت کا رواج چل پڑا ہے کہ بائع سامان کو قسطوں میں فروخت کرتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ متعدد خریداروں کے ساتھ قسط ادا کرتے وقت قرض اندازی کے ساتھ ایک سامان بطور انعام دیا جائے گا، یہ اس لئے کیا جاتا ہے، تاکہ اس کے خریداروں کی تعداد زیادہ ہو جائے تو اس طرح کا معاملہ شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟
تو اس صورت میں جو قسطیں جمع کی جائیں گی ان کے عوض اصل بیع ہر حال میں ملنی ہی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور انعام ایک سامان بھی مل جائے، لہذا ایسی صورت میں انعام کا لالچ دے کر قسط و اخریہ کو ختمی کا معاملہ کرنا شرعاً درست ہو جائے گا (فتاویٰ محمودیہ، ۱۳/۳۵۷)۔

قرعہ اندازی کی اسکیم:

قرعہ اندازی اور اسکیم کا یہ معاملہ شرعی طور پر سود اور قمار دونوں کے دائرہ میں داخل ہے، اس لئے اس طرح کی اسکیم میں حصہ لینا اور قرعہ اندازی سے طے شدہ اشیاء کا حاصل کرنا ناجائز اور حرام ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۳۱۱، فتاویٰ رحمیہ ۶/۱۴۱، ایضاح النواہر ۱/۱۴۳)۔

☆☆☆

فستوں پر خرید و فروخت کا شرعی حکم

منشی نسیم احمد کاشمی ☆

۱۔ نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت زیادہ کرنا:

اس سلسلہ میں علماء کے تین مذاہب ہیں:

۱۔ علماء کی ایک جماعت اس زیادتی کو ناجائز قرار دیتی ہے، اس لئے کہ ادھار کی صورت میں ثمن کی زیادتی ”اجل“ (مدت) کے عوض میں ہے۔ اور جو ثمن ”اجل“ کے بدلہ میں ادا کیا جائے وہ سود ہے یا کم از کم سود کے مشابہ ضرور ہے۔ زین العابدین، علی بن الحسین، الناصر، المدعو رب اللہ، الہادی، الامام تکیہ اور امام ابو بکر جصاص رازی حنفی کا یہی مسلک ہے (نیل الاوطار للعوکانی ۵/۱۷۳۔ احکام القرآن للجصاص ۲/۱۸۷)۔

۲۔ جمہور فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ادھار بیع میں نقد کے مقابلہ میں قیمت کی زیادتی جائز ہے، بشرطیکہ فریقین عقد بیع کے وقت ہی بیع مؤجل کے ہونے نہ ہونے کے بارے میں قطعی فیصلہ کر کے کسی ایک ثمن پر اتفاق کر لیں، لیکن اگر بائع معاملہ کرتے وقت یہ کہے کہ میں یہ سامان نقد اتنے میں فروخت کرتا ہوں اور ادھار اتنے میں فروخت کرتا ہوں، اس کے بعد کسی ایک قیمت پر اتفاق کئے بغیر دونوں فریق جدا ہو جائیں تو یہ بیع ناجائز ہوگی۔ اور ممانعت بیع کی علت اجل کے مقابلہ میں ثمن کی زیادتی نہیں، بلکہ ثمن کی جہالت ہے۔ دیکھئے (اختلاف الفقہاء ۳۳۳ لا بن جریر الطبری، الموسوعۃ للسرہنی ۳/۲۸، معالم السنن ۳/۲۳۳، سنن الترمذی تحقیق محمد نواد

عبد الباقی ۳/۳، ۵۲۳، بڈل الجود ۵/۱۳۵، تحفۃ الفقہاء ۲/۳۶۲، الشرح الکبیر بہامش حاشیۃ الدبوقی علی
الکبیر ۳/۵۸، امہدب ۱/۲۶۷، نہایۃ المحتاج شرح المحتاج ۳/۵۷، مطبوعہ مصنفی لجنہ، المجموع شرح امہدب
۹/۳۷۵، المغنی لابن قدامہ حنبلی ۳/۲۵۹، المقروع ۳/۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۰۰، مصنف عبدالرزاق
۸/۱۳۸-۱۳۶، اوجز المسائل فی موطا الامام مالک للشیخ محمد زکریا (۱۱/۲۹۱)۔

اس سلسلہ میں جمہور فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ علی کا مسلک کتاب و سنت، اجماع و
قیاس اور مقاصد شرع کی روشنی میں رائج ہے۔

۳۔ اس سلسلہ میں تیسری رائے یہ ہے کہ: ”مدت“ کے عوض ثمن کی زیادتی ناجائز و
حرام تو نہیں ہے، البتہ مکروہ ہے، اور اس سے اجتناب اولیٰ ہے، معاصر علماء میں ڈاکٹر رفیق مصری
کی رائے یہی ہے (مصرف التیمیۃ الاسلامیہ ۱۹۰-۱۸۹)۔

۲۔ ادھار قیمت کی قسطوں میں ادائیگی:

صحت بیع کے لئے یہ ضروری ہے کہ معاملہ طے کرتے وقت دونوں فریق نقد یا ادھار
میں سے کسی ایک صورت پر اتفاق کر لیں، ادھار کی صورت میں فریقین کو اختیار حاصل ہوگا کہ اگر
چاہیں تو ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت طے کر لیں یا قسطوں میں ادائیگی طے کر لیں، ہر دو صورت
شرعاً جائز ہوگی، اگر بوقت معاملہ دونوں میں سے کسی ایک صورت کی تعیین نہیں کی گئی تو معاملہ
درست نہیں ہوگا۔

واضح رہے کہ اگر فریقین نے معاملہ کے وقت ادھار قیمت کی قسطوں میں ادائیگی طے
کی تو یہ بھی ضروری ہوگا کہ ہر قسط کی ادائیگی کی مدت متعین کر لی جائے، مثلاً یہ کہ اس سامان کی
قیمت ادھار کی صورت میں بارہ ہزار ہوگی، ہر ماہ ایک ہزار کی قسط کے حساب سے بارہ ماہ میں
قیمت کی ادائیگی ہوگی، اس لئے کہ بیع بالتقسیط میں ”مدت“ کی حیثیت اساسی عنصر کی ہے، مدت
کی جہالت سے بیع فاسد قرار پائے گی، ”مجلد الاحکام العدلیہ“ میں ہے:

”یلزم أن تكون المدة معلومة فی البیع بالتقسیط والتأجیل“ (مجلد الاحکام

العدلیہ مادہ ۶/۲۳۶) (بیع بالتسلیط والتأجيل میں مدت کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے)۔
۳- کیا ادھار فر و ختگی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے صرف ادھار قیمت کا تذکرہ ضروری ہے؟

ادھار فر و ختگی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ادھار قیمت کا تذکرہ کیا جائے اور اسی پر معاملہ طے کیا جائے۔ علت تحریم ”مدت“ کے عوض ثمن کی زیادتی نہیں ہے، بلکہ جہالت ثمن ہے اور ثمن کی جہالت صرف اسی صورت میں باقی رہتی ہے، جبکہ فریقین نقد و ادھار میں سے کسی ایک صورت پر اتفاق نہ کر لیں، اتفاق کی صورت میں جہالت دور ہو جاتی ہے، اس لئے عقد درست قرار پائے گا (سہو طرہی ۲۸/۱۳، المجمع ۱۷/۲)۔

۴- مدت کے عوض ثمن کی زیادتی ربا کے دائرہ میں نہیں آتی ہے:

ادھار فر و ختگی کی صورت میں نقد فر و ختگی کے مقابلہ میں ”مدت“ کے عوض ثمن کی زیادتی ربا کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، کیونکہ اس پر ربا کی تعریف صادق نہیں آتی ہے، اس لئے کہ اس صورت میں بوقت معاملہ ہی باہمی رضامندی سے نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت زیادہ طے کی جاتی ہے جسے یکمشت یا تسطوں میں ادا کیا جاتا ہے، ایسا نہیں ہوتا ہے کہ معاملہ طے ہو جانے کے بعد ”مدت“ کے عوض زائد رقم وصول کی جاتی ہے، یہ صورت تو بالاتفاق ممنوع ہے (تفسیر ابن جریر ۱۰/۱۳، تفسیر کبیر ۲۵۱/۲)۔

۵- ادھار فر و ختگی کی صورت میں ”مدت“ کے فرق سے ثمن میں زیادتی:

اگر خریدار کے سامنے دونوں صورتیں پیش کرنے کے بعد دونوں فریق نے کسی ایک صورت پر اتفاق کر لیا تو معاملہ کی یہ شکل شرعاً جائز ہوگی، البتہ اگر فریقین نے دونوں میں سے کسی ایک صورت پر اتفاق نہیں کیا اور دونوں جدا ہو گئے تو جہالت ثمن کی وجہ سے بیع فاسد قرار پائے گی۔

۶، ۷- قسط کی عدم ادائیگی کی صورت میں مزید رقم کا مطالبہ:

”بیع مؤجل“ کی صورت میں سامان کی حوالگی کے بعد خریدار کی ذمہ داری ہے کہ وہ یکمشت یا قسطوں کی شکل میں قیمت کی ادائیگی جیسے طے پائی ہو، قیمت ادا کرے، اگر وہ قیمت ادا نہیں کرتا ہے یا اس کی ادائیگی میں تاخیر اور نال منول سے کام لیتا ہے تو اس سے اضافی رقم کا مطالبہ چاہے بوقت معاملہ ہی اس کی شرط کیوں نہ لگا دی گئی ہو جائز نہیں ہوگا، اضافی رقم سود ہوگی (دیکھئے: تحریر الکلام فی مسائل الالتزام للعلما، ۶، ۷، نیز جہدہ فقہ اکیڈمی کے چھٹے مہینہ منعقدہ ۱۷۱ تا ۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۰ تا ۲۰ مارچ کا وہ فیصلہ جو بیع بالتقصیط سے متعلق ہے) بائع کی طرف سے قیمت کی یکمشت ادائیگی یا کئی قسط کی ادائیگی میں تاخیر اور نال منول کرنے کی صورت میں خریدار یا تو:

(الف) مالدار ہوگا اور ثمن کی ادائیگی پر اسے قدرت حاصل ہوگی، ایسی صورت میں اگر وہ ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو اسے ثمن کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس ثمن کی ادائیگی کے لئے نقد ہی نہ ہو یا ثمن کی مالیت سے کم ہو تو ایسی صورت میں اسے خرید فر وخت اور اپنے مال و جائیداد میں تصرف کرنے سے روک دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ مقررہ قیمت ادا کر دے۔ اور اگر خریدار کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے ثمن کی ادائیگی ہو سکے تو ایسی صورت میں بائع کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو معاملہ کو ختم کر دے اور اپنا سامان واپس لے لے اور اگر چاہے تو اس کے صاحب استطاعت ہونے تک صبر کرے۔

(ب) یا مفلس و تنگ دست ہوگا اور اپنی مفلسی کی وجہ سے وقت پر قیمت ادا نہیں کر رہا ہے تو اسے فراخی ہونے تک مہلت دی جائے گی۔ قرآن کریم میں ہے: ”وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة“ (البقرہ، ۲۸۰)۔

(اگر مدیون مفلس و تنگ دست ہو تو اس کو فراخی ہونے تک مہلت دو)۔

ایسی صورت میں دائن کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنے دین میں اضافہ کر دے۔ ایسی صورت میں اضافی رقم کے سود ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں، امام قسطلی نے مذکورہ آیت کی

تفسیر میں تحریر کیا ہے:

”وقال جماعة من أهل العلم: قوله تعالى (فنظرة إلى ميسرة) عامة في جميع الناس، فكل من أعسر أنظر. وهذا قول أبي هريرة والحسن وعامة الفقهاء.“

”وقال ابن عباس و شريح: ذلك في الربا خاصة، فأما المليون وسائر المعاملات، فليس فيها نظرة بل يردده إلى أهلها إذ يحبس فيه حتى يوفيه وهو قول إبراهيم“ (تفسیر القرطبي ۳/۳۷۲-۳۷۱)۔

(اہل علم کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”فنظرة إلى ميسرة“ تمام لوگوں کے بارے میں عام ہے جو شخص بھی تنگ دست ہو اسے مہلت دی جائے گی، حضرت ابوہریرہ، حسن اور عام فقہاء کی یہی رائے ہے، ابن عباس اور شریح کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم ربا کے ساتھ خاص ہے دیون اور دیگر معاملات میں مہلت نہیں دی جائے گی، بلکہ صاحب حق تک اس کا حق پہنچایا جائے گا یا اسے دین کی ادائیگی تک کے لئے قید کر دیا جائے گا، امام ابراہیم کی یہی رائے ہے)۔

اب رہا یہ سوال کہ تاخیر اور نال منول کی صورت میں اضافی رقم کو مالی جرمانہ یا مالی تاوان کا عنوان دے کر جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں، بالخصوص اس صورت میں، جبکہ دیون تنگ دست نہ ہو، بلکہ اس کا اصل مقصد دین کی ادائیگی میں نال منول کرنا ہو، اس سلسلہ میں بعض علماء معاصرین کی رائے جواز کی ہے، ان حضرات نے سود اور مالی تاوان میں مختلف وجوہ سے فرق کیا ہے اور مالی معاوضہ کو ان حضرات نے صرف اس صورت میں مدیون پر لازم کیا ہے، جبکہ وہ مالدار ہو، مدیون کے مفلس و تنگ دست ہونے کی صورت میں اس پر مالی معاوضہ لازم نہیں کیا گیا ہے، مگر ان حضرات کی رائے سے اختلاف کی بہت زیادہ گنجائش ہے (فقہی مقالات مولانا تقی عثمانی،

۸- مال مرہون سے انتفاع:

مال مرہون سے مرہن کے لئے انتفاع جائز ہے یا نہیں اس سلسلہ میں حنفیہ کے حسب ذیل اقوال ہیں:

۱- مرہن کے لئے مال مرہون سے مطلقاً انتفاع جائز نہیں ہے چاہے یہ انتفاع رہائش کے ذریعہ ہو یا سواری یا کسی اور ذریعہ سے ہو، اور چاہے مرہن نے مرہن کو انتفاع کی اجازت دے دی ہو (رد المحتار ۵/۳۳۸)۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ مرہن کی اجازت کی صورت میں مال مرہون سے مرہن کے لئے انتفاع جائز و درست ہے، صاحب الہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

”ولیس للمرتهن أن ينتفع بالرهن لا بالاستخدام ولا سكنى ولا لبس إلا أن ياذن له المالك“ (ہدایہ ۵۰۶/۳)۔

(مالک کی اجازت کی صورت میں مرہن کے لئے مال مرہون سے انتفاع جائز ہوگا) نیز دیکھئے عنایہ شرح ہدایہ اور مجمع لا مشعر ۲/۶۰۲)۔

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ مالک کی اجازت کے بعد مرہن کے لئے شی مرہون سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کی یہی رائے ہے (کنیۃ المزیہ ۲/۳۶۲، الاشبہ والنظائر ۲/۱۱۳)۔

۴- چوتھی رائے یہ ہے کہ اگر رہن میں انتفاع کی شرط نہ ہو اور بدون شرط رہن (گروی رکھنے والا) مال مرہون سے مرہن کو طیب خاطر انتفاع کی اجازت دے دے تو انتفاع درست ہوگا (جامع الرموز للہماتانی ۲/۴۰۷، رد المحتار ۵/۳۳۸)۔

حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانی نے اپنے ایک فتویٰ میں چوتھے مسلک کو راجح قرار دیا ہے۔

فقہ مالکی میں یہ تفصیل ہے: اگر دین کے عوض رہن رکھا گیا تو چاہے عقد میں رہن سے

مرتہن کے انتفاع کی شرط کیوں نہ لگا دی گئی ہو انتفاع جائز نہیں ہوگا اور قرض کے علاوہ بیع وغیرہ کے رہن کی صورت میں انتفاع کی شرط لگانے کی صورت میں فائدہ اٹھانا درست ہوگا، فقہ مالکی کی معروف کتاب ”عقد الجواہر الثمینیۃ فی مذہب عالم المدینۃ“ میں ہے:

”ولو شرط مالا یقتضیہ مطلق العقد ولا ینا قضہ لکن یتعلق بہ غرض کقولہ بشرط ان ینتفع بہ المرتہن لم یصح فی القرض و یصح فی غیرہ إذا عین المنفعة و حدد زمنها كما فی الإجارة“ (عقد الجواہر الثمینیۃ فی مذہب عالم المدینۃ لابن عثا، ۲/۵۸۳)۔

فقہ حنبلی میں راہن کی اجازت یا بوقت معاملہ شرط لگانے کی صورت میں مرتہن کے لئے مال مرہون سے حسب ذیل شرائط کے ساتھ فائدہ اٹھانا درست ہے۔

۱۔ مال مرہون دین کے عوض نہ رکھا گیا ہو۔

۲۔ انتفاع بالعوض کی اجازت دی گئی ہو، لہذا اگر راہن نے دین کی صورت میں مال مرہون سے بغیر عوض انتفاع کی اجازت دی ہو تو اس سے انتفاع جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ قرض سے فائدہ اٹھانا ہے جو شرعاً حرام ہے (المغنی لابن قدامہ ۳/۳۳۲)۔

ثالثاً فعیہ کے نزدیک مرتہن کے لئے مال مرہون میں صرف حق (استبقاء) حاصل ہوتا ہے، شئی مرہون سے انتفاع یا اس میں کسی تصرف کا اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے، البتہ راہن کے لئے مال مرہون سے ہر وہ انتفاع جائز ہوگا جس سے مال مرہون کی قیمت میں نقص پیدا نہ ہو، جیسے سواری کرنا یا دودھ حاصل کرنا (روہۃ المصابین ۷۹۴)۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ اگر رہن میں انتفاع کی شرط لگائی گئی ہے تو انتفاع ناجائز اور حرام ہوگا اور اگر کسی بھی جہت سے مال مرہون سے انتفاع کی شرط نہ لگائی گئی ہو اور پھر راہن طیب خاطر اجازت دے دے تو انتفاع درست ہوگا۔

مال مرہون کے ضیاع کی صورت میں تاوان کا حکم:

بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور پر غور کرنا ضروری ہے۔

(الف) مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ کس نوعیت کا ہوگا یہ قبضہ امانت ہے یا قبضہ ضمان؟

(ب) مرتہن پر وجوب ضمان کی صورت کیا ہوگی؟

(ج) رہن کے استہلاک کی صورت میں تاوان کا حکم؟

(الف) مال مرہون پر مرتہن کے قبضہ کی نوعیت:

مال مرہون پر مرتہن کے قبضہ کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا قبضہ قبضہ امانت ہے یا قبضہ

ضمان؟ اس سلسلہ میں علماء کے دو اقوال ہیں:

۱۔ پہلی رائے یہ ہے کہ مرتہن کا قبضہ قبضہ ضمان ہے، حنفیہ کی یہی رائے ہے، حنفیہ کے نزدیک مال مرہون پر قبضہ اس کی عینیت کے اعتبار سے قبضہ امانت ہے، مگر اس اعتبار سے کہ وہ دین کے عوض رکھا گیا ہے، اس لئے دین کی مالیت کے بقدر مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ قبضہ ضمان ہے، مال مرہون کے ضیاع کی صورت میں اگر مال مرہون کی مالیت دین کے مساوی ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ دائن نے اپنا حق وصول کر لیا، اور اگر مال مرہون کی مالیت دین کی مالیت سے زیادہ ہو تو ”زیادتی“ پر مرتہن کا قبضہ قبضہ امانت قرار پائے گا اور اگر مال مرہون کی مالیت دین کی مالیت سے کم ہو تو مرتہن مال مرہون کی مالیت منہا کرنے کے بعد دین کا باقی حصہ راہن سے وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

”فلو ہلک فی یدہ ہلک فی ضمان المرتہن؛ لأن یدہ فی حق

المالیة ید المرتہن وہی المضمونة“ (بڑا بیگلی ہاشمی فتح القدیر ۱۰/۱۹۳)۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ قبضہ امانت ہے، لہذا اگر مال

مرہون مرتہن کے پاس اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہوگا، البتہ تعدی اور تفصیر کی صورت میں ضمان واجب ہوگا، شافعیہ اور حنابلہ کی یہی رائے ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک اگر مال مرہون ان اشیاء کے قبیل سے ہو جن کا اخفا ممکن ہے، جیسے زیورات، کپڑے، کتابیں، ہتھیار وغیرہ تو ان کی ہلاکت کی صورت میں استحساناً مرتہن کو ضامن قرار دیا جائے گا (المہذب ۳۱۶/۱، مفتی المساجد ۱۳۶/۲)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے عدم وجوب ضمان کے قول کو حضرت علیؑ، امام عطاء، زہری، اوزاعی، شافعی، ابو ثور اور ابن المنذر کی طرف منسوب کیا ہے، ”المغنی“ میں ہے:

”وَأَمَّا إِنْ تَلَفَ مِنْ غَيْرِ تَعَدُّ مِنْهُ وَلَا تَفْرِيطَ، فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَهُوَ مِنْ مَالِ الرَّاهِنِ يَرُودُ ذَلِكَ عَنْ عَلِيٍّ وَبِهِ قَالَ عَطَاءُ وَالزَّهْرِيُّ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَأَبُو ثَوْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ“ (المغنی لابن قدامہ ۲۳۸/۳)۔

(ب) ضمان کی صورت کیا ہوگی؟

حنفیہ کے نزدیک شئی مرہون اپنی مالیت اور دین کی مالیت میں سے جس کی مالیت کم ہوگی اس کے عوض مضمون ہوگی، لہذا اگر مال مرہون کی مالیت دین کی مالیت سے کم ہو تو وہ مضمون باقیمہ ہوگا اور اس کی مالیت کے بقدر راہن کے ذمہ سے دین ساقط ہو جائے گا اور باقی ماندہ دین راہن سے وصول کرے گا اور اگر دین اور مال مرہون کی مالیت مساوی ہو تو ایسی صورت میں مرتہن اپنے دین کو وصول کرنے والا قرار پائے گا اور اگر راہن کی مالیت دین کی مالیت سے زائد ہو تو زائد مالیت مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے حکم میں ہوگی اور اس کا ضمان صرف ایسی صورت میں واجب ہوگا جبکہ مرتہن کی طرف سے تعدی یا اس کی حفاظت میں کوتاہی پائی جائے (البدائع ۱۶۰/۶)۔

حنفیہ کے نزدیک وجوب ضمان کی حسب ذیل شرطیں ہیں:

۱۔ شئی مرہون کی ہلاکت و ضیاع کے وقت دین باقی ہو اگر مال مرہون کی ہلاکت سے پہلے ہی دین معاف کرنے یا ادا کرنے کے ذریعہ ساقط ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں مرتہن پر ضمان

واجب نہیں ہوگا (فقہ اسلامی وادبہ ۵/۲۶۹)۔

(ج) رہن کے استہلاک کی صورت میں تاوان کا حکم:

اس مسئلہ میں تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر مال مرہون کو رہن نے ہلاک کر دیا یا اس کی طرف سے تعدی اور تقصیر پائی گئی تو اس پر ضمان واجب ہوگا اور مال مرہون کے ”ذوات القیم“ میں سے ہونے کی صورت میں اس کی قیمت اور ذوات الامثال کے قبیل سے ہونے کی صورت میں اس کا مثل واجب ہوگا، اور قیمت کی ادائیگی کی صورت میں قبضہ کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ مال مرہون قبضہ کے دن ہی سے اس کے ضمان میں آ گیا، البتہ بدون تعدی و جوب تاوان ہوگا یا نہیں اس سلسلہ میں احقر کا رجحان اس طرف ہے کہ وجوب ضمان ہوگا، کیونکہ لوگوں کے حالات بدل چکے ہیں، حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے، اگر مرہون کو ضمان قرار نہیں دیا جائے تو لوگوں کی امانتیں اور موال و حقوق ضائع ہو جائیں گے۔

(د) مال مرہون سے نال مٹول کی صورت میں واجب الاداء قیمت کی وصولیابی:

خریدار کے وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور نال مٹول کرنے کی صورت میں بائع خریدار پر دباؤ ڈالے گا کہ وہ واجب الاداء قیمت ادا کر دے، اگر اس کے بعد وہ قیمت ادا نہ کرے تو بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مال مرہون کو فروخت کر کے اپنا واجب الاداء دین وصول کرے، لیکن بوقت معاملہ سامان کی جو قیمت آپسی رضامندی سے طے ہوئی تھی اس سے زیادہ وصول کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، اگر شئی مرہون کو فروخت کرنے کے بعد اتنی رقم وصول ہوئی ہو کہ بائع کے دین کی ادائیگی کے بعد بھی کچھ رقم فاضل باقی رہ جائے تو وہ بچی ہوئی رقم خریدار کو واپس کرنا ضروری ہوگا۔

۹۔ فروخت شدہ سامان کو رہن بنانے کی غرض سے روکنا:

فروخت شدہ سامان کو بائع کے پاس ”رہن“ بنا کر رکھنے کی دو صورتیں ہیں:

(الف) پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار خریدے ہوئے سامان پر قبضہ کرنے سے پہلے

عی بائع کے پاس سامان کو بطور رہن چھوڑ دے یہ صورت جائز نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں خریدار کا بیع پر قبضہ نہیں ہوا ہے، اور قبضہ سے پہلے اسے ”رہن“ کی حیثیت دینا درست نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ بائع حصول ثمن کے لئے ”بیع“ کو اپنے پاس روک لے اور حصول ثمن کے لئے بیع کا روکنا بیع مؤجل میں درست نہیں ہے۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد خریدار ”بیع“ پر قبضہ کر لے اور پھر اسی سامان کو بطور رہن بائع کے پاس رکھ دے، یہ صورت فقہاء کے نزدیک درست ہے، علامہ علاء الدین ^{حصکلی} نے درمختار میں اس کے جواز کا تذکرہ کیا ہے (درمختار علی ہاشم اردو ۱۹۷۲ء، رد المحتار ۱۹۷۲ء)۔

امام محمدؒ نے اپنی کتاب ”الجامع الصغیر“ میں تحریر فرمایا ہے: ”ومن اشتری ثوبا بدرہم ، فقال للبائع: أمسک هذا الثوب حتى أعطيك الثمن فالثوب رهن“۔

(اگر کسی نے درہم کے ذریعہ کوئی کپڑا خریدا اور پھر خریدار نے بائع سے کہا کہ جب تک میں قیمت ادا نہ کر دوں اس وقت تک اسے اپنے ہی پاس روکو، اس صورت میں یہ کپڑا بائع کے پاس رہن سمجھا جائے گا)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قبضہ کے بعد خریدار نے سامان کو بطور رہن بائع کے پاس رکھنا جائز ہے، بشرطیکہ صلہ عقد میں رہن کی شرط عائد نہیں کی گئی ہو، اور اگر صلہ عقد ہی میں رہن کی شرط لگا دی گئی ہو تو اس صورت کے جواز میں علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بعض علماء کا اختلاف نقل کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک صحیح اور قائل اعتماد رائے جواز ہی کی ہے (المغنی لابن قدامہ ۳۲۷ء)۔

(ب) ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو محبوس کرنا:

بیع مؤجل میں ثمن کی وصولیابی کے لئے بائع کو یہ حق نہیں ہے کہ بیع کو اپنے پاس روک لے ”بیع مؤجل“ میں بیع خریدار کے حوالہ کرنا ضروری ہے، بیع بالتقسیت بیع مؤجل ہے، اس

میں بائع کو ثمن کے استیفاء کے لئے جس بیع کا حق نہیں ہے صرف نقد بیع ہی میں بائع کو استیفاء ثمن کے لئے جس بیع کا حق حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

”قال أصحابنا رحمهم الله تعالى: للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن، إذا كان حالا كذا في المحيط، وإن كان مؤجلا، فليس للبائع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل وبعده كذا في المبسوط“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۵۴۳)۔

(ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نقد بیع میں ثمن کی وصولیابی کے لئے فروخت کنندہ کو جس بیع کا حق حاصل ہے، لیکن ادھار بیع میں بائع کو بیع روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ نہ ادائیگی کے وقت سے پہلے اور نہ ادائیگی کے وقت کے بعد)۔

۱۰- اقساط کی عدم ادائیگی کی صورت میں سامان کی ضبطی:

بعض اقساط کی ادائیگی کی صورت میں سامان کو بھی اپنے پاس رکھنا اور ادا کردہ اقساط کو بھی روک لیا بائع کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

۱۱- خرید کردہ سامان کو خریدار کے پاس رہن رکھنا:

فقہی نقطہ نظر سے اس قسم کے رہن کے جواز میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں رہن کے بارے میں ”مقبوض“ کی شرط لگائی گئی ہے قرآن کریم میں ہے: ”فرهن مقبوضۃ“ (سورہ بقرہ ۲۸۳)۔

امام حاکم نے کافی میں تحریر کیا ہے۔ ”لا يجوز الرهن غير مقبوض“

مختصر کرنی میں ہے: ”قال أبو حنيفة وزفر و أبو يوسف و محمد الحسن بن

زیاد: لا يجوز الرهن إلا مقبوضا“ (مکمل فتح القدیر ۱۵۶/۱۰)۔

جبکہ رہن کی مذکورہ صورت میں شئی مرہون پر مرہون کا قبضہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ رہن ہی کے قبضہ میں رہتی ہے، اس لئے اسے رہن قرار دینا درست نہیں ہے، البتہ فقہاء کی بعض عبارات سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ مال مرہون پر مرہون کا قبضہ ہو جانے کے بعد رہن

عاریت کے طور پر اس سامان کو واپس لے لے، اس صورت میں راہن اس سے انتفاع کر سکتا ہے، اور عاریت کی وجہ سے رہن فاسد نہیں ہوگا۔ بلکہ مرتہن کو بھی یہ حق حاصل رہے گا کہ جب چاہے مال مرہون کی واپسی کا راہن سے مطالبہ کرے۔

اگر وہ چیز راہن کے پاس بلاک ہوگئی تو اس کی چیز بلاک ہوگی، ایسی صورت میں مرتہن کو یہ بھی حق حاصل رہتا ہے کہ وہ دین کی ادائیگی کی مقررہ مدت گزرنے کے بعد اس سامان کو فروخت کر کے اپنا دین وصول کر لے (ہدایہ علی ہاشم جملہ ۱۰/۲۰۲-۲۰۱)۔

مگر رہن کی مذکورہ صورت کو عاریت قرار دینا اس وجہ سے مشکل ہے کہ اس صورت میں شی مرہون پر مرتہن کا قبضہ نہیں ہوتا ہے، اسے رہن قرار دینے کی ایک صورت یہ ہے کہ رہن میں قبضہ حسی کو ضروری قرار نہ دیا جائے، بلکہ قبضہ معنوی ہی کو کافی سمجھا جائے، رہن پر مرتہن کے قبضہ کو شرط قرار دینے کی علت یہ ہے کہ مرتہن شی مرہون کو دین کی عدم ادائیگی کی صورت میں فروخت کر کے اپنا دین وصول کرے۔ رہن کی مذکورہ بالا صورت میں قانوناً ایگریمینٹ میں مذکورہ شرائط کی بنیاد پر مرتہن کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ دین کی عدم ادائیگی کی صورت میں اسے فروخت کر کے اس سے اپنا دین وصول کر لے مولانا تقی عثمانی کا بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے (فقہی مقالات ۹۳-۹۵)۔

۱۲- کفالت میں معاوضہ کا شرعی حکم:

عقد کفالت کی صورت میں اجرت یا حق محنت کا مطالبہ اشخاص کی طرف سے ہو یا اداروں کی طرف سے درست نہیں ہوگا، البتہ لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے کے کام میں بینک یا اداروں کے جو واقعی اخراجات اور مصارف ہوتے ہیں ان کا مطالبہ عمیل سے جائز ہے (فقہی مقالات ۹۸)۔

۱۳- دستاویز کی خرید و فروخت:

غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خرید و فروخت کی مذکورہ صورت ناجائز ہے اس کی

وجہ یہ ہے کہ دستاویز کی بیع درحقیقت اس مالیت کی بیع ہے جو دستاویز میں تحریر شدہ ہے اور وہ دین ہے جس کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ کی جارہی ہے جس کے ذمہ دین نہیں ہے، جسے اصطلاح فقہ میں ”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ کہا جاتا ہے۔ اور یہ بیع درست نہیں ہے، یا اس صورت میں کرنسی کی بیع کرنسی سے لازم آتی ہے جس میں کمی و بیشی اور ادھار دونوں ممنوع ہے۔

مگر اس معاملہ میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے جواز کی راہ نکل سکتی ہے، جس کی صورت یہ ہے: سب سے پہلے دائن جو حامل دستاویز ہے وہ اپنی طرف سے بینک کو خریدار (دستاویز جاری کرنے والا) سے دین کی وصولیابی کا وکیل بنا دے اور اس وکالت پر یہ شخص بینک کو اپنی طرف سے کچھ اجرت بھی دے دے، اس کے بعد بائع جو حامل دستاویز ہے نیا معاملہ کر کے دستاویز پر تحریر شدہ رقم کے بقدر بینک سے قرض حاصل کر لے اور اپنی طرف سے بینک کو اس کا اختیار دے دے کہ جب خریدار کی طرف سے دستاویز کے عوض رقم وصول ہو جائے تو اس رقم سے وہ اپنا واجب الادا قرض وصول کر لے، اس طرح سے یہ دو معاملات علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔ اور شرعی اعتبار سے دونوں معاملات جائز قرار پائیں گے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

بایں تاویل جائز ہے کہ اس وکیل سے اس نے قرض لیا پھر اس نے وصول کر کے محسوب کر دیا (امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۱۷)۔

۱۲- ادھار معاملہ میں طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے پہلے اس کے ایک حصہ کی معافی کی شرط پر وصول کرنا:

اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

۱- پہلی رائے یہ ہے کہ معاملہ کی یہ صورت جائز ہے، اس لئے کہ بائع اپنے دین کا کچھ حصہ چھوڑ دیتا ہے اور کچھ حصہ وصول کر لیتا ہے جس کا اسے حق ہے، جیسا کہ نقد لین دین میں اسے کچھ حصہ چھوڑ دینے کا حق حاصل ہوتا ہے، صحابہ میں سے حضرت عبداللہ ابن عباس، فقہاء تابعین

میں سے امام ابراہیم نخعی، ائمہ احناف میں سے امام زفر بن ابہذیل، اور شوافع میں سے ابو ثور اس معاملہ کے قائل ہیں۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ معاملہ کی یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ جس طرح دین مؤجل میں تاخیر کی صورت میں دائن کے لئے ”اجل“ (مدت) کے عوض اصل دین سے زائد رقم لیما حرام اور سود میں داخل ہے اسی طرح وقت مقررہ سے پہلے تجیل کی صورت میں ”اجل“ (مدت) کے عوض مدیون کے لئے اپنے ذمہ واجب الادا دین کا کچھ حصہ لیما جائز نہیں ہوگا۔

صحابہ میں سے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور تابعین میں سے امام محمد بن سیرین، خواجہ حسن بصری، حضرت ابن المسیب، امام حکم بن عتبہ، امام شعبی عدم جواز کے قائل ہیں، ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے (مصنف عبدالرزاق ۱/۸۸-۸۹-۹۰)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں مسالک ائمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:
اگر ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ دین مؤجل ہو، اب وہ شخص اپنے غریم سے مطالبہ کرے کہ مجھ سے دین کا کچھ حصہ ساقط کر دو، بقیہ دین میں فوراً ادا کر دوں گا تو یہ صورت جائز نہیں ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عمر، حضرت مقداد، حضرت سعید بن المسیب، امام سالم، حسن بصری، امام حماد، امام حکم، امام شافعی، امام مالک، امام ثوری، امام بٹیم، ابن علیہ، امام اسحاق اور امام ابو حنیفہ نے اس معاملہ کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے، حضرت مقدادؓ نے ایسے دو شخصوں کو جنہوں نے اس طرح کا معاملہ کیا تھا خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم دونوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس معاملہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام نخعی اور امام ابو ثور سے یہی منقول ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں قرض خواہ اپنے حق کا کچھ حصہ وصول کر رہا ہے اور کچھ حصہ معاف کر رہا ہے، لہذا یہ صورت جائز ہے، جیسا کہ دین نقد میں یہ صورت درست ہوتی ہے۔

ہمارے نزدیک چونکہ مذکورہ صورت میں مدت کی تیج ہو رہی ہے، اس لئے جائز نہیں ہے، جیسے کہ اگر قرض خواہ دین میں اضافہ کرتے ہوئے مقرض سے کہے کہ تم میرا سود رہم کا قرض فوراً ادا کرو، میں تمہیں دس درہم دوں گا (ظاہر ہے کہ یہ صورت جائز نہیں ہے) (المغنی لابن قدامہ)۔

صاحب ہدایہ نے تحریر کیا ہے:

”ولو كانت له ألف مؤجلة فصالحه على خمسمائة حالة لم يجز“ (ہدایہ

علی ہاشم الصفح ۸/۲۳۸)۔

(اگر کسی شخص کا دوسرے کے ذمہ ایک ہزار دین مؤجل ہو اور وہ مدیون سے نقدی پانچ سو پر مصالحت کرے تو جائز نہیں ہوگا)۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطائیں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

”قال محمد: وبهذا نأخذ من وجب له دين على إنسان إلى أجل، فسأل أن يضع عنه ويعجل له ما بقي، لم ينبغ ذلك، لأنه يعجل قليلا بكثير دينا، فكأنه يبيع قليلا نقدا بكثير دينا وهو قول عمر بن الخطاب و زيد بن ثابت وعبد الله بن عمر وهو قول أبي حنيفة“ (موطا امام محمد ۱/۳۳۲)۔

(امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہمارا مسلک عدم جواز کا ہے اور ہم اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمہ کسی مدت پر دین واجب ہو اور وہ اس سے کہے کہ وہ اس سے دین کا کچھ حصہ ساقط کر دے گا بشرطیکہ وہ بقیہ دین فوراً ادا کرے تو یہ صورت جائز نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں وہ دین کثیر کے عوض میں دین قلیل کو فوری طلب کر رہا ہے کو یا کہ وہ قلیل نقد کو کثیر دین کے عوض فروخت کر رہا ہے، یہی حضرت عمر بن الخطاب، زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے، امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے)۔

مذکورہ بالا نصوص فقہیہ اور آثار صحابہ و تابعین کی وجہ سے مدت کے مقابلے میں دین

کے کچھ حصے کو ساقط کرنے کی حرمت کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

۱۵- فوری ادائیگی والے دیون میں دین کا ایک حصہ چھوڑ دینا:

بیع مؤجل میں قیمت کی ادائیگی کے لئے وقت اور مدت کی تعیین ضروری ہے اگر مدت کی تعیین کئے بغیر دونوں فریق جدا ہو جائیں تو معاملہ درست قرار نہیں پائے گا۔ صاحب ”ہدایہ“ نے اس معاملہ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے:

”ولا بد أن يكون الأجل معلوماً؛ لأن الجهالة فيه ما نعمة من التسليم الواجب بالعقد، فهذا يطالبه به في قريب المدة وهذا يسلمه في بعيدها“ (بدیعی علی ہاشم الفتح ۶/۲۳۳)۔

(اور مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ جہالت واجب بالعقد کی حوالگی کے لئے مانع ہوگی، اور دائن اس سے قریبی مدت میں ادائیگی کا مطالبہ کرے گا، جب کہ مدیون اسے دیر اور تاخیر سے ادا کرے گا، لہذا یہ صورت جائز نہیں ہوگی)۔

مگر سوال ۱۴ کی مناسبت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سوال میں شاید تسامح ہوا ہے، سوال ۱۵ کا منشاء یہ ہو کہ فوری ادائیگی والے دیون میں دین کا ایک حصہ چھوڑنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ اس صورت میں چونکہ ”اجل“ کے مقابلہ میں دین کا کوئی حصہ نہیں چھوڑا جاتا ہے، لہذا ایسے نقدی دیون میں جن کی ادائیگی کے بارے میں معاملہ کے اندر کسی مدت کی تعیین نہیں کی گئی، بلکہ مدیون دین کی ادائیگی میں کسی وجہ سے تاخیر کر رہا ہے، ایسے دیون میں فوری ادائیگی کی شرط پر دین کے کچھ حصہ کو چھوڑنے پر صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام دارالبحرۃ مالک بن انس سے اس کے جواز کی صراحت ثابت ہے۔

”المدونة الكبرى“ میں ہے: ”قلت: رأيت لو أن لي على رجل مائة دينار و مائة درهم حالة، فصالحته من ذلك على مائة دينار و درهم نقدا قال: لا بأس بذلك“ (المدونة الكبرى ۱۱/۲۷)۔

”المسوی علی المصہمی“ میں ہے:

اہل علم اس واقعہ اور ان آثار کے درمیان جو ”ضع و تعجل“ کے بارے میں منقول ہیں۔ اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ ان آثار کا تعلق ”دین مؤجل“ سے ہے اور یہ واقعہ ”دین حال“ سے متعلق ہے، اور ”کتاب الرحمہ“ میں ہے کہ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص پر دین مؤجل واجب ہو تو دائن کے لئے مدت مقررہ کے آنے سے قبل یہ جائز نہیں ہے کہ دین کا کچھ حصہ معاف کر دے تاکہ دین کا بقیہ حصہ فوری طور پر وصول کر لے۔۔۔ البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ جب دین کی ادائیگی کا وقت آجائے اس وقت کچھ دین وصول کر لے اور بقیہ معاف کر دے (المسوی علی المصہمی ۲/۳۸۲)۔

۱۶۔ قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں مہلت کو ختم کرنا:

بیع بالتقسیط کے ذیل میں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر خریدار نے طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی ادائیگی میں تاخیر کر دی تو کیا ایسی صورت میں بائع کے لئے مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا، اور فوری طور پر بقیہ تمام اقساط کی ادائیگی کا مطالبہ شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، واضح رہے کہ ”بیع بالتقسیط“ کے بعض ایگریمنٹ میں اس امر کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ اگر خریدار مقررہ وقت پر کوئی قسط ادا نہ کر سکا تو اس صورت میں آئندہ کی باقی اقساط کو بھی فوراً ادا کرنا ضروری ہوگا، اور بائع کے لئے فی الحال تمام اقساط کا مطالبہ کرنا جائز ہوگا، اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ”بیع بالتقسیط“ میں اس طرح کی شرط لگانا درست ہے؟

بائع کے لئے بیع بالتقسیط میں اس طرح کی شرط لگانا جائز ہے، اور خریدار کی طرف سے طے شدہ اقساط میں سے کسی قسط کی عدم ادائیگی یا اس میں تاخیر کی صورت میں بائع کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ پہلے سے حاصل شدہ مہلت کو ختم کر دے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

”ولو قال: كلما دخل نجم ولم تؤد، فالتمال حال صح ویصیر التمال

حالا“ (خلاصۃ الفتاویٰ ۳/۵۳)۔

۱۷- کیفر یقین میں سے کسی ایک کی موت کی صورت میں اقساط کا معاملہ اپنی جگہ باقی رہے گا؟

”بیع بالتقسیط“ کے مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اقساط کی ادائیگی کی مقررہ وقت سے قبل ہی اگر فریقین (دائن اور مدیون) میں سے کسی ایک فریق کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ معاملہ اب بھی اسی تفصیل اور مہلت کے ساتھ باقی رہے گا جو طے شدہ تھا یا معاملہ کی نوعیت میں فرق آجائے گا۔ یا تو:

(الف) دائن کا انتقال ہو جائے۔ دائن کے انتقال کی صورت میں معاملہ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور دائن نے بوقت معاملہ قیمت کی ادائیگی کے لئے جو مہلت دی تھی وہ بدستور سابق باقی رہے گی۔ دائن کے ورثاء اپنے مورث کے قائم مقام قرار پائیں گے۔
رد المحتار میں ہے: ”ویبطل الأجل بموت المديون لا المانن“ (رد المحتار ۵۳/۷)۔

(ب) مدیون کی موت ہو جائے، اس سلسلہ میں فقہاء کے حسب ذیل قول ہیں۔
۱۔ مدیون کی موت کی صورت میں دین مؤجل فوری واجب الادا ہو جاتا ہے، حنفیہ، شافعیہ اور جمہور فقہاء مالکیہ کا یہی مسلک ہے، امام شافعی، امام نخبی، سوار، مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ اور شافعی کا یہی قول ہے۔

امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول یہی ہے، مگر حنا بلکہ کا قول مختار یہ ہے کہ اگر مدیون کے ورثاء اس دین کی توثیق و تصدیق کر دیں تو ایسی صورت میں مدیون کی موت سے دین کی ادائیگی فوری واجب نہیں ہوگی، بلکہ حسب سابق دین مؤجل ہی رہے گا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ مدیون کی موت کی صورت میں دین کی ادائیگی فوری طور پر واجب الادا نہیں ہوگی، بلکہ دین مؤجل ہی رہے گا، اگرچہ مدیون کے ورثاء دین کی توثیق کر دیں، امام ابن سیرین، عبداللہ بن الحسن، اسحاق، ابو عبید، طاؤس، ابو بکر بن محمد، امام زہری اور سعید بن ابی اییم کا یہی مسلک ہے (یعنی لابن قدامہ ۳۸۶/۳)۔

مولانا تقی عثمانی نے حنا بلہ کی رائے کو ترجیح دی ہے، یعنی مدیون کے ورثاء کی تصدیق و توثیق کی صورت میں دین مؤجل ہی رہے گا، یہی رائے مناسب اور ایشہ بالفقہ معلوم ہوتی ہے۔

۱۸- اقساط کی پابندی کے ساتھ ادائیگی کی صورت میں انعام دینا:

اگر اقساط کی وقت مقررہ پر ادائیگی کی صورت میں بائع کی طرف سے خریدار کو انعام دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، انعام کی اضافی رقم کو ”اجل“ کے عوض قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۱۹- مقررہ اندازی کے ذریعہ سامان کی حوالگی:

سوال میں مذکور صورت کو ”تماز“ کے دائرہ میں شامل کرنا مشکل ہے، اس لئے کہ مذکورہ صورت میں ہر خریدار کو لازمی طور پر سامان مل جاتا ہے، البتہ کسی کو زیادہ قیمت پر، اور کسی کو کم قیمت پر، میرے نزدیک معاملہ کی یہ صورت دو وجہوں سے درست نہیں ہے۔

۱- یہ بیع بالتقصیط کی صورت ہے اور بیع بالتقصیط میں استیفاء ثمن کی خاطر بائع کو جس بیع کا حق نہیں رہتا ہے۔ بیع کی حوالگی ضروری ہے مقررہ اندازی کے ذریعہ سامان کی حوالگی کی صورت میں سامان کی حوالگی بوقت معلوم نہیں ہوتی ہے، بلکہ چند یا کل اقساط کی ادائیگی کے بعد مقررہ اندازی کے ذریعہ سامان کی حوالگی ہوتی ہے، کو یا بائع استیفاء ثمن کی خاطر اپنے پاس بیع کو روک لیتا ہے۔ لہذا یہ صورت درست نہیں ہوگی۔

۲- بیع مؤجل میں ضروری ہے کہ بوقت معاملہ یہ طے ہو جائے کہ سامان کی قیمت کیا ہوگی، اگر قیمت کی تعیین نہیں کی جائے تو جہالت ثمن کی وجہ سے عقد فاسد قرار پائے گا، مذکورہ صورت میں ثمن مجہول ہوتا ہے، بوقت معاملہ سامان کی ایک قیمت تو ضرور متعین ہو جاتی ہے، مگر اس کی ادائیگی ہر خریدار کے لئے لازم نہیں ہوتی ہے، بلکہ چند اقساط کی ادائیگی کے بعد جس خریدار کا بھی نام مقررہ اندازی کے ذریعہ نکل جاتا ہے اسے سامان ادا شدہ اقساط کے عوض دے دیا جاتا ہے، اس طرح سے ایک ہی سامان ایک شخص کے لئے مثلاً پانچ سو روپے میں پڑے گا، تو وہی

سامان دھیرے کے لئے اس سے زیادہ اور تیسرے کے لئے اس سے بھی زیادہ قیمت میں
پڑے گا، لہذا اجمالت ثمن کی وجہ سے یہ معاملہ درست نہیں ہوگا۔

☆☆☆

قسطوں پر خرید و فروخت (احکام و مسائل)

مولانا اختر امام عادل ☆

۱- نقد و ادھار قیمتوں میں کمی بیشی:

خرید و فروخت کی دو صورتیں ہیں: ۱- نقد، ۲- یا ادھار، اور یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، پھر نقد و ادھار میں بالعموم قیمتوں کے تناسب میں فرق پڑتا ہے، ادھار فروخت میں نقد کے مقابلہ میں قیمت زیادہ مقرر کی جاتی ہے، فقہ اسلامی میں اس کی اجازت دی گئی ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں ہی نقد و ادھار میں سے کوئی ایک صورت متعین ہو جائے، ورنہ بیع درست نہ ہوگی، عالمگیری میں ہے:

”رجل باع علی أنه بالنقد بكذا وبالسنیة بكذا، والی شہر بكذا أو
الی شہرین بكذا لم یجز، كذا فی الخلاصة“ (عالمگیری ۱۳۶۳)۔

اس جزئیہ میں بیع کی وہی صورت ناجائز کہی گئی ہے جس میں نقد و ادھار دونوں کی الگ الگ قیمتوں کا ذکر تو مجلس عقد میں ہو گیا مگر معاملہ کسی ایک معین صورت پر نہیں ہوا، بلکہ نقد و ادھار یا ادھار ہی کی دو مختلف مدتوں کے درمیان دائر ہا، تو ثمن کی جہالت کی بناء پر بیع فاسد قرار پائے گی، مبسوط حسنی میں یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ آیا ہے:

”وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا و بالنقد بكذا، أو (قال): إلى شهر بكذا أو إلى شهرين بكذا فهو فاسد، لأنه لم يقاطعه على ثمن معلوم، ولنهييه عليه السلام عن شرطين في بيع، وهذا إذا فترقا على هذا، فإن كانا يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم واتما العقد عليه فهو جائز، لانهما ما افترقا الا بعد تمام شرط صحة العقد“ (الرسول للشرح ۸/۱۳)۔

حنابلہ کے یہاں بھی یہ مسئلہ اسی وضاحت کے ساتھ آیا ہے، علامہ ابن قدامہ تحریر

فرماتے ہیں:

”وقد روى عن طاؤس والحكم وحماد أنهم قالوا: لا بأس أن يقول: ابيعك بالنقد بكذا و بالنسيئة بكذا، فيذهب على أحدهما، وهذا محمول على أنه جرى بينهما بعد ما يجرى في العقد فكأن المشتري قال: آخذته بالنسيئة بكذا فقال خذته أو قد رضيت ونحو ذلك، فيكون عقدا كافيا“ (المعنى لابن قدامہ ۳/۲۹۰)۔

اگر مذکورہ شرط کا لحاظ رکھا جائے، یعنی مجلس عقدی میں کوئی بات مکمل ہو جائے تو ادھار قیمت نقد سے زیادہ رکھی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مالیت کی قدر و قیمت میں وقت کا بڑا دخل ہوتا ہے، ”ہدایہ“ میں ہے:

”أنه يزداد في الثمن لأجل الأجل“ (باب المراجحة ۷۳/۳) یعنی وقت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی جاتی ہے۔
کفایہ میں بھی یہ مضمون آیا ہے:

”قوله: لأن الأجل لا يقابله شيء من الثمن أي حقيقة، أما شبهة المقابلة، فثابتة، ولهذا يزداد في الثمن لأجل الأجل مالا في المراجعة“ (کفایہ مع فتح القدير ۶/۱۳۳)۔

ہمارے اکابر دیوبند اور فرنگی محل کے فتاویٰ میں بھی نقد و ادھار قیمتوں میں کمی بیشی کی اجازت دی گئی ہے، بشرطیکہ مجلس عقدی میں کوئی ایک صورت متعین ہو جائے (دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ ۹۳۳، امداد الفتاویٰ ۳۱۲/۳، مجموعہ فتاویٰ عبدالحی ۳۰۶، کفاہت المفتی ۲۰/۸)۔

۲۔ قسطوں پر خرید و فروخت:

ادھار خرید و فروخت میں قیمت کی یکمشت ادائیگی ضروری نہیں، بلکہ اس کی بھی گنجائش ہے کہ قسطوں میں ادائیگی پر معاملہ ہو، مثلاً خرید کردہ مال کی قیمت دس ہزار ہے، اور دس قسطوں میں (ہر ماہ کے آغاز پر ایک ہزار کی ایک قسط) اس کی ادائیگی طے پائے، تو اس کی اجازت ہے، مگر یہ معاملہ بھی مجلس عقدی میں طے ہو جانا ضروری ہے۔

”البيع مع تاجیل الثمن والتسقیط صحیح“ (شرح الجملہ ۲۵، بحوالہ اسلامی

فقہ ۲/۳۱۳)۔

بعض قدیم کتب فقہیہ میں بھی بیع بالتسقیط کا ذکر آیا ہے، جس سے اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے، البحر الرائق میں خانیہ اور تجنیس کے حوالہ سے ایک مسئلہ ذکر کیا گیا ہے، کہ بائع نے مشتری سے کہا کہ میں اس کپڑے کی بیع تیرے ہاتھ دس درہم کے عوض اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم مجھے ہر دن ایک درہم اور ہر دن دو درہم ادا کرو، تو مشتری بائع کو مقررہ قیمت دس درہم چھ قسطوں میں ادا کرے گا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے دن ایک درہم دوسرے دن تین درہم، تیسرے دن ایک درہم، چوتھے دن تین درہم، پانچویں دن ایک درہم اور چھٹے دن ایک درہم ادا کرے گا۔

”فی الخانیہ والتجنیس: رجل قال لآخر: بعت منك هذا الثوب

بعشرة على أن تعطيني كل يوم درهما و كل يوم درهمين يعطيه عشرة في ستة

أيام في اليوم الأول درهما وثلاثة في اليوم الثاني ودرهما في اليوم الثالث

وثلاثة في اليوم الرابع ودرهما في اليوم الخامس ودرهما في اليوم

السادس“ (البحر الرائق ۲۸۰/۵)۔

مختہ الخالق میں امام عینیؒ کی منتخب الظہیر یہ کے حوالہ سے امام محمدؒ کا ایک فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ دو شخصوں میں جنہوں نے باہم بیع و شراء کا معاملہ کیا تھا، ثمن کے بارے میں اختلاف ہو گیا، مشتری کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز پچاس درہم میں اس شرط کے ساتھ خریدی ہے کہ پوری قیمت ہر ماہ ڈھائی درہم کے لحاظ سے بیس قسطوں میں ادا کروں گا، جبکہ بائع کہتا ہے کہ میں نے ۱۰۰ درہم میں اس شرط کے ساتھ بیچی ہے کہ ہر ماہ دس درہم کے حساب سے دس قسطوں میں پوری قیمت ادا کر دوں گے، اور ان دونوں نے اپنی اپنی بات کے لئے بیئہ بھی قائم کر دیا، اس صورت میں امام محمدؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ دونوں کی شہادت مجملہ قبول کی جائے گی اور فیصلہ کیا جائے گا کہ مشتری بائع کو چھ ماہ تک ہر ماہ دس درہم کے حساب سے قسط ادا کرے، ساتویں مہینہ ساڑھے سات درہم کی ایک قسط ادا کرے، اس کے بعد ہر ماہ ڈھائی درہم کی ایک قسط کے حساب سے ادا کرے یہاں تک کہ سو درہم پورے ہو جائیں۔

”فی منتخب الظہیر لئلامام العینی: قال محمد بن حسن فی رجلین تبايعا شيئاً واختلفا فی الثمن، فقال المشتري اشتریتہ بخمسين درهما إلى عشرين شهرا علی أن أؤدی اليك كل شهر درهمين ونصفاً، وقال البائع: بعتك بمائة درهم إلى عشرة اشهر علی أن تؤدی إلى كل شهر عشرة دراهم و أقاما البنية، قال محمد: يقبل شهادتهما و يأخذ البائع من المشتري ستة اشهر كل شهر عشرة، و فی الشهر السابع سبعة ونصفاً، ثم يأخذ بعد ذلك كل شهر درهمين ونصفاً إلى أن يتم له مائة، وهذه مسألة عجيبة“ (مختہ الخالق علی ہاشم البحر الرائق ۲۸۱/۵)۔

فتاویٰ خانہ میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے (دیکھئے خانہ علی ہاشم البحر الرائق ۲۶۹/۲)۔
یہ دونوں مسئلے بیع بالتقسیط کے جواز پر مبنی ہیں، اس لئے کہ حکم جواز کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے، فتاویٰ (تنقیح الخاوند ۳۵۶/۱) میں بھی بیع بالتقسیط کا ذکر آیا ہے، مذکورہ حوالوں سے

یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بیع بالتقسیم جائز ہے، البتہ ہر قسط کی مدت اور مقدار کا معلوم اور متعین ہونا ضروری ہے، ورنہ قسط کے مجہول ہونے کی صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی، عالمگیری میں اس کی صراحت آئی ہے۔

”رجل باع عبداً بألف كل ان ينقده على أسبوع بعض الثمن حتى ينقده خمس مائة عند مضي الشهر كان فاسداً“ (عالمگیری ۳/۳۳۳ باب الشروط)۔

۳- اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ کسی بھی چیز کو نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرنا جائز ہے، اسی طرح نقد اور ادھار کی قیمتوں میں تفاوت رکھنا بھی جائز ہے، دونوں قیمتوں کا مجلس عقد میں تذکرہ آنے میں مضائقہ نہیں، البتہ مجلس کے اختتام سے قبل کوئی ایک شق متعین ہو جانا ضروری ہے۔ نقد قیمت، یا ادھار؟

۴- نقد و ادھار قیمتوں کا تفاوت ربا کے دائرے میں نہیں آتا:

ادھار فرختگی کی صورت میں نقد فرختگی کے مقابلہ میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرے میں نہیں آتا، اس لئے کہ بائع نے مشتری کے سامنے اپنا سامان نقد و ادھار کی وضاحت کے ساتھ رکھ دیا ہے وہ جس کو چاہے اختیار کرے، نقد قیمت ہو یا ادھار دونوں ہی بیع کی پوری قیمت ہے، نوعیت کا فرق ضرور ہے، مگر بیع کا عوض ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے، بائع کو اختیار ہے کہ وہ اپنے نفع کے لحاظ سے اپنے سامان کی جو قیمت چاہے مقرر کرے، اگر کوئی نقد خریدتا ہے تو اس کو کم قیمت ہی میں نفع محسوس ہوتا ہے، اور اگر کوئی ادھار خریدتا ہے تو اس کو اپنے نفع کا توازن برقرار رکھنے کے لئے زائد قیمت رکھنی پڑتی ہے، البتہ یہ شبہ اس وقت پیدا ہوتا جبکہ دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت متعین نہ ہو اور معاملہ اس طرح ہو کہ اگر آپ نقد خریدیں گے تو بیع کی قیمت ایک ہزار ہوگی اور اگر ایک ماہ کے بعد آپ قیمت ادا کریں تو قیمت پندرہ سو روپے ہوگی، اور اس پر مجلس ختم ہوگی، اس صورت میں شبہ ربا پیدا ہوگا کہ کو بیع کی اصل قیمت صرف ایک ہزار ہی ہے اور فاضل پانچ سو روپے اس صورت میں مشتری کو ادا کرنے

ہوں گے جبکہ وہ نقد ادا کرنے کے بجائے ایک ماہ کے بعد ادا کرے، اس طرح اس زائد رقم میں وقت کا عوض ہونے کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اس صورت میں جبکہ بائع نے مشتری کے سامنے دونوں صورتیں رکھ دیں اور مشتری نے قطعی طور پر کسی ایک صورت کا انتخاب کر لیا تو اس صورت میں شبہ ربا پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ نقد یا ادھار جو بھی طے ہو وہی بیع کی پوری قیمت ہے، اور عقد کے تمام ہونے کے بعد وقت سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا، مجلس عقد میں قیمت کی مختلف شرحوں کے ذکر کا اعتبار نہیں، مجلس عقد میں تو بائع و مشتری کے درمیان قیمت کی کمی اور زیادتی پر گفتگو ہوتی ہے، اعتبار عقد کے مکمل ہونے کے بعد کا ہے کہ تمام عقد کے بعد قیمت پر وقت کی بنا پر فرق پڑتا ہے، یا جو مجلس عقد میں ایک قیمت طے ہوگئی ہے وہی باقی رہتی ہے، اس لحاظ سے نقد یا ادھار میں سے کسی ایک کو مجلس عقد میں متعین کر لینے کی صورت میں قیمت کی کمی زیادتی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جو قیمت طے ہوگئی ہوگی، نہ بعد میں اس میں کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔

ورنہ اگر مجلس عقد میں زیر بحث آنے والی مختلف قیمتوں کا لحاظ کیا جائے تو بڑی پریشانیاں پیدا ہو جائیں گی، بیع کی بہت سی شکلیں ربا میں داخل ہو جائیں گی، بلکہ خود نقد خرید بھی شبہ ربا سے محفوظ نہیں رہ سکے گی، اس لئے کہ ادھار میں اگر وقت کی بنا پر قیمت زائد ہونے کا شبہ ہے تو نقد میں کم ہونے کا شبہ ہے اور یہ کمی ظاہر ہے کہ وقت ہی کا لحاظ نہ کرنے کی بنا پر ہوئی ہے، اور وقت کی بنا پر کمی یا بیشی دونوں ہی ربا میں داخل ہیں، اس طرح نقد خرید بھی درست نہ رہے گی، اصولی بات یہ ہے کہ مجلس عقد کی مختلف باتوں اور قیمتوں کی مختلف شرحوں کے ذکر کا اعتبار نہیں، اعتبار اس کا ہے کہ تمام عقد کے بعد کوئی ایک شرح قیمت متعین ہونے کے بجائے وقت کے لحاظ سے شرح قیمت مختلف رکھی گئی ہو تو یہ سود ہوگا ورنہ نہیں۔

۵- اس کا جواب ماقبل میں گذر چکا ہے، کوئی ایک صورت متعین کر لینے کے بعد یہ درست

ہے۔

۶، ۷- قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر زیادتی کا مطالبہ:

ایک چیز کی خرید و فروخت نقد معاملہ کے طور پر دس روپے طے ہوئی، اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ یہ دس روپے ایک ماہ کے اندر ادا نہ کئے گئے تو مزید دو روپے ادا کرنے ہوں گے، اور اس طرح ہر ماہ کی تاخیر پر دو روپے کا اضافہ ادا کرنا ہوگا، یہ صورت جائز نہیں، اسی طرح یہ صورت بھی درست نہیں کہ مجلس عقد میں ادھار قیمت اور مدت طے ہوئی خواہ قسطوں میں ہو یا یکمشت، اور اس کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ وقت مقرر پر یکمشت قیمت یا جملہ قسطیں یا کوئی قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کچھ رقم ادا کرنی ہوگی خواہ اس کی مقدار طے کر دی جائے یا فیصد کا حساب رکھا جائے۔

یہ دونوں صورتیں ربا کے دائرے میں آتی ہیں، اس لئے کہ تاخیر پر فیصد کے حساب سے یا متعین طور پر جو رقم لی جا رہی ہے اس کے عوض میں وقت کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اور وقت کے عوض جو رقم آتی ہے وہ سود ہے، اسی بناء پر فقہاء نے یہ مسئلہ بھی تحریر کیا ہے کہ اگر کسی نے نقد معاملہ کیا تھا پھر بعد میں اس نے رقم کی مقدار بڑھا کر اس کو ادھار بنا دیا، تو یہ جائز نہیں ہے، یہ ربا کہلائے گا، اس لئے کہ نقد معاملہ طے ہو جانے کے بعد مبیع کی ایک قیمت متعین ہو چکی تھی، اس کے بعد جو رقم اضافہ کی گئی ہے وہ اس کی قیمت سے زائد رقم ہے، اس لئے یہ سو فیصد ار پائے گی، یہاں کی صورت حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے، یہاں بھی مبیع کی قیمت سے الگ تاخیر کی بنا پر جو رقم لی جا رہی ہے وہ وقت ہی کے مقابل ہے، اس لئے یہ درست نہ ہوگا۔

”مقابلة الأجل بالدرہم ربا، الأتري أن في الدين الحال لو زاده في

المال ليؤجل لم يجز“ (ابن سبويه ۱۳/۱۲۶)۔

کفایت المفتی میں بھی اس سے ملتی جلتی ایک صورت مذکور ہے، جس کے عدم جواز کا فتویٰ حضرت مفتی صاحب نے دیا ہے، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اور یہ احتمالی صورتیں کہ اگر مہینہ کے اندر ہو تو ۲ درہم اور مہینہ کے بعد مگر ۵ دن کے

اندر ہو تو ۳۰ روزوں کا جائز نہیں، بائع اور مشتری دونوں کو لازم ہے کہ قیمت اور ادائے قیمت کا زمانہ متعین کر دیں (کتابتہ المصنفی ۸/۳۰۸)۔

مالی جرمانہ کا مسئلہ:

رہی ”مالی جرمانہ“ والی بات تو مالی جرمانہ مالکیہ کے نزدیک تو جائز ہے، مگر جمہور فقہاء کے نزدیک جائز نہیں، جمہور کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں اس کی اجازت تھی جو بعد میں منسوخ ہو گئی۔

”وفیہ جواز العقوبة بالمال بحسب الظاهر، واستدل به قوم من القائلین بذلك من المالکیة، وعزی ذلك أيضا إلى مالک، وأجاب الجمهور بأنه كان ذلك فی أول الإسلام ثم نسخ“ (عمدة القاری ۵/۱۶۳)۔
شامی نے بھی یہی بات لکھی ہے۔

”وفی شرح الآثار: التعزیر بالمال كان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل المذهب عدم التعزیر بأخذ المال“ (رد المحتار ۳/۲۳۶)۔
اس لئے اگر مذکورہ رقم کو ربا کے بجائے مالی جرمانہ بھی قرار دیا جائے تو جمہور کے مسلک کے مطابق یہ جائز نہ ہوگا۔

۸- ادھار قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے بائع کی طرف سے یہ شرط لگانا درست ہے کہ خریدار کوئی مال بطور ضمانت بائع کے پاس رہن رکھے، البتہ مال مرہون کا معلوم ہونا ضروری ہے، اس میں چاروں ائمہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے (دیکھئے مائتگیری ۵/۳۳۳، بسوط للسنن ۱۳/۱۹، المجموع شرح المہذب ۵/۳۷۵، المغنی ۳/۳۲۳)۔

مال مرہون سے مرہن کا فائدہ اٹھانا:

اس سلسلہ میں تین سوالات پیدا ہوتے ہیں: پہلا سوال یہ ہے کہ کیا بائع اس مال مرہون (گروی رکھے ہوئے مال) سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

حنفیہ: اس کے متعلق حنفیہ میں دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں:

۱۔ ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ مرتہن کا مال مرہون سے فائدہ اٹھانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے، خواہ سبب دین بیع ہو یا قرض، اس لئے کہ مرتہن کو دین کی رقم تو پوری ملے گی ہی، پھر مال مرہون سے یہ انتفاع کس چیز کے بدلے میں ہے؟ اس لئے یہ ربا قرض قرار پائے گا، کیونکہ جس قرض سے نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

۲۔ لیکن دوسرا نقطہ نظر جس کو زیادہ تر احناف نے اختیار کیا ہے کہ باقاعدہ بیع کے وقت مال مرہون سے انتفاع کی شرط لگانا تو درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ”کمل قرض جو نفعاً“ میں داخل ہے، لیکن اگر اس طرح کی کوئی شرط بوقت عقد نہیں لگائی گئی تو راہن (خریدار) کی اجازت سے مرتہن (بائع) مال مرہون سے فائدہ اٹھا سکتا ہے (فقہ علی الحدیث ج ۲/۳۳۵)۔
مگر صاحب شرح وقایہ کے بیان کے مطابق امام صاحب کسی صورت میں نفع اٹھانے کے قائل نہیں ہیں: ”لا الانتفاع به باستخدام ولا سکنی ولا لبس“ (شرح وقایہ ج ۲/۷۳)۔
اور مولانا عبدالحی نے حاشیہ میں اسی عدم جواز کے قول کی بڑی پر زور وکالت کی ہے، جبکہ وقایہ کے مصنف نے عاریۃ استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، اور صاحب ”ہدایہ“ کی بھی رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ راہن کی اجازت سے استعمال کر سکتا ہے، جیسا کہ انہوں نے ”یاذن الممالک“ کی قید لگائی ہے۔

مالکیہ: مالکیہ کے نزدیک اصولی طور پر مال مرہون کے تمام تر فوائد و ثمرات راہن (مشتری) کی ملک ہیں، مرتہن یا بائع کے مال مرہون سے انتفاع کے جواز کے لئے مالکیہ کے نزدیک تین شرطیں ہیں۔

۱۔ بوقت عقد ہی یہ بات طے ہوگئی ہو کہ مرتہن مال مرہون سے فائدہ اٹھائے گا۔

۲۔ فائدہ اٹھانے کی مدت معلوم ہو، ورنہ مدت مجہول ہونے کی صورت میں انتفاع

درست نہ ہوگا۔

۳۔ سبب دین بیع ہونہ کہ قرض یعنی ادھانہ و ختگی کی صورت میں قیمت کی وصولیابی یقینی بنانے کے لئے رہن رکھا گیا ہو قرض کی واپسی کو یقینی بنانے کے لئے اگر کوئی رہن رکھا گیا تو اس سے استفادہ جائز نہ ہوگا (فقہ علی الحدیث ج ۲/۲۳۳)۔

معنی میں ایک وضاحت یہ بھی ہے کہ مال مرہون سے انتفاع کی اجازت (مذکورہ تینوں شرائط کے پائے جانے کی صورت میں) اس وقت ہے جبکہ مال مرہون گھر اور زمین جیسی چیز ہو یعنی جس کو استعمال کرنے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو، لیکن اگر مال مرہون جانور یا کپڑا وغیرہ ہے تو اس سے انتفاع مکروہ ہے، اس لئے کہ استعمال سے یہ چیزیں متاثر ہوں گی (المغنی لابن قدامہ ۲/۳۳۲)۔

شافیعیہ:

شافیعیہ کے نزدیک مال مرہون سے انتفاع کی شرط لگانا درست نہیں، اس سے عقدی فاسد ہو جائے گا، اور دوسرے کمزور قول کے مطابق عقد فاسد نہ ہوگا صرف شرط فاسد ہوگی، اور مال مرہون سے انتفاع درست نہ ہوگا، ہاں بلا اشتراط اس کی اجازت ہے اسی طرح اگر قبل عقدی سے مرہون اس مال سے فائدہ اٹھا رہا ہو تو بعد عقد بھی اس سے استفادہ کر سکتا ہے، خواہ عقد بیع کی صورت میں یہ رہن رکھا گیا ہو یا عقد قرض کی صورت میں (المغنی لابن قدامہ ۲/۳۳۳)۔

حنابلہ:

حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر سبب دین قرض ہے تب تو کسی صورت میں مال مرہون سے مرہون کے لئے انتفاع جائز نہیں ہے، لیکن اگر سبب دین بیع یا اجارہ وغیرہ ہے تو رہن کی اجازت سے مرہون فائدہ اٹھا سکتا ہے، رہی عقد کے وقت شرط لگانے کی بات تو اس سلسلہ میں امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ شرط لگانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جبکہ دوسری روایت یہ ہے صرف بیع کی صورت میں شرط لگا سکتے ہیں، بشرطیکہ مال مرہون کی مقدار اور اس سے انتفاع کی مدت معلوم ہو (المغنی لابن قدامہ ۲/۳۳۲)۔

بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے :
دوسرا سوال یہ ہے کہ بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

۱۔ اس سلسلہ میں حنابلہ اور شافعیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رہن اصولی طور پر امانت ہے، اس لئے اگر بائع کی غفلت، یا زیادتی کی بناء پر ضائع ہو گیا تو بائع ضامن ہوگا، اور اس کے دین کو اس میں وضع کیا جائے گا، لیکن اگر اس کے ضائع ہونے میں بائع کی غفلت یا عمل کا دخل نہیں ہے تو اس پر کوئی ضمان نہیں، جو ضائع ہوا مشتری کا مال ضائع ہوا، یہی قول حضرت علی سے بھی منقول ہے، اور امام عطاء، زہری، اوزاعی، شامی، ابو ثور اور ابن المنذر کی رائے بھی یہی ہے۔

۲۔ حضرت شریح، امام نخعی اور امام حسن بصری کا خیال یہ ہے کہ ضمان پورے دین کے عوض مانا جائے گا، نہ بائع مشتری کو کچھ رقم واپس کرے گا اور نہ مشتری بائع کو، خواہ مال مرہون کی قیمت دین سے زیادہ ہو یا کم، اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: 'الرهن بمافیہ اس میں' عام ہے اس لئے رہن پورے دین کے عوض کافی ہوگا، خواہ دین کتنا ہی رہا ہو۔

۳۔ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اگر مال مرہون کسی سبب ظاہری کی بنا پر ضائع ہوا ہے، مثلاً موت کی وجہ سے یا جل کر، تو اس کی نسبت راہن کے ضمان کی طرف ہوگی، یعنی راہن کا مال برباد مانا جائے گا، اگر وہ دعویٰ کرے کہ کسی مخفی سبب سے مال مرہون ضائع ہوا ہے تو اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا، اور مرتہن ضامن نہیں ہوگا، ہاں اگر کوئی سبب ظاہر سامنے نہیں آیا، تو ایسی صورت میں اس کا ضیاع مرتہن کی طرف منسوب ہوگا، اور مرتہن اس کا ضامن ہوگا (المغنی لابن قدامہ ۳/۲۱۰)۔

۴۔ حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مال مرہون مرتہن یا کسی تیسرے معتبر شخص کے قبضہ میں رہتے ہوئے اگر ضائع ہو گیا تو دیکھا جائے گا کہ جس دن مال مرہون پر مرتہن یا تیسرے شخص نے قبضہ کیا تھا اس دن اس کی قیمت کیا تھی؟ اور دین سے اس کا تناسب کیا ہے؟ اگر دونوں برابر ہیں تو

دین ساقط ہو جائے گا، اور کسی کا کسی پر کچھ باقی نہ رہے گا، اور اگر مال مرہون کی قیمت دین سے زیادہ ہو تو دین تو ساقط ہو جائے گا اور فاضل رقم کا مرہون پر ضمان نہیں ہوگا، اس لئے کہ دین سے فاضل حصہ امانت ہے، اور امانت میں ضمان نہیں ہے، لیکن اگر مال مرہون کی قیمت دین سے کم ہے تو بائع اپنے دین کے بقدر وضع کرنے کے بعد بقیہ رقم مشتری سے وصول کرے گا (مانگیری ۴۳۲/۵)۔

حنفیہ کے نزدیک مال مرہون پر مرہون کا قبضہ، قبضہ امانت نہیں بلکہ قبضہ استیفاء حق، یا قبضہ ضمان ہے، مگر صرف دین کے بقدر، دین سے فاضل مالیت امانت متصور ہوگی (ہدایہ ۵۲۰/۳)۔

اگر مال مرہون راہن کی اجازت سے مرہون کے استعمال میں تھا اور اسی استعمال کے ذیل میں وہ ضائع ہو گیا تو مرہون پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، اور نہ راہن کے ذمہ سے دین ساقط ہوگا (فتاویٰ خانہ علی اعلمگیری ۶۰۱، ۶۰۲)۔

مشتری کے مال منول کی صورت میں:

تیسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ خریدار کے وقت مقررہ قیمت ادا نہ کرنے اور مال منول کرنے کی صورت میں بائع مال مرہون کے ذریعہ اپنی واجب الاداء قیمت کس طرح وصول کرے گا؟

اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ مرہون راہن کی اجازت کے بغیر مال مرہون کفر و خست نہیں کر سکتا، اور نہ خود اس میں سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے، البتہ وہ تاقضی کی طرف رجوع کرے گا اور تاقضی راہن کو دین کی ادائیگی پر یا پھر اپنے مال مرہون کی فروختگی پر مجبور کرے گا، خود تاقضی بھی اپنے طور پر راہن کی مرضی کے بغیر مال مرہون کفر و خست کرنا چاہے تو امام صاحب کے نزدیک تاقضی کو یہ اختیار نہیں ہے، ہاں تاقضی اس کو قید کر سکتا ہے، تاکہ وہ خود مجبور ہو کر اپنا مال مرہون کفر و خست کرنے پر تیار ہو جائے۔

صاحبین کے یہاں ایسی صورت میں جبکہ راہن دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو اور مال مرہون فروخت کرنے پر تیار نہ ہو، قاضی کو اجازت ہوگی کہ وہ جبراً مال مرہون فروخت کر کے حقداروں کو حق دلائے۔

یہ اختلاف دراصل حجر کے اختلاف پر مبنی ہے، صاحبین کے یہاں بعض حالات میں آزاد، عاقل اور بالغ آدمی کو مجبور کیا جاسکتا ہے، اور امام صاحب کے نزدیک کسی حال میں نہیں کیا جاسکتا (بدائع ۱/۱۳۸، ماٹگیری ۵/۳۶۷)۔

زیر بحث مسئلہ کے بارے میں قاضی خاں، صاحب اختیار اور دوسرے بہت سے فقہاء نے کہا ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، اس کے علاوہ اختلافی مسائل میں قاضی کا فیصلہ وجہ ترجیح یا رفع اختلاف کا باعث بنتا ہے، اس بنا پر بھی قاضی کے فیصلہ کے بعد مال مرہون کو فروخت کرنے کی اجازت ہوگی۔

” (سنن) فی الرهن هل بیعہ الحاکم إذا امتنع المديون من بیعہ وفاء للمدين أم لا؟“

” (اجاب) مذهب الامام تاييد حبسه إلى أن يبيع الراهن بنفسه، لأنه لا يرى الحجر على الحر المديون، وعندهما للحاكم بيعه جبراً، لأنهما يريان الحجر، وهذه المسئلة فرع ذلك، وصرح قاضي خاں وصاحب الاختيار و كثير بأن الفتوى على قولهما، فإذا حکم به حاکم يراه نفذ وارتفع الخلاف (فتاویٰ خیر علی ہاشم الفتاویٰ تنقیح الخادم یہ ۲/۲۹۵)۔“

لیکن جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں احیاء حق کی خاطر دو عادل آدمیوں کی موجودگی یا علاقہ کی شرعی پنچایت کی نگرانی میں مرتہن کو اپنے طور پر بھی مال مرہون کو فروخت کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

۹- بائع کو سامان روکنے کا اختیار:

فر وخت کردہ سامان کو اگر بائع نے نقد فر وخت کیا ہے تو مشتری سے مکمل قیمت وصول ہونے تک سامان کو روک سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر مشتری نے قیمت کا زیادہ حصہ ادا کر دیا اور صرف تھوڑی سی رقم باقی رہ گئی تو بھی بائع سامان کو قیمت کی وصولی تک روک سکتا ہے۔

”ولو نقد الثمن كله إلا درهما كان له حق حبس المبيع جميعه لاستيفاء الباقي؛ لأن المبيع في استحقاق الحبس بالثمن لا يتجزأ فكان كل المبيع محبوسا بكل جزء من اجزاء الثمن“ (بائع لمنايع ۵/۳۷۰)۔

لیکن اگر بائع نے سامان ادا فر وخت کیا ہے، تو قیمت کی وصولی کے لئے سامان کو روک نہیں سکتا، اس لئے کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ جس بیع استيفاء ثمن کے لئے ہوتا ہے اور یہاں اس نے اپنے حق ثمن کو خود مؤخر کر دیا ہے، اس لئے اس کی وجہ سے مشتری کا حق بیع مؤخر نہیں ہوگا اور بائع کو سامان روکنے کا اختیار نہ ہوگا۔

”فإن كان مؤجلا لا يثبت حق الحبس، لأن ولاية الحبس تثبت حقا للبائع لطلبه المساواة عادة لما بينا، ولما باع بضمن مؤجل فقد اسقط حق نفسه فبطلت الولاية، ولو كان الثمن مؤجلا في العقد، فلم يقبض المشتري المبيع حتى حل الأجل فله أن يقبضه قبل نقد الثمن، وليس للبائع حق الحبس؛ لأنه اسقط حق نفسه بالتأجيل والساقط متلا شئ فلا يحتمل العود“ (بائع لمنايع ۵/۳۶۹)۔

نسطوں پر فر وخت بھی بیع مؤجل کی ایک قسم ہے اس لئے اس صورت میں بھی سامان کو روکنے کا اختیار نہ ہوگا، البتہ نقد قسط کی وصولی کے لئے وہ سامان روک سکتا ہے، اسی طرح اگر اس نے معاملہ کے وقت ہی یہ وضاحت کر دی کہ کسی قسط کی تاخیر کے وقت میں سامان روک سکتا ہوں تو ایسی صورت میں بائع کو سامان روکنے کا اختیار ہوگا، اور شاید اسی مفہوم کو ”فتاویٰ بزازیہ“ کی

اس عبارت میں ادا کیا گیا ہے۔

”وإن بقي من الثمن قليل له حبس كل المبيع وأن بعضه مؤجل له
حبس الكل لاستيفاء الحال“ (بزازیہ بول علی ہاشم الحائلیہ ص ۵۰۵)۔

یعنی یہ بات کہ یہ جس بیع بطور رہن کے ہے یا اپنا حق وصول کرنے کے لئے، تو مذکورہ
بالافتہی عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جس وصولی حق کے لئے ہے، نہ کہ رہن کے طور
پر۔ بدائع میں ایک جگہ صراحت بھی آئی ہے۔

”وكذا المشتري اذا نقد الثمن كله او أبرأه البائع بطل حق الحبس؛
لأن حق الحبس لاستيفاء الثمن واستيفاء الثمن ولا ثمن محال“ (بدائع
لمنابع ۵/۳۷۰)۔

۱۰- ادا شدہ قسطوں کو کالعدم قرار دینا:

قیمت کے لئے طے شدہ اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع سامان کو اپنے قبضہ میں
رکھ لیتا ہے، اور پھر وہ سامان اسی کا ہو جاتا ہے، نیز جو اقساط ادا کی جا چکی ہیں وہ بھی واپس نہیں کی
جاتیں، یہ صورت شرعاً درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ شرط فاسد ہے کہ ایک قسط ادا نہ ہو سکی تو بیع
ختم ہو جائے گی، اور ادا شدہ قسطیں کالعدم قرار پائیں گی، بائع کی طرف سے یہ ظلم و زیادتی ہوگی،
اس لئے اس کی اجازت شرعی نہیں دی جاسکتی، حضرت تھانویؒ کے پاس بھی اسی قسم کی ایک صورت
آئی تھی، حضرت تھانوی نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ:

اگر بیع ہے تو یہ شرط فاسد ہے کہ ادنیٰ جزء قیمت رہ جانے پر واپس کر لیں گے۔ اور ادا
شدہ رقم کو کالعدم سمجھا جائے گا (امداد الفتاویٰ ص ۱۲۲)۔

۱۱- مال مرہون سے راہن کا فائدہ اٹھانا:

یہ سوال پوری طرح واضح نہیں ہے اگر مطلب یہ ہے کہ مشتری سامان خریدنے کے
بعد وہی سامان بائع کے پاس قیمت کے بدلے رہن رکھ دے، لیکن بائع وہ خرید کردہ سامان اپنے

پاس رکھنے کے بجائے خریداری کے حوالہ کر دے اور اس کو مال مرہون استعمال کرنے کی بھی اجازت دے دے، البتہ بنیادی تصرفات مثلاً خرید و فروخت کا حق اپنے پاس محفوظ رکھے، تو شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے بیع و شراء کے بعد خرید و بیع کا مالک ہو جاتا ہے اور قبضہ کے بعد اس کی ملکیت میں معین طور پر داخل ہو جاتا ہے، اس لئے وہ اس سامان کو بائع کے پاس بطور رہن رکھ سکتا ہے، اس پہلو کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔

مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بائع جو مرتہن ہے مال مرہون اپنے پاس رکھنے کے بجائے خود راہن (مشرقی) کے پاس اس کے استعمال میں رکھ دیتا ہے، اور صرف بنیادی حقوق، مثلاً خرید و فروخت کا اختیار اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے تو فقہاء نے اس کی بھی اجازت دی ہے، اور کہا ہے کہ اس سے رہن باطل نہیں ہوتا، اور مرتہن جب چاہے مال مرہون کو واپس لے سکتا ہے، البتہ اس دوران جب تک مال مرہون مشتری کے قبضہ میں ہے اگر مال مرہون ضائع ہو گیا تو اس کا ذمہ دار بائع نہیں بلکہ خود مشتری ہوگا، فتاویٰ قاضی خاں میں یہ جزئیہ موجود ہے۔

”فإن اذن المرتہن للراهن أن يزرع الأرض المرهونة فزرع، أو سكن المار المرهونة بإذن المرتہن لا يبطل الرهن وله أن يسترد الرهن، فيعود رهنًا ومادام في يد الراهن لا يكون في ضمان المرتہن“ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہاشمی الہندیہ ۶۵۲۳)۔

کنالت پر معاوضہ کا مسئلہ:

آج کل بہت سے ادارے اور اشخاص کنالت و ضمان کا کاروبار کرتے ہیں جو خریداریا فروخت کنندہ کی طرف سے گارنٹی لیتے ہیں، اور اس پر باقاعدہ مقررہ حساب سے وہ اجرت بھی لیتے ہیں اجارہ کے بنیادی قواعد کے لحاظ سے اس کی گنجائش معلوم پڑتی ہے، اس لئے کہ اجارہ کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اجارہ ایسی منفعت پر ہو جس کے اجارے کا لوگوں میں رواج ہو، اور لوگ مستقلاً اجرت پر وہ کام کراتے ہوں، اور تعامل ماس کی بنا پر وہ لوگوں

کے لئے ایک طرح کی حاجت بن گیا ہو، تو ایسی صورت میں اجارہ کرنا درست ہوگا۔
 بدائع میں ہے: "ومنها أن تكون المنفعة مقصودة يعتاد استيفاءها بعقد
 الإجارة، ويجرى بها التعامل بين الناس، لأنه عقد شرع بخلاف القياس لحاجة
 الناس، ولا حاجة فيما لا تعامل فيه للناس، فلا يجوز استيجار الأشجار
 لتجفيف الثياب عليها والاستغلال بها؛ لأن هذه منفعة غير مقصودة من
 الشجر" (بدائع المنافع ۳/ ۱۹۲، کتاب الاجارہ)۔

اس جزئیہ میں ایک مثال یہ دی گئی ہے کہ درختوں کو کپڑے سکھانے کے لئے اجرت پر
 لینے کا رواج نہیں ہے اور درخت کا مقصد یہ نہیں ہے، اس لئے یہ اجارہ درست نہیں، لیکن فرض کیا
 جائے کہ کسی علاقہ میں کپڑے سکھانے کی کوئی جگہ سوائے درختوں کے نہ ہو اور درخت بھی ایسے
 ہوں جو کسی پھل پھول وغیرہ کے کام کے نہ ہوں اور کپڑے سکھانے ہی کے مصرف میں وہ
 استعمال ہوتے ہوں تو ایسی جگہوں پر ان کے اجارہ کی اجازت نہ دینا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔
 اسی طرح کسی زمانے میں کفالت و ضمانت لوگ اخلاقی فرض سمجھ کر کرتے تھے، لیکن
 آج یہ مستقل کاروبار بن گیا ہے، اور کچھ باحیثیت لوگ یا ادارے اپنی ساکھ کی بدولت دوسروں کو
 ضمانتیں دیتے ہیں اور ان کے ادارے کا مقصد ہی یہی ہے اور اس کا رواج بھی بہت ہو گیا ہے،
 اس لئے اس صورت میں اجارہ کی اجازت نہ دینا مناسب نہ ہوگا۔

خصوصاً اس وقت، جبکہ ضمانت پانے والے لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے اور اس
 ادارے یا شخص کو بسا اوقات نقصان پہنچنے کا خطرہ رہتا ہے، اس لئے کہ بالفرض وہ شخص جس کی
 طرف سے اس ادارے یا شخص نے ضمانت لی ہے وہ فرار ہو جائے اور اپنا دین ادا نہ کرے تو وہ
 نقصان ضمانتی ادارہ یا شخص ہی کو پورا کرنا ہوگا، ایسی صورت میں ادارہ یا شخص کو اپنے ضمانتی عمل کا
 معاوضہ لینے کا اختیار ہونا چاہئے۔

فقہاء نے کفالت بالدرک کی بحث کرتے ہوئے ایک اصولی بات لکھی ہے۔ بدائع

میں ہے:

”ولأن الكفالة والرهن شرعا للتوثق والتوثق ملائم للأجر“ (بواعع لمنايع

کتاب الاجارہ ۳/۶۰۲)۔

یعنی شریعت میں کفالت ورہن کا قانون اعتماد پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اور اعتماد ایسی چیز ہے جس پر اجرت لی جاسکتی ہے، اس اصول کی روشنی میں بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کفالت و ضمانت کے عوض اجرت لینے کی اجازت ہونی چاہئے وہ بھی جب کہ اس کا رواج بھی عام ہو گیا ہو۔

۱۳- کاغذات ثمن کی خرید و فروخت:

ادھار فر و ختگی میں ایک صورت یہ اختیار کی جاتی ہے کہ معاملہ کے مکمل کاغذات تیار کرائے جاتے ہیں، اور وقت مقررہ پر رقم نہ ادا کرنے کی صورت میں یا وقت سے پہلے رقم کو حاصل کرنے کے لئے اس دستاویز کی خرید و فروخت کی جاتی ہے جس میں عموماً اس دستاویز کے اندر تحریر کردہ قیمت و مالیت سے کم پر معاملہ ہوتا ہے، شرعاً یہ معاملہ درست نہیں، اس لئے کہ دستاویز کی فروختگی دراصل مشتری سے اپنے وصولی ثمن کے حق کو فروخت کرنا ہے، اور یہ دستاویز اس مالیت کی نمائندگی کرتی ہے جو اس میں مذکور ہے، اور جس کا تعلق ثمن سے ہے، اس لئے اس دستاویز کی فروخت دراصل اس مالیت کی فروخت ہے جو بیع کے ثمن کے طور پر طے ہے، اس لئے یہ معاملہ بیع صرف کے دائرے میں آتا ہے، اور بیع صرف میں کمی و بیشی کے ساتھ معاملہ درست نہیں، البتہ اس کو اگر تو کیل مع الاجارہ فرار دیا جائے تو اس کا جواز نکل سکتا ہے، مگر اس صورت میں قیمت کی وصولی نہ ہونے کے وقت دستاویز کی واپسی کو یقینی بنانا ہوگا۔

۱۴- قیمت میں کمی کی شرط پر مدت مقررہ میں تخفیف:

ادھار خرید و فروخت کے معاملہ میں اگر بائع طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے پہلے اس شرط پر مانگے کہ اس کا ایک حصہ ہم تم کو معاف کر دیں گے تو یہ صورت اختلافی ہے، خود صحابہ کے

درمیان اس صورت مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہوا ہے، حضرت عبداللہ ابن عمر اس کو جائز نہیں کہتے تھے، اس لئے کہ یہاں وقت کا مقابلہ قیمت سے ہو رہا ہے کہ وقت کم کیا گیا، تو قیمت بھی کم ہوگئی، یہ رہا ہے جس طرح کہ مقررہ وقت کے بڑھانے پر قیمت کی زیادتی کا مطالبہ سود ہے۔ دوسری طرف حضرت زید بن ثابت اس کو جائز سمجھتے تھے، اس لئے کہ اب جو کچھ معاملہ ہو رہا ہے بعد از عقد ہو رہا ہے، رہا اس وقت ہوتا جبکہ عین وقت عقد میں اس طرح کا معاملہ کیا جاتا، مگر حنفیہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے قول کو اختیار کیا ہے اور اندیشہ سود کی بنا پر احتیاط بھی اسی میں ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ معاملہ تو بعد از عقد کا ہے تو حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قیمتوں میں کمی بیشی خواہ بعد از عقد ہو لیکن وہ وقت عقد کے حکم میں ہوتا ہے، اس میں حضرت امام زفر کے علاوہ ائمہ احناف میں کسی کا اختلاف نہیں ہے (البحر الرائق ۱۱۹/۶)۔

امام سرخسی نے اس مسئلہ کو اپنی شاہکار کتاب ’المبسوط‘ میں جگہ دی ہے۔

”قال: وإذا كان لرجل على رجل دين أجل وهو من ثمن مبيع فحط عنه شيئا على ان يعجل له ما بقى فلا خير فيه، ولكن يرد ما أخذ، والمال كله إلى أجله، وهو مذهب عبد الله ابن عمر، وكان زيد بن ثابت يجوز ذلك، ولسنا نأخذ بقوله، لأن هذا مقابلة الأجل بالدرهم، ومقابلة الأجل بالدرهم ربا، الأتري أن في الدين الحال لو زاده في المال ليؤجله لم يجز، فكذلك في المؤجل إذا حط عنه البعض ليعجل له ما بقى“ (كتاب المبسوط باب الحبوب في البيوع ۱۲۶/۱۳)۔

۱۵- قیمت میں کمی کی شرط پر مدت غیر مقررہ میں تخفیف:

اوصار معاملہ کے درست ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی کے لئے وقت مقرر و معلوم ہو ورنہ صرف اس طرح معاملہ کرنا کہ قیمت بعد میں دے دیں گے درست نہیں، رہا یہ کہ کوئی عقد کے بعد قیمت کم کر کے نقد لین دین کرنا چاہے تو اس سلسلے میں

ضابطہ یہ ہے کہ ادائیگی قیمت کے لئے جو وقت مقرر کیا گیا ہو اگر اس کی جہالت زیادہ شدید نہ ہو اور اس کا کوئی تقریبی تخمینہ لگایا جاسکتا ہو، مثلاً گیہوں کٹنے پر قیمت ادا کریں گے فقہاء کی اصطلاح میں یہ جہالت متقار بہ کہلاتی ہے، اس صورت میں مدت تقریبی یا بیع کے فتح ہونے سے قبل اگر عاقدین مدت مجہول ختم کر کے نئی مدت متعین کر لیں تو سابقہ عقد درست ہو جائے گا (حضرت امام زفر کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک جو عقد فاسد ہو گیا وہ درست نہیں ہو سکتا)، لیکن اگر ادائیگی قیمت کی مدت کافی زیادہ مجہول ہو، جیسے کہ مشتری کہے کہ بعد میں دیں گے جس کو فقہاء جہالت متفاوتہ سے تعبیر کرتے ہیں اس صورت میں مجلس عقدی کے اندر اگر اس کی اصلاح کر لی جائے اور نئے طور پر کوئی مدت مقرر کر دی جائے تب تو یہ عقد درست ہو جائے گا، ورنہ مجلس عقد کے ختم ہونے کے بعد اس کی اصلاح کی کوئی شکل نہیں ہے، اور بعد میں کسی مدت کی تعیین سے یہ عقد درست نہ ہوگا، اس پر تمام ائمہ احناف کا اتفاق ہے (مختار الملحق علی ہاشم البحر المرقوم ۸۹/۶)۔

اس اصول کی روشنی میں سوانامہ میں مذکورہ صورت ”کہ قیمت بعد میں دے دیں گے“ یہ جہالت متفاوتہ کی صورت ہے اس بنا پر یہ عقدی فاسد ہے اور بعد میں قیمت کو کم و بیش کر کے اس کو درست کرنے کی کوشش کرنا لا حاصل ہے، رہا یہ کہ اگر زیر بحث صورت جہالت متقار بہ کے ذیل میں پیش آئے تو کیا یہ جائز ہوگا؟ اصولی طور پر یہ صورت بھی ربا کی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جہالت متقار بہ میں مدت کا ایک کو نہ تعیین ہوتا ہے کو قطعی تعیین نہ ہو، پھر اس مدت میں تخفیف اس لئے کی جائے کہ قیمت میں بھی تخفیف ہوگی، یہ وقت کے مقابلہ میں قیمت کم کرنا ہوگا، اس لئے یہ درست نہیں ہوگا۔

۱۶- قسط کی تاخیر کی بنا پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا:

طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا اور فوری طور پر ماہی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ جب بائع عقد کے وقت ہی مطالبہ قیمت کا اپنا حق ساقط کر چکا ہے، تو مدت مقررہ سے پہلے پوری قیمت کے مطالبہ کا اس

کو کوئی حق نہیں رہا، الا یہ کہ بوقت عقد ہی اس کی صراحت کر دی گئی ہو کہ کسی قسط کی تاخیر پر مہلت ساقط مانی جائے گی اور پوری قیمت ایک ساتھ ادا کرنی ہوگی تو اس کا روائی کی حسب معاملہ گنجائش ہے بشرطیکہ اس سے قیمت میں کوئی کمی بیشی پیدا نہ ہوتی ہو، ورنہ درست نہ ہوگا۔

”ولو كان الثمن مؤجلاً في العقد فلم يقبض المشتري المبيع حتى حل الأجل فله أن يقبضها قبل نقد الثمن، وليس للبائع حق الحبس؛ لأنه اسقط حق نفسه بالتأجيل، والساقط متلاشى فلا يحتمل العود“ (بدائع الصنائع ۲۳۹/۵)۔

۱۷- وقت مقررہ سے قبل عاقدین میں سے کسی کا انتقال:

قسطوں پر خرید و فروخت کی صورت میں اگر وقت مقررہ سے پہلے بائع کا انتقال ہو گیا تو معاملہ اب بھی اسی تفصیل کے ساتھ باقی رہے گا، جو طے شدہ تھا صرف یہ ہوگا کہ اب بائع کی جگہ اس کے ورثاء اس معاملہ کی ذمہ داری سنبھالیں گے، لیکن اگر وقت مقررہ سے پہلے بائع کے بجائے مشتری کا انتقال ہو گیا تو معاملہ کی سابق تفصیل باقی نہیں رہے گی، بلکہ مشتری کے ورثاء پر لازم ہوگا کہ مشتری کے ترکہ سے فوراً بیع کی قیمت ادا کریں، اس لئے کہ مہلت دینے کی اب کوئی وجہ باقی نہیں رہی، مہلت مشتری کو اس لئے دی گئی تھی تاکہ وہ اپنی کمائی سے سہولت قیمت ادا کرے، لیکن اس کے مرنے کے بعد اب طے ہے کہ یہ قیمت اس کے ترکہ سے ادا کی جائے گی، اس لئے مہلت دینے کی ضرورت نہیں، کتب فقہ میں یہ صورت مذکور ہوئی ہے۔

”وبموت البائع لا يحل الثمن المؤجل، وبموت المشتري يحل، ولو اجله الوارث لا يصح، لأن الثمن في الذمة، وكان فائدة التأجيل أن يتجر، ويؤدى الثمن من نماء المال، وبالموت تعين الأداء من التركة، فالفائدة في التأجيل“ (فتاویٰ ہذا از یہ جلد اول علی ہاشم الحائلی ص ۵۱۳)۔

فتاویٰ تفتیح الخامد یہ میں تو مسئلہ کی تصویر اور بھی وضاحت کے ساتھ آئی ہے۔

”(سنن) فی رجل باع من زید بضائع معلومة بثمن معلوم أجل بعضه

المعلوم على المشتري إلى أجل معلوم وقسط باقيه أقساطا معلومة، ثم مات
البائع في أثناء مدة التاجيل والتقسيم، فهل يبقى كذلك ولا يحل الثمن
بموته، فالحالة هذه.

(الجواب) بموت البائع لا يحل الثمن المؤجل، وبموت المشتري

يحل“ (فتاویٰ تفتیح الخادمیہ ۱/۲۵۶)۔

۱۸ مقرر اندازی کے ذریعہ خریداروں میں تقسیم انعام:

آج کل یہ بات بھی رواج میں آچکی ہے کہ ایسے دکاندار جو کہ بالاقساط خرید فرخت
کا کاروبار کرتے ہیں ہر قسط کی ادائیگی کے وقت یا ماہ یا ماہ یا چھ ماہ یا سال پر انعام دینے کا نظام
بناتے ہیں، اس کے لئے وہ پہلے سے اعلان کرتے ہیں، اور مقرر اندازی کے ذریعہ کسی ایک
خریدار یا چند خریداروں کو انعام دیتے ہیں، اس نظام کا مقصد محض تجارت کفر و غ دینا ہے، یہ صریح
قمار کے دائرہ میں تو نہیں آتا، اس لئے کہ قیمت کے بدلہ میں مشتری کو مقررہ سامان یقینی طور پر مل
جاتا ہے، خواہ انعام ملے یا نہ ملے، اس میں کوئی دھوکہ نہیں کہ قمار لازم آئے، انعام ایک زائد چیز
ہے جس پر عقد کا مدار نہیں، انعام ملے تب بھی عقد قائم رہتا ہے اور نہ ملے تب بھی، البتہ اس
میں مداریت پر رہ جاتا ہے، یعنی جو شخص انعام ہی کی غرض سے سامان خریدے تو وہ گویا ایک طرح
سے قمار کا ارتکاب کر رہا ہے، لیکن جس کا مقصد محض سامان کی خرید ہوا انعام اس کا آخری مقصود نہ
ہو اتفاقاً انعام بھی مل گیا تو قوائد کی رو سے یہ قمار نہیں کہلائے گا، حضرت مفتی شفیع صاحب کی
”کتاب جوہر الفقہ“ میں مذکور ایک مسئلہ سے اس مسئلہ پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

سوال۔ چند سال سے کراچی لاہور وغیرہ میں دیکھنے میں آیا ہے کہ مختلف قسم کی نمائش
کے اندر داخلہ کا ٹکٹ ہوتا ہے اور نمائش کے منتظمین یہ اعلان کرتے ہیں کہ جو شخص مثلاً دس روپے
کا ٹکٹ ایک مشرت خرید لے گا وہ اپنے ٹکٹ کے ذریعہ عام لوگوں کی طرح نمائش میں بھی داخل
ہوسکے گا، اور ان ٹکٹوں پر بذریعہ مقررہ اندازی کچھ انعام مقرر ہوتے ہیں جس کا نمبر نکل آوے اس

کو وہ انعام بھی ملے گا۔

جواب: یہ صورت صریح قرار سے تو نکل جاتی ہے کہ ٹکٹ خریدنے والے کو اس ٹکٹ کا معاوضہ بصورت داخلہ نمائش مل جاتا ہے، لیکن اب مدارنیت پر رہ جاتا ہے جو شخص موہوم انعام کی غرض سے یہ ٹکٹ خریدتا ہے وہ ایک کونہ قرار کا ارتکاب کرتا ہے، اور جس کے پیش نظر صرف نمائش میں جانا اور انتہائے انعام کی ہوس پیش نظر نہیں، اتفاقاً انعام بھی مل گیا وہ قواعد کی رو سے قرار کے حکم سے نکل گیا (جوہر الفقہ ۳۲۵/۲)۔

۱۹ مقررہ اندازی کے ذریعہ تخفیف اقساط:

اسی طرح یہ بھی رواج پارہا ہے کہ تمام خریداروں سے ایک معین مدت پر ایک سامان دینے کے لئے بالاقساط قیمت جمع کرائی جائے اور ہر قسط کا ایک وقت مقرر ہو جس کے ادا کرنے کے بعد مقررہ اندازی کی جائے اور جس خریدار کا نام نکل آئے اس کو وہ سامان نقد دے دیا جائے اور پھر مزید اس سے کسی قسط کا مطالبہ نہ کیا جائے، بلکہ اس کی ادا کردہ قسط ہی کو کافی سمجھا جائے، خواہ اس نے ایک ہی قسط جمع کی ہو اور بقیہ لوگ اپنی قسطیں جمع کرتے رہیں، اور اسی طرح ہر مرتبہ کی مقررہ اندازی سے ایک آدمی جس کا نام مقررہ اندازی میں نکلا ہے مال حاصل کر کے معاملہ سے الگ اور باہر ہوتا جائے۔

یہ معاملہ شرعی طور پر معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ بائع اس کا پابند ہو کہ جو شخص مال حاصل کرنے سے قبل انتقال کر جائے اس کی ساری ادا کردہ قسطیں واپس کر دی جائیں گی، اس لئے کہ اس پورے معاملہ کا حاصل صرف یہ ہے کہ ایک شخص اپنے سامان کو مختلف لوگوں کے ہاتھ مختلف قیمتوں میں فروخت کرنا چاہتا ہے جس کا اصولاً اسے اختیار ہے، لیکن اپنے خریداروں میں کس کو وہ کس قیمت پر دے، اس کا انتخاب وہ مقررہ اندازی کے ذریعہ کرتا ہے، اور جس کے نام کا مقررہ نکل آتا ہے اسی کو اتنی ہی قیمت کے عوض جتنا اب تک وہ جمع کر چکا ہوتا ہے بائع سامان حوالہ کر دیتا ہے، اس طرح مختلف خریداروں کو ان کی مرضی کے مطابق مختلف قیمتوں پر وہ سامان دیتا ہے، لیکن

یہ سب اسی وقت ہے جبکہ بائع وقت سے قبل مر جانے والے خریدار کی جمع کردہ رقم واپس کر دینے کا پابند ہو، ورنہ یہ قمار بن جائے گا جو ناجائز ہے۔

نظام الفتاویٰ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے اسی طرح کے ایک مسئلہ میں جو ازکانتوی دیا ہے۔

سول: ایک شخص اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے یہ صورت اختیار کرتا ہے کہ ایک گھڑی کی قیمت سو روپے ہے اور بازار میں بھی اسی قیمت پر ملتی ہے، اس کے واسطے پچاس ممبر بنائے گئے، ہر روپے کی یہ ایک سو مہینے چرائی جائے گی، پہلے مہینہ جس شخص کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا اس کو ہر روپے میں گھڑی دے کر اس کا نام ممبری سے خارج کر دیا جائے گا، اسی طرح سے نو ماہ تک جس کا نام آتا جائے گا اس کو گھڑی دے کر ممبری سے خارج کر دیا جائے گا، اور ان سے روپے نہیں لئے جائیں گے، سو مہینہ اکتالیس اشخاص جو بچے ان کو ایک ایک گھڑی دے کر ایک سو ختم کر دی جائے گی، اس صورت میں کسی کو ہر روپے میں، کسی کو بیس روپے میں، کسی کو چالیس روپے میں یہاں تک کہ کسی کو سو روپے میں گھڑی ملے گی، لیکن قرعہ اندازی ضرور ہوگی۔

الجواب: اس طریق کار کا حاصل یہ ہے کہ یہ گھڑی بازار میں سو روپے میں ملتی ہے اور اس دکاندار نے کسی گاہک سے سو روپے سے زائد نہیں لیا، بلکہ اپنی طرف سے پچاس گھڑیوں کا دام جو پچاس سو ہوتا تھا پچاس روپے کے پینتالیس سو روپے لئے تو کو پچاس گاہکوں میں سے بعض کو چھوٹ دی یہاں تک کہ چار سو پچاس روپے تک کی چھوٹ دے دی اور کسی گاہک سے سو روپے سے زائد (جو اصلی قیمت تھی) نہیں لیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ گاہک کچھ قسطیں دے کر مر جائے اور گھڑی ملنے سے پہلے مر جائے تو اس کو اس کی دی ہوئی قسط واپس ہوتی ہے کہ نہیں، اگر دی ہوئی قسط واپس کر دی جاتی ہو تو یہ محض چھوٹ ہوئی اور ”جوا“ نہیں ہوا، اور معاملہ بالکل جائز رہا اور محض تجارت کو فروغ دینے کا طریقہ ہو گیا اور اگر دی ہوئی قسط (رقم) واپس نہیں دی جاتی ہو تو جوا ہو گیا اور یہ معاملہ ناجائز ہو گیا (نظام الفتاویٰ ۱۵۱)۔

بیع بالتقسیط کا شرعی حکم

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

اسلام نے بیع و شراء میں ان تمام صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے جن میں فریقین کے مابین اختلاف و نزاع پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو یا ان میں ربا پایا جاتا ہو، اسی طرح جس بیع میں بیع یا ثمن مجہول ہو وہ بیع فاسد ہے (ہندیہ ۳/۳)۔

اسی وجہ سے ادھار بیع جس میں اجل معلوم نہ ہو فاسد ہے، اس لئے کہ بائع مستقبل قریب میں ثمن کا مطالبہ کرے گا اور مشتری اس کو دیر سے دینا چاہے گا۔ اسی طرح اگر شہر میں ایسے نقد و رائج ہیں جن کی مالیت مختلف ہے، اور تمام سکوں کا رواج برابر ہے تو اگر کسی خاص سکہ کو بطور ثمن متعین نہیں کیا گیا تو بیع فاسد ہوگی، اس لئے کہ یہ جہالت فی الثمن مفصی الی المنازعة ہے، مثلاً ہندوستان و نیپال کے سکے مالیت میں مختلف ہیں، اور دونوں ملکوں میں بارڈر سے متصل علاقوں میں دونوں سکے رائج ہیں، اگر کسی جگہ دونوں سکوں کا برابر رواج ہو تو تعین ضروری ہوگی، ورنہ بیع فاسد ہو جائے گی۔

۱۔ بیع کی مختلف صورتوں میں ایک صورت وہ بھی ہے جس میں بائع نہ تو بیع کی اصل لاگت بتاتا ہے، نہ نفع کی مقدار بتاتا ہے، بلکہ خریدار سے مطلق ثمن طے کرتا ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں بیع مساومہ کہتے ہیں (ایضاً ۳/۳)۔

اس میں قیمت کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی ہے، بائع مختار ہے کہ جو مال بازار میں ایک

سوروپے میں بک رہا ہو اس کو وہ دوسوروپے میں فروخت کرے، اور جس طرح اس کو نقد بیچنے کا اختیار ہے، اسی طرح وہ ادھار بھی بیچ سکتا ہے، خود رسول اللہ ﷺ سے ادھار خریدنا ثابت ہے (ہدایہ ۲۱/۳، درمختار ۵۲/۷)۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی قسطوں میں بھی صحیح ہے، البتہ ہر قسط کی ادائیگی کا وقت فریقین کے مابین متعین ہو، اس لئے کہ ادھار بیچ کی مطلق اجازت دی گئی ہے، اجل کی تعیین کو ضروری قرار دیا گیا ہے، مختلف قسطوں میں ادائیگی کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا ہے، مختلف قسطوں میں ادائیگی بھی ادھار میں داخل ہے (مجلد مجمع الفقہ الاسلامی، العدد السادس، الجزء الاول ۲۷۹)۔

۳- اگر اس طرح بیچ کی گئی کہ نقد قیمت ایک سوروپہ اور ادھار ڈیڑھ سوروپے ہے اور کسی ایک صورت کو متعین نہیں کیا گیا تو یہ بیچ ناجائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں ثمن میں تردد ہے جس کی وجہ سے ثمن مجہول ہو گیا اور اوپر بحث گذری کہ بیچ کے صحیح ہونے کے لئے ثمن کی تعیین ضروری ہے، البتہ دونوں نے مجلس عقد میں کسی ایک صورت پر اتفاق کر لیا تو پھر بیچ صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ ثمن کی جہالت جو مفسد بیچ تھی باقی نہیں رہی (سہوۃ للسرہنی ۸/۱۳)۔

حضرت امام ترمذی ابو ہریرہؓ کی روایت ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیعتین فی بیعة“ کے تحت فرماتے ہیں:

”وقد فسر بعض اهل العلم قالوا: بیعتین فی بیعة أن یقول: أبيعک هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسیئة بعشرين ویفارقہ علی أحد البیعین، فإذا فارقہ علی احدھما فلا بأس إذا كانت العقدة علی واحد منھما“ (کتاب البیوع تحت الاحوذی ۳۵۷/۳)۔

۴- ادھار فروختگی کی صورت میں نقد فروختگی کے مقابلہ میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا میں داخل نہیں ہے، اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا اور اجل کی قیمت لینا دونوں الگ ہیں، اجل کا معاوضہ لینا ربا ہے جو جائز نہیں، البتہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ جائز ہے،

قیمت میں اضافہ کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، ان میں سے ایک اجل بھی ہے، جس طرح کسی شخص کو یہ حق ہے کہ اگر کوئی مال بازار میں ایک سو روپے میں فروخت ہو رہا ہے تو اس کو وہ ڈیڑھ سو روپے میں فروخت کرے، اس لئے کہ بیچ مساومہ میں فریقین جس قیمت پر متفق ہو جائیں وہ صحیح ہے، کوئی شخص اپنا مال جس کی قیمت بازار میں ایک سو روپے ہے وہ اس کو ڈیڑھ سو روپے میں نقد فروخت کر سکتا ہے، اور جب نقد ڈیڑھ سو روپے میں فروخت کر سکتا ہے تو ڈیڑھ سو روپے میں ادھار بھی بیچ سکتا ہے، اس لئے کہ ادھار بیچ بھی جائز ہے، کوئی وجہ نہیں ہے کہ کہا جائے کہ ڈیڑھ سو روپے میں نقد تو بیچ سکتا ہے، مگر ادھار نہیں، اس لئے اضافی رقم کو اجل کی قیمت قرار دے کر اس کو سود کہنا اور ناجائز قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

”وقالت الشافعية والحنفية وزيد بن علي والمؤيد بالله والجمهور:

إنه يجوز لعموم الأدلة القاضية بجوازہ“ (تختة الاحوذی ۳۵۹/۳)۔

۵۔ اس سوال کا جواب سوال ۲ کے جواب سے واضح ہے، یعنی یہ صورت جائز ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ متعاقبین کسی ایک صورت پر متفق ہو جائیں، ورنہ ٹمن میں تردد ہوگا جس سے ٹمن میں جہالت پیدا ہوگی، اور اس کی وجہ سے بیچ فاسد ہو جائے گی۔

۶، ۷۔ وقت مقررہ پر متعین قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں قیمت میں اضافہ کرنا یہ اجل کی قیمت ہے، اور یہ سود ہے، اور حرام ہے۔

”الربا هو الزيادة على رأس المال بتأخير الآجال“ (كشف الغطاء عن وجه معنی

الربا، بحوالہ الربا، ۳۰)۔

۸۔ الف۔ مرثنہن کا مال مرہون سے نفع اٹھانا فقہاء کے مابین مختلف فیہ ہے، بعض حضرات نے راہن کی اجازت سے انتفاع کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

”ولیس للمرتهن ان ینتفع بالرهن لا باستخدام ولا سکنی، ولا لبس

إلا أن يأذن له المالك، لأن له حق الحبس دون الانتفاع“ (ہدایہ ۵۲۳/۳)۔

لیکن آج کل سود کے لئے ہی رہن رکھا جاتا ہے، اس لئے راہن کی اجازت سے بھی مال مرہون سے مرہن کا انتفاع جائز نہیں ہوگا، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے پوری تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کا جائزہ لیا ہے (دیکھئے مجلہ بحث و نظر شمارہ ۲)۔

ب۔ بائع (مرہن) کے قبضہ میں رہتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے تو چونکہ مرہن کا قبضہ قبضہ ضمان ہے، یعنی مرہن ضامن ہے، اس لئے اگر مال مرہون کی قیمت دین کے برابر ہے تو مدیون دین سے بری الذمہ ہو جائے گا، اور اگر شئی مرہون کی قیمت دین سے کم ہے تو بقدر قیمت دین ساقط ہو جائے گا، باقی مرہن راہن سے وصول کرے گا، اور اگر مال مرہون کی قیمت دین سے زائد ہے تو دین ساقط ہو جائے گا، اور باقی مرہن کے پاس امانت ہے، اس میں ودیعت کے قانون کے مطابق عمل ہوگا، یعنی اگر مرہن کی تعدی کی وجہ سے ضائع ہوا ہے تو مرہن دین سے زائد قیمت کا تاوان دے گا ورنہ نہیں (ہدایہ ۵۱۹، ۵۲۰)۔

ج۔ خریدار اگر وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرے، بلکہ مال منول کرے تو وصولی کو آسان بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ معاملہ کرتے وقت ہی یہ طے کر لیا جائے کہ راہن کی طرف سے مرہن شئی مرہون کی فروختگی کا وکیل ہوگا، اور یہ وکالت چونکہ لازم ہوگی اس لئے راہن معزول بھی نہیں کر سکے گا، اور وقت مقررہ پر مرہن با سانی شئی مرہون کو فروخت کر کے اپنا دین وصول پائے گا، اور اگر قیمت زائد ہوگی تو زائد رقم خریدار کو لوٹا دے گا (ایضاً ۵۳۸، ۵۳۹، درجی علی ہاشم رد المحتار ۳۲۳، فتاویٰ قاضی خاں علی ہاشم فتاویٰ ہند یہ ۶۰۶، ۶۰۷)۔

۹۔ بیع بالتسلیط میں ثمن کی وصولی کے لئے بیع کو روک لیا جس کو ”حبس المبیع لاستيفاء الثمن“ کہتے ہیں جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع بالتسلیط بیع مؤجل ہے، بائع کو جس بیع کا حق نقد بیع میں ہوتا ہے ادھار میں نہیں (سہوہ للمرہنی ۱۳/۱۹۲)۔

بیع کو بطور رہن بائع اپنے پاس روکے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ مشتری بیع پر قبضہ نہ کرے، بلکہ قبضہ سے پہلے ہی بطور رہن بائع کے پاس

چھوڑ دے، یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ جس بیع استیفاء ثمن کے لئے ہے، جو بیع مؤجل میں جائز نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری اس بیع کو اپنے قبضہ میں لے لے، پھر اس بیع کو بائع کے پاس بطور رہن رکھ دے، یہ صورت جائز ہے، اس لئے کہ مشتری اپنا کوئی بھی مال بطور رہن بائع کے پاس رکھ سکتا ہے جس طرح کوئی دوسرا مال رہن رکھا جاسکتا ہے، بیع کو بھی رکھا جاسکتا ہے، اس لئے کہ قبضہ کے بعد بیع کی وہی حیثیت ہوگی جو اس کے دوسرے اموال کی ہے (ہدایہ ۴/۵۳۳)۔

اس سے واضح ہوا کہ اگر قبضہ کے بعد مشتری بیع کو بطور رہن بائع کے پاس رکھ دے تو جائز ہے (درمختار علی رد المحتار ۵/۳۲۰)۔

قبضہ سے قبل بیع رہن نہیں ہوگا، بلکہ محبوس بائع ہوگا (رد المحتار ۵/۳۲۰)۔

۱۰- اوپر کی بحث سے معلوم ہوا کہ بائع بیع بالتقصیط میں بیع کو ثمن کی وصولی کے لئے نہیں روک سکتا ہے، اور اگر مشتری نے قبضہ پانے کے بعد اس کے پاس رہن رکھا ہے تو اب پھر بائع کبھی اس کا مالک نہیں بن سکتا، البتہ اگر مشتری مقررہ اوقات میں ثمن ادا نہ کرے تو بائع جو اب ۸ (ج) کے مطابق اپنا دین وصول کرے گا۔

۱۱- جس طرح مشتری کے لئے جائز ہے کہ بیع پر قبضہ کے بعد اس کو بائع کے پاس رہن رکھ دے، اسی طرح بائع کے لئے جائز ہے کہ شئی مرہون پر قبضہ کے بعد راہن کو بطور عاریت دے دے، جب تک شئی مرہون راہن کے پاس رہے گی، مرہون اس کے ضمان سے بری رہے گا، اور جب چاہے گا پھر واپس لے سکتا ہے (ہدایہ ۴/۵۳۶)۔

حضرت علامہ حنفی نے بھی درمختار میں اس مفہوم کی عبارت ذکر کی ہے (درمختار علی رد

المختار ۵/۳۰-۳۲۹)۔

واضح رہے کہ شریعت میں قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے، ہر شئی کے مناسب عرف میں قبضہ کی جو صورت ہوگی وہ قبضہ کافی ہوگا۔

۱۲ - کفالہ عقد تبرع ہے، اسی وجہ سے کفیل میں تبرع کی اہلیت کا ہونا ضروری ہے، یعنی عقل، بلوغ اور حریت کا ہونا ضروری ہے۔ صبی، عبد مجبور اور مجنون کی کفالہ صحیح نہیں ہے۔

”ولا تصح الكفالة الا ممن يملك التبرع لانه عقد تبرع“ (مجموع الاشر

۱۲/۱۲۳)۔ ”و شرطها في الكفيل كونه من اهل التبرع“ (فتح القدیر ۷/ ۱۵۳)۔

اور جب کفالہ عقد تبرع ہے تو اس پر اجرت لیما جائز نہیں ہوگا۔

۱۳ - اس کے جواز کے لئے حضرت تھانوی نے حیلہ تحریر فرمایا ہے، اس کو اختیار کیا جائے، مثلاً دستاویز پر پانچ ہزار رقم تحریر ہے، اور مالک دستاویز چاہتا ہے کہ چار ہزار میں فروخت کر دے تو براہ راست چار ہزار روپے لے کر دستاویز کسی کو حوالہ کر دینا کہ وہ دستاویز پر لکھی گئی رقم وقت مقررہ آنے پر وصول کرے جائز نہیں ہے۔

اس کو چاہئے کہ دوسرے کو اپنے دین کی وصولی کے لئے وکیل مقرر کر دے، اور اس کی اجرت ایک ہزار طے کر دے، پھر اس سے چار ہزار روپے قرض لے لے، اور اس کو اختیار دے دے کہ میرا دین وصول کر لو گے، اس میں ایک ہزار روپے اپنی اجرت لے لیا اور باقی ماندہ میری چار ہزار کی رقم اپنے قرض میں وصول کر لیا، یہ جائز ہے۔

۱۴ - اوپر بحث گذری کہ اجل کا معاوضہ لیما حرام ہے، یہ بھی اجل کا معاوضہ ہے، اس لئے ناجائز ہے، یعنی جس طرح خریدار اگر وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرے تو تاخیر کی وجہ سے اس سے زائد رقم لی جائے تو جائز نہیں ہے، اس طرح اگر وہ وقت مقررہ سے پہلے ادا کرنے کی وجہ سے چاہتا ہے کہ بائع دین میں کچھ کم کر دے یہ بھی اجل کا معاوضہ ہے اور حرام ہے (بدایہ ۳/ ۵۱۳، فتاویٰ قاضی خاں علی ہندیہ ۳/ ۸۷)۔

۱۵ - اگر معاملہ اوصار ہے، اور قیمت کی ادائیگی کے لئے وقت مقرر نہیں کیا گیا ہے تو بیع مؤجل ہے، اور اجل معلوم نہیں ہے، اس لئے یہ بیع ناجائز ہے جیسا کہ جواب ۱- میں واضح کیا گیا۔

اور اگر معاملہ یہ ہے کہ بیع نقد ہے، مگر ابھی تک ادائیگی نہیں ہوئی ہے، اور بائع محسوس کرتا ہے کہ خریدار مال منول کر رہا ہے، اس لئے وہ فوری ادائیگی کے لئے قیمت کا کچھ حصہ معاف کر دے تو یہ صورت جائز ہے، اس لئے کہ فوری ادائیگی مشتری پر ضروری ہے، اس لئے جو کم کیا گیا ہے وہ ابراء ہے، نہ کہ اجل کی قیمت، اس لئے کہ مشتری اجل کا مستحق تھا ہی نہیں کہ اس کی کو اس اجل کی قیمت قرار دیا جائے (ہدایہ ۳/۲۵۱)۔

۱۶- اگر بیع بالتقسیط میں یہ معاملہ کیا گیا کہ اگر کوئی قسط اپنے مقررہ وقت پر ادا نہیں کی جائے گی تو باقی قسطوں میں مہلت ختم کر دی جائے گی، اور بائع کو حق ہوگا کہ باقی تمام قسطوں کا کافی الفور مطالبہ کرے تو ایسا معاہدہ کرنا جائز ہے، اگر مشتری نے وقت مقررہ پر قسط ادا نہ کی تو بائع کو حق ہوگا کہ باقی قسطوں کا فور مطالبہ کرے۔

۱۷- بیع بالتقسیط میں اگر وقت مقررہ سے پہلے کسی فریق کی موت ہو جائے تو کیا معاملہ کی نوعیت میں فرق ہو جائے گا؟ بیع مؤجل میں دائن کی موت سے کوئی فرق نہیں آتا، جس طرح دائن اپنی حیات میں وقت مقررہ سے پہلے اس دین کی وصولی کا حقدار نہیں تھا، اسی طرح اس کے ورثاء بھی حلول اجل سے قبل اس دین کی وصولی کے حقدار نہیں ہوں گے، اور جب ادائیگی کا وقت آئے گا اس وقت تمام ورثاء اس میں شریک ہو جائیں گے، البتہ مدیون مر جائے تو معاملہ پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے، اس لئے کہ مدیون نے اس لئے مہلت لی تھی کہ وہ اپنے مال میں تجارت کے ذریعہ اضافہ کرے اور دین ادا کرے، مگر جب مر گیا تو اب یہ مقصد فوت ہو گیا، اب تو جو مال اس کے پاس رہ گیا ہے اسی کے ذریعہ دین ادا کیا جائے گا، اور اگر باقی بچے تو ورثاء اس کے مستحق قرار پائیں گے۔

اس لئے جمہور فقہاء کے نزدیک مدیون کے مرنے سے اجل ختم ہو جاتا ہے، علامہ صفحہ فرماتے ہیں:

”ويبطل الأجل بموت المملیون لا البدائن“۔

علامہ شامی نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

”لأن فائدة التأجيل أن يتجر فيؤدى الثمن من نماء المال، فإذا مات من له الأجل تعين المتروك لقضاء الدين فلا يفيد التأجيل“ (رد المحتار ۵۳/۷)۔

لیکن امام احمد بن حنبل کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر مدیون کے ورثاء اس دین کی توثیق کر دیں اور ادائیگی کی ذمہ داری قبول کر لیں تو پھر یہ دین اسی تفصیل کے ساتھ ان کے ذمہ واجب الاداء ہو جائے گا، اس کو حضرت علامہ ابن قدامہ نے ”المغنی“ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے (المغنی لابن قدامہ ۳/۳۸۲)۔

اگر اس مسئلہ میں جمہور کے مسلک کو چھوڑ کر حضرت امام احمد کا مسلک اختیار کیا جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے، ضرورت کے مواقع میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے، لہذا امام شافعی کے قول پر عمل کی گنجائش ہے (امداد الفتاویٰ ۳/۲۱)۔

۱۸- دوکانداروں کی طرف سے اپنے خریداروں کو وقت مقررہ پر ہر قسط کی ادائیگی کی صورت میں قرض اندازی کے ذریعہ انعام دیا جانا رہا یا قمار میں داخل نہیں ہے، یہ کو یا نقد دین کے ایک حصہ کو ساقط کر دینا ہے، اوپر گذرا کہ یہ جائز ہے۔

۱۹- اس سوال میں مسئلہ کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ قمار ہے، اس لئے جائز نہیں ہے۔

قسط پر خرید و فروخت - فقہ اسلامی میں

منشی انور علی اعظمی ☆

۱- ادھار بیع میں نقدی کے باقاعدگی ثمن کی زیادتی درست ہے:

جس سامان کو ادھار فروخت کیا جائے اس کی قیمت نقد فروخت کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کر دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ اگر ادھار اور نقد دونوں بھاؤ کا تذکرہ مجلس بیع میں ہو چکا ہے تو جدا بیگی سے پہلے یہ طے ہونا ضروری ہے کہ جائیداد میں معاملہ کس پر ختم ہوا ادھار بھاؤ پر یا نقد بھاؤ پر، اگر مجلس عقد میں نقد بھاؤ طے ہو چکا تھا پھر بعد میں مشتری نے اپنی سہولت اور بائع نے اپنے نفع کے پیش نظر ادھار بیع میں تبدیل کر لیا تو یہ درست نہیں ہوگا (ترمذی ۱۳۸۱)۔

۲- ادھار قیمت کو قسطوں میں ادا کرنا درست ہے:

اگر ادھار قیمت کی قسطوں اور ادائیگی کی سہولت بائع کی طرف سے مل جائے یا عقد کے وقت ہی بالتقسیم ادائیگی پر معاملہ طے ہوا ہو تو اس کے جواز میں کوئی مانع نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ ثمن کے ادھار ہونے کی بنا پر قسطوں کی مقدار اور ادائیگی میعاد طے ہو ورنہ ان چیزوں کی جہالت مفہمی الی النزاع ہوگی، بائع جلد از جلد بڑی سے بڑی قسط کا مطالبہ کرے گا اور مشتری نال منول کرے گا، لہذا ثمن کی قسطوں اور ادائیگی میں ان دونوں امور کی تعیین ضروری ہوگی۔

۳۔ مجلس عقد میں ادھار اور نقد دونوں قیمتوں کا ذکر جائز ہے:

مجلس عقد میں ادھار اور نقد دونوں قیمتوں کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے، ادھار فروختگی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ادھار قیمت کا ذکر کیا جائے اور اسی پر معاملہ کیا جائے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اگر دونوں قیمتوں کا الگ الگ ذکر آجائے تو اسی مجلس میں طے ہو جائے کہ معاملہ کس قیمت پر ختم ہوا ادھار پر یا نقد پر، اگر اس کی تعیین ہو جائے تو ان میں سے کسی قیمت پر معاملہ کرنا درست ہوگا جیسا کہ (ترمذی) کے حوالہ سے گذر چکا، نیز دیکھئے (فقہ علی الحدیث ۲/۲۳۳)۔

۴۔ ادھار بیع میں نقد سے زیادہ قیمت مقرر کرنا ربا نہیں ہے:

ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلہ میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرہ میں نہیں آتا، کیونکہ یہ زیادتی صلب عقد میں ہو رہی ہے، بائع کو اپنی چیز نقد کی صورت میں بھی بازار کے عام بھاؤ سے کچھ زیادہ دام پر فروخت کرنے کا اختیار ہے، اسی طرح اور دوسرے اسباب کی بنا پر نفس عقد میں بائع اور مشتری کی رضامندی کے ساتھ جس قیمت پر معاملہ قطعی اور حتمی صورت اختیار کر لے وہ جائز ہوگی، اور یہ زیادتی سود کے قبیل سے نہیں ہوگی، البتہ اگر ایسا ہوتا کہ ایک معاملہ ایک ماہ کی مدت پر سو روپے میں ختم ہو گیا اور پھر مدت بڑھا کر قیمت میں اضافہ کیا جائے تو یہ زیادتی وقت کے عوض ہوگی اور سود ہوگی (فقہ علی الحدیث ۲/۲۳۵)۔

۵۔ چونکہ صورت مسئلہ میں ثمن اور اجل دونوں کی جہالت مرتفع ہے اس لئے مذکورہ بالا صورت جائز ہے (فقہ علی الحدیث ۲/۱۶۵)۔

۶۔ نفس اجل کی بنا پر اضافہ ربا نسبیہ ہے جو جائز نہیں:

اس طرح کا معاملہ کھلا ہوا ربا ہے، یہاں پر دو روپے ماہانہ اضافہ نفس اجل کے مقابلہ میں ہے، لہذا اشریعت مطہرہ کی روشنی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، فقہاء کے یہاں صراحت کے ساتھ یہ امر مسلم ہے کہ ربا افضل اور ربا النسبیہ دونوں حرام ہیں اور "أحل الله البيع وحرم

الربوا“ میں دونوں قسم کا ربا داخل ہے۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ (۲۴۵/۴) کا حوالہ گزر چکا ہے۔ محض فریقین کے راضی ہو جانے سے معاملہ کی مذکورہ صورت جائز نہیں ہو سکتی۔

۷۔ معاملہ کی یہ صورت جائز نہیں، اس رقم کا نام ”جرمانہ“ یا مالی تاوان رکھا جائے یا اور کچھ، بہر حال یہ سود ہے، اور ربا کا ایک دروازہ ہے جس کی اجازت دینا امت کو سودی لین دین میں مبتلا اور ملوث کرنے کے مرادف ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”اصلاح انقلاب امت“ کی دوسری جلد میں تحریر فرمایا ہے: کہ مسلک احناف میں مالی تاوان جائز نہیں اور ایک حدیث سے استدلال کیا ہے کہ کسی مسلمان کا مال دوسرے کے لئے بغیر طیب قلب کے حلال نہیں ہے۔ مذکورہ صورت میں تاوان سے زیادہ خطرناک شے، یعنی سود کی جھلک ہے، کیونکہ صلب عقد میں اجل کے بالمقابل ایک قسم کی زیادتی کی شرط لگادی گئی ہے جو ربا النسبیۃ ہے۔

۸۔ (الف): مال مرہون سے انتفاع کا حکم فقہاء کی نظر میں:

اس سلسلہ میں جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مرہون مال مرہون سے کسی طرح کا انتفاع نہیں کر سکتا، یہ مسلک حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور جمہور فقہاء کا ہے:

”قال الشافعی وأبو حنیفہ ومالک وجمہور العلماء: ولا ینتفع

الموتہن من الرهن بشئ بل الفوائد للراهن والمؤمن علیہ“ (نیل الاوطار ۵/۲۳۵)۔

ہاں اگر مالک، یعنی راہن اجازت دے دے تو جائز ہو سکتا ہے، لیکن اس نفع کے لئے بھی ضروری ہے کہ صلب عقد میں انتفاع من المرہون کی شرط نہ لگائی گئی ہو، ورنہ پھر یہ نفع ناجائز ہو جائے گا (فقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۳۳۵)۔

اس مسئلہ میں بعض فقہاء کا مسلک جمہور سے الگ بھی ہے، اس دوسری جماعت کے نزدیک اگر مرہون مرہون شی کی کفالت کر رہا ہو تو بقدر کفالت اس سے نفع اٹھا سکتا ہے، اتنا نفع اٹھانے کے لئے مالک کی اجازت بھی ضروری نہیں ہے، ان حضرات کا مستدل حضرت ابوہریرہؓ

کی یہ روایت ہے: ”عن النبی ﷺ أنه كان يقول: الظهر يركب بنفقة إذا كان مرهوناً، ولبن الدر يشرب بنفقة إذا كان مرهوناً وعلى الذي يركب النفقة“ (رواه الجماعة المسلمون السنيون بحواله الطارح ۲۳۲ / ۵)۔

(ب): مال مرہون جب مرتہن کے قبضہ میں ہو تو مرتہن ہی اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ حفاظت خواہ وہ خود کرے یا اپنے ماتحتوں میں سے کسی سے کرائے مثلاً بیوی، اولاد، یا وہ خادم جو اس کی کفالت میں ہو۔ مال مرہون مرتہن کے پاس امانت ہے، لہذا اگر حفاظت کے جملہ اہتمام و انصرام کے باوجود بغیر تعدی کے ہلاک ہو گیا تو مرتہن پر کوئی تاوان نہیں ہے، البتہ تعدی کی صورت میں پورا ضمان واجب ہوگا (مجمع الانہر ۵۸۹، ۳، المغنی ۴۳۸)۔

(ج): اگر خریدار وقت مقررہ پر قیمت ادا کرنے میں نال منول کر رہا ہے اور شیئ مرہون کو بیچنے کی اجازت بھی دے چکا ہے تو مرتہن اسے بیچ کر اپنی واجب الاداء قیمت وصول کرے گا، مال مرہون کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم مرتہن کی واجب الاداء قیمت سے زائد ہو تو بقیہ رقم راہن کے حوالہ کی جائے گی اور اگر مرہون شیئ کی بیچ سے حاصل ہونے والی رقم مرتہن کی واجب الاداء سے کم ہے تو جس قدر رقم مل رہی ہے وہ مرتہن کے دین میں ادا کر دی جائے گی اور باقی رقم راہن کے ذمہ واجب الاداء ہوگی۔

اور اگر راہن بیچ کی اجازت نہیں دے رہا ہے تو اپنے پاس سے دوسرا مال دے کر دین ادا کرے گا، اور اگر اس کے بس میں یہ بھی نہیں ہے تو حاکم وقت راہن کو رہن بیچ کر مرتہن کو دین ادا کرنے پر مجبور کرے گا۔ فقہ السنہ میں سید سابق لکھتے ہیں:

”ومتى حل الأجل لزم الراهن الإيفاء وأداء ما عليه من دين، فإن امتنع من وفائه ولم يكن أذن له ببيع الرهن أجبره الحاكم على وفائه أو بيع الرهن فإن باعه وفضل من ثمنه شيء فلما لكه، وإن بقي شيء فعلى الراهن“ (فقہ السنہ ۱۵۹۳)۔

۹۔ مکمل قیمت یا چند اقساط جمع کرنے تک بائع کا سامان کو روکنا کیسا ہے؟

(الف): اگر مشتری مذکورہ شکل میں بیع پر قبضہ کر لے پھر وہی سامان بطور رہن کے بائع کے پاس رکھ دے تو ایسا کرنے کی گنجائش موجود ہے، لیکن قبضہ سے پہلے اس کو رہن بنانا بھی درست نہیں ہوگا۔

قبضہ کے بعد مشتری کی ملکیت ثابت اور متعین ہو چکی ہے، چنانچہ اگر اس کے بعد بلاک ہو جائے گی تو مشتری کے مال سے بلاک ہوگی، اور بلاکت کی بنیاد پر بیع فسخ نہیں ہوگی۔

(ب): بیع بلا اقساط بیع مؤجل ہے، معجل نہیں، اوصار بیع میں بائع کو یہ حق نہیں ہے کہ شمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو روکے رکھے، بائع کو یہ حق نقد بیع میں حاصل ہوتا ہے، اور بیع بالتقسیط اوصار بیع ہے (فتاویٰ ہندیہ المہاب المربع، کتاب المبیوع)۔

لہذا استیفاء شمن کے لئے یا چند قسطیں جمع کرانے تک بائع کا بیع کو اپنے پاس روکنا بیع بالتقسیط میں درست نہیں ہے۔

۱۰۔ مذکورہ صورت اتقالہ کی ہے، اور اتقالہ شمن اول پر ہوتا ہے (ہدایہ ۵۲/۳) پس بائع جو اقساط لے چکا ہے انہیں واپس کرنا ضروری ہے۔

۱۱۔ اکثر و بیشتر فقہاء نے رہن کے صحیح اور پورا ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ مرہن اس شے مرہون پر قبضہ کرے اور اس شرط کی بنیاد پر آن کریم کی یہ آیت ہے: ”فرہان مقبوضۃ“ (سورہ بقرہ ۲۸۳) لیکن فقہاء کے یہاں اس بات کی اجازت بھی ملتی ہے کہ راہن اس چیز کو بطور عاریت لے کر اس سے انتفاع بھی کر سکتا ہے۔

علامہ تفتی عثمانی نے اس رہن کو ”الرہن السائل“ کے نام سے ذکر کیا ہے اور موجودہ دور کی مشکلات میں اس کے جواز کا رجحان پیش کیا ہے، بندہ کی رائے بھی یہی ہے (تفصیلی مقالات ۹۵/۱)۔

اس صورت میں جبکہ راہن شے مرہون کو عاریتہً لے کر نفع اٹھا رہا ہو، یہ ضروری ہوگا

کہ اس چیز کی ملکیتی دستاویز پر قبضہ مرتہن کا ہو اور قانوناً دونوں کے درمیان اس طرح کا معاہدہ بھی ہونا چاہئے کہ مرتہن ضرورت کے وقت اس چیز کو بیچ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہے۔

۱۴ - عقد کفالت محض تبرع ہے، اس پر اجرت لینا کسی طرح جائز نہیں ہے (درمختار ۳۳۸، ۳۳۹)، اگر کوئی ادارہ مثلاً بینک کریڈٹ لیٹر جاری کرتا ہے تو اس کا واقعی خرچ عمیل سے لے سکتا ہے، کفالت کے معاوضہ کے طور پر نہیں، محض لیٹر بنانے بھیجنے، اور متعلقہ امور کا لازمی خرچ، جیسے ڈرافٹ وغیرہ بنانے کا لازمی خرچ بینک لینا ہے۔

۱۴ - دیون مؤجلہ میں طے شدہ رقم کو مقررہ مدت سے آگے بڑھا کر جس طرح زیادتی کا مطالبہ کرنا ناجائز ہے، اسی طرح مدت گھٹا کر کمی کرنا اور عجلت ادائیگی کی بنا پر قیمت کا کچھ حصہ وضع کرنا بھی ناجائز، بلکہ ربا کے دائرہ میں آتا ہے، بعض حضرات نے اس کے جواز پر بنی انصیر کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، علامہ سرخسی اس کے جواز کی بنیاد مسلمان اور حربی کا معاملہ قرار دیتے ہیں، اور بین المسلمین اس قسم کے معاملہ کو ناجائز کہتے ہیں (شرح لسیر الکتبیر للسرخسی ۳/۱۱۲، موطا امام محمد ۱/۳۳۲، ۶۰۶)۔

۱۵ - دیون حالت میں فقہاء کے یہاں اس کی گنجائش موجود ہے، مولانا قسیمی عثمانی صاحب فقہ مالکی سے چند عبارات لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: یہ عبارات اس بارے میں بالکل صریح ہیں کہ علماء مالکیہ کے نزدیک دیون حالت میں ”ضع و تعجل“ کا اصول جاری کرنا جائز ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ فقہاء مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ متفق ہیں، اس لئے دوسرے علماء نے جہاں کہیں ”ضع و تعجل“ کے حرام ہونے کا ذکر کیا ہے وہیں دیون مؤجلہ کی قید بھی لگائی ہے، جیسا کہ موطا میں محمد بن حسن کی ذکر کردہ عبارت اور اس پر قائم کئے گئے ترجمہ الباب سے ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح علامہ ابن قدامہ نے بھی اس مسئلہ کو دین مؤجلہ کے ساتھ مقید کیا ہے، اور یہ بات بدہمتاً کے ساتھ ثابت ہے کہ کتب فقہ میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے، لہذا اس سے ظاہر ہوا کہ دیون حالت میں ”ضع و تعجل“ جائز ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے

المسوی علی المصی میں اس کی صراحت کی ہے۔

”فقال أهل العلم في التطبيق بينه و بين هذه الآثار: إن الآثار في المؤجل وهذا في الحال، وفي كتاب الرحمة اتفقوا على أن من كان له دين على إنسان إلى أجل فلا يحل له أن يضع عنه بعض الدين قبل الأجل ليعجل له الباقي على أنه لا بأس إذا حل الأجل أن يأخذ البعض ويسقط البعض“ (فقہی مقالات ۱۱۱)۔

دیون حالت میں مدت کی قید نہیں ہوتی، اس لئے دین کا معاف کیا ہوا مدت کے عوض نہیں ہوگا، لہذا اس میں ربا کا مفہوم نہیں ہوگا، بلکہ یہ حقدار کا اپنے حق کو مرضی سے ساقط کرنا ہوگا اس کا اختیار اسے نفع کے وقت بھی تھا اور بعد میں بھی ہے۔

۱۶ - اگر معمولی تاخیر پر بھی علی الفور ماہی جملہ قیمت کی ادائیگی ضروری ہوگی تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے، اس میں کچھ نہ کچھ رعایت کیا جانا اسلامی اصول کی رو سے ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ”وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة“۔ اگر ایگریمنٹ میں اس بات کی صراحت ہے کہ اگر مشتری کوئی قسط مقررہ وقت پر ادا نہ کر سکا تو اس صورت میں آئندہ کی باقی قسط بھی ادا کرنا ضروری ہوگا، اگرچہ فقہاء کی عبارتوں میں ایگریمنٹ میں ایسی شرط لگانا جائز ہے اور اس رو سے بائع کا تاخیر کی صورت میں مطالبہ کرنا بھی درست ہے، لیکن یہ شرط نفع بالتقسیط کے مقصد سے زیادہ میل نہیں کھاتی، مہلت ختم کرنے کی صورت میں اگر معاملہ اپنی ابتدائی پوزیشن میں ہو تو مشتری پر یکبارگی کافی بوجھ پڑے گا، اس لئے فی الفور ہی قسط واجب الادا ہونی چاہئے جس کی مدت گزر چکی اور بقیہ قسط میں مہلت کو باقی رکھنا چاہئے تاکہ مشتری نے خریداری کے لئے جو نظم و تسطو ار کیا ہے اس میں زیادہ خلل نہ واقع ہو۔

دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آ رہی ہے کہ اس شرط سے نفع صرف بائع کو ہوگا۔ اور نفع بالتقسیط کا جو مقضاء تھا وہ بہت حد تک متاثر بھی ہوگا، لہذا فقہ کے مشہور قاعدہ: ”وكل شرط لا يقتضيه العقد و فيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل

الاستحقاق یفسدہ الخ“ (ہا یہ ۳۳/۳)۔ کی رو سے بھی ایسی شرط کی اجازت مناسب نہیں معلوم ہوتی، اگر مشتری کی طرف سے قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کا اندیشہ ہے تو بائع اس کو پابند بنانے کے لئے اس کے علاوہ کچھ دوسری قید لگائے، مثلاً یہ کہ ایک متعین مدت کی تاخیر کی بناء پر مشتری کا عقد ختم کر دیا جائے گا وغیرہ۔

۱۷- بیع بالتقسیط کی صورت میں اگر دائن کی موت واقع ہو جائے تو عند الاحناف مسئلہ کی نوعیت میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا (درمختار ۳۱/۳، مجمع الانہر ۸/۳)۔

البتہ اگر مدیون مر جائے تو جمہور فقہاء کے نزدیک وہ دین فی الفور واجب الادا ہو جائے گا، احناف شوافع اور مالکیہ ہر مسلک کے اکثر علماء کی رائے یہی ہے، امام احمد بن حنبل کی بھی ایک رائے یہی ہے، لیکن فقہ حنبلی کا مختار قول یہ ہے کہ اگر مدیون کے ورثاء اس دین کی توثیق کر دیں اور اس کی ادائیگی پر اطمینان دلادیں تو وہ فوری واجب الادا نہیں ہوگا، بہر حال اس مسئلہ میں جمہور کا مسلک ہی راجح معلوم ہوتا ہے، مولانا تقی عثمانی صاحب نے ایک شکل ذکر کی ہے کہ متاخرین حنفیہ کا یہ قول لیا جائے کہ اداء دین کی جو مدت متفق علیہ تھی اس کے آنے میں جتنا وقت باقی ہے اس وقت کے مقابلہ میں جتنا شمن آتا ہو وہ ساقط کر دیا جائے، لیکن ایسا کرنا سود کا ایک دروازہ کھولنا ہے، چنانچہ خود انہوں نے اس کو ناپسند کیا اور حنا بلہ کے قول کو ترجیح دی، وہ فرماتے ہیں:

حنا بلہ کا یہ قول اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے یعنی جس طرح وہ دین مؤجل ہے اب بھی اسی طرح مؤجل رہنے دیا جائے، البتہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مدیون کے ورثاء کسی قابل اعتماد ذریعہ سے اس دین کی توثیق کر دیں، شاید حنا بلہ کا یہ قول اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے (فقہی مقالات ۱۳۷/۱)۔

بہر حال اگر قرض کی ادائیگی ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے اور مرنے والا بری الذمہ ہو جائے تو یہ دوسری شکل زیادہ اچھی ہے، یعنی یا تو پوری قیمت اور تمام قسطیں مدیون کی موت کے

بعد ادا کر کے معاملہ کو مکمل کر دیا جائے یا پھر ورثاء وہ قرض اپنے ذمہ لیں، اس کی توثیق کریں اور قسطیں حسب پروگرام اپنے وقت پر ادا کی جائیں۔

۱۸، ۱۹ - یہ رہا اور قمار ہی کی ایک جدید صورت ہے، ایک ہی چیز ایک آدمی کو محض ایک قسط میں پانچ سو روپے میں مل رہی ہے اور دوسرے کو مثلاً بیس قسطوں کے بعد بھی دس ہزار روپے میں ملے گی، پہلی قسط میں ہر آدمی لاٹری کی طرح ایک موہوم امید پر مثلاً پانچ سو روپے کا ایک ٹکٹ بیس ہزار کے سامان کی امید پر لے رہا ہے جو جیت جائے وہ الگ ہو گیا، باقی لوگ بعد کی اقساط میں اسی امید پر پیسے جمع کر رہے ہیں کہ شاید تھوڑے پیسے میں کوئی بہت قیمتی سامان مل جائے، پیسے ہزاروں آدمی جمع کرتے ہیں، اور نفع ایک شخص یا چند اشخاص اٹھاتے ہیں۔ درمیان میں قسطوں پر انعام دینے کا مقصد زیادہ سے زیادہ خریداروں کو اس موہوم امید پر رجحانا ہوتا ہے، اصل بیج ایک ٹاٹا نوئی شی بن کر رہ جاتی ہے اور انعام سے استفادہ اصل مقصد بن جاتا ہے، اس لئے اس کے جوا ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، لاٹری میں جو صرف ایک بار ہوتا ہے اور اس میں جو ہر بار ہر قسط پر ہوتا ہے۔

بالا قسط خرید و فروخت کے احکام

مولانا ابوجندل ٹانگی، لاہور

۱- جس سامان کو فروخت کیا جائے اور وہ بیع اوصار ہو تو اس کی قیمت میں نقد فروختگی کے مقابلہ میں زیادتی کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ عاقدین عقد کے وقت ہی اوصار بیع ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں قطعی فیصلہ کر کے کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں، لہذا اگر بائع یہ کہے کہ میں نقد اتنے میں بیچتا ہوں اور اوصار اتنی قیمت میں بیچتا ہوں اور اس کے بعد کسی ایک قیمت پر اتفاق نہیں کیا کہ جدا ہو گئے تو یہ بیع ناجائز ہو جائے گی (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۸۱/۶، دہلی، فتاویٰ ہند یہ ۳۶/۲، کوئٹہ، ترمذی مع العرف ۵۱/۱، ۲۳۳، تحت الاحوذی ۲۸/۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ہدایہ ۵۸/۳، باب المرابحہ، رد المحتار ۳۶۲/۷، باب المرابحہ والولیہ، بہشتی زیور ۸/۵، احسن الفتاویٰ ۳۰/۷، اسلامی فقہ ۳۳۷/۲، اعداد الفتاویٰ ۲۰/۳، فتاویٰ رشیدیہ ۲۹۳)۔

۲- اوصار قیمت کو یکمشت ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ بائع اگر بالا قسط ادا کیے پر رضامند ہو جائے تو قسطوں میں بھی ادائیگی کی گنجائش ہے، لیکن مدت متعین کر لی جائے (شرح لہجہ ۱۲۵/۱ بحوالہ اسلامی فقہ ۳۳۵/۲، ہدایہ حاشیہ ۵۸/۳، باب المرابحہ والولیہ، رد المحتار ۳۶۱/۷، باب المرابحہ والولیہ)۔

۳- سوال نمبر (۱) کے جواب پر قیاس کر کے یہ صورت بھی جائز ہونی چاہئے، اس لئے کہ جب نقد و اوصار قیمتوں کا تذکرہ کر کے کسی ایک پر اتفاق کر کے بیع جائز ہے تو بغیر دوسری قیمت کے تذکرہ کے صرف ایک قیمت کا ذکر کر کے اس پر بھی بیع جائز ہونی چاہئے، البتہ مدت کا تعین ضروری ہے (ہدایہ ۳۳/۲، فتاویٰ ہند یہ ۳۳/۳، رد المحتار ۵۲/۷، ذکر کیا، دیوبند، تعریفات المعنیہ ۲۳۳)۔

قرآن کریم کی آیت: "يا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى" [بقرہ/ ۲۸۲] سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے (سعارف القرآن)۔

۴- ادھار و خٹگی کی صورت میں نقد و خٹگی کے مقابلہ میں قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا یا شبہ ربا کے دائرہ میں نہیں آتا، کیونکہ سامان کے سودے میں ادھار کا خیال کر کے قیمت میں کچھ اضافہ کر دیا جائے تو وہ براہ راست مدت کا معاوضہ نہیں، بلکہ اس سامان کی ہی قیمت ہے (برایہ ۵۸/۳، باب الراسخ والٹولید، برایہ کتاب الصلح، باب الصلح، الدین ۳۳/۵۳، حاشیہ برایہ ۳/۲۳۵)۔

اور ظاہر ہے کہ ادھار و خٹگی میں قیمت کی زیادتی براہ راست مدت کی قیمت نہیں، بلکہ سامان کے ضمن میں ہے جو حقیقتہً سامان ہی کی قیمت ہے، یہ مسئلہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ زرعی زمین کے لئے آبیاری وغیرہ کا حق ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان حقوق کو تنہا بغیر مکان یا زمین کے فروخت کرے تو یہ بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ حقوق کوئی مال نہیں، لیکن مکان یا زمین کو فروخت کرے گا تو یہ حقوق بھی ضمناً خود بخود فروخت ہو جائیں گے اور مکان، دوکان اور زمین کی قیمت میں ان کا معاوضہ بھی شامل ہو جائے گا (رد المحتار ۲/۳۳، مطبوعہ زکریا دیوبند، جوہر الفقہ ۳/۱۵۱)۔

۵- یہ صورت بھی سابقہ قول پر قیاس کر کے جائز ہونی چاہئے، کیونکہ جب نقد و ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں اختلاف جائز ہے تو ادھار و ادھار کی بنیاد پر بھی قیمتوں میں اختلاف جائز ہوگا، دونوں صورتوں میں کوئی فرق بظاہر معلوم نہیں ہوتا، لیکن وہ شرط جو نقد و ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں اختلاف کی صورت میں بیان کی گئی ہے اسے یہاں بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے، یعنی یہ کہ عاقدین کے درمیان عقد بیع کے وقت ہی ذکر کردہ مدتوں اور قیمتوں میں سے کسی ایک کی تعیین ہو جائے، ورنہ بیع جائز نہ ہوگی (فقہی مقالات از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ر ۸۳-۸۵)۔

۶- یہ صورت قطعاً ناجائز ہے، کیونکہ اس میں عاقدین کے درمیان قیمت تو اس روپے سے متعین ہوگئی اور پھر ادائیگی میں تاخیر کی بنیاد پر اس میں نفع کا اضافہ کیا گیا اور اس کے بعد ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوتی جائے گی نفع میں مزید اضافہ ہوتا جائے گا، ظاہر ہے کہ یہ اضافی رقم کی

شرط لگانا ایسی زیادتی ہے جو ”خالی عن العوض“ ہے، لہذا یہ اضافی رقم بلاشبہ سود ہے اور ناجائز ہے (عنا علی الفتح ۱۳۶/۱، کراچی)۔

نیز یہ اضافی رقم براہ راست مدت کے عوض میں ہے، اس لئے بھی یہ ربا میں داخل ہو کر ناجائز اور حرام ہوگی، عنایہ نے ایک روایت ذکر کی ہے فرماتے ہیں:

”روي أن رجلاً سأل ابن عمر فنهاه عن ذلك، ثم سأله فقال: إن هذا يريد أن أطعمه الربا“ (عنا علی الفتح، باب الصلح فی الدین، بحوالہ جوہر الفقہ ۱۵۰/۳)۔

(روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے مدت پر قیمت لینے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس کو منع فرمایا، اس نے پھر پوچھا تو آپ نے یوں فرمایا کہ یہ شخص چاہتا ہے کہ میں اس کو سود کھانے کی اجازت دے دوں)۔

یہ تحریر فرمانے کے بعد صاحب ”عنایہ“ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ اس لئے فرمایا کہ سود کی حرمت صرف اس وجہ سے ہے کہ اس میں مدت کے بدلہ میں مال لینے کا شبہ ہے تو جہاں یہ بات شبہ کی حدود سے آگے بڑھ کر حقیقت بن گئی ہو وہاں حرمت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے (بحوالہ جوہر الفقہ ۱۵۰/۳)۔

۷۔ ادھانر و ختگی میں وقت مقرر پر یکمشت قیمت، یا جملہ قسطیں یا کوئی قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کچھ رقم ادا کرنے کی شرط لگانا درست نہیں، کیونکہ وہی صورتیں ہو سکتی ہیں: یا تو خرید ارتقادی کی وجہ سے پوری قیمت یا قیمت کی کوئی قسط ادا نہیں کر سکا، یا یہ کہ خریدار وسعت والا ہے، لیکن بلا وجہ نال منول کر رہا ہے۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو ایسے شخص کو تو ادائیگی کی وسعت ہونے تک مہلت دینا واجب اور ضروری ہے، چہ جائیکہ مزید رقم اس سے لی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة“ (سورہ بقرہ، ۲۸۰)۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا مدیون تنگ دست اور واقعی مفلس ہو، تمہارا دین ادا کرنے پر

قادر نہ ہو تو اس کو تنگ کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کو اس وقت تک مہلت دی جائے جب تک کہ وہ دین ادا کرنے پر قادر نہ ہو جائے (سارف القرآن - تیسرا جلد اول)۔

اب رہی بات دوسری صورت کی، یعنی خریدار وسعت والا ہونے کے باوجود مال منول کرتا ہے، دین ادا نہیں کرتا، تو یہ مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ ہر زمانہ میں تجار اس مشکل سے دوچار رہے ہیں، حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام اور بعد کے زمانوں میں بھی یہ مسئلہ درپیش رہا، لیکن احادیث و آثار سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس مشکل کے حل کے لئے مماطل پر مالی معاوضہ لازم کیا گیا ہو، لہذا حاصل یہ ہوا کہ اس دوسری صورت میں بھی مالی معاوضہ یعنی مزید رقم کی شرط لگانا صحیح نہیں، اور یہ بھی سود ہوگا، کیونکہ مدت کے مقابلہ میں ہے (فقہی مقالات للخواجہ اشرفی مدظلہ ۱۳۰ تا ۱۳۳)۔

نیز ”کل قرض جر نفعاً فهو ربا“ بھی اسی کا مقتضی ہے کہ مزید رقم کی شرط لگانا یکمشت قیمت یا وقت مقرر پر کسی قسط کی عدم ادائیگی کو درست قرار نہ دیا جائے، بلکہ اس کا (یعنی مقررہ وقت پر قیمت کی ادائیگی کا) کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے، مثلاً ایک معین رقم خیراتی کاموں میں صرف کرنا (فقہی مقالات ۱۳۹/۱)۔

۸- الف: رہن سے فائدہ حاصل کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) بغیر راہن (مالک) کی اجازت کے شی مرہون سے نفع حاصل کرنا، (۲) راہن کی اجازت سے نفع حاصل کرنا۔ پہلی صورت، یعنی بغیر مالک کی اجازت کے شی مرہون سے نفع حاصل کرنا تو بالکل جائز نہیں، بلکہ سراسر سود ہوگا، جس کا استعمال کرنا حرام ہوگا، البتہ دوسری صورت کے سلسلہ میں فقہاء احناف مختلف ہیں:

۱- بعض فقہاء کسی بھی حال میں انتفاع کو جائز نہیں کہتے، خواہ راہن اجازت دے یا نہ دے (رد المحتار زکریا دیوبند ۱۰/۸۳، کتاب الرہن، عمدۃ الرعاۃ حاشیہ شرح وقایہ بحوالہ اسلامی فقہ ۲/۳۰۷، بدائع الصنائع ۱/۱۳۵، مطبوعہ کوئٹہ، بدائع ۱/۱۳۶)۔

۲۔ اور بعض فقہاء نے اذن راہن سے انتفاع کی اجازت دی ہے (ہدایہ ۶/۳، کتاب المرہن، الدر المختار ۱۰/۸۲-۸۳، کتاب المرہن، تکریم، تکریم المکرر ۸/۲۳۸، کتاب المرہن)۔
اسی طرح فتاویٰ تافضی خان ۶۰۱/۳، فصل فی الانتفاع بالمرہن، فتاویٰ ہندیہ ۶۶/۵ وغیرہ بھی سے اذن راہن سے انتفاع کا جواز مستفاد ہوتا ہے، خود علامہ شامی نے عبد اللہ محمد بن اسلم سمرقندی کی عبارت ”مخ“ سے نقل کرنے کے بعد صاحب مخ کا قول نقل کیا ہے۔
”قلت: وهذا مخالف لعامة المعتمرات من أنه يحل بالإذن“ (رد المحتار ۱۰/۸۳، زکریا)۔

۳۔ اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر انتفاع کی شرط لگادی گئی تو جائز نہیں، بلا شرط کے جائز ہے (رد المحتار ۱۰/۸۳، زکریا، فتاویٰ رشیدیہ ۵۲۲، امداد الفتاویٰ ۳/۵۹۳)۔
ب: اگر بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ مال مرہون زیادہ قیمت کا ہے، یا دین کی قیمت زیادہ ہے، اگر دونوں کی قیمت برابر ہو تو کو یا بائع یعنی مرہن نے اپنا دین وصول کر لیا، لہذا اب مدیون پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور اگر دین کی قیمت زیادہ ہو تو زیادتی مرہن مدیون سے لے لے گا، اور مرہن کی قیمت زیادہ ہو تو بقدر ہلاک یعنی پورا دین ساقط ہو جائے گا، اور مرہن کی باقی قیمت مرہن کے پاس امانت سمجھی جائے گی، مثلاً دین ایک ہزار روپے ہیں، اور مرہن کی قیمت بھی ایک ہزار روپے ہیں اور مرہن ہلاک ہو جائے تو سمجھا جائے گا کہ مرہن نے دین وصول کر لیا، اور اگر مرہن کی قیمت پانچ سو روپے ہے تو باقی پانچ سو مرہن راہن سے لے لے گا، اور اگر مرہن کی قیمت پندرہ سو روپے ہے تو کو یا دین تو پورا ساقط ہو گیا، لہذا باقی پانچ سو مرہن کے پاس امانت ہوں گے (قدوری ۸۸/۳، ہدایہ ۵۰۲/۳، کفایۃ علی نتائج الافکار مجلد ۱ ص ۵۷۹، وکذا فی الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۷، وکذا فی البحر الرائق ۸/۲۳۳، ورد المحتار ۱۰/۸۰-۸۱، ویدائع المصالح ۶/۱۶۰)۔

ج: اگر مرہن کی مدت ختم ہو جائے اور مشتری وقت مقررہ پر دین ادا کرنے سے قاصر

ہو جائے یا مال منول کرے تو مرتہن رہن کو بیچ کر اپنا دین وصول کر لے، لیکن عقد کے وقت جو قیمت مقرر ہوئی تھی اس سے زیادہ وصول کرنا اس کے لئے جائز نہیں، لہذا اگر شئی مرہون کو بیچنے سے اتنی رقم وصول ہو جائے کہ بائع کے پاس کچھ رقم اپنا دین وصول کرنے کے بعد بھی بچ جائے تو اس رقم کو راہن کو لوٹانا ضروری ہے۔

نیز مرتہن اگر اسلامی حکومت ہو تو قاضی کے سامنے معاملہ پیش کر کے بیع کی اجازت لے کر فروخت کرے گا، بغیر حکومت کی اجازت فروخت نہیں کرے گا، ہاں اگر شئی مرہون کے خراب ہو جانے کا ذرا بھی تاخیر کی وجہ سے سخت اندیشہ ہو تو پھر بلا قاضی کی اجازت کے بھی بیچنا درست ہے (رد المحتار ۱۰/۱۰۷، الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/۱۱۷-۱۱۸، باب ما یجوز ارتھانہ وما لا یجوز، فقہی مقالات ۸/۸۷، ۱/۸۷، ۲/۲۷۲-۲۷۳)۔

۹، الف: بیع کورہن بنانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ مشتری اپنے قبضہ میں کئے بغیر بیع کو بائع کے پاس بطور رہن رکھ دے، اس کا حکم تو وہی ہے جو ”حبس المبیع لاستیفاء الثمن“ کا ہے، لہذا ان دونوں کو آخر میں بیان کیا جائے گا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری پہلے بیع کو اپنے قبضہ میں لے، اس کے بعد اس کو بائع کے پاس بطور رہن رکھ دے، یہ طریقہ جائز ہے (بدایہ ۳/۵۱۸، مشکوٰۃ ۳/۳۱، کفا یہ علی نتائج الافکار ۹/۹۸-۹۹، الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/۱۱۰-۱۱۱، زکریا، رد المحتار ۱۰/۱۱۱، تکلیف البحر ۸/۲۵۲، کوئٹہ)۔

اور دوسری صورت یعنی ”ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کوروک لینا“ تو بیع بالتقسیط میں یہ صورت درست نہیں، کیونکہ بیع بالتقسیط بیع مؤجل ہے اور ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کوروک کے کا حق بائع کو صرف بیع حال (نقد بیع) میں ہوتا ہے، بیع مؤجل میں نہیں (فتاویٰ ہندیہ ۳/۱۵، کوئٹہ البحر ۵/۲۸۰)۔

۱۰۔ سوال میں مذکور الفاظ ”بائع سامان کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے“ سے معلوم ہوتا ہے کہ

تجاری کی یہ عادت ہے اور المعروف کا مشروط، لہذا بیع اور بائع کا یہ طریقہ ناجائز ہے، کیونکہ پہلی بیع ہی بشرط فاسد ہے اور بیع بشرط فاسد ربا کے حکم میں ہے، چنانچہ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ شرط فاسد ہے کہ ادنیٰ جز و قیمت رہ جانے پر واپس کر لیں گے اور ادا شدہ رقم کو کالعدم سمجھا جاوے گا“ (امداد الفتاویٰ ۳/۱۲۲، احسن الفتاویٰ ۶/۵۱۹، حاشیہ رد المحتار ۷/۲۸۱، ذکر کیا، دیوبند، امداد الفتاویٰ ۳/۹۳)۔

اور اس کو تجارتی عادت بھی نہ کہا جائے تب بھی یہ طریقہ ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ربا اور قمار دونوں ہیں جن کی حرمت منصوص ہے (فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۵۰)۔

پھر یہ کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [نساء، ۲۹] (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ)۔

حضرت ابو حریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”أَلَا لَا تَظْلَمُوا، أَلَا لَا يَحِلُّ مَالٌ أَمْرِي إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ“ (منقولہ ۲۵۵) (توجہ سے سنو کہ ظلم نہ کرو اور کسی آدمی کا مال بغیر اس کی خوشی کے لینا حلال نہیں)۔

بہر حال مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بائع کیلئے یہ طریقہ ناجائز نہیں اور اس طرح کسی کا مال لینا ہرگز حلال نہیں بلکہ مشتری کو وہ پیسہ واپس کرنا ضروری ہے۔

۱۱- رہن کی یہ شکل بھی جائز ہے، کیونکہ فقہاء نے اگرچہ رہن میں قبضہ کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن صراحت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس شیء مرہون کو راہن مرتہن سے بطور عاریت لے کر اس سے مشتق ہو سکتا ہے اور مرتہن کو یہ حق ہے کہ وہ جب چاہے شیء مرہون کو راہن سے طلب کر لے، اور اگر وہ چیز راہن کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو اسی کی چیز ہلاک ہوگی (ہدایہ ۳/۵۳۰)۔

لیکن یہ صورت اس وقت ہے جب کہ عقد رہن مرتہن کے قبضہ سے مکمل ہوا ہو، اس کے بعد مرتہن نے شی مرہون راہن کے قبضہ میں دی ہو، لیکن اگر سرے سے مرہون پر مرتہن کا قبضہ ہی نہیں ہوا، اس کے بعد عاریت پر دے دیا گیا تو عبارات فقہاء سے تو عدم جواز ہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ قبضہ ضروری ہے، لیکن پھر بھی چند وجوہات ایسی ہیں جن سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قبضہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ قابض کو اس شی پر ہر طرح کا اختیار ہو جائے، جیسا کہ ”نویں فقہی سیمینار منعقدہ جے پور“ (۱۱ تا ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۶ء) کی ”بیج قبل القبض“ سے متعلق تجاویز کے تیسرے جزئیہ میں اس کی صراحت ہے، لہذا اس کے پیش نظر اس طرح کے رہن کا جواز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مرتہن اگر چہ شی مرہون پر قبضہ نہیں کرتا، لیکن اس شی کی ملکیتی دستاویزات پر قبضہ کر لیتا ہے جو شی مرہون پر قبضہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے، کیونکہ ان دستاویزات پر قبضہ سے اس کو یہ حق ہو جاتا ہے کہ جب وہ چاہے شی مرہون کو اپنے پاس منتقل کر لے، نیز ضرورت کے وقت مثلاً وقت مقررہ پر دائن نے قرض ادا نہیں کیا تو مرتہن کو یہ حق ہے کہ وہ شی مرہون کو بیچ کر اپنا دین وصول کر لے، اور اسی اختیار کا نام قبضہ ہے، اور رہن کا مقصود بھی یہی ہے کہ دائن کے دین کی توثیق ہو جائے اور وہ حاصل ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ موجودہ دور میں عالمی تجارتات میں جبکہ بائع اور مشتری الگ الگ شہروں میں بلکہ الگ الگ ملکوں میں مقیم ہوتے ہیں تو شی مرہون کو منتقل کر کے قبضہ حسی معزز ہوتا ہے جب کہ دستاویزات پر قبضہ کی وجہ سے رہن پر قبضہ سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہے، بہر حال قبضہ کی تعریف اور حقیقت کی وجہ سے (جو شی مرہون پر ہر حال میں مرتہن کو حاصل ہو جاتا ہے) مشتری اور راہن کے پاس بھی شی مرہون کو رکھا جاسکتا ہے، شرعاً کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

۱۲ - کفالتہ ایک عقد تبرع ہے اور اسلامی فقہ میں یہ بات معروف و مشہور ہے کہ تبرعات کی اجرت لیما جائز نہیں، جیسا کہ قرض عقد تبرع ہے اور اس پر اجرت وغیرہ لیما جائز نہیں، لہذا کفالتہ

پر بھی اجرت لینا جائز نہیں، لیکن چونکہ بین الاقوامی تجارت میں اس کی سخت ضرورت رہتی ہے، اس لئے علماء نے اس کی متبادل شکل یہ نکالی ہے کہ:

الف: کریڈٹ لیٹر جاری کرنے میں بینک کے جو واقعی اخراجات اور مصارف ہوتے ہیں ان کا مطالبہ کرنا عمیل سے جائز ہے۔

ب: اپورٹریا ایکسپورٹ کے درمیان معاملہ کی تکمیل کے لئے بینک جو خدمت کرتا ہے اس پر بحیثیت دلال وغیرہ اپنی خدمت پر اجرت مثل کا مطالبہ کرنا بینک کے لئے درست ہے (فقہی مقالات ۹۸/۱)۔

۱۳ - جہاں تک دستاویز اور کاغذات تیار کرنے کی بات ہے جو دین کی توثیق کے لئے ہوتا ہے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے قرآن حکیم میں فرمایا: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَمَلَّيْتُمْ بَدِينِ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاصْتَبُوا“ [البقرہ/۲۸۲]۔

(اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک تو اس کو لکھ لیا کرو) (سارف القرآن)۔

رہی بات اس دستاویز کی خرید و فروخت کی (دستاویز کی خرید و فروخت کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بائع جو اصل دائن اور حامل دستاویز ہے وہ بعض اوقات یہ دستاویز تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور شمن اس دستاویز پر تحریر شدہ دین سے کم طے پاتی ہے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس بائع کو معین تاریخ سے پہلے رقم وصول ہو جائے، اور وہ تیسرا شخص اکثر حالات میں بینک ہوتا ہے۔ بینک اس دستاویز پر تحریر شدہ رقم میں سے فیصد کے اعتبار سے کٹوتی کر کے باقی رقم حامل دستاویز کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اس کو (Discounting of the Bill) مل کی کٹوتی کہا جاتا ہے) تو یہ دو وجہوں سے ناجائز ہے:

۱۔ اس لئے کہ بیعین کی بیع اس شخص سے کی جا رہی ہے جس پر دین نہیں، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ کہا جاتا ہے (رد المحتار علی الدر المختار ۳۳/۷)۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ کرنسی کی بیع کرنسی سے ہو رہی ہے جس میں ربا فضل اور ربا نسبیہ دونوں پائے جا رہے ہیں، جن کی حرمت منصوص ہے، ان دو وجہوں سے دستاویز کی بیع و شراء ناجائز اور حرام ہے۔

البتہ فقہاء نے اس کے اندر تھوڑی سی تبدیلی کر کے جواز کا حکم لگایا ہے۔ وہ تبدیلی یہ ہے کہ اولاً حامل دستاویز اس تیسرے شخص بنک وغیرہ کو مدیون سے اپنا دین وصول کرنے کا وکیل بنا دے اور اس وکالت پر کچھ اجرت بھی دے دے، اس کے بعد دوسرا معاملہ یہ کرے کہ حامل یعنی دائن دستاویز پر تحریر شدہ رقم کے مطابق بینک سے قرض لے لے، اور بینک کو اس کا اختیار دے دے کہ جب مشتری سے قرض وصول ہو جائے تو وہ اس رقم سے اپنا قرض وصول کر لے، گویا یہاں دو معاملے الگ الگ ہو گئے۔ ایک وکالت اور اس پر اجرت کا اور دوسرا قرض کا، اور یہ دونوں معاملے شرعاً درست ہیں (احسن الفتاویٰ ۷/۶۷، فقہی مقالات ۹۹)۔

۱۴۔ ”ضع تعجل“ کا یہ معاملہ کہ دائن کی طرف سے سے ترک حصہ دین ہو اور مدیون کی طرف سے اسقاط اجل، تو یہ معاوضہ ہے، اور موجب ربا ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ حضرت زید بن ثابتؓ کا اثر نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”قال محمد: وبهذا انا خذ من وجب له دين على انسان الى اجل فسأل ان يضع عنه ويعجل له ما بقى لم ينبغ ذلك، لأنه يعجل قليلا بكثير دينا فكأنه يبيع قليلا نقدا بكثير دينا، وهو قول عمر بن الخطاب و زید بن ثابت و عبد الله بن عمر“ وهو قول أبي حنيفة“ (مؤطا امام محمد ۳۳۳، باب الرجل يبيع المناع وغيره لسنة ثم يقول القدي وأضع عنك، رد المحتار علی الدر المختار ۸/۲۲۱-۲۲۲، زکریا ہک ڈیوٹیو بند“ فصل فی دعوی الدین، ہدایہ ۳/۲۳۵، عتایہ و کفایہ علی ہاشم الافکار ۷/۷۷-۳۹۶، بدائع المنافع ۶/۳۵۵، احکام القرآن للجصاص، آیت ربا۔ بحوالہ فقہی مقالات ۱۱۳)۔

۱۵۔ ”ضع تعجل“ کی ممانعت صرف دیون مؤجلہ میں ہے، جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

جہاں تک دیون حالت کا تعلق ہے (یعنی جن کی ادائیگی کے بارے میں عقد کے اندر کسی مدت کو متعین نہیں کیا گیا) تو ایسے دیون میں دین کے کچھ حصہ کے چھوڑنے پر صلح کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ جائز ہے۔ اور فرق دیون مؤجلہ و حالہ میں یہ ہے کہ دین حال میں مدت کی شرط نہیں ہوتی اور تاخیر مدیون کا حق نہیں ہوتا، تو چونکہ اس میں مدت نہیں ہوتی، اس لئے یوں نہیں کہا جاسکتا کہ دین کا جو حصہ معاف کر دیا گیا ہے وہ مدت کے عوض میں ہے۔ لہذا یہاں ”اعتیاض عن الأجل“ نہیں پایا گیا جو حرام ہے (ہدایہ و حاشیہ ۲۳۵۳، ہکذا فی الکفر ۳۳۶، والبحر الرائق ۲۵۹/۷، ہندیہ ۲۳۱/۳، رد المحتار ذکر کیا ۲۲۲/۸)۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ قرض حنفیہ کے نزدیک مؤجل نہیں ہوتا، جب کہ قدوری میں

ہے:

”وکل دین حال إذا أجله صاحبه صار مؤجلاً إلا القرض، فإن تأجيله

لا یصح“ (قدوری، ۸۱)۔

لہذا قرض دیون حالہ میں سے ہے۔ اور دیون حالہ میں ”ضع و تعجل“ جائز ہے۔ چنانچہ قرض کے سلسلہ میں ”ضع و تعجل“ کا جواز اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جس کو امام بخاری نے ”کتاب الخصومات“ میں نقل کیا ہے: واقعہ یہ ہوا کہ حضرت کعب بن مالکؓ کا حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ پر قرض تھا، جب حضرت کعبؓ کی ان سے ملاقات ہوئی تو ان کو پکڑ لیا اور قرض پر دونوں کی آواز بلند ہوگئی، اتنے میں حضور ﷺ وہاں سے گذرے، آپ کو ان کی گفتگو کا علم ہوا تو آپ نے کعبؓ کو مخاطب کر کے ہاتھ سے اس طرح اشارہ فرمایا گویا آپ فرما رہے ہوں کہ نصف قرض لے لو اور نصف چھوڑ دو، چنانچہ حضرت کعبؓ نے ایسا ہی کیا (بخاری شریف ۱/۳۲۷)۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تحریر فرمایا ہے:

”فقال أهل العلم في التطبيق بينه و بين هذه الآثار: إن الآثار في

المؤجل، وهما في الحال، وفي كتاب الرحمة: اتفقوا على أن من كان له دين على إنسان إلى أجل، فلا يحل له أن يضع عنه بعض الدين قبل الأجل ليعجل له الباقي..... على أنه لا بأس إذا حل الأجل أن يأخذ البعض ويسقط البعض“ (المسوي على المعنى شرح الموطأ للإمام مالك ۲/۳۸۲، بحواله فقہی مقالات ۱۱۱)۔

۱۶- بیع بالتقسيط میں اگر بائع یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر مشتری مقررہ وقت پر کوئی قسط ادا نہ کر سکا تو مہلت کا معاملہ ختم کر دیا جائے گا، اور آئندہ کی باقی اقساط بھی نوراوا کرنا ضروری ہوگا، تو اس قسم کی شرط لگانا صحیح اور بائع کے لئے درست ہوگا کہ وہ فی الحال پوری قیمت کا مطالبہ کرے (درمختار اردو المختار ۵/۵۳، بدائع الصنائع ۶/۳۵۶، البحر الرائق ۵/۲۸۰)۔

۱۷- اس میں دو مسئلے ہیں: ۱- دائن کے مرجانے سے بیع بالتقسيط کے معاملہ میں کچھ فرق آئے گا یا نہیں؟ ۲- مدیون کی موت سے اس معاملہ میں فرق آئے گا یا نہیں؟۔

تو اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ دائن کی موت سے تو اس بیع بالتقسيط کے معاملہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا، ہاں البتہ مدیون کے سلسلہ میں حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مدیون کی موت سے دین مؤجل نوراوا واجب الاداء ہو جاتا ہے (البحر الرائق ۵/۲۸۰، رد المحتار علی الدر المختار ۵/۳۸۷، زکریا دیوبند، رد المحتار ۱۰/۳۸۹)۔

لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مدیون اگر مرجانے تو اس کا دین بھی مؤجل کرنے سے مؤجل ہو جاتا ہے۔

فائدہ:

مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مدیون کی موت سے دین مؤجل حال ہو جاتا ہے، لیکن ”بیع بالتقسيط“ اور ”مراہمہ مؤجلہ“ (جن میں مدت کے مقابلہ میں بھی ثمن کا کچھ حصہ ہوتا ہے) میں نوری واجب الاداء کا قول اگر اختیار کیا جائے تو اس صورت میں ورنہ کا نقصان ہے، لہذا مناسب یہ ہے کہ دو قولوں میں سے کسی ایک قول کو

اختیار کر لیا جائے، یا تو متاثرین حنفیہ کا یہ قول لے لیا جائے کہ اداء دین کی جو مدت متفق علیہ تھی اس کے آنے میں جتنا وقت باقی ہے اس وقت کے مقابلہ میں جتنا ثمن آتا ہو وہ ساقط کر دیا جائے، اور مدیون کے ترکہ میں سے صرف وہ ثمن وصول کر لیا جائے جو ایام گذشتہ کے مقابلہ میں آتا ہو۔

یا پھر حنا بلہ کا قول اختیار کر لیا جائے کہ جس طرح وہ دین مؤجل تھا اب بھی مؤجل ہی رہنے دیا جائے، البتہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مدیون کے ورثاء کسی قابل اعتماد ذریعہ سے اس دین کی توثیق کر دیں۔ شاید حنا بلہ کا یہ قول اختیار کرنا زیادہ مناسب ہو، اس لئے کہ مدتوں کے اختلاف کی وجہ سے ثمن میں تذبذب کی جو صورت ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے صورت سودی معاملات سے مشابہت ہو جاتی ہے وہ تذبذب اس صورت میں نہیں پایا جاتا۔

حنا بلہ کے مذکورہ بالا قول کی طرح کا قول کچھ علماء حنفیہ کا بھی ہے، مثلاً صاحب محیط و تاضیخاں وغیرہ، جیسا کہ رد المحتار سے معلوم ہوتا ہے، لہذا اگر یہ قول اختیار کیا جائے تو حنفیہ ہی میں سے بعض کا قول اختیار کرنا ہوگا۔ جس کی ورثاء کے نقصان کی صورت میں گنجائش نکل سکتی ہے۔

۱۸- اگر اس انعام کی صورت میں خریدار کا روپیہ ضائع ہونے کی کوئی صورت نہ ہو، قیمت بھی پوری تمام اقساط کی ادا کرے، اور انعام نکلنے پر بقیہ قیمت ساقط ہونے کا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو تو گنجائش ہے، ورنہ نہیں (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۵۷۷)۔

۱۹- یہ معاملہ اور اسکیم سود اور قمار پر مشتمل ہے، لہذا حرام ہے، کیونکہ اس طرح خریدار کو پوری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، اور انعام نکلنے پر بقیہ قیمت ساقط ہو جاتی ہے، لہذا یہ معاملہ جائز نہیں، چنانچہ حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاہوری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

”بلاشبہ مذکورہ اسکیم اور معاملہ سود اور قمار پر مشتمل ہے، لہذا حرام ہے، یہ اسکیم چلانا اور شرکت کرنا جائز نہیں“ (فتاویٰ رحیمیہ ۱۳۲/۶)۔

ثمن کی زیادتی مدت کے عوض میں

مولانا محمد ابو بکر کاسمی ☆

۱- ادھار فروختگی کی وجہ سے ثمن میں اضافہ:

اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں قسم کے فقہاء نے بحث کی ہے، چنانچہ بعض فقہاء ادھار فروختگی میں ثمن کی زیادتی کو ناجائز کہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس صورت میں ثمن کی زیادتی مدت کے عوض میں ہے، اور جو ثمن مدت کے عوض میں دیا جائے وہ سود ہے، یا کم از کم سود کے مشابہ ضرور ہے، علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں حضرت زین العابدین علی بن الحسین، ناصر، منصور باللہ اور ہادیہ کا یہی مسلک نقل فرمایا ہے (نیل الاوطار ۵/ ۱۷۲)۔

لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کا مسلک یہ ہے کہ ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلہ میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ عاقدین عقد بیع کے وقت ہی بیع کے مؤجل و ادھار ہونے کے سلسلہ میں قطعی فیصلہ کر کے کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں (ترندی کتاب بیوع باب ۱۸، حدیث ۱۳۳۱، ج ۱ ص ۱۷، فتاویٰ مالگیری ۳/ ۷۲، فتح القدر ۵/ ۸۲، بحوالہ فتاویٰ عہد اہل ۶/ ۲۷۶، واصن الفتاویٰ ۷/ ۳۲، کفایت المغنی ۸/ ۳۰، تحت الاحوذی ۲/ ۲۹، فقہ السنۃ ۳/ ۷۳، ہدایہ ۶/ ۷۶، بیسوط ۱۳/ ۷۸، ملاحظہ ہو المغنی لابن قدامہ ۳/ ۷۷، الدسوقی علی اشرح الکبیر ۳/ ۵۸، مغنی المحتاج للشریحی ۲/ ۳۱، فقہی مقالات ۱/ ۸۳، ۸۴)۔

۲- کیا ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت ضروری ہے؟

ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر عاقدین نے اتفاق رائے سے ادھار قیمت کو قسطوں پر ادا کرنے کا معاہدہ کر لیا ہو، مثلاً خرید کردہ مال کی قیمت دس ہزار ہے دس قسطوں میں یعنی ہر ماہ کے آغاز میں ایک ہزار کی ایک قسط کے حساب سے ادائیگی کا معاملہ طے ہو جاتا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ ہر قسط کی رقم کی تعیین کے ساتھ ادائیگی کی مدت بھی متعین کر دی گئی ہو، اور اگر قسط کی رقم یا ادائیگی کی مدت مجہول ہوگی تو بیع بھی شرعاً ناسد ہوگی (فتاویٰ مالگیری ۳/۳۳، درمختار علی ہاشم راجحنا ۲/۲۶۸۳)۔

۳- ادھار بیع میں نقد و ادھار دونوں طرح کی قیمت کا ذکر کرنا:

ادھار فر وختگی کی صورت میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے یہ ضروری ہے کہ صرف ادھار قیمت کا تذکرہ کیا جائے اور اسی پر معاملہ کو طے کر لیا جائے (فتاویٰ مالگیری ۳/۳۶۸۳، البانیہ ۱۶/۳)۔

۴- کیا ادھار فر وختگی کی صورت میں مال کی زیادہ قیمت مقرر کرنا رہا ہے؟

نقد فر وختگی کے مقابلہ میں ادھار فر وختگی کا معاملہ طے کرتے ہوئے قیمت زیادہ مقرر کرنا ہرگز رہا کے دائرہ میں نہیں آتا اگرچہ زائد قیمت وقت کے عوض ہی میں کیوں نہ ہو، کیونکہ وقت و مدت کی حیثیت بیع کے باب میں تابع کی ہوتی ہے، اصل کی نہیں، ہاں بیع کی حیثیت اصل کی ہوتی ہے، اور درحقیقت بیع ہی کی بیع ہوتی ہے، اور ضمناً اسی کے تابع ہو کر مدت کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے، ورنہ الگ سے مدت کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں ہوتی (المحرمات ۱/۱۲۵، ہدایہ ۳/۵۸، قواعد الفقہ ۱۶/۲۰، مقالات ۱/۸۳)۔

۵- ادھار فر وختگی کی صورت میں مدت بڑھانے کے سبب قیمت میں کمی کرنا:

شرعاً معاملہ کی یہ شکل جائز ہے (کفایت المفتی ۳۱/۸، ہدایہ ۳/۱۸، باب الکرہیۃ ۳/۵۵)۔

۶- بیع کی قیمت متعین مدت میں ادا نہ کرنے پر اضافہ کی شرط لگانا:
 شرعاً یہ سود ہے جس کی ہرگز گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مدت کو مستقل حیثیت دے کر اس کا عوض لیا جا رہا ہے، جو شرعاً حرام ہے (حاشیہ ہدایہ ۵۸/۳، ہبوط امام مالک ماجاء فی الربا فی الدین، ۲۷۹)۔

۷- ادھار بیع میں وقت مقررہ پر ثمن ادا نہ کرنے کے سبب مزید رقم واجب کرنا:
 شرعاً اس طرح کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ مزید رقم جرمانہ اور مالی تاوان تو ہے ہی، اس کے علاوہ سود کی تعریف بھی اس پر صادق آ رہی ہے (حاشیہ ہدایہ باب الربا، ۲/۳۶۱)۔
 نیز اس طرح کا جرمانہ عائد کرنا سراسر ظلم ہے، کیونکہ خریدار کے قیمت ادا نہ کرنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ تنگ دست ہے جس کے سبب سامان کی قیمت یکمشت یا قسط وار نہیں ادا کر پا رہا ہے، یا وہ تنگ دست تو نہیں ہے لیکن خواہ مخواہ نال منول سے کام لے رہا ہے، اب اگر وہ تنگ دست ہے، تو قرآن پاک کی تصریح کے مطابق بائع کی طرف سے ادائے ثمن میں مہلت دیا جانا واجب ہے، کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وإن کا ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة“ (سورہ بقرہ، ۲۸۰)۔

اگر ایسی صورت میں بائع اس پر ثمن نہ ادا کرنے کی وجہ سے مزید کچھ رقم لازم کرے گا، تو یہ سراسر ظلم ہوگا، نیز اس اضافے کے سود ہونے میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے، نیز ادائے دین میں مہلت دے کر اس کے عوض لینے کو حضرات فقہاء نے حرام قرار دیا ہے (ہدایہ ۲۳۵/۳) اور اگر خریدار ادائے ثمن میں تاخیر لا پر وہی اور نال منول کی وجہ سے کرتا ہے تنگ دستی کی وجہ سے نہیں کرتا ہے، تو یقیناً خریدار کے اس عمل سے بائع کو ضرر عظیم لاحق ہوگا، تاہم لوگوں میں دینی و اخلاقی اقدار کی کمی کی وجہ سے نال منول کی بیماری عام ہو گئی ہے، جو یقیناً ظلم ہے، چنانچہ حضور اکرم کا ارشاد ہے: ”مطل الغنی ظلم“ (صحیح بخاری باب الاستقراض، ۳۲۳)۔ اور اس صورت میں نال منول کرنے والا شخص سزا پانے اور بے آمد ہونے کے لائق ہو جاتا ہے، اور ایسے شخص کا شرعاً بائیکاٹ

بھی کیا جاسکتا ہے۔ ابن ماجہ میں حضور اکرم کا یہ ارشاد منقول ہے: ”لی الواجد یحل عرضه وعقوبته“ (ابن ماجہ ابواب الاحکام باب الخمس فی الدین ۲، حدیث ۲۳۵۲) (مالدار کا مال منول کرنا اس کی آمد کو حلال کر دیتا ہے)، لیکن دور حاضر میں معاشرہ کے نظام کے درہم برہم ہو جانے کے سبب کسی شخص کو سزا دینا یا اس کا بائیکاٹ کرنا آسان نہیں ہے، اگر اس پر ثمن کے علاوہ مزید کچھ رقم کی ادائیگی یوں ہی متعین کر کے یا فیصد کے حساب سے بطور جرمانہ لازم کر دی جائے تو اس پر عمل تو ممکن ہے لیکن شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے، جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے ان سب کو حضرات محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے منسوخ قرار دیا ہے (حسن الفتاویٰ ۵۵۶/۵، رد المحتار ۱۹۶/۳)۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ادائے ثمن میں تاخیر کرنے والوں پر مالی معاوضہ لازم کرنے کی تجویز بھی شرعاً درست نہیں ہے، البتہ بعض علماء نے اسی کی دوسری صورت یہ تجویز کی ہے کہ معاوضہ بیع کے وقت بائع مشتری سے اس بات کا عہد لے لے کہ اگر خریدار نے ثمن کی ادائیگی میں تاخیر و کوتاہی کی تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ ثمن کے تناسب سے ایک معین رقم خیراتی کاموں میں بطور تبرع خرچ کرے گا، اور یہ رقم پہلے وہ بائع کو ادا کرے گا اور پھر بائع خریدار کی طرف سے نیابتہ اس رقم کو خیراتی کاموں میں لگا دے گا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں مذکورہ رقم نہ بائع کی ملک ہوگی، اور نہ ہی اس کی آمدنی اور منافع کا حصہ ہوگی، بلکہ خیراتی کاموں میں صرف کرنے کے لئے بطور امانت اس کے پاس وہ رقم محفوظ رہے گی۔ مندرجہ بالا تجویز خریدار کے لئے ادھار ثمن کے وقت پر ادا کرنے کے سلسلہ میں بہترین دباؤ ہے، اور توقع ہے کہ یہ تجویز مال منول کے سدباب کے لئے مالی معاوضہ والی تجویز کے مقابلہ میں زیادہ مؤثر ہوگی، نیز بطور تبرع جو رقم خریدار پر لازم کی جائے گی اسے شرعاً سود بھی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اس رقم کا مالک بائع نہیں ہوگا، نیز اس تبرع والی رقم کے لازم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ رقم ادھار ثمن کے متناسب

حصے کے برابر فیصد کے حساب متعین ہو یا یونہی ایک رقم متعین کر لی جائے تاکہ خریدار وقت پر ادھار ثمن کے ادا کرنے کا پابند ہو جائے (تحریر الکلام، ۱۷۶، بحوالہ فقہی مقالات، ۱۳۱/۱)۔

یاد رہے کہ اوپر جو کچھ عرض کیا گیا وہ حضرات فقہاء مالکیہ کے قول کے مطابق ہے، لیکن جہاں تک حضرات حنفیہ کی تصریحات کا تعلق ہے تو اگرچہ ان کے نزدیک عام طور سے وعدہ قضاء لازم نہیں ہوگا، البتہ بعض دعوے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے لازم ہو جاتے ہیں (الدر المختار علی ہاشم رد المحتار ۲/۵۷۲، باب المصروف قبیل کتاب الکفالت)۔

لہذا ادھار بیع میں ثمن کی ادائیگی میں مال منول کرنے کو روکنے کی غرض سے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مندرجہ بالا تبرع کو سوالنامہ کی درج شدہ صورت میں لازم قرار دینے کی گنجائش ہے (مستقدا از فقہی مقالات، ۱۳۳/۱)۔

۸- ادھار قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے کوئی مال رہن رکھوانا:

شرعاً ایسا کرنا جائز ہے (خانہ علی ہاشم الہندیہ ۵۹۶/۳)۔

الف۔ مفتی بقول کے مطابق بائع کا مال مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اس سلسلے میں مسالک فقہاء اور ان کے دلائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (ہدایہ ۵۰۶/۳، بدائع الصنائع ۱/۶۳، مجمع لا سہر ۶۰۶/۲، رد المحتار ۵/۳۳۳، الاشیاء والظاہر ۱۶۰، فتاویٰ سراہیہ ۱۸۸، بحوالہ بحث و نظر شمارہ ۲۵، شرح سحانی ۱/۴۱۲، نصب الرایۃ ۶۰/۳، حدیث: ۳۲، مجموعہ فتاویٰ عبدالحی ۳۰۱، امداد الفتاویٰ ۳۵۳/۳، کفایت المفتی ۱۳۳/۸)۔

ب۔ حضرات فقہاء کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مال مرہون کی قیمت دین کے برابر ہو یا زیادہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں دین ساقط ہو جائے گا، اب نہ بائع مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور نہ مشتری اپنے مال مرہون کا، اور اگر مال مرہون کی قیمت دین سے کم ہو تو مال مرہون کی قیمت کے بقدر دین ساقط ہو جائے گا، اور جو اس سے زائد دین ہوگا وہ بائع مشتری سے وصول کرے گا (مستقدا از ہاشمی زبوریا پنجم حصہ صفحہ ۵۷، فتاویٰ ہندیہ ۲۴۷/۵)۔

ج۔ اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کے کلام کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بائع خریدار کو مجبور کرے گا کہ وہ مال مرہون کفر وخت کر کے قیمت ادا کرے، اور خریدار مال مرہون کفر وخت نہ کرے تو قاضی خریدار کا نائب بن کر مال مرہون کفر وخت کر دے گا، اور خود بائع کیلئے بغیر خریدار کی اجازت کے مال مرہون کو بیچنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے (درمختار مع رد المحتار ۳۵۹/۵)۔

اور اگر رہن رکھتے ہی وقت بائع نے مشتری سے کہہ دیا کہ اگر تم نے وقت مقررہ پر قیمت ادا نہیں کی تو مجھے مال مرہون کفر وخت کر کے قیمت وصول کر لینے کا وکیل بنا دو، اور خریدار نے اس کو قبول کر لیا تو وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں خود بائع کو خریدار کا وکیل بن کر مال مرہون کو بیچ سکتا ہے، اور پھر اپنی رقم وصول کر سکتا ہے، اور اگر اس درمیان میں خریدار بائع کو وکالت سے معزول کرنا چاہے تو اس کو ہٹانے کا اختیار نہیں ہوگا (۳۵۸/۵)۔

اور عقد بیع کے وقت بیع کی جو قیمت مقرر ہوئی تھی بائع کو اسی قدر لینے کا اختیار ہوگا، اس سے زیادہ وہ نہیں لے سکتا، اور مال مرہون کفر وخت کرنے کے بعد مقررہ قیمت سے جو زائد رقم ہو بائع پر ضروری ہوگا کہ وہ اسے خریدار کو لوٹا دے اور مقررہ قیمت زیادہ ہو اور مال مرہون کی قیمت کم ہو تو مشتری سے اپنی مقررہ قیمت کا بقیہ وصول کر لے گا (الدر المختار مع رد المحتار ۳۶۲/۵)۔

۹۔ قیمت کی وصولیابی کیلئے بیع کو مجبوس رکھنا:

ثمن کی وصولیابی کی غرض سے نقد بیع میں بیع کو روکا جاسکتا ہے، لیکن ادھار بیع میں بیع کو نہیں روکا جاسکتا، البتہ اگر بیع پر مشتری نے قبضہ کر لیا تو بائع اسے اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے، لیکن اگر قبضہ نہیں کیا ہے تو بائع بیع کو اپنے پاس نہ رہن رکھ سکتا ہے اور نہ ہی ثمن کی وصولی کے لئے ادھار بیع میں بیع کو روک سکتا ہے (فتاویٰ ہندیہ ۱۵/۳، درمختار ۳۵۳/۵)۔

۱۰۔ اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں بیع پر قبضہ کا حکم:

بائع کا بیع کو رکھنے کے ساتھ اس کی ادا شدہ قیمت کی قسط کو مفت میں رکھ لینا شرعاً جائز

اور حرام ہے، اور حدیث نبوی میں اس کی ممانعت وارد ہے:

”نہی رسول اللہ عن بیع العربان قال أبو عبد اللہ: العربان أن يشتري الرجل دابة بمائة دينار فيعطيه دينارين عربونا فيقول: إن لم أشتري الدابة فالدينار لك“ (ابن ماجہ شریف حدیث ۲۳۱۱، ۱/۱۵۸)، ”قال فی هامش ابن ماجہ: نهى عن بيع العربان: وهو أن يشتري السلعة ويعطى البائع درهما أو أقل أو أكثر على أنه إن تم البيع حسب من الثمن وإلا لكان للبائع ولم يرجعه المشتري وهو بيع باطل لما فيه من الشرط والغرر وأجازه أحمد“ (حاشیہ ابن ماجہ ۳، ۱/۱۵۸)، ”وجاء فی حجة الله البالغة للشاه ولی الله المحدث الدهلوی: نهى عن بيع العربان أن يقدم إليه شیء من الثمن فإن اشترى حسب من الثمن وإلا فهو له مجاناً- وفيه معنى الميسر“ (حجة الله البالغة ۲/۱۰۸)۔

۱۱- خرید کردہ سامان کو خریدار کے پاس رکھ کر رہن قرار دینا:

دور حاضر میں رہن کی ایک نئی قسم کارواج ہے جس کی رو سے خرید کردہ سامان خود خریدار کے پاس رہتا ہے، اور وہی اس کو استعمال کرتا رہتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس سامان کو رہن قرار دیا جاتا ہے اور اس میں تصرف کرنے اور اس کو فروخت کرنے کا پورا اختیار بائع کو ہوتا ہے، جس کے حق کے سبب اس مال کو رہن رکھا گیا ہے، اب ایسی صورت میں اس سامان کو شرعاً رہن کہا جائے گا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں سرسری نگاہ سے حضرات فقہاء کے کلام کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سامان کو رہن نہ قرار دیا جائے، کیونکہ اکثر فقہاء نے رہن کے صحیح ہونے کے لئے شیء مرہون پر مرہون کے قبضہ کی شرط لگائی ہے جس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے: ”فرهان مقبوضۃ“۔

قرآن پاک کی آیت ”فرهان مقبوضۃ“ کے پیش نظر رہن کی مذکورہ صورت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ شیء مرہون پر مرہون نے قبضہ نہیں کیا، اس لئے شرعاً اس رہن کو

درست نہ ہونا چاہئے، لیکن ظاہر ہے کہ کسی سامان پر بائع یا مشتری کے قبضہ کے تحقق کے لئے حاص قبضہ مشروط نہیں ہے، بلکہ کسی سامان پر جس طرح حسی قبضہ سے قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے، اسی طرح قبضہ حکمی کا بھی حضرات فقہاء نے اعتبار کیا ہے، بلکہ فقہاء احناف کے نزدیک تخلیہ اور رفع موانع سے بھی قبضہ ہو جاتا ہے، چنانچہ ”الموسوع الفقہیہ“ میں احناف کی ظاہر روایت کے مطابق قبضہ کی حقیقت یہ بیان کی گئی ہے:

”اعتبروا التخلية وهي رفع الموانع والتمكين من القبض قبضاً حكماً
على ظاهر الرواية“ (الموسوع الفقہیہ ۱۳۲/۸)۔ اور بدائع میں لکھا ہے: ”لا خلاف بين
أصحابنا في اصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال“ (بدائع لمناج
۲۲۲/۵)۔

مندرجہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ رفع موانع سے بھی قبضہ ہو جاتا ہے، لہذا جب مشتری نے بائع کو بیع پر قابض ہونے کے بعد تصرف کا اختیار دے دیا، اور بیع اگرچہ بظاہر مشتری کے پاس ہے، لیکن اس میں فروخت و تصرف کا حق بائع کو حاصل ہے، خود مشتری کو یہ حق حاصل نہیں ہے، اس لئے اس صورت میں بیع پر بائع کا حکماً قبضہ تسلیم کرتے ہوئے اسے رہن قرار دینے کی شرعاً گنجائش ہے، چنانچہ دو حاضر کے فقہاء میں حضرت مولانا قسطلانی صاحب کی یہی رائے ہے، اس سلسلہ میں مکمل تفصیل حضرت مولانا موصوف کی کتاب ”فتاویٰ مقالات“ (جلد اول ۹۲ تا ۹۴) میں ملاحظہ فرمائیے، اور اس مسئلہ کی نظیر ہدایہ وغیرہ کتب فتاویٰ کا وہ مسئلہ ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ مرتہن اگر مال مرہون راہن کو بطور عاریت دے دے تب بھی وہ مال رہن رہتا ہے، اور راہن اگر انتقال کر جائے تب بھی مرتہن کے لئے یہ حق باقی رہتا ہے کہ وہ اس مال سے اپنا دین وصول کر لے، چنانچہ ”ہدایہ“ میں ہے:

”ألا ترى أنه لو هلك الراهن قبل أن يردده على المرتهن كان

المرتهن أحق به من سائر الغرماء“ (ہدایہ ۵۳۰/۳)۔

۱۲- دین کی توثیق کے لئے گارنٹی کی جائز صورتیں اور ان پر اجرت کا لینا:
 کفیل جو ایئر آف کریڈٹ جاری کرتا ہے اس پر اس کے کچھ اخراجات ہوتے ہیں، نیز کفیل جو بائع کا دین مشتری سے لے کر ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے، تو اس سلسلہ میں اس کو بحیثیت وکیل یا بحیثیت دلال یا درمیانی ہونے کی حیثیت سے سعی و کوشش اور اجیر رکھ کر دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے جس کا مطالبہ وہ اسیل سے کرتا ہے یا کبھی وہ بائع سے کرتا ہے تو شرعا اس کی گنجائش ہے اور اسی کو عرف میں کفالت کی اجرت کہا جاتا ہے، اور اس کے جواز کا فتویٰ مولانا مفتی عثمانی صاحب نے بھی (فتہی مقالات ۱/ ۹۸) پر دیا ہے، لیکن اگر کفالت کی اجرت کا مطلب یہ ہو کہ کفیل اسیل و مکفول عنہ اور مکفول لہ کے درمیان سعی و کوشش تو نہ کرے، البتہ تمہر عا کفیل کی جانب سے مکفول لہ کا دین ادا کرے اور اس کی اجرت کفیل سے یا مکفول لہ سے طلب کرے تو شرعا یہ جائز نہیں ہے، اور کفالت کی اجرت کا یہی مفہوم مراد لے کر حضرت مولانا مفتی عثمانی صاحب نے (فتہی مسائل جلد اول ص ۹۶ و ۹۷) میں کفالت کی اجرت کے ناجائز ہونے کے سلسلہ میں طویل بحث کی ہے۔

۱۳- دین کے دستاویز کی خرید و فروخت کا شرعی حکم:

دین کی دستاویز کی خرید و فروخت کم قیمت میں شرعا جائز نہیں ہے (درمختار ۱۵/ ۱۵۳، علاء السنن ۱۳/ ۲۳۳)، البتہ اگر بائع چاہتا ہے کہ اس کا دین حاصل ہو تو وہ کسی شخص کو دستاویز دے کر اس کو خریدار سے دین وصول کرنے کا وکیل بنا دے، اور دین وصول کرنے کی اجرت کے طور پر اس وکیل کے لئے کچھ رقم طے کرے اور اجرت میں طے شدہ رقم کے علاوہ جتنی رقم دین کی دستاویز میں درج ہو اس کو وکیل سے بطور قرض لے لے، لیکن اس صورت میں اگر وکیل کو خریدار سے دستاویز میں لکھی ہوئی دین کی رقم وصول نہ ہو تو وہ بائع (مؤکل) سے اپنے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے (اصن الفتاویٰ ۶/ ۱۷۶ جلد ۱، امداد الفتاویٰ ۳۲۲/ ۳، فتہی مقالات ۱/ ۹۹)۔

۱۴- دھار خرید و فروخت میں مقررہ وقت سے پہلے رقم ادا کرنے پر کچھ معاف کر دینا:

جس طرح طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے آگے بڑھانے پر زیادتی کا مطالبہ کرنا ناجائز ہے، اسی طرح ادھار بیع میں بائع کا طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے پہلے اس شرط پر مانگنا کہ اس کا ایک حصہ کم کر دیں گے شرعاً سود اور ناجائز ہے، البتہ جب دین کی ادائیگی کا وقت آ جائے تو اس وقت تھوڑا دین وصول کر لے اور باقی کو معاف کر دے تو یہ شرعاً درست ہے، اسی طرح تجبیل کی صورت میں بلا شرط کے دین کا کچھ حصہ چھوڑ دینا جائز ہے، نیز نقد بیع میں بھی ثمن میں کمی کر دینا جائز ہے۔ اس سلسلے میں صحابہ، تابعین اور ائمہ کرام کے اقوال اور دلائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (سوطا امام مالک، ۲۷۸-۲۷۹، سوطا امام محمد، ۳۳۳، شرح اسیر، ۱۲۱۲، المسوی علی المصی، ۳۸۲/۲، احکام القرآن للجصاص، ۱/۳۶۷، بدائع الصنائع، ۵/۳۵۶، ہدایہ، ۳/۲۳۵، درختار، ۳/۵۳۲، احسن الفتاویٰ، ۱۸۰/۷)۔

۱۵- ادھار بیع میں دین مطلق کے نقد ادا کرنے پر کچھ کمی کر دینا:

شرعاً بیع کا یہ معاملہ فاسد ہوا، جس کا ختم کر دینا ضروری ہے، لہذا بیع کے اس معاملہ میں دین مطلق کے نقد ادا کرنے سے کچھ کمی کرنے اور چھوڑ دینے کا سول نہیں پیدا ہوتا (فتاویٰ مالگیری، ۳/۳، حاشیہ ہدایہ، باب الصلح فی الدین، ۳/۳۵۶، بدائع الصنائع، ۶/۲۳)۔

البتہ اگر بیع مطلق ہو اور ادائے ثمن کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، اور اس صورت میں بائع نے مشتری سے کہا کہ اگر نقد ثمن ادا کر دو تو مقررہ ثمن میں کچھ کمی کر دی جائے گی تو شرعاً اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے، کیونکہ مطلق بیع میں ثمن کی ادائیگی فی الحال واجب ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ فوری ادائیگی والے دیون میں وضع و تجبیل کے اصول کو مانڈ کرنا یعنی دین کے کچھ حصہ کو چھوڑنے پر صلح کرنا جائز ہے (حاشیہ ہدایہ، باب الصلح فی الدین، ۳/۳۵۶، بدائع الصنائع، ۶/۲۳، ہدایہ، ۳/۶۰)۔

۱۶- کسی قسط کی ادائیگی میں تاخیر کرنے پر مہلت کے معاملہ کو ختم کر دینا: ”بیع بالتقسیت“ میں طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کر دینا اور فوری طور پر ماہی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز و درست ہے (خلاصہ الفتاویٰ کتاب الربو ع ۵۳/۳، ملاحظہ ہو الفوائد الخیریۃ علی جامع الفصولین ۳/۳، مطبوعہ مصر، الدر المختار مع الشای ۲۶/۳، بدائع ۶/۱)۔

۱۷- بیع بالتقسیت میں مقررہ وقت سے پہلے فریقین میں سے کسی ایک کا مرجانا: حضرات فقہاء کی تصریحات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دائن کے انتقال کرنے کی صورت میں تو بیع بالتقسیت میں قسطوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں معاملہ طے شدہ تفصیل کے مطابق باقی رہے گا، اور مدیون علی حالہ قسط واردین ادا کرتا رہے گا، اور دائن کے وراثہ کو مدیون سے فی الفور دین کی تمام رقم کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا، کیونکہ اوصار بیع میں مدت خریدار کا حق ہوتی ہے، اور مدت کے عوض ثمن کا کچھ حصہ ہوتا ہے، اس لئے دائن یا اس کے وراثہ کو مدت سے پہلے دین کے مطالبہ کا شرعاً حق نہ ہوگا، درمختار میں ہے:

”لزم تأجيل كل دين إن قبل المليون“ (الدر المختار مع رد المحتار ۱۸۸/۳)۔

(اگر مدیون نے مان لیا تو ہر دین مؤجل ہو جاتا ہے)۔

البتہ اگر مدیون کا انتقال ہو جائے تو دین مؤجل فوری طور پر واجب الادا ہوگا یا نہیں، اور دائن کو مدیون کے وراثہ سے اس دین کی فوری ادائیگی کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کے مختلف اقوال ہیں: حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مدیون کی موت سے دین مؤجل فوری واجب الادا ہو جاتا ہے، اور حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت اس طرح منقول ہے، لیکن حنابلہ کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ اگر مدیون کے وراثہ اس دین کی توثیق کر دیں اور اس کی ادائیگی پر بائع کو اطمینان دلا دیں تو اس صورت میں وہ دین مدیون کی موت سے فوری واجب الادا نہیں ہوگا، بلکہ وہ پہلے ہی کی طرح

مؤجل رہے گا (المغنی لابن قدامة ۴۸۶، کتاب المفلس، فقہی مقالات ۱۳۳)، اور فقہاء احناف میں سے صاحب ”محیط“ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مدیون کی وفات ہو جانے کے باوجود مؤجل، مؤجل ہی رہے گا، اور اسی پر قاضی خاں نے فتویٰ دیا ہے (رد المحتار ۱۸۹، ۱۸۹)۔

راقم سطور کی ناقص رائے یہ ہے کہ اگر مذکورہ صورت میں بائع دین مؤجل کے مؤجل رہنے دینے پر رضامند ہو، اور مدیون کے ورثاء کسی قابل اعتماد ذریعہ سے اس دین کی توثیق کر دیں تب تو دین مؤجل علیٰ حالہ باقی رہے گا ورنہ دین مؤجل کی فوری ادائیگی واجب ہوگی، اور پورا دین ادا کرنا واجب ہوگا۔

۱۸- بیع بالتقسیط میں بعض خریدار کو قتر عاندازی کے ذریعہ انعام دینا:

شرعاً اس طرح انعام دینا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں ربا اور قمار نہیں پایا جاتا، اور نہ دیگر کوئی خرابی پائی جاتی ہے، البتہ انعام کی رقم کا ایک ہی جانب سے معاملہ ہونا چاہئے، اور دوسری جانب سے انعام وغیرہ دینے پر کوئی فیس وغیرہ نہ لی جائے تو شرعاً جائز ہے، اور بائع پر خریدار میں تقسیم انعام کے لئے قتر عاندازی کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ وہ جس کو انعام دینا چاہے اسے اس کا اختیار حاصل ہے، البتہ خریداروں کی دلجوئی کے لئے قتر عاندازی کر لینا امر مستحسن ہے تاکہ تہمت سے حفاظت ہو، ہدایہ میں ہے:

”والقرعة لتطیب القلوب وإزاحة تهممة المیل“ (ہدایہ ۳۰۰، ۳۰۰)۔

یاد رہے کہ بائع کا خریدار کو انعام دینا درحقیقت ترغیب و تحریض کے باب سے ہے، چنانچہ بہت سے موقع پر شرعاً ترغیب کے لئے انعام دینا جائز و مشروع ہے (ملاحظہ ہو بدائع کتاب ۲۰۶/۱ و ما لنگیری کتاب المکرہ باب ۵، ۶/۳۲۳، در مختار ۲۸۵/۵)۔

۱۹- بائع کا خریداروں سے بالاقساط قیمت جمع کرنا اور ہر قسط کی ادائیگی کے موقع پر قتر عاندازی کے ذریعہ خریدار کو سامان دینا:

یہ معاملہ شرعاً سود اور جوہر پر مشتمل ہونے کے سبب ناجائز ہے۔ اور اس قسم کی اسکیم چلانا

اور اس میں شرکت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۳۱۱، فتاویٰ رحیمیہ ۱۳۱/۳۱۲ و ۱۳۲، ایضاً النوادر حصہ اول ۱۲۳ تا ۱۲۵)۔

مذکورہ معاملہ کے سود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بائع کو پیشگی رقم دینا اور بیع کی وصولی کے لئے مدت متعین ہونے کے باوجود قرضہ اندازی کے ذریعہ بیع حاصل کرنا کو یا قرض دے کر نفع حاصل کرنا ہے جو بعض حدیث نبوی ”کل قرض جرم منفعۃ فهو ربا“ (نصب الراية ۳/۶۰) بلاشبہ سود میں داخل ہے (امداد الفتاویٰ ۳/۲۰، ۲۱)، اور جو اس لئے ہے کہ شرعاً جوہر اس معاملہ کو کہا جاتا ہے جو نفع و نقصان کے درمیان دائر ہو، اور اس میں ابہام پایا جائے، اور یہاں ابہام یہ ہے کہ قرضہ اندازی کے سبب نہیں معلوم کہ کون سامان کس کو کتنے دام میں اور کتنے دنوں میں ملے گا؟ کو یا شمن کی مقدار اور ادائے بیع کی مدت دونوں مجہول ہیں، علاوہ ازیں جس کو پہلے سامان ملے گا، اس کو نفع ہے اور جس کو بعد میں ملے گا اس کو نقصان ہے، اور نہیں معلوم کہ کس کو کب سامان وصول ہوگا، یا در ہے کہ مذکورہ معاملہ بیع سلم میں بھی داخل نہیں ہو سکتا، کیونکہ بیع سلم کی شرائط اس میں نہیں پائی جاتیں۔ قواعد الفقہ میں ہے:

”القمار..... عرفوه بأنه تعليق الملك على الخطر والمال في الجانبيين“ (قواعد الفقہ ۲/۳۳۳)۔

اور امام ابو بکر حصاص رازی نے احکام القرآن میں جو اکاثری حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”لا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار وأن المخاطرة من القمار“ (احکام القرآن ۱/۳۸۸ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سارف القرآن ۱/۶۷۱ تا ۳۸۱، وجوہ الفقہ ۲/۳۳۶ تا ۳۳۵)۔

صاحب ”روح المعانی“ لکھتے ہیں:

”حکم الميسر جميع أنواع القمار..... وجميع أنواع المخاطرة

والرہان“ (روح المعانی ۱۱۳/۲) ”وعن ابن سیرین: كل شیء فیہ خطر فہو من
المیسر“ (تفسیر کشاف للہ بشری ۱۹۹/۱)۔

محمد علی صابونی فرماتے ہیں:

”اتفق العلماء علی تحریم ضرور القمار وأنها من المیسر
المحرم“ (روایع البیان ۲۷۹/۱)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسئلہ اسکیم کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

☆☆☆

انعامی نظام کو بیع بالتقسیط سے جوڑنا

مولانا اشتیاق احمد اعظمی، سئو

۱- جس سامان کو ادھار فرخت کیا جائے، اس کی قیمت، نقد فرختگی کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کر دی جائے تو ایسا کرنا جائز ہے، بشرطیکہ نقد اور ادھار فرختگی، دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین عندالعقد ہی ہو جائے، لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین عندالعقد نہیں ہوتی، بلکہ یہ معاملہ تعیین، عقد کے بعد تک کے لئے ملتوی رکھا جاتا ہے تو اس صورت میں بیع درست نہ ہوگی۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں ایک باب باندھا ہے ”باب ماجاء فی النهی عن بیعتین فی بیعة“ یعنی یہ باب ہے بیعتین فی بیعة سے نہی کے بیان کے بارے میں۔ پھر امام ترمذی نے اہل علم سے بیعتین فی بیعة کی تفسیر یوں نقل فرمائی ہے: ”وقد فسر بعض أهل العلم فقالوا: بیعتین فی بیعة: أن یقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسیئة بعشرين، ولا یفارقہ علی أحد البیعتین، فاذا فارقہ علی أحدهما فلا بأس“ (جامع ترمذی ۱/۱۳۷)۔

امام ترمذی کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اہل علم نے ”بیعتین فی بیعة“ کی تفسیر یہ کی ہے کہ مثلاً کوئی کہے کہ: میں تم کو یہ کپڑا اس روپے میں نقد بیچ رہا ہوں اور بیس روپے میں ادھار، اور عندالعقد کسی ایک (نقد و ادھار) کی تعیین کے بغیر، ایک دوسرے سے مفارقت اختیار کر لیتے ہیں تو اس صورت میں بیع درست نہ ہوگی، لیکن اگر کسی ایک کی تعیین (نقد و ادھار میں سے) مفارقت سے پہلے ہو جائے، تو اس صورت میں بیع درست ہوگی مزید دیکھئے: (عند علی

امدادیہ اربہ ۲۳۳۲-۲۳۳۳۔

خلاصہ یہ کہ نقد فر و خنگلی میں قیمت کی کمی اور ادھار فر و خنگلی کی صورت میں قیمت میں اضافہ کے ساتھ بیع بالکل درست اور جائز ہے اور یہ فقہاء اربہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت شرعاً ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کی بھی گنجائش ہے کہ ادھار قیمت کو تسطوں میں ادا کیا جائے (مجمع لا نمبر ۹۰۳)۔ لیکن اگر مشتری، کسی قسط کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا تو بقیہ دین، فوری واجب الا دہ ہو جائے گا، ہاں تسطوں پر ادائیگی کی صورت میں اتنا ضروری ہوگا کہ ادائیگی کی تاریخ اور رقم، دونوں کا تعین ہوتا کہ ان دونوں کی جہالت، تسلیم ثمن سے مانع نہ ہو جو کہ عقد بیع سے ہی واجب ہو جاتی ہے (ہدایہ مع شرح العینی ۱۶۳)۔

اور ایسے ہی رقم ہر قسط میں کتنی واجب الا دہ ہوں گی کی بھی تعین ضروری ہوگی تاکہ ادائیگی کے وقت بائع کل ثمن کا یا زائد رقم کا مطالبہ نہ کر دے، جبکہ اس نے تسطوں میں ادائیگی کی سہولت کی منظوری پہلے ہی دے رکھی ہے۔

۳- یہ ضروری نہیں کہ ادھار فر و خنگلی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے صرف ادھار قیمت ہی کا تذکرہ کیا جائے اور اسی پر معاملہ کیا جائے، دونوں صورتوں کا ذکر کیا جاسکتا ہے، لیکن دونوں میں سے ایک کی تعین عند العقد ضروری ہوگی جیسا کہ ”ترمذی“ اور ”الفتاویٰ علی المذہب الاربعہ“ کا حوالہ گزر چکا ہے۔

۴- ادھار فر و خنگلی کی صورت میں نقد فر و خنگلی کے مقابلہ میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرہ میں نہیں آتا، کیونکہ قیمت کی یہ زیادتی صلب عقد میں ابتدا ہی سے ہوتی ہے، اور چونکہ بائع کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنی چیز نقد صورت میں بھی بازار کے بھاؤ سے کچھ زیادہ پر فروخت کرے تو ادھار فر و خنگلی کی صورت میں بھی ابتداء ہی وہ کچھ اضافہ کے ساتھ اپنا سامان فروخت کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی یہ صورت ربا کا مصداق ہوگی، ہاں اگر معاملہ یوں طے پائے کہ ایک ماہ کے ادھار پر قیمت سو روپے ہوگی، اگر ادائیگی میں تاخیر ہوئی اور مشتری

ثمن کو بجائے ایک ماہ کے، دو ماہ بعد ادا کرے تو اسے سو روپے کے بجائے ایک سو دس روپے ادا کرنے ہوں گے، تو اس صورت معاملہ میں جو دس روپے زائد تاخیر کی بنیاد پر مانگے گئے ہیں یہ سود ہوگا، اور یہ معاملہ سودی معاملہ ہوگا جو بالکل ناجائز اور حرام ہوگا، معلوم ہوا کہ ادھار بیع میں ثمن کی زیادتی اگر صلہ عقد میں ہو تو جائز اور اگر صلہ عقد سے باہر، تاخیر کی بنا پر ہو تو ربا کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہوگی، اس لئے کہ یہی ربا النسئیۃ ہے (دیکھئے الفقہ علی امہ اب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ ادھار معاملہ میں قیمت کی زیادتی، اجل کے مقابلہ میں ہو رہی ہے، نہیں، بلکہ یہ زیادتی چونکہ صلہ عقد میں ہوتی ہے، اس لئے اسے بیع کی پوری قیمت تصور کیا جائے گا، جیسا کہ نقد بیع کی صورت میں عام مارکیٹ سے اگر کچھ زیادہ ثمن لی جائے تو یہ جائز ہوتا ہے، اسی طرح ادھار بیع کی صورت میں اگر نفس عقد میں زیادتی طلب کر لی اور وہ زیادتی اگر مگر کے ساتھ تاخیر پر معلق نہ کی گئی ہو تو جائز ہوگی، اور اسے اجل کے مقابل نہیں سمجھا جائے گا، لیکن زیادتی کو تاخیر پر معلق کر دیا جائے تو اس صورت میں زیادتی کا مطالبہ صرف تاخیر اور اجل کے مقابلہ میں ہوگا اور یہ بالکل ناجائز ہوگا۔

۵- چونکہ صورت مسئلہ میں جہالت ثمن اور جہالت اجل دونوں مرتفع ہیں، اس لئے بیع کی وہ شکل جس میں دو شقوں میں سے کسی کو چن لیا گیا ہو جائز ہوگی (دیکھئے ہدایہ مع شرح اہنی ۱/۶۳، الفقہ علی امہ اب الاربعہ ۲/۱۶۵)۔

۶- یہ صورت ”ربا النسئیۃ“ کی ہے اور ”ربا النسئیۃ“ بالکل حرام ہے، کیونکہ اس کی حرمت پر نصوص قرآنیہ وال ہیں، اور وہ یہ ہیں:

”أحل الله البيع وحرم الربا“ (سورہ البقرہ، ۲/۲۷۵)، ”یا ایہا اللمین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربا إن کنتم مؤمنین“ (سورہ بقرہ، ۲/۲۷۸، نیز دیکھئے الفقہ علی امہ اب الاربعہ ۲/۲۳۶)۔

۷- معاملہ کی یہ صورت شرعاً ناجائز ہے اس مزید رقم کو ”جرمانہ“ اور ”مالی تاوان“ قرار دینا

درست نہیں، کیونکہ وہ زائد رقم یقیناً ربا اور سود ہے۔

صورت مسئولہ میں مشتری نے جو سامان، ادھار قیمت پر خرید اور وقت مقررہ پر قیمت کی ادائیگی نہ کر سکا تو اس کی عدم ادائیگی یا تو واقعہ تنگ دستی اور اعسار کے باعث ہوگی، یا یہ کہ اس کے پاس مال تو ہے، لیکن ادائیگی میں سستی اور نال منول کرتا ہے تو ان دونوں صورتوں کا حکم درج ذیل ہے:

اگر مشتری بیع کی قیمت کی ادائیگی میں تاخیر واقعہ انفاست و تنگ دستی اور اعسار کے باعث کر رہا ہے تو اس صورت میں بائع کے لئے شرعاً یہ حکم ہے کہ وہ مشتری کو تنگ دستی کے ختم ہونے تک ادائیگی کی مہلت فراہم کرے، لیکن اس مہلت دینے کے صلہ میں بائع کا مشتری سے مزید رقم وصول کرنا اور اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ کیونکہ فرمان باری ہے: ”وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ“ (سورہ بقرہ ۲۸۰)۔ یعنی اگر مقروض شخص تنگ دست ہو تو اسے ادائیگی دین کے لئے خوشحالی اور یسر کے حصول تک مہلت دینی چاہئے، اور اس مہلت کے عوض میں کوئی مالی معاوضہ طلب کرنا درست نہ ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مقروض شخص واقعہ تنگ دست نہیں، بلکہ اس کے پاس مال موجود ہے، اور وہ اس کے باوجود نال منول اور دین کی ادائیگی میں تاخیر سے کام لیتا ہے تو ایسے شخص کی طرف سے دین کی ادائیگی میں تاخیر شرعی نقطہ نظر سے بالکل حرام اور ناجائز ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کو حضور پاک ﷺ نے ظالم قرار دیا ہے، حدیث شریف میں وارد ہے: **مطل الغنی ظلم** (مالدار آدمی کا نال منول کرنا ظلم ہے) (رواہ الجماعۃ بحوالہ نیل الاوطار ۵/۲۳۶)۔

علامہ شوکانی حدیث کے اس نگرے ”مطل الغنی ظلم“ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: ”والمعنی أنه يحرم على الغني القادر أن يمطل صاحب الدين بخلاف العاجز“ (نیل الاوطار ۵/۲۳۷) (یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مالدار اور ادائیگی پر قادر شخص کا

صاحب دین سے نال منول کرنا حرام ہے، برخلاف ادائیگی سے عاجز شخص کے، کیونکہ حدیث پاک میں ”مطل“ سے مراد قدرت کے باوجود وقت پر عدم ادائیگی ہے، علامہ شوکانی نے لکھا ہے: ”قال فی الفتح: والمراد هنا: تاخیر ما استحق أداءه بغیر عذر“ (نیل الاوطار ۲۳۷/۵)۔

ایک دوسری روایت میں ہے: ”عن عمرو بن الشرید عن أبیه عن النبی ﷺ

قال: لی الواجد ظلم یحل عرضه و عقوبته“ (رواہ ائمة الترمذی نیل الاوطار ۲۳۰/۵)۔

”قال أحمد: قال و کیع: عرضه: شکایتہ، و عقوبته: حبسہ“ (نیل الاوطار ۲۳۰/۵)۔

حدیث بالا کا مفہوم یہ ہے کہ مالدار آدمی کا نال منول کرنا ایسا ظلم ہے جس کے باعث دوسروں سے اس کی شکایت کرنا اور اسے محبوس کروانا حلال اور جائز بن جاتا ہے، کیونکہ حدیث میں وارد لفظ ”عرض“ کی تفسیر بقول امام احمد، امام کبیر نے شکایت سے اور عقوبتہ کی تفسیر جس سے فرمائی ہے، اس حدیث کی روشنی میں فقہاء نے مال دار شخص کے نال منول کرنے کی صورت میں جس کی سزا متعین فرمائی ہے، تاکہ یہ اس کے حق میں تادیب و تشدید کا سبب بن سکے اور بلاوجہ نال منول اور تاخیر کرنے والے مالدار لوگ اس سے ہتراز کر سکیں، علامہ شوکانی رقم طراز ہیں: ”واستدل بالحديث علی جواز حبس من علیه المدين حتى يقضيه إذا كان قادراً علی القضاء تأديباً وتشديداً عليه“۔ اور آگے تحریر فرماتے ہیں: ”والی جواز الحبس للواجد ذهبت الحنفية و زيد بن علی“ (نیل الاوطار ۲۳۱/۵) تو مالدار آدمی اگر نال منول اور ادائیگی میں تاخیر سے کام لیتا ہے تو بطور سزا اور تادیب اسے قید میں ڈالا جاسکتا ہے، لیکن اس کے اوپر اس سلسلے میں میں مالی تاوان عائد کرنا اور جرمانہ وصول کرنا شرعاً ثابت نہیں، کیونکہ اس قسم کے نال منول اور ادائیگی میں تاخیر کے معاملے ہر دور میں مروج رہے۔

آنحضور ﷺ نے خود وضاحت سے یہ بات بتادی کہ ”مطل الغنی ظلم“ اور ”لی الواجد ظلم“ اور اس ظلم کی بنا پر اس کی دوسروں سے شکایت اور جس کے جواز کو بیان فرمایا، لیکن مالی تاوان کے جواز کی بات نہیں بیان فرمائی، آپ کے بعد صحابہ کرام اور پھر تابعین، تبع تابعین کے

ادوار میں بھی اس طرح کے معاملات اور (Cases) سامنے آتے رہے ہوں گے، لیکن بعد کے ان ادوار میں بھی کسی سے کہیں بھی مالی جرمانہ اور تاوان وصول کئے جانے کی بات نہیں ملتی، اس لئے مدیون کی مالداری کے باوجود نال منول کرنے کی صورت میں اس پر وقت کے اندر ادائیگی کا دباؤ بنانے کے لئے مالی جرمانہ سے ہٹ کر دوسری صورت سوچنی ہوگی جس کی ایک شکل خود حدیث پاک میں بیان فرمادی گئی ہے: ”یحل عرضہ و عقوبتہ“ ”یحل عرضہ“ سے بلیک لسٹ میں اس شخص کا نام آؤٹ کرنے کا جواز ہمیں ملتا ہے تو دوسری طرف ”و عقوبتہ“ سے اسے جیل کی ہواکھلانے کا ہتھیار بھی ہاتھ آتا ہے، بلیک لسٹ میں نام کا آ جانا ادائیگی کا دباؤ بنانے کے لئے کافی مؤثر طریقہ کار ہو سکتا ہے کہ وہ شخص تجارتی منڈی میں بالکل اچھوت بن کر رہ جائے اور کوئی بھی اس سے معاملہ ہی نہ کرے، لیکن ادائیگی کا دباؤ بنانے کے لئے مالی جرمانہ اور تاوان کا جواز بالکل ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

۸- الف: بائع کے مال مرہون سے انتفاع کا حکم:

بائع یعنی مرہن مال مرہون سے انتفاع کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مرہن مال مرہون سے کسی طرح کا انتفاع نہیں کر سکتا، یہ مسلک حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور جمہور فقہاء کا ہے۔ نیل الاوطار میں ہے: ”وقال الشافعی و ابوحنیفہ و مالک و جمہور العلماء: لا ینتفع المرتهن من الرهن بشئ بل الفوائد للراهن والمؤمن علیہ“ (۲۳۵/۵، الفہر علی الرہن الاربعہ ۳۳۵/۲، مجمع لا سہر ۵۸۷/۲)۔

مال مرہون سے انتفاع کے سلسلے میں غیر جمہور کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر مرہن نے ضروریات رہن کی کفالت کی ہو تو بغیر اذن مالک بھی وہ اس رہن سے اتنی مقدار میں انتفاع کر سکتا ہے جتنا اس نے رہن کی کفالت پر خرچ کیا، اور یہ قول امام احمد، اسحاق، لیث اور حسن وغیرہ کا ہے (دیکھئے نیل الاوطار ۲۳۵/۵)۔

ان لوگوں نے اپنے استدلال میں یہ روایت پیش فرمائی ہے: ”عن النبی ﷺ أنه

كان يقول: الظهر يركب بنفقته إذا كان مرهوناً، ولبن الدر يشرب بنفقته إذا كان مرهوناً، وعلى الذى يركب النفقة“ (رواه الجماعة الاسلاميائى نيل الاوطار ۵/ ۲۳۳)۔

ب- بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے مال مرہون کے ضائع ہو جانے کا حکم:

مال مرہون جب مرہون کے قبضہ میں ہو تو اس کے ذمہ اس کی حفاظت لازمی و ضروری ہے، حفاظت وہ خود بھی کر سکتا ہے، اس کے علاوہ، دیگر افراد خانہ، مثلاً بیوی، اولاد یا وہ خادم جو اس کی کفالت میں رہتا ہو، مال مرہون کی حفاظت کرنے کے شرعاً مجاز ہیں، ان میں کسی کی حفاظت کے باوجود اگر مال مرہون برباد ہو جائے تو مرہون پر کوئی تاوان نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے حفاظت کی غرض سے مذکورہ بالا افراد کے ماسوا کسی اور کو مال مرہون دے دیا، یا کسی کے پاس امانت رکھ دیا، یا یہ کہ اس نے خود مال مرہون میں کوئی ایسی تعدی کر دی کہ وہ مال برباد و ہلاک ہو گیا تو اس صورت میں مرہون پوری قیمت کا ضامن ہوگا، کیونکہ رہن اس کے ہاتھ میں بطور امانت ہوا کرتا ہے اور امانت میں تعدی و زیادتی ہوتی ہے تو پوری قیمت کا ضامن واجب ہوا کرتا ہے (المغنی ۴/ ۳۳۸، مجمع لا نبر ۲/ ۵۸۹)۔

ج۔ خریدار کے وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور مال منہول کرنے کی صورت میں فروخت کنندہ کو مال مرہون کے بیچنے کی اگر راہن کی طرف سے اجازت ہے تو اسے بیچ کر اپنی واجب الادا قیمت وصول کر لے، اگر مال مرہون کی فروختگی سے حاصل ہونے والی رقم مرہون کی واجب الوصول قیمت سے زائد ہو تو مرہون بقیہ زائد رقم کو راہن کے حوالہ کر دے گا اور اگر مال مرہون سے حاصل شدہ رقم مرہون کے دین کا ایفانہ کر سکے تو جس قدر رقم مال مرہون سے حاصل ہوئی ہے وہ مرہون کے دین میں ادا کر دی جائے گی اور باقی ماندہ رقم راہن کے ذمہ واجب الاداء ہوگی، یہ صورت اس وقت ہے، جبکہ راہن نے مال مرہون کی بیع کی اجازت دی ہو اور اگر اس کی طرف سے رہن کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ دوسرے مال سے مرہون کا دین ادا کر دو، اگر یہ شکل بھی اس کے اختیار سے باہر ہے تو حاکم وقت راہن کو

رہن کے فروخت کرنے پر مجبور کرے گا، اور اس سے مرہن کا دین ادا کیا جائے گا۔

فقہ السنۃ میں سید سابق تحریر فرماتے ہیں: ”ومتی حل الأجل لزوم الراهن الإيفاء وأداء ما عليه من دين، فإن امتنع من وفائه ولم يكن إذنه له ببيع الرهن، أجبره الحاكم على وفائه أو ببيع الرهن، فإن باعه وفضل من ثمنه شيء فلما لكه، وإن بقي شيء فعلى الراهن“ (۱۵۹/۳)۔

مذکورہ بالا پوری بحث اور یہ ساری باتیں ہمیں معنی میں بھی ملتی ہیں، البتہ علامہ ابن قدامہ نے یہ صراحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ راہن کے رہن کو فروخت کرنے کی اجازت نہ دینے کی صورت میں حاکم وقت کو رہن کی فروختگی کا حق حاصل نہیں ہے اگر حاکم نے فروخت کر ہی دیا تو اس کی بیع نامذ نہ ہوگی، الا یہ کہ راہن اس کی اجازت دیدے، کیونکہ حاکم کی ولایت صاحب دین (راہن) پر تو چلے گی، لیکن راہن کے مال پر نہیں (المغنی ۴/۳۳۷)۔

۹- بائع کا مکمل قیمت یا اس کی چند اقساط جمع نہ ہونے تک اپنے پاس بیع کو روک کر رکھنا یا تو بطور رہن ہوگا یا نقطہ استیفاء ثمن کی غرض سے ہوگا۔

الف: اگر بائع بیع کو بطور رہن روک کر رکھنا چاہتا ہے تو اس کے جواز کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے مشتری بیع پر قبضہ کرے، پھر بائع کو بطور رہن حوالہ کر دے، کیونکہ قبضہ سے پہلے مشتری جب بیع کا مالک نہیں بن سکتا تو اسے اس میں کسی طرح کے تصرف کا حق نہیں، راہن کے لئے مرہون کا مالک ہونا اگرچہ شرط نہیں تاہم اسے تصرف کا حق حاصل ہونا شرط ہے جو یہاں مفقود ہے (مفتی علی الحداد، لا ربحہ ۳۲۶/۳)۔

دوسری چیز یہ کہ بائع جب بیع کو بطور رہن رکھنا چاہتا ہے تو صلح عقد میں ہی اگر اسی بیع کو رہن پر رکھنے کی شرط لگاتا ہے تو اس صورت میں رہن صحیح نہ ہوگا، کیونکہ شرط لگانے کے وقت مشتری بیع کا مالک نہیں، اس لئے رہن کی یہ صورت صحیح نہ ہوگی، خواہ مشتری یہ بھی کہے کہ میں بیع پر قبضہ کر لینے کے بعد اس کو رہن رکھ دوں گا (المغنی ۴/۳۲۰)۔

لیکن ایک جگہ علامہ ابن قدامہ نے امام احمد سے عقد بیع میں نفس بیع کے رہن کی شرط لگانے کی صحت کو نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں: ”وروی عن أحمد أنه قال: إذا حبس المبيع ببقية الثمن فهو غاصب ولا يكون رهنا إلا أن يكون شرطاً عليه في نفس البيع وهذا يدل على صحة الشرط“ (المغنی ۴/۲۲۰)۔

اوپر کی بحث سے یہ نتیجہ نکالا کہ بائع نفس بیع کو بطور رہن اپنے پاس روک کر رکھ سکتا ہے بشرطیکہ مشتری نے بیع پر قبضہ کرنے کے بعد بائع کے حوالہ کر دیا ہو۔ دوم یہ کہ صلح عقد میں نفس بیع کے رہن کی شرط نہ لگائی گئی ہو (ہدایہ ۴/۵۳۳، مجمع ۴/۵۹۸)۔

ب: بائع بیع کو بیع بالتقسیم کی صورت میں محض ثمن کی وصول یابی کے لئے روکے رکھنا چاہتا ہے تو یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ جب بائع بیع کو ادھار فروخت کرنے پر راضی ہے تو پھر اس کی قیمت وصول کرنے کے لئے اسی بیع کو اپنے پاس روک کر نہیں رکھ سکتا، اس لئے کہ یہ معاملہ ادھار فروختگی کا نہیں بن سکے گا، ہاں اگر نقد بیع ہوتی اور اس میں ثمن کی حصول یابی کے لئے نفس بیع کو ہی روک لینا تو اس کا جواز ہوتا جیسا کہ بدائع میں ہے: ”أن للبائع حق حبس المبيع حتى يقبض الثمن إذا كان الثمن حالاً“ (بدائع المنافع ۵/۲۳۷)۔

لیکن ادھار فروختگی میں بائع کو جس بیع کا حق حاصل نہیں ہے (فتاویٰ مالگیری ۹/۳، الدر المنثور علی ہامش مجمع الانہر ۴/۹۰)۔

۱۰- قسط وار ادائیگی کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد اگر چند قسطیں مشتری نے ادا کر دیں اور باقی کے وقت مقررہ پر ادا کرنے سے وہ معذوری ظاہر کرتا ہے تو بائع (مرتبہن) مال مرہون (بیع) کو فروخت کر کے بشرطیکہ راہن کی طرف سے اس کو فروختگی کی اجازت حاصل ہو، اپنی بقیہ قسطوں کی رقم وصول کرے گا، لیکن یہ تو بالکل درست نہیں کہ وہ پوری بیع کو اپنے قبضہ میں بھی لئے رہے اور جو قسطیں مشتری نے ادا کی ہیں ان کو واپس بھی نہ کرے (فقہ النہج ۳/۱۵۹)۔

چونکہ مذکورہ بالا صورت میں بائع کے پاس بعینہ وہ بیع موجود ہے جسے اس نے مشتری کو

بیچا تھا، اس کے اندر کسی طرح کا کوئی نقص نہیں پیدا ہوا ہے تو لازماً وہ بیچ اپنی پوری قیمت رکھتی ہوگی، اس لئے اسے فروخت کر کے اس کی ٹمن سے اپنی واجب الوصول رقم لے لے گا اور اسے بقیہ وہ ساری رقمیں جو تسطوں کی ادائیگی میں مشتری سے ملتی تھیں مشتری کو واپس کرنی ہوں گی۔

ہاں آج کل کے دور میں بیچ بائع کے شوروم سے نکل جانے کے بعد مشتری کے یہاں پہنچ کر سیکنڈ ہینڈ ہو جاتی ہے خواہ اس نے اسے چند لمحے استعمال نہ کیا ہو اور اس کی بنا پر بیچ کی قیمت میں کمی بھی واقع ہو جاتی ہے، اس بنیاد پر اگر بائع ادا شدہ تسطوں کو واپس نہیں کرتا تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، کیونکہ وہ سامان دوسرے کے ہاتھ اب اپنی سابقہ اصلی قیمت پر فروخت نہیں ہو سکتا اور اس وقت یہ صورت معاملہ اتقالہ بالعیب میں داخل ہوگی۔ ”اتقالہ بالعیب“ کی وضاحت کے لئے دیکھئے: (فتاویٰ مالگیری ۳۳۸)۔

اگر مذکورہ بالا صورت کے اندر بیچ میں واقعہ کوئی عیب مشتری کے یہاں رہتے ہوئے پیدا ہو گیا ہو تو بائع کا ادا شدہ تسطوں کو اس عیب میں منہا کر لینا بالکل درست ہوگا، اور اگر ظاہری عیب تو نہیں پیدا ہوا، لیکن معنوی عیب اس بیچ میں پیدا ہو چکا ہے جس کی ایک معروف شکل سیکنڈ ہینڈ ہونا ہے جو آج کے عرف عام میں عیب متصور ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے قیمت میں خاصی کمی واقع ہو جاتی ہے، اس لئے اس کے عوض میں ادا شدہ تسطوں کو بائع واپس نہ لوٹائے تو یہ اس کے لئے جواز کی صورت ہو سکتی ہے، کیونکہ کوئی ایسا عیب جو قیمت میں کمی کا باعث بن سکتا ہو اگر وہ مشتری کے حق میں بیچ کے رد کرنے کا سبب بن سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ ایسے عیب کے مشتری کے پاس رہتے ہوئے بیچ میں پیدا ہو جانے سے اتقالہ کی صورت میں مشتری ہی کو اس کم ہونے والی قیمت کو بھگتنا ہوگا۔

”العیب الذی يجعل للمشتري الحق في رد المبيع هو الذی تنقص به

قيمة المبيع“ (مفتی علی الحداد، ۱۸۹۲ء)۔

۱۱ - بظاہر رہن کی یہ شکل جائز نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ فقہاء کرام نے رہن کی صحت کے لئے

یہ شرط لگائی ہے کہ رہن پر مرتہن کا قبضہ ہو اور اس کی دلیل نص قرآنی ”فرہان مقبوضۃ“ ہے۔ فقہاء احناف کے یہاں رہن پر مرتہن کا قبضہ رہن کی صحت کے لئے شرط لزوم کی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ علامہ عبدالرحمن جزیری تحریر فرماتے ہیں:

”أما القسم الثالث وهو شرط اللزوم: فهو قبض المرهون، فإذا حصل الإيجاب والقبول مع شرط الانعقاد، انعقد الرهن صحيحاً ولكنه لا يكون لازماً إلا بالقبض“ (مفتی علی امجدی، المجلد الرابع، ۲۷۷/۳)۔

ہاں مشتری بیع کو اپنے قبضہ میں لے لینے کے بعد اسے بائع کو بطور رہن کے حوالہ کر دے اور بائع اسے لے کر پھر مشتری کو لوٹا دے کہ تم اس سے انتفاع کرتے رہو، لیکن جب ثمن کی ادائیگی کی مدت پوری ہو جائے گی اور تم ثمن ادا نہ کر سکو گے تو مجھے اس رہن کو بیچ کر اپنی ثمن حاصل کرنے کا حق ہوگا تو اس صورت میں یہ رہن جائز اور درست ہو جائے گا، لیکن اتنی بات ہے کہ مال مرہون اس صورت میں مرتہن (بائع) کے ضمان میں نہ ہوگا، اگر بالفرض یہ مال مرہون مشتری کے پاس رہتے ہوئے بلاک ہو گیا تو یہ مشتری کا مال بلاک ہونا قرار پائے گا اور بائع پر اس کی کوئی ذمہ داری اس وجہ سے عائد نہیں کی جاسکتی کہ وہ بیع معنوی طور پر بائع (مرتہن) کے رہن میں تھی (جوابیہ ۵۳۶/۳)۔

۱۲ - خریدار کی طرف سے گارنٹی و ضمانت لینے کی صورت کفالت کے مسلمہ و معروف معاملہ کے تحت آتی ہے، مگر آج کل اداروں و اشخاص کی طرف سے اجرت و معاوضہ کا لین دین رائج ہے، شرعاً یہ اجرت و معاوضہ جائز اور درست نہیں۔ کیونکہ کفالت فی نفسہ ایک عقد تبرع ہے۔ درمختار میں ہے: ”و أهلها من هو أهل للتبرع“ (۳۳۸/۳) (یعنی کفالت و ضمانت اور گارنٹی لینے کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن میں تبرع کی اہلیت و صلاحیت پائی جاتی ہے) اور چونکہ تبرع پہ اجرت و معاوضہ لینا جائز نہیں، اس لئے کفالت پر بھی اجرت و معاوضہ لینا جائز نہیں۔ کفالت پر اجرت لینا ایسا ہی ہے، جیسے قرض دے کر اس پر مالی منفعت حاصل کرنا اور قرض پر کسی

طرح کی منفعت کا حصول ربا کے قبیل سے ہے ”وکل قرض جو نفعاً فہو حرام“ (ثانی ۲۳۲/۳)۔

بین الاقوامی تجارت میں اگر اس طرح کی گارنٹی و کفالت پر اجرت و معاوضہ کا لین دین رائج ہے تو یہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ ہاں بینک وغیرہ اگر بین الاقوامی تجارت میں امپورٹ اور ایکسپورٹ کے درمیان واسطہ بنتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ لیٹر آف کریڈٹ (Letter of Credit) جاری کرتے ہیں تو اس لیٹر کے جاری کرنے میں جو حقیقی اور واقعی اخراجات ہوتے ہوں ان کا مطالبہ وہ اپنے کسٹمر سے کر سکتے ہیں، نیز اس کے علاوہ بھی دیگر خدمات اگر بنک انجام دیتا ہو اور کسٹمر حضرات اپنی تجارتوں میں ان امور سے استفادہ کرتے ہوں تو اس طرح کے امور میں بینک ان حضرات کا وکیل دلال یا واسطہ بن کر یہ خدمات انجام دے اور بحیثیت وکیل و دلال یا واسطہ کے اپنی اجرت وصول کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ وکالت و دلالی وغیرہ پر اجرت لینا جائز و مشروع اور مشہور و معروف ہے، مولانا قاضی عثمانی نے اپنے فقہی مقالات میں بینک کے لئے وکیل، دلال اور واسطہ بن کر اجازت لینے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن بینک کا ضمانت و کفالت اور گارنٹی پر اجرت حاصل کرنا بالکل حرام بتلایا ہے (ملاحظہ ہو فقہی مقالات ۹۸)۔

۱۳ - ادھار معاملہ کے مکمل کاغذات تیار کرنا کرنا ایک مستحسن امر ہے، کیونکہ قرآن کریم نے صراحتاً مسلمانوں کو اس کی ہدایت فرمائی ہے فرمان باری ہے:

”یا ایہا الذین آمنوا اذا تمدا ینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوه“ (سورہ بقرہ

۲۸۲/۱) (یعنی جب تم ادھار معاملہ کرو ایک میعاد متعین تک تو اس کو لکھ لیا کرو)۔

مدیون وقت مقررہ پر اگر دین کی ادائیگی نہیں کرتا یا یہ کہ دستاویز کا حامل (دائن) اپنی دی ہوئی رقم کو وقت مقررہ سے پہلے حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ اپنے پاس موجود دستاویز (وثیقہ دین) کو تیسرے کے ہاتھ جو عموماً بینک ہوا کرتا ہے، وثیقہ دین میں مندرج رقم سے کم پرفر وخت کرنا ہے تو یہ صورت شرعاً ناجائز ہے، اس کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں

”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ کا لزوم ہے، جو جائز نہیں، شامی میں ہے: ”ولا يجوز تمليك الدين من غير من عليه الدين“ (۲۳۰/۳) (یعنی دین کا مالک بنانا اس شخص کی طرف سے جائز نہیں جس کے اوپر دین نہیں)۔ یہاں پر بائع جس کے پاس وثیقہ دین ہے وہ تو دائن ہے نہ کہ مدیون (من علیہ الدین) اس لئے بائع کا اس وثیقہ دین میں تصرف کرنا اور اس کا دوسرے (بینک) کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں۔

مذکورہ بالا صورت میں دوسری خرابی یہ ہے کہ اس میں وثیقہ دین میں مکتوب، رقم یعنی کرنسی کی کرنسی سے متفاضلاً اور موجلاً بیع لازم آتی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ کرنسی کی بیع کرنسی سے کمی و بیشی اور ادھار کے ساتھ رہا ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے بھی مذکورہ بالا صورت معاملہ یعنی وثیقہ دین کی خرید و فروخت ناجائز ہوگی (فقہ علیٰ المبراہم، الاربعہ ۲۳۹/۳)۔

لیکن مولانا قسطنطینی عثمانی صاحب نے اس معاملہ کے جواز کی ایک صورت تحریر فرمائی ہے کہ اس معاملہ کے طریقہ کار میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر کے اسے جائز بنایا جاسکتا ہے، وہ صورت درج ذیل ہے:

وثیقہ دین کا حامل یعنی بائع و دائن، اپنے دین کی وصولیابی کے لئے بینک کو مدیون (مشتری جس نے وثیقہ دین جاری کیا ہے) سے دین کی وصولیابی کے لئے اجرت پر وکیل بنادے اور بائع یعنی وثیقہ دین کا حامل، وثیقہ دین میں مندرج مقدار کی رقم بینک سے بطور قرض لے لے اور بینک جب مدیون (مشتری) سے قرض وصول کرے تو اس کو بائع کو دینے گئے دین میں سے منہا کر لے۔ خلاصہ یہ کہ یہاں مستقلاً دو الگ الگ معاملے کئے جائیں:

۱۔ بینک کو مدیون سے قرض وصول کرنے کا وکیل بالاجرة بنایا جائے۔

۲۔ بائع، بینک سے مطلوبہ مقدار میں قرض لے لے، اور دستاویز کے عوض میں وصول ہونے والی رقم کو بینک قرض کی رقم میں چکالے، اس طرح یہ معاملہ دو شقوں میں بنٹ کر درست ہو سکتا ہے (بحوث فی فقہیاء اہمہ معاصرۃ للشیخ تقی عثمانی، ۲۱)۔

۱۴۔ مسئلہ وضع و تعجل:

یہ تو معلوم ہے کہ طے شدہ رقم کو مقررہ مدت سے آگے بڑھانے پر زیادتی کا مطالبہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ صریح ربا ہے، ٹھیک اسی طرح طے شدہ رقم میں کمی کا معاملہ، مقررہ مدت سے پہلے طلب کرنے کی صورت میں بھی ربا ہے، اس کی حرمت کے قائل صحابہ کرام میں عمر بن الخطابؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ ابن عمرؓ اور مقداد بن الاسود، ائمہ مجتہدین میں امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، احمد اور امام شافعیؒ کا ایک قول، ان کے علاوہ فقہاء تابعین میں سعید بن المسیب، حسن بصری، حکم، ثوری، یثیم، ابن علیہ اور اسحاق وغیرہ ہیں (اوجز المسائل ۵/ ۳۳۲، موطا امام محمد ۳۳۲)۔

لیکن اسی باب میں ایک دوسرا قول جواز کا بھی ہے جو صحابہ کرام میں سے حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے، نیز امام نخعی اور ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے (ملاحظہ ہو المغنی لابن قدامہ المصنوعی ۳/ ۵۱۰ اور اوجز المسائل ابی موطا امام مالک ۵/ ۳۳۳-۳۳۲، اور موطا امام محمد ۳۳۲)۔

ان حضرات نے ایک واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب بنو نضیر کو مدینہ منورہ سے جلا وطنی کا حکم دیا تھا تو یہودیوں نے کہا تھا کہ: ہمارے دیگر لوگوں پر دیون ہیں جن کی ادائیگی کی مدت ابھی پوری نہیں ہوئی ہے، تو حضور نے فرمایا تھا: "ضعوا وتعجلوا" یعنی اپنے دیون میں سے کچھ رقم کر کے دین کو فوری اور نقد وصول کرلو۔

"واحتج المجیز بخبر ابن عباس لما امر رسول اللہ ﷺ باخراج بنی النضیر قالوا: لنا علی الناس دیون لم تحل، فقال: ضعوا وتعجلوا" (تعلیق الحج علی ہاشم موطا امام محمد ص ۳۳۲)۔

لیکن حرمت کے قائلین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث ربا کی تحریم سے قبل کی ہے، جیسا کہ زرقانی میں موجود ہے:

"وأجاب المانعون باحتمال أن هذا الحديث قبل نزول تحريم الربا" (کذا فی شرح الزرقانی۔ جلد سابق)۔

دوسرے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وضع تعجل کا جواز مسلم و حربی کے مابین درست ہو سکتا ہے نہ کہ مسلم اور مسلم کے مابین ”وذكر شمس الانمة السرخسی هذه القصة، واستدل بها على أنه لا ربا بين المسلم والحربي“ (بحوث فی تفہیم کتبہ سحارۃ للشیخ تقی عثمانی ص ۲۳۱)۔

تیسرے یہ کہ حضور کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ سوچوڑ کر اصل رأس المال لے لو، نہ کہ اس المال میں کمی کر کے دین وصول کرنے کی بات آپ نے کہی تھی، اور اس کی تائید واقدی کی عبارت سے ہوتی ہے: ”فأجلاهم (بنی النضیر) رسول الله ﷺ فی المدینة، وولی إخراجهم محمد بن مسلمة، فقالوا: إن لنا دیونا علی الناس إلی آجال فقال رسول الله ﷺ: تعجلوا و ضعوا، فكان لابی رافع سلام بن الحقیق علی اسید بن حضیر، عشرون ومائة دینار الی سنة، فصالحه علی أخذ رأس ماله ثمانین دیناراً، وابطل ما فضل“ (سخازی الواقدی ص ۳۷۳ بحوالہ بحوث فی تفہیم کتبہ سحارۃ للشیخ تقی عثمانی ص ۲۳۱-۲۳۲)۔

۱۵ - اگر معاملہ اوصار کیا گیا مگر قیمت کی ادائیگی کے لئے صرف یہ طے ہوا کہ بعد میں دے دیں گے اور اس کے لئے وقت طے نہیں کیا گیا، مشتری کسی وجہ سے ادائیگی دین میں تاخیر کرتا جا رہا ہے تو اس صورت میں اگر بائع ”ضع تعجل“ کی صورت اختیار کرے اور فوری لین دین ہو جائے تو حضرات مالکیہ کے یہاں اس کے جواز کی صراحت ملتی ہے (۱۱/۲۷۷، المدوینۃ الکبریٰ، اخر کتاب الصلح بحوالہ بحوث فی تفہیم کتبہ سحارۃ للشیخ تقی عثمانی)۔

دیون حالہ میں ”ضع تعجل“ کے جواز کا قول فقہ مالکی میں بصراحت ملا، لیکن دیگر فقہاء کرام، مثلاً حنفیہ اور حنابلہ وغیرہ کے یہاں ”ضع تعجل“ کے عدم جواز کی تصریح صرف دیون مؤجلہ میں ہی ملتی ہے جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں بھی دیون حالہ میں وہ بات نہیں جو دیون مؤجلہ کی ہے، اس سے دیون حالہ کی صورت میں ”ضع تعجل“ کے جواز کی

گنجائش معلوم ہوتی ہے، مولانا قسیمی عثمانی صاحب نے دیون حالہ میں ”ضع و عجز“ کے تعلق سے اسی رائے کا اظہار کیا ہے (دیکھئے: مسوی شرح سوطا، ۱/۳۸۲، ۲۷۷، بحث فی تھایا فہمیہ)۔

رہا یہ معاملہ کہ دیون حالہ اور دیون مؤجلہ میں فرق کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیون مؤجلہ میں اجل کی شرط ہوتی ہے، اور یہ اجل مدیون کا حق ہوتا ہے، چنانچہ جب اجل ختم کر کے فوری دین کا مطالبہ ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ اجل کے عوض میں دین ساقط کیا گیا ہے، لیکن دیون حالہ میں چونکہ اجل کی شرط نہیں ہوتی، اس لئے اس صورت میں دین کا سقوط، اجل کے بالمقابل نہیں مانا جائے گا، اس لئے یہ صورت جائز ہوگی، کیونکہ اس صورت میں ربا کا شبہ نہیں۔ ملاحظہ ہو (بحث فی تھایا فہمیہ صحاصرہ ۲۸)۔

۱۶- کسی قسط کی ادائیگی میں تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کر دینے کا حکم:

باع و مشتری میں طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کر کے بائع کا فوری طور پر ماٹھی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا جائز ہے (ملاحظہ ہو ۳۲/۳۲ درختار مع الشای، الدر المنثور فی شرح السنن ۲/۸، درختار ۳۲/۳۲)۔

۱۷- بیع بالتقسیط کے اندر متباہمین کی موت سے دین کی تاخیر و عدم تاخیر کا مسئلہ:

بیع بالتقسیط کی صورت میں فریقین (باع و مشتری یا دائن و مدیون) میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو عند الاحناف دائن کی موت سے مسئلہ کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں واقع ہوگا۔ لیکن اگر مدیون کی موت واقع ہو جائے تو اس پر واجب دین فوراً واجب الاداء ہو جائے گا (درختار مع الشای ۳۱/۳، مجمع لا نبرہ ۸/۲)۔

حنابلہ سے مسئلہ بالا میں دو روایتیں ملتی ہیں:

پہلی روایت: اگر مدیون کے دین کی توثیق، اس کے ورثاء کر دیتے ہیں تو وہ دین فوری واجب الاداء ہوگا، یہ قول ابن سیرین، عبداللہ بن الحسن، اسحاق، اور ابو عبید وغیرہم کا ہے، مغنی

میں ہے: ”فأما إن مات وعليه ديون مؤجلة فهل تحل بالموت، فيه روايتان: إحداهما: لا تحل إذا وثق الورثة وهو قول ابن سيرين وعبد الله بن الحسن وابي عبيد واسحاق“ (المغنی ۳/۲۸۲)۔

دوسری روایت: مدیون کی موت سے اس کا دین نوری واجب الادا ہو جائے گا، اور یہ قول شععی، نخعی، سوار، امام مالک، ثوری، امام شافعی اور اصحاب الراي کا ہے۔ ”والرواية الأخرى: أنه يحل بالموت، وبه قال الشعبي والنخعي وسوار ومالك والثوري والشافعي وأصحاب الراي“ (المغنی ۳/۲۸۲)۔

اس کے بعد علامہ ابن قدامہ نے دونوں کے دلائل کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور آخر میں ترجیح اس کو دی ہے کہ اگر وراثہ دین کی توثیق کر دیں تو وہ دین مؤجل ہی رہے گا اور اگر وراثہ دین کی توثیق سے باز رہیں تو اس صورت میں وہ دین نوری واجب الادا ہو جائے گا، تاکہ دائن کا حق ضائع اور برباد نہ ہو۔

حنفیہ کا مسلک تو اس بات میں یہی ہے کہ مدیون کی موت سے دین نورا واجب الادا ہو جائے گا، لیکن متاخرین حنفیہ نے اس قول پر مراہمہ مؤجلہ کے باب میں فتویٰ نہیں دیا ہے، مراہمہ مؤجلہ میں فقہاء احناف نے یہ صراحت کی ہے کہ اجل کے عوض میں جو کچھ ٹمن آتی ہے وہ تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہے، اس لئے مراہمہ مؤجلہ کی صورت میں اگر متعین اجل سے پہلے مدیون یا میت کے مال سے، دین کی ادائیگی کی جاتی ہے تو صرف دین کی اتنی ہی مقدار ادا کی جائے گی جو ماضی اجل کے عوض میں آتی ہو نہ کہ کل دین (دیکھئے: ۳۳۷/۳)۔

مراہمہ مؤجلہ کے بارے میں ان فتاویٰ کو مد نظر رکھتے ہوئے، بیج بالتفصیل کے تعلق سے بھی مولانا تقی عثمانی صاحب نے اسی چیز کو معتبر مانا ہے، ورنہ پھر حنابلہ کے قول کو اختیار کرنے کو راجح قرار دیا ہے، یعنی یہ کہ اگر دین کی توثیق مدیون کے وراثہ کر دیں تو دین پوری مدت تک مؤجل ہی رہے گا۔

۱۸، ۱۹- بیع بالتقسیط سے انعامی نظام کو جوڑنے کا حکم:

بیع بالتقسیط کے ساتھ انعام کے نظام کو جوڑنا اور پورے خریداروں میں سے کسی ایک یا چند کو قرضہ اندازی کے ذریعہ انعام دینا یہ بھی مخاطرہ ہے اور قمار کی ایک نئی شکل ہے، جو خود بھی ایک حرام فعل ہے اور اس سے استفادہ بھی حرام ہوگا، کیونکہ ایک آدمی کو مثلاً محض ایک قسط جو سو روپے کی ہے اتنے ہی میں سامان مل جا رہا ہے اور دوسرے شخص کو بیس قسطوں میں دو ہزار پر وہ سامان ملے گا، پہلی اور اس کے بعد کی ہر قسط میں ہر آدمی لاٹری کی طرف ایک موہوم امید کی بنا پر کہ ہو سکتا ہے کہ مجھے ہی وہ سامان پہلی قسط میں مل جائے امید باندھے رہتا ہے، اب جس کے نام قرضہ نکل گیا تو وہ تو جیت گیا اور اس معاملہ سے الگ ہو گیا، باقی لوگ بعد کی قسطوں میں اس امید پر قسطیں جمع کرتے رہیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ اگلی کسی قسط میں ہم کو بھی سامان کم قیمت پر مل جائے۔ پیسے بے شمار لوگوں کے لگتے ہیں اور فائدہ ایک شخص یا چند اشخاص کو پہنچتا ہے، قسطوں پر انعام دینے کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس طرف متوجہ ہو سکیں، اصل بیع کی بیع ایک ثانوی حیثیت کی ہو جاتی ہے، اور اصل مقصد انعام سے استفادہ ہو جایا کرتا ہے، اس لئے ان دونوں شکلوں کے جو ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایسی تمام صورتیں جن میں مخاطرہ ہو اور نفع و نقصان مبہم ہو وہ قمار اور میسر کا مصداق ہوں گی، اگر اس ابہام کو قرضہ اندازی کے ذریعہ دور کیا جائے تو بھی وہ حرام ہوگا، قرضہ اندازی کا معاملہ، چیزوں کی تقسیم کے وقت تو درست ہو سکتا ہے، لیکن بہت سارے لوگوں میں سے کسی ایک کو مستفید کرنے اور بقیہ کو محروم کرنے کی صورت میں درست نہیں ہو سکتا، ابو بکر جصاص تحریر فرماتے ہیں:

”وما ذکر اللہ تعالیٰ من تحریم المیسر هو القمار یوجب تحریم القرعة فی العبید یعتقہم المریض، ثم یموت لما فیہ من القمار، وإحقاق بعض، وانجاح بعض، وهذا هو معنی القمار بعینہ، ولیست القرعة فی القسمة

كذلك، لأن كل واحد يستوفى نصيبه لا يحقق واحد منهم والله اعلم“ (احکام القرآن للجصاص ۱/۳۸۸)۔

(اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جو میسر کی حرمت بیان فرمائی ہے وہ قمار ہی ہے، اس کی رو سے ایک مریض شخص جو کہ اپنے غلاموں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے چند کو آزادی سے ہمکنار کرتا ہے، پھر مر جاتا ہے تو قرعہ اندازی کی یہ صورت قمار میں داخل ہے، کیونکہ اس صورت میں بعض غلاموں کو تو آزادی مل جاتی ہے اور بعض دوسرے اس نعمت سے محروم رہ جاتے ہیں، اور یہی عینہ قمار ہے)۔

☆☆☆

فتطوں پر خرید و فروخت کا موجودہ عرف

مفتی زین الاسلام ہاشمی، الہ آباد

۱- ادھار فروختگی میں نقد کے مقابلہ میں قیمت زیادہ کرنا:

جس سامان کو ادھار فروخت کیا جا رہا ہے اس کی قیمت نقد فروختگی کے مقابلہ میں زیادہ کی جاسکتی ہے (کیونکہ بائع کو شرعاً مکمل اختیار ہے کہ اپنی چیز جتنی قیمت پر چاہے بیچے) بشرطیکہ مجلس عقد میں نقد یا ادھار ہونا متعین ہو جائے، اور کسی ایک قیمت پر دونوں اتفاق کر لیں (ہدایہ ۵۸۳)۔

۲- فتطوں میں قیمت کی ادائیگی:

اگر ادھار قیمت کی ادائیگی فتطوں میں ہو تو یہ درست ہے، بشرطیکہ فتطوں کی ادائیگی کی تاریخ اور قسط کی مقدار متعین ہو جائے (ہدایہ ۳۳۳)۔

۳- دو قیمتوں میں سے ایک کی تعیین:

مجلس عقد میں یہ متعین ہو جانا ضروری ہے کہ ادھار فروخت ہو رہا ہے یا نقد، اور کس قیمت میں فروخت ہوا ہے؟ عین ایجاب و قبول کے وقت اگر تردد رہے گا تو معاملہ درست نہ ہوگا (فتح القدیر ۶/۲۶۲، فتاویٰ ہندیہ جلد ۱۸ ص ۱۵۳، امداد الفتاویٰ ۳/۱۲۰-۱۲۲)۔

۴- مدت کے مقابلہ میں قیمت زیادہ کرنا:

یہ صورت ربا کی نہیں ہے، ربا اس صورت میں ہوگا جب ایک قیمت مثلاً دس روپے پر

معاملہ طے ہو گیا، اور بائع نے یہ بھی کہا کہ اگر تم نے ایک ماہ میں قیمت ادا نہ کی تو بارہ روپے دینے پڑیں گے، اس صورت میں دو روپے وقت کے عوض میں ہو رہا ہے، اس لئے سود ہو جائے گا۔

۵- ایجاب و قبول کے وقت معاملہ کی کوئی ایک صورت قطعی طور پر متعین ہو جائے تو جائز ہے۔ جیسا کہ اوپر کے جوابات سے اس مسئلہ کی وضاحت ہو چکی۔

۶- طے شدہ رقم کی ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر مالی تاوان عائد کرنا:

وقت پر قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں ہر مال کی تاخیر پر ۲ روپے کا اضافہ سود کہلائے گا اور اس کا لینا دینا حرام ہوگا (ہدایہ ثالث، ۶۱۸)۔

۷- تاخیر کے عوض میں، مشروط طور پر کوئی رقم حاصل کرنا، ناجائز و حرام ہے، اور سود میں داخل ہے۔

۸- (الف) مال مرہون سے مرہن کا نفع اٹھانا:

مال مرہون سے بائع کو فائدہ اٹھانے کا اختیار نہیں ہے، فائدہ، خواہ اس مال کو استعمال کر کے حاصل کرے، یا اگر مکان ہے تو رہائش کے ذریعہ اور پہننے کی چیز کی ہے تو پہن کر ہر صورت انتفاع کی ناجائز ہے ”کمل قرض جر نفعاً فہو ربا“۔

اگر رہن رکھتے وقت انتفاع کی شرط لگائی گئی ہو تو سود ہو کر ناجائز ہے، اگر شرط نہیں لگائی گئی بعد میں بطور اباحت مالک نے استعمال کی اجازت دے دی تو انتفاع جائز ہوگا (ہدایہ ۵۰۶، ۵۱۵، ۳۱۱)۔

(ب) بائع کے پاس رہتے ہوئے مال مرہون کے ضائع ہو جانے کا حکم:

بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے اگر مال مرہون ضائع ہو جائے تو مرہن بیع اور مال مرہون دونوں کی قیمتوں میں سے جس کی قیمت کم ہوگی اس کا ضامن ہوگا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً اگر مال مرہون اور بیع دونوں کی قیمت برابر ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنا قرض (یعنی بیع کی قیمت) وصول کر لیا، اور اگر مال مرہون کی قیمت زیادہ ہے تو زائد رقم اس کے پاس بطور امانت

تھی جس کا تاوان واجب نہیں ہوگا۔

”فإنه روى عن علي بن ابي طالب أنه قال: المروتهن أمين في الفضل“ (ہدایہ)۔

اور اگر قرض زائد ہے تو مال مرہون کے بقدر اس نے اپنا قرض وصول کر لیا، اس سے

زائد رقم اس کی باقی ہے جس کو وصول کرنے کا حق رہے گا (ہدایہ ۴۳، ۵۰۳، ۵۱۰، ۳۱۰)۔

(ج) مال مرہون کے ذریعہ واجب الاداء قیمت کا وصول کرنا:

مالک کی اجازت سے مال مرہون کو فروخت کیا جائے گا تا کہ اس سے اپنی بقیہ قسطیں

وصول کر لے۔ بدون مالک کی اجازت کے مال مرہون کو فروخت کرنا جائز نہیں، یا یہ کہ ابتدائے

عقد (ایگریمنٹ) میں یہ شرط لگائے کہ اگر فلاں وقت تک قسطوں کی ادائیگی نہ ہوگی تو ہم مال

مرہون کو فروخت کر کے اپنا بقایا وصول کر لیں گے (ہدایہ دایع ۵۰۶)۔

۹- (الف) بیع کو بطور رہن رکھنا:

بیع کو بائع کے پاس بطور رہن رکھنا اس وقت درست ہوگا جب مشتری نے بیع پر قبضہ

کر لیا ہو، اور قبضہ کر لینے کے بعد بطور رہن بائع کو دے دیا ہو، ایسی صورت میں وہ سامان ثمن کے

بدلے میں رہن ہو جائے گا (ہدایہ ۵۱۸، ۴۲۵، ۴۲۵، ۳۲۰، ۳۲۰)۔

(ب) قیمت کی وصولیابی کے لئے بیع کو روک لینا:

جس المبیع لاستیفاء الثمن اس وقت صحیح ہوتا ہے جب معاملہ نقد ہو، ایسی صورت

میں قیمت وصول کرنے کی غرض سے بیع کو روک لینا درست ہے کیونکہ یہ عقد کے منقضیات میں

سے ہے، اور بائع کا ایسی شرط لگانا کہ جب تک تم قیمت ادا نہ کرو گے ہم سامان حوالہ نہیں

کریں گے درست ہے (۱۲۲، ۱۲۲، فتاویٰ ہندیہ ۲۵)۔

۱۰- قسطوں کو ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع کے سامان کو اپنے قبضہ میں رکھنا:

قیمت کے لئے طے شدہ اقساط کو ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع کا سامان کو اپنے قبضہ

میں رکھنا پھر وہ سامان بھی اسی کا ہو جائے اور جو قسطیں ادا کی جا چکی ہیں اس کو بھی واپس نہ کرنا

درست نہیں ہے، ظلم و حرام ہے۔ ”لا تاكلوا أموالكم بينكم بالباطل“ (سورہ نسا: ۲۹)۔

۱۱- خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس رہن قرار دینا:

سامان خریدار کے استعمال میں رہے اور رہن مان لیا جائے، جس میں فروخت و تصرف کا حق بائع کو حاصل ہو، یہ رہن درست نہیں ہے، کیونکہ رہن کے لئے ضروری ہے کہ مغرغ و مجوز کر کے مرہن کے حوالہ کیا جائے (۳۰۸/۵)۔

۱۲- ضمانت لینے کی اجرت لینا:

ضمانت پر کسی قسم کی اجرت لینا ناجائز و حرام ہے۔

۱۳- دستاویز کی خرید و فروخت:

دستاویز کی خرید و فروخت درحقیقت اس سامان کی خرید و فروخت ہے جس کی یہ دستاویز ہے، اب وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں دستاویز کی خرید و فروخت تحریر کردہ قیمت سے کم پر کرنا، اگر اصل بائع سے ہے تو درست نہیں ہے، کیونکہ یہ اتالیق کی صورت ہے، اتالیق شمن اول ہی پر ہونا چاہئے، یعنی جتنے میں اس مشتری نے معاملہ کیا ہے اتنے ہی میں سامان واپس کر سکتا ہے، کم کرنا درست نہیں ہے، اور اگر بائع کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ دستاویز فروخت کر رہا ہے تو کم پر دینا درست ہوگا۔

واجب الادا رقم کے دستاویز کی خرید و فروخت:

اور اگر دستاویز سے مراد قرض کی دستاویز ہے جو بائع نے قرض کی توثیق کے لئے تیار کر لیا ہے، پھر معین تاریخ سے پہلے ہی وہ روپے حاصل کرنا چاہتا ہے اور دستاویز میں تحریر رقم سے کم مقدار میں وہ کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور دستاویز کا خریدار کم مقدار میں خرید لیتا ہے اور پھر دستاویز میں تحریر رقم اصل دائن سے وصول کر لیتا ہے، دستاویز کا خریدار اگر بینک ہوتا ہے تو وہ فیصد کے اعتبار سے کٹوتی کر کے بقیہ رقم دستاویز بیچنے والے کو دے دیتا ہے، یہ صورت از روئے شرع جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ یا تو دین کی بیع اس شخص کے ساتھ کی جا رہی ہے جس پر دین

نہیں ہے۔ ”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ جو جائز نہیں ہے (سوطا امام محمد ر ۳۵۵)۔
 یا یہ کرنسی کی بیع کرنسی سے ہو رہی ہے جس میں کمی زیادتی اور ادھار دونوں ممنوعات پائی
 جارہی ہیں، اور احادیث ربا میں اس قسم کی بیع کا ناجائز ہونا منصوص ہے، مفتی قتی عثمانی صاحب
 نے اپنے مقالہ میں تھوڑی ترمیم کے ساتھ ایسی صورت لکھی ہے جس سے معاملہ جواز کے حدود
 میں داخل ہو جاتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ اگر دستاویز کا حامل ثالث (بینک) کو دین وصول کرنے کے لئے اپنا
 وکیل بنا دے اور اس پر اس کو کچھ اجرت دیدے۔ اور دوسرا معاملہ یہ کرے کہ حامل دستاویز بینک
 سے دستاویز میں تحریر رقم کے بطور قرض لے لے اور بینک کو یہ اختیار دیدے کہ دستاویز رہن سے
 وصول ہونے والی رقم سے وہ اپنا قرض وصول کر لے، اس طرح دو معاملے کر لئے جائیں، ایک تو
 ”کبیل بقبض الدین“ کا جس پر اس کو کچھ اجرت دیدے، اور دوسرا خود بینک سے قرض لینے کا
 تو اس صورت میں معاملہ درست ہو سکتا ہے۔

تو قرض کی دستاویز کو مدیون کے علاوہ دوسرے کسی کے ہاتھ کم قیمت پر فروخت کرنا
 درست نہیں ہے۔ البتہ مفتی قتی عثمانی صاحب کے بقول اگر معاملہ کر لیا جائے تو درست ہو
 جائے گا۔

۱۴۔ فوری ادائیگی کی شرط پر دین کے بعض حصہ کو معاف کر دینا (ضع و تعجل):

طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے پہلے اس شرط پر مانگنا کہ اس کا ایک حصہ ہم معاف کر
 دیں گے یعنی ضعف و تعجل کی صورت اختیار کرنا درست نہیں ہے (ہدایہ ۲۳۵/۳، باب ما جاء فی الربا فی
 الدین، سوطا امام مالک ر ۲۸۳-۳۳۳، سوطا امام محمد ر ۳۳۳)۔

۱۵۔ ضعف و تعجل کی ایک دوسری صورت:

ادھار معاملہ کیا گیا اور قیمت کے لئے صرف یہ کہہ دیا گیا کہ بعد میں دے دیں گے تو یہ
 صورت دو وجوہ سے جائز نہیں ہے، ایک تو ادھار ادائیگی کا وقت مقرر نہیں کیا گیا، جس سے اجل

مجہول ہوگی، جو مفہمی اہلی المنازعت ہوگی، لہذا ناجائز ہے، دوسرے ضلع و تجل والی صورت اختیار کرنا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ مشروط طور پر اجل کے عوض میں دین ساقط کیا جا رہا ہے، البتہ اس معاملہ کو فتح کر کے از سر نو معاملہ کر لیا جائے جس سے کم قیمت پر نقد معاملہ ہو جائے اور دونوں کا مقصد پورا ہو جائے۔

۱۶- قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر فوری مطالبہ کا حق:

اگر ایگریمنٹ میں اس بات کی صراحت ہے کہ اگر مشتری مقررہ وقت پر کوئی قسط ادا نہ کر سکا تو اس صورت میں آئندہ باقی قسط بھی فوراً ادا کرنے ہوں گے، اور بائع کے لئے فی الحال تمام قسط کا مطالبہ کرنا جائز ہوگا تو ایگریمنٹ کی شرط کے مطابق از روئے شرع اس کے لئے جائز ہے کہ تمام قسطوں کا فوری مطالبہ کرے (رد المحتار ۴/۱۳۳، خلاصۃ الفتاویٰ ۳/۵۳)۔

۱۷- مدیون کے انتقال کر جانے سے دائن کو فوری مطالبہ کا حق:

حنفیہ کا مسلک دین مؤجل کے سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر مدیون کا انتقال ہو جاتا ہے تو اجل ساقط ہو کر دین فوری واجب الاداء ہو جاتا ہے، لہذا یہاں بیع بالتقسیط میں بھی فوری واجب الاداء ہو جائے گا، لیکن چونکہ بیع بالتقسیط میں ثمن کا کچھ حصہ مدت کے مقابلہ میں ہوتا ہے، اس لئے مذکورہ مسلک پر عمل کرنے میں مدیون کے وراثہ کا نقصان ہے، لہذا اس مسئلہ کو مراہمہ مؤجلہ پر قیاس کرتے ہوئے اس طرح سے طے کیا جاسکتا ہے کہ ادائے دین کی جو مدت متفق علیہ تھی، اس کے آنے میں جتنا وقت باقی ہے، اس وقت کے مقابلہ میں جتنا ثمن آتا ہو وہ ساقط کر دیا جائے۔

لہذا مدیون کے ترکہ میں سے صرف ایام گذشتہ کے مقابل جو ثمن ہو وہ وصول کر لیا جائے۔ مراہمہ مؤجلہ میں اس طرح کی صورت جائز ہے (ثامی)۔

مدیون کے انتقال کی صورت میں حنا بلہ کے یہاں وسعت ہے، چنانچہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر مدیون کے وراثہ اس دین کی توثیق کر دیں، اور اس کی ادائیگی پر اطمینان دلا دیں تو اس

صورت میں وہ دین مدیون کی موت سے فوری واجب الاداء نہ ہوگا، بلکہ وہ پہلے کی طرح مؤجل ہی رہے گا۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنے مقالہ میں ان دونوں باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: شاید حنا بلکہ کا قول اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ مدتوں کے اختلاف کی وجہ سے شمن میں جو تذبذب کی صورت ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے یہ صورت سودی معاملات سے مشابہت ہو جاتی ہے وہ تذبذب اس صورت میں نہیں پایا جاتا۔

اس مسئلہ میں علماء کرام کو غور فرمانا چاہئے۔

۱۸- بیع بالتقسیط میں انعامی اسکیم:

اس معاملہ کا ایک جزء تو بیع بالاقساط کا ہے، جو اپنی شرائط کے ساتھ درست ہے، اور دوسرا جزء ماہ ب ماہ، چھ ماہ یا سال بھر پر اس پر انعام دینے کا نظام ہے جس کو قرض عاندازی کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے، اس دوسرے جزء پر قمار کی تعریف صادق آ رہی ہے یعنی ”تملیک المال علی خطر“ اور قمار کا معاملہ کرنا حرام ہے، اور چونکہ دوسرے جزء کو پہلے جزء، یعنی بیع بالاقساط کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، لہذا اس قسم کا پورا معاملہ حرام و ناجائز ہو جائے گا۔

گویا مشتری اپنی رقم سے انعام کے سلسلے میں جو اکیل رہا ہے اور بیع کے سلسلے میں بیع بالاقساط کر رہا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اس لئے ناجائز و حرام ہے۔

۱۹ قرض عاندازی کے ذریعہ بقیہ قسطیں ساقط کرنا:

جس وقت معاملہ کا آغاز کیا گیا تو مجموعہ قسطوں پر معاملہ ہوا، پھر ہر مرتبہ کی قرض عاندازی سے ایک خریدار جس کا نام قرض میں نکلا اس کو سامان دے دیا گیا، اور بقیہ قسطیں معاف کر دی گئیں، اس معاملہ کے فساد کی ایک وجہ یہ ہے کہ مجموعی قسطوں میں سے بقیہ قسطوں کے اقطاط کے لئے خریدار جو اکیل رہا ہے کہ اگر قرض عاندازی میں اس کا نام نکل آیا تو قسطیں ساقط اور اگر نہیں نکلا تو قسطیں واجب۔

اور قمار کی حرمت یقینی و بدیہی ہے، دوسری وجہ شمن کی جہالت ہے، کیونکہ ابتدائے عقد میں وہ مجموعی قیمت جو اس کو دینی پڑے گی، وہ مجہول ہے، کیونکہ قراءت اندازی کے ذریعہ اسقاط اس معاملہ کا جزاء شرط ہے۔

نتیجہ بالتسبیط میں اس طرح کا طریقہ اختیار کرنا ناجائز و حرام ہے۔ ”لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل“ (سورہ نساء: ۲۹)۔

☆☆☆

بیع و شراء میں چند قیمتوں کا تذکرہ

مولانا اختر حسین رضوی، باندہ

- ۱- فقہاء اسلام کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ آدمی اگر کوئی چیز ادھار فرخت کر رہا ہے اور نقد کے مقابلہ کچھ زیادہ قیمت لے رہا ہے تو بلاشبہ یہ جائز و درست ہے (دیکھئے رد المحتار ۱۷۵۳، ہدایہ ۵۸۳، بسوط ۸۰/۱۳، فتاویٰ فیض الرسول ۳۸۸/۲، فتاویٰ رضویہ ۲۶/۱۷۷-۱۷۸)۔
- ۲- ادھار قیمت کی اوایتگی یکمشت ضروری نہیں ہے، قسط وار ادھار کرنا بھی جائز و درست ہے (ترمذی شریف ۱۳۶/۱، فتاویٰ مصنفیہ ۳۵۳، کھل الفقہ الفہم ۱۱۳، الدر المختار علی ہاشم رد المحتار ۲۳۳، فتاویٰ امجدیہ ۱۵۵۳)۔
- ۳- حدیث شریف، نیز فقہاء اسلام کے تفصیلی بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ بیع و شراء میں دو چند قیمتوں کا تذکرہ بایں سبب ممنوع ہے کہ ایسی صورت میں قیمت کا تعین نہیں ہو پائے گا، اور جب قیمت مجہول ہو تو بیع فاسد و ناجائز ہوتی ہے، لیکن اگر دو چند قیمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد کسی ایک متعین قیمت پر آپس میں معاملہ طے ہو جائے تو اس میں کوئی حرج و محذور نہیں ہے، لہذا ادھار و ختگی کی صورت میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے صرف ادھار قیمت کا ذکر ضروری نہیں ہے، بلکہ نقد و ادھار میں سے ہر ایک کی قیمت بتا کر کوئی ایک صورت متعین کرنا ضروری ہے (ترمذی شریف ۱۳۶/۱، مرقاۃ ۸۱/۶، فتاویٰ مانگیر ۸۲/۳، فتاویٰ امجدیہ ۱۸۱/۳)۔
- ۴- ہر صورت میں مدت کا معاوضہ حرام نہیں ہوتا، بلکہ دین دے کر پھر مدت کا عوض لیا جائے یا بالقصد مدت کا عوض ادھار خرید فرخت میں ہو تو ممنوع ہے، لہذا ادھار و ختگی میں زائد

قیمت کو ربا قرار دے کر ناجائز و حرام کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، علاوہ ازیں یہ تجارت تراخی طرفین کی قبیل سے ہے کہ شریعت مطہرہ نے آدمی کو اپنا مال کسی بھی قیمت پر بیچنے کا جو حق دیا ہے وہ اسے استعمال کر رہا ہے نہ کہ وہ سود حاصل کر رہا ہے، لہذا یہ زیادتی کسی بھی طرح دائرہ ربا میں نہیں آتی ہے (ہدایہ ۳/۲۳۲، البحر الرائق ۶/۱۲۵)۔

۵- معاملہ بیع میں بائع کو یہ حق ہے کہ اپنے سامان کی جو قیمت چاہے رکھے، اس لئے کہ وقت عقد چند صورتوں کو مشتری کے سامنے رکھ کر دونوں کسی ایک صورت پر معاملہ طے کر لیں تو یہ درست ہے، یہاں سود و ربا کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، کہ اس کو ناجائز و حرام مانا جائے۔

۶- بلاشبہ یہ سود ہے، اس کا لینا دینا ناجائز و حرام ہے۔

۷- وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں بوجہ تاخیر جو بھی رقم مدیون سے وصول کی جائے خواہ اس کو مالی جرمانہ کہیں یا ربا و سود، بہر حال وہ ناجائز ہے، مالی جرمانہ کے ناجائز ہونے سے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھئے (سوطی امام مالک ۲/۶۷۲-۶۷۳، تہذیب الخواکف شرح سوطی امام مالک ۲/۱۶۳، رد المحتار ۳/۱۷۹، فتاویٰ مصنفویہ ۳/۲۰۳، فتاویٰ امجدیہ ۳/۲۹۱)۔

۸- مال مرہون سے انتفاع ناجائز و حرام اور سود و ربا ہے (در مختار علی ہاشم الرمدی ۳/۳۳۸، ہدایہ ۳/۵۰۶، فتاویٰ امجدیہ ۳/۳۳۱، فتاویٰ رضویہ ۱۱/۲۸۲، غزالیون بحوالہ فتاویٰ رضویہ ۱۱/۲۹۱، تہذیب و جامع المصنعات بحوالہ مذکورہ)۔

الف: لہذا بائع کا اس مال مرہون سے فائدہ حاصل کرنا ناجائز و حرام ہے۔

ب: اگر بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے مال مرہون ہلاک ہو جائے تو اس کا جتنا دین مشتری پر آتا تھا ہلاک شدہ مال کی قیمت کے مطابق مشتری کے ذمہ سے اتنا دین ساقط ہو جائے گا (فتاویٰ مالگیری ۳/۱۵۶، ہدایہ ۳/۵۰۶)۔

ج: اگر وقت مقررہ کے گذر جانے پر بھی مشتری قیمت کی ادائیگی میں بلاوجہ ٹال مٹول کر رہا ہے تو بائع جبراً اپنے پاس رکھے ہوئے گروی سامان کو مشتری سے فروخت کر کر اپنا دام وصول کر لے گا اور اگر مشتری مال مرہون کو نہیں بیچ رہا ہے تو بائع قاضی کے ذریعہ اس کو فروخت

کرا کر قیمت حاصل کر سکتا ہے (ہدایہ ۳۵۳، کفایۃ مع الفتح ۱۰۷، رد المحتار ۲۵۲، بہار شریعت ۵۹/۱۷)۔

۹- بائع فروخت شدہ سامان کو اس وقت تک روک سکتا ہے جب تک کہ مشتری ثمن ندوے دے، مگر یہ اس صورت میں ہوگا جب ادائے ثمن کے لئے کوئی مدت نہ مقرر ہو، اور اگر کوئی مدت مقرر ہو تو نہ قبل مدت روکنے کا حق ہوگا اور نہ ہی مدت گذر جانے کے بعد روکنے کا حق ہوگا (رد المحتار ۳۶۳، فتاویٰ مالگیری ۹۳، بہار شریعت ۱۱/۹۳)۔

اب جس صورت میں بائع کو بیع کے روکنے کا حق حاصل ہو جائے تو بیع کارو کنا اس کو رہن بنانے کے لئے یا محض اپنا حق وصول کرنے کے لئے ہے، کتب فقہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں صورتیں بن سکتی ہیں، مگر رہن ماننے میں یہ شرط ہے کہ مشتری نے خریدنے کے بعد بیع پر قبضہ کر لیا ہو اور پھر بائع کو بطور رہن دے دیا ہو، ورنہ یہ رہن صحیح نہیں ہوگا (بہار شریعت ۵۳/۱۷)۔

الف: لہذا فروخت شدہ سامان کو رہن بنانے کی جہت بھی ہو سکتی ہے۔

ب: اور محض اپنا حق وصول کرنے کے لئے اس کو اپنے پاس روکنے کی بھی جہت ہو سکتی ہے، مگر انہیں مذکورہ بالا شرائط و تفصیلات کے ساتھ، البتہ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہوگا کہ رہن کی صورت میں مرہون شی (بیع) مضمون باقیمتہ ہوگی، اگر وہ بائع کے پاس بلاک ہو جائے تو مشتری کے ذمہ سے دین ساقط ہو گیا، بائع اس سے کچھ نہیں وصول کر سکتا ہے کہ بلاک شدہ سامان بائع کی واجب الادا قیمت کے مقابل بلاک ہوا، اور دوسری صورت میں اگر بیع بلاک ہو جائے تو بیع ہی فسخ ہو جائے گی، بلاک شدہ مال بائع کا ہی بلاک شدہ مال مانا جائے گا، مشتری پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

۱۰- یہ صراحتاً ظلم و زیادتی ہے اور بائع کے لئے اس رقم کا لینا ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل“ (سورہ نساء ۲۹)۔ وہ رقم مال معصوب کہلائے گی اسے مشتری کو لوٹانا واجب ہے (فتاویٰ رضویہ ۸/۷)۔

۱۱ - یہ صورت بھی ممکن ہے کہ خرید کردہ شی کو خود خریدار کے استعمال میں رکھ کر رہن مان لیا جائے، لیکن اس کی صورت یہ ہوگی کہ مشتری خرید کردہ شی پر قبضہ کے بعد بائع کو بطور رہن وہی سامان دے دے، اور پھر بائع اس پر قبضہ کرنے کے بعد عاریت وغیرہ کے طور پر مشتری کو دے دے تو ایسی صورت میں خود خرید کردہ شی مشتری کے استعمال میں رکھ کر رہن مانی جاسکتی ہے اور بغیر اذن مرتہن (بائع) مشتری کو اس میں تصرف کا حق نہیں رہے گا۔

۱۲ - یہ امر تو متفق علیہ ہے کہ قرض دے کر مقروض سے کسی طرح کا فائدہ بذریعہ قرض حاصل کرنا ناجائز و حرام ہے، تو جب قرض دے کر نفع لیا حرام ہے تو محض قرض کی ادائیگی کی ضمانت و گارنٹی لینے پر قرضدار سے رقم لینا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا، لہذا کفالت کی بناء پر قرض دار سے اجرت و معاوضہ لینا ناجائز و حرام ہے، البتہ گارنٹی لینے کی صورت میں جو کاغذات و دستاویز تیار کرائے جاتے ہیں اگر گارنٹران کاغذات اور ان کو تیار کرنے کا معاوضہ لیا چاہے تو اس کی اجازت ہوگی۔

۱۳ - دستاویز کی خرید و فروخت کا جو رواج ہے اس میں یہ بات قائل غور ہے کہ کیا یہ معاملہ واقعی بیع و شراء ہے یا کچھ اور؟ اگر اس معاملہ کو بیع و شراء مانیں تو سوال یہ ہے کہ بیع کیا ہے؟ آیا وہ کاغذ و دستاویز جس میں معاملے کی مکمل تفصیل مندرج ہوتی ہے، یا اس پر لکھی ہوئی تحریر یا اس پر لکھے ہوئے روپے؟ تینوں میں سے جس کو بھی بیع قرار دیں، بہر حال منظور لازم آئے گا، کیونکہ اگر دستاویز کی بیع مانتے ہیں تو یہ شرعاً باطل ہے کہ دستاویز عرف شرع میں مال ہی نہیں، اور غیر مال کی بیع باطل ہے (در مختار علی ہاشم الرد ۳، ۱۲، نیز فتاویٰ رضویہ ۷/۲۰۶)۔

اور اگر اس میں لکھی ہوئی تحریر کو بیع تسلیم کریں اور دستاویز سے مقصود بھی درحقیقت تحریر ہی ہے، اسی کی وجہ سے خرید و فروخت ہوتی ہے اور اعتبار عقود میں معانی و مقاصد کا ہی ہونا ہے تو دستاویز کی بیع کا مطلب تحریر کی بیع ہے اور تحریر کا مال نہ ہونا تمام کتب فقہ میں مصرح ہے (فتاویٰ رضویہ ۷/۱۳۲)۔

اس لئے تحریر کی بیع بھی باطل ہے، اور اگر دستاویز پر لکھے ہوئے روپے کو بیع قرار دیں اور روپیوں کی بیع مانیں تو یہ منظور لازم آئے گا کہ روپے کی بیع روپے کے بدلے ادھار ہوگی کہ ایک طرف سے تو فوراً دام وصول ہو گیا اور دوسری طرف (باع کی طرف) سے ابھی ایک میعاد مقرر پر بیع کی تسلیم ہوگی، اور ایسی بیع ناجائز و حرام ہے کہ ”بیع الجنس بالجنس نسیئة“ ہے (ہدایہ ۱۵/۳)۔

اب تک کی تمام بحثوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ دستاویز کی بیع و شراء کا مروجہ طریقہ درحقیقت بیع و شراء ہے ہی نہیں، بلکہ قرض لین دین کا ایک طریقہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر دستاویز لکھنے والا (مشرقی اول) اس پر تحریر شدہ رقم دینے سے انکار کر دے تو دستاویز خریدنے والا پوری رقم اسی بائع سے جس نے دستاویز بیچی ہے وصول کر لیتا ہے، اور دستاویز اس کو واپس کر دیتا ہے، اگر یہ معاملہ بیع کا تھا تو بغیر کسی عیب و فساد کے بیع کیوں واپس کی جاتی ہے، اور بائع با سانی یہ واپسی کیوں قبول کر لیتا ہے، نیز عیب و فساد کی صورت میں بائع پر صرف اصل ٹمن کی واپسی لازم ہوتی ہے، مشتری کو اس پر کسی نفع کا استحقاق نہیں ہوتا، مگر یہاں عرفاً مثلاً پانچ فیصد کا اضافہ پہلے ہی سے مشروط ہے، چنانچہ اگر ایک ہزار روپے کی مثلاً دستاویز تھی، اور خریدنے والے نے پانچ فیصد کٹوتی کے حساب سے پچاس روپے کم کر کے ۹۵۰ روپے ادا کئے تھے، تو اب دستاویز کی واپسی کی صورت میں وہ پورے ایک ہزار ۱۰۰ روپے واپس لے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دستاویز کی خرید و فروخت کا معاملہ حقیقت میں قرض کا معاملہ ہے، اور چونکہ دستاویز پر لکھی ہوئی رقم وقت قرض سے مثلاً ایک ماہ بعد وصول ہوگی، اس لئے دستاویز کا مشتری جو درحقیقت مقرض ہے، دستاویز کے بائع یعنی مستقرض سے دستاویز پر لکھی ہوئی مالیت سے کچھ کم پر معاملہ طے کرتا ہے اور مستقرض چاروں چار اس معاملہ کو قبول کر لیتا ہے اور پھر مقرض مشتری اول سے دستاویز پر لکھی ہوئی پوری رقم وصول کر لیتا ہے اور چونکہ وہ بائع کا محتال علیہ ہوتا ہے اس لئے وہ پوری رقم ادا کر دیتا ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ دستاویز خریدنے والے (مقرض) نے بائع (مستقرض) کو قرض دے کر مشروط نفع حاصل کیا اور میعاد کے بدلے میں معاوضہ وصول کیا، اس لئے یہ سود و حرام ہے، حجۃ الاسلام امام ابو بکر جصاص الرازی نے اس مسئلے کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے (تفسیر احکام القرآن للجصاص ۱/ ۲۶۷)۔

بالکل یہی حال دستاویز کی خرید و فروخت میں ہوتا ہے کہ میعاد کا معاوضہ وصول کیا جاتا ہے، لہذا وہ شرعاً سود و ربا اور ناجائز و حرام ہے۔

۱۴ - میعادی قرض کو وقت مقررہ سے پہلے وصول کرنے کی غرض سے اگر قرض خواہ کچھ کم پر مصالحت کر لے تو فقہاء اسلام نے اسے بھی سود میں شامل فرمایا ہے، اور اس کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے (تفسیر احکام القرآن للجصاص ۱/ ۲۶۷، نیز دیکھئے: ہدایہ ۳/ ۲۳۵)۔

لہذا بائع کا طے شدہ رقم کو وقت مقررہ سے پہلے کچھ کم کر کے وصول کرنا بھی سود میں داخل اور ناجائز و حرام ہے۔

۱۵ - اگر دین کی کوئی مدت نہ مقرر ہو اور دائن فوراً وصول کرنے کی غرض سے کچھ دین معاف کر دے تو یہ جائز و درست ہے، لہذا اگر بائع غیر میعادی قیمت کو فوراً وصول کرنے کی خاطر کچھ قیمت کم کر دے تو یہ جائز و صحیح ہے (ہدایہ ۳/ ۲۳۵، درختا علی ہاشم الرد ۴/ ۵۲۷، بہار شریعت ۳/ ۱۳۰)، مگر چونکہ ایسی صورت میں قیمت کی ادائیگی کا وقت متعین نہیں ہے لہذا اس طرح کی بیع ناسد ہوگی۔

۱۶ - قسط بندی درحقیقت ایک قسم کی تاخیر ہے اور بیع و شراء میں تاخیر درست ہے، لہذا قسط بندی بھی درست ہے، اور قسط بندی کے معاملہ میں اگر یہ طے ہوا کہ ایک قسط بھی تاخیر سے جمع ہوئی تو پوری رقم یکمشت دینی پڑے گی، ایسا کرنا بھی درست ہے (درختا علی ہاشم الرد ۴/ ۲۶۷، نیز دیکھئے: بہار شریعت ۱۱/ ۱۸، فتاویٰ رضویہ ۷/ ۲۸۲)۔

۱۷ - بیع بالتقسیت میں اگر بائع (دائن) کا انتقال ہو جائے تو اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں

آئے گا، ابدتہ مشتری (مدیون) کے انتقال سے اس کی نوعیت میں یہ تبدیلی آجائے گی کہ بائع اب اس کے ترکہ سے اپنا بقیہ دین فوراً وصول کر سکتا ہے (بہاثر بیعت ۱۸/۱۱)۔

۱۸- معاملہ مذکورہ کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ قمار و جوا ہے، کیونکہ فقہاء کرام نے جوا کی حقیقت یہ بیان فرمائی ہے کہ: کسی معاملہ میں نفع و نقصان کو غیر معین و نامعلوم بات پر معلق و موقوف کر دیا جائے کہ اگر وہ واقع ہو تو نفع اور اگر نہ واقع ہو تو نقصان، یونہی حرمت قمار کا سبب بیان کرتے ہوئے اس کی حقیقت و بنیاد ”تعليق التملیک بالخطر“ سے واضح کی گئی ہے یعنی کسی چیز کا ایک شخص کی ملکیت سے دوسرے شخص کی ملکیت میں منتقل ہونا کسی ایسی شرط پر موقوف کر دیا جائے جس کا وجود میں آنا نہ آنا دونوں محتمل اور غیر یقینی ہو (عنایہ مع الفتح ۵۵/۱)۔

غور کریں جوتا جہ اس طرح قمار اندازی کے ذریعہ انعام دیتا ہے کیا وہ انعام ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ وہ تو جوا ہے، کیونکہ انعام میں تو جائزین سے مال ہی نہیں ہوتا، جبکہ یہاں جائزین سے مال ہے، اور ہر ایک جمع کرنے والے کو سامان ملنا بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض ہی کو مل پاتا ہے، اور کس کو ملے گا یہ بھی پتہ نہیں ہوتا ہے، ہر شخص اسی پس و پیش میں لگا رہتا ہے کہ مجھے ملے گا کہ نہیں اور جس کو نہیں ملا تو اس کی قسط میں جمع شدہ رقم بھی واپس نہیں ملتی بلکہ ڈوب جاتی ہے۔

۱۹- صورت مذکورہ میں بائع ہر خریدار کو بیع سپرد کرتا ہے اور ان سے قسط وار رقم جمع کرانا ہے، لہذا معاملہ کی یہ صورت ”مبادلة المال بالمال بتراضی الطرفین“ کی قبیل سے ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ کسی خریدار کو ایک ہی قسط جمع کرنے کے بعد سامان مل گیا، اور کسی کو دو چند اور کسی کو پوری قسط جمع کرنے کے بعد بیع حاصل ہوئی، سامان بہر حال ہر ایک کو ملا، ابدتہ بائع و مشتری دونوں سے کو یا ایک اعتبار سے شمن مجہول رہتا ہے، کیونکہ مشتری کو یہ نہیں معلوم رہتا کہ کتنی قسط جمع کرنے کے بعد میرا نام نکلے گا، اسی طرح بائع کو بھی نہیں معلوم رہتا کہ میں کس خریدار کو اپنا

سامان کس قیمت میں دوں گا، یہ تو نام نکلنے کے بعد معلوم ہوتا ہے، لہذا جہالت ثمن کی بناء پر یہ طریقہ ناجائز ہوگا۔ مگر چونکہ یہ جہالت منقصی الی المنازعت نہیں ہے، اس لئے یہ طریقہ بیع و شراء درست ہے۔

☆☆☆

نقد فروخت کے مقابلہ ادھار میں قیمت زیادہ کرنا

مفتی عبدالقیوم پانچولی، کجرات

۱- ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک ادھار بیع میں نقد فروختی کے مقابلہ میں قیمت زیادہ کرنا جائز و درست ہے (الموسم للمصرحی ۱۳/۷، ۸ فقہی مقالات ۵/۳۳، البلاغ۔ ستمبر ۱۹۹۵ء، دارالعلوم کراچی)۔

۲- بیع مؤجل میں جس طرح ثمن کی یکمشت (مدت کے پورا ہونے پر) ادائیگی کو مقرر کرنا درست ہے، اسی طرح ادھار قیمت کو تسطوں میں ادا کرنے کو مقرر کرنا بھی درست ہے:

”البيع من تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح“ (شرح الجملہ ۱۲۵)۔

۳- اگر کوئی شخص بھاؤ تاؤ کے وقت مختلف قیمتیں بیان کرتا ہے، مثلاً یہ کہے کہ یہ چیز نقد میں ۱۰۰ روپے میں اور ادھار سو سو (۱۲۵) روپے میں، لیکن مجلس عقدی میں عاقدین کے درمیان قیمت اور مدت دونوں کی تعیین پر اتفاق ہو جاتا ہے، تو اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے، اور اگر بھاؤ تاؤ کے وقت بائع مشتری سے کہے کہ اگر تم نقد ثمن ادا کرو گے تو اس چیز کی قیمت سو روپے ہے اور اگر چھ ماہ کے بعد ادا کرو گے تو اس کی قیمت ایک سو دس روپے ہے، اور پھر مجلس عقد میں کسی ایک شق کی تعیین کے بغیر عاقدین اس خیال سے جدا ہو گئے کہ مشتری ان دو شقوں میں سے ایک شق کو بعد میں اپنے حالات کے مطابق اختیار کرے گا تو یہ بیع بالاجماع حرام ہے، اور عاقدین پر واجب ہے کہ وہ اس عقد کو فسخ کر دیں اور از سر نو عقد کریں، جس میں ایک شق کی وضاحت کے ساتھ تعیین ہو (فقہی مقالات اول، ۸۵ تا ۸۲)۔

ادھار فر و ختگی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بھاؤ تاؤ کے وقت صرف ادھار قیمت کا ہی تذکرہ کیا جائے (بذل الجہود ۱۵/۱۳۶)۔

۴- ادھار بیچنے میں نقد کے مقابلہ میں قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرے میں نہیں آتا ہے، اس لئے کہ اجل و مدت کی (بیع مرابحہ میں) بیع کے ساتھ مشابہت ہے، لہذا بیع کے تابع ہو کر اجل کے مقابلہ میں ثمن کی زیادتی کرنا صحیح ہے (البحر الرائق ۶/۱۳۳-۱۳۵، فقہی مقالات اول ۸۳/۸۳)۔

۵- سوال میں گیارہ ہزار رو سو کتابت کی غلطی ہے اس کے بجائے تیرا ہزار دو سو ہونا چاہئے تب ہی اس کی بارہ قسط کریں تو ایک قسط میں ۱۱۰۰ روپے ہوں گے، اور یہ معاملہ شرعاً درست اور جائز ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

۶- یہ صورت شرعاً حرام اور سود میں داخل ہے، اس لئے کہ اس چیز کی اصل قیمت دس روپے مقرر کر دی اور یہ دس روپے بیع کے نتیجے میں مشتری کے ذمہ دین ہو گئے، اب تاخیر کی وجہ سے اس دس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا یقیناً سود ہے (فقہی مقالات ۸۵-۸۶)، تفسیر کبیر میں ہے:

”ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به“ (۹۱/۷)۔

۷- یہ صورت بھی سود میں داخل ہے، اس لئے کہ عقد بیع میں بیع ایک قیمت مقرر ہو جانے کے بعد تاخیر کی وجہ سے زیادہ رقم لازم کرنا چاہے فی صد کے حساب سے ہو یقیناً سود ہے، اس مزید رقم کو سود ہی کہا جائے گا۔

۸- (الف) ثمنی مرہون سے بائع کے لئے فائدہ اٹھانا اگرچہ راہن کی اجازت سے ہو جائز نہیں، اس لئے کہ یہ مشتفع ہونا بھی ربا کی ایک صورت ہے (رد المحتار ۵/۳۲۷، فقہی مقالات ۸۷)۔
(ب) بائع کے قبضہ میں اگر مال مرہون ہلاک ہو جائے اور مال راہن کی قبضہ کے دن کی

قیمت اور مشتری پر واجب ثمن دونوں برابر ہیں تو بائع اپنا دین یعنی ثمن حکماً وصول کرنے والا شمار ہوگا، لہذا مشتری سے ثمن ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر رہن کی قیمت ثمن کی مقدار سے کم ہے تو رہن کی قیمت کے بقدر ثمن کی مقدار میں سے مشتری سے ساقط ہو جائے گا اور بقیہ ثمن بائع مشتری سے وصول کرے گا، اور اگر مال رہن کی قیمت ثمن سے زائد ہے تو اس صورت میں بھی مشتری سے ساقط ہو جائے گا اور ثمن کی مقدار سے جو زائد مال مرہون بلاک ہوا ہے اسے مشتری بائع سے وصول نہیں کرے گا (اگر بلا تعدی بلاک ہوا ہو تو اور اگر تعدی سے بلاک کیا ہے تو مشتری اس زائد کے بقدر وصول کرے گا اور اس صورت میں مال رہن کی بلاکت کے دن کی قیمت معتبر ہوگی) (رد المحتار مع الدرر ۵/۳۲۵-۳۲۶)۔

(ج) خریدار اگر وقت مقرر پر ثمن ادا کرنے سے قاصر ہو جائے یا مال مثول کرتا رہے تو اس مال رہن کو بیچ کر بائع (مرتبہن) اپنا دین یعنی ثمن کی مقدار وصول کر لے، زائد وصول کرنا جائز نہیں، اور اپنے ثمن سے جو زائد رقم ملے اسے مشتری کو لوٹا دینا ضروری ہے، اصل حکم تو یہ ہے کہ اس وقت بیچنا جائز ہے جبکہ رہن نے اس کے بیچنے کا وکیل بنایا ہو، یا اس کے بیچنے کی اجازت دی ہو، یا عدالت کے حکم سے بیچا جائے، لیکن اگر دین کے وصول ہونے کی امید نہ ہو تو خلاف جنس سے دین وصول کرنے کے جواز پر فتویٰ ہے، لہذا رہن کو بیچ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہے (رد المحتار ۵/۳۵۰، ہدایہ ۳/۵۲۲، الجملہ ۱۱۶)۔

۹- (الف) بائع کا بیچ کو اپنے پاس روکنا رہن بنا کر دو طرح سے ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ بیچ پر مشتری قبضہ کرنے کے بعد بائع کو رہن کے طور پر سوئپ دے، اس صورت میں یہ بیچ شرعاً رہن ہو جائے گی، اور اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے، اور اس کے بلاک ہونے کی صورت میں بیچ فسخ نہیں ہوگی (مکاتیب علی ہاشم بیچ ۹۹)۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری نے بیچ پر قبضہ نہیں کیا ہے، اور بائع بیچ کو رہن بنا کر اپنے پاس روکے رکھے تو یہ صورت شرعاً رہن کی نہیں، بلکہ ”حبس المبیع لاستيفاء الثمن“

کی ہو جاتی ہے اور بیع مؤجل اور بیع بالتسلیط میں ”حبس المبیع لاستيفاء الثمن“ جائز نہیں، لہذا یہ صورت جائز نہیں ہے (رد المحتار ۵/۳۳۰)۔

(ب) اور بائع کا ثمن کی وصولیابی کے لئے نقد بیع میں بیع کور و کنا جائز ہے اور اوہار بیع میں جس کی ایک قسم ”بیع بالتسلیط“ بھی ہے، جائز نہیں ہے (ہندیہ ۵/۳۳، فقہی مقالات اول ۸۸)۔

۱۰- یہ صورت شرعاً درست نہیں، بلکہ بیع فاسد ہے، اس لئے کہ طے شدہ اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں بیع بائع کی ہو جائے گی، اور ادا شدہ اقساط ضبط کرنے کی شرط شرط فاسد ہے، لہذا عاقدین پر واجب ہے کہ اس معاملہ کو فسخ کر دیں، اور بائع نے جو اقساط وصول کی ہیں ان کو واپس کرنا ضروری ہے۔

۱۱- رہن کے صحیح اور جائز ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مرہن شئی مرہون پر قبضہ کرے، چنانچہ علامہ حصلہ کی تحریر فرماتے ہیں:

”أفاد أن القبض شرط اللزوم كما في الهبة، و صحح في المجتبى أنه شرط الجواز“ (در مختار مع الرد ۵/۳۳۳)۔

سوال میں مذکور صورت میں مرہن شئی مرہون پر قبضہ نہیں کرتا ہے، لہذا رہن صحیح نہ ہونا چاہئے۔ لیکن عصر حاضر کے محقق فقیہ مفتی محمد تقی صاحب کارحمان جواز کی طرف ہے، چنانچہ حضرت مولانا اپنے مقالہ میں ”الرہن السائل“ کے عنوان کے تحت طویل بحث کے بعد تحریر فرماتے ہیں: بہر حال مندرجہ بالا پانچ ملاحظات کی بنیاد پر میری رائے کارحمان ”رہن سائل“ کے جواز کی طرف ہوتا ہے (فقہی مقالات اول ۹۵) رہن صحیح مانا جائے یا نہیں، دونوں صورتوں میں بظاہر احکام میں کوئی فرق نہیں ہوگا، اس لئے کہ جب اس شئی پر رہن ہی کا قبضہ رہے گا تو رہن کے ہلاک ہونے کی صورت میں اس کا ضمان مرہن پر نہیں آئے گا، بلکہ رہن ہی کی چیز ہلاک ہوگی۔

”فان هلك في يد الراهن هلك بغير شئ لفوات القبض المضمون“ (ہدایہ مع الفتح ۱۱۶۸)۔

۱۲ - ضمانت اور عقد کفالت کی اجرت لیما جائز نہیں ہے، اس لئے کہ کفالت بھی قرض کی طرح ایک عقد تبرع ہے، لیکن بینک اور ادارے بہت سے امور انجام دیتے ہیں جو ان پر لازم نہیں، لہذا ان امور کی انجام دہی پر بحیثیت دلال یا وکیل اجرت لیما جائز ہے، چنانچہ حضرت مولانا فتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ عقد تبرع ہونے کے اعتبار سے گارنٹی اور قرض میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح قرض پر نفع لیما جائز نہیں ہے، اسی طرح گارنٹی پر اجرت لیما بھی جائز نہیں ہے، بلکہ گارنٹی پر اجرت کا مطالبہ کرنا قرض پر منافع کے مقابلہ میں بطریق اولیٰ جائز نہیں، اس لئے کہ کفالت میں مکفولہ کی طرف سے دین کی ادائیگی کا محض التزام ہوتا ہے، اور جب وہ کفیل اس کی طرف سے دین ادا کرتا ہے، اس وقت اسیل کے ذمہ کفیل کا قرض ہو جاتا ہے گویا کہ کفیل صرف قرض دینے کا التزام اپنے اوپر کرتا ہے اور جب قرض دینے پر کسی منافع کا مطالبہ جائز نہیں تو پھر صرف قرض دینے کے التزام پر منافع یا اجرت کا مطالبہ بطریق اولیٰ جائز نہیں ہونا چاہئے..... بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ضمانت پر اجرت لیما کسی حال میں جائز نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اسلامی بینکوں کو بین الاقوامی تجارت اور لین دین میں کریڈٹ لیٹر (Credit Letter) جاری کرنے میں اس کی ضرورت رہتی ہے تو پھر اس کی متبادل صورت کیا ہو سکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ بینک کے لئے اپنے عمیل سے دو چیزوں کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

۱۔ ”لیٹر آف کریڈٹ“ جاری کرنے کے عمل میں بینک کے جو واقعی اخراجات اور مصارف ہوتے ہیں، ان کا مطالبہ کرنا عمیل سے جائز ہے۔

۲۔ اپورٹ اور ایکسپورٹ کے درمیان معاملہ کی تکمیل کے سلسلہ میں بینک جو خدمات بجالاتا ہے، اس پر بحیثیت وکیل یا بحیثیت دلال یا درمیانی واسطہ ہونے کی حیثیت سے اپنی خدمات پر اجرت کا مطالبہ کرنا بینک کے لئے جائز ہے، لیکن صرف کفالت اور گارنٹی پر کسی اجرت کا مطالبہ کرنا بینک کے لئے جائز نہیں (فتویٰ مقالات اول، ۹۷، ۹۸)۔

۱۳ - ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان دستاویزات کی بیع نہیں ہے، بلکہ بائع کا مشتری کے

ذمہ جو دین (ثمن) ہے اس کو مشتری کے علاوہ سے کسی میں بیچا جا رہا ہے، لہذا ایہ بیع الدین من غیر من علیہ الدین ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

”قولہ: ولا يجوز من غیرہ الخ) ای لا يجوز تمليك المدين من غير من عليه الدين الخ“ (رد المحتار ۳/۲۳۰)۔

نیز اس میں کرنسی کی کرنسی کے ساتھ کسی بیشی کے ساتھ بیع ہے جو ناجائز اور حرام ہے (فقہی مقالات ۹۹)۔

مفتی قاضی صاحب نے اس کا تبادلہ بتایا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس معاملہ کو تھوڑی سی تبدیلی کے ذریعہ درست کیا جاسکتا ہے.... وہ اس طرح کہ اولاً حامل دستاویز بینک کو مشتری (دستاویز جاری کرنے والے) سے دین وصول کرنے کا وکیل بنا دے اور اس وکالت پر یہ شخص بینک کو کچھ اجرت بھی دیدے، اس کے بعد نئے معاملہ کے ذریعہ یہ شخص (حامل دستاویز) دستاویز پر تحریر شدہ رقم کے بقدر بینک سے قرض لے لے اور بینک کو اس کا اختیار دے دے کہ جب مشتری سے اس دستاویز کے عوض رقم وصول ہو جائے تو وہ اس رقم سے اپنا قرض وصول کر لے، اس طرح یہ دو معاملات علیحدہ علیحدہ ہوں گے، پہلا معاملہ یہ کہ یہ شخص بینک کو قرض وصول کرنے کے لئے کسی معین اجرت پر اپنا وکیل بنا دے، اور دوسرا معاملہ یہ کہ وہ خود بینک سے قرض لے لے، اور بینک کو دستاویز کے بدلے وصول ہونے والی رقم سے قرض وصول کرنے کا اختیار دے دے، لہذا شرعی لحاظ سے یہ دونوں معاملات درست ہو جائیں گے، پہلا معاملہ تو اس لئے درست ہے کہ اس میں اجرت پر وکیل بنانا ہے اور شرعاً اجرت پر وکیل بنانا جائز ہے، اور دوسرا معاملہ اس لئے درست ہے کہ اس میں کسی زیادتی کی شرط کے بغیر قرض کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اور شرعاً یہ بھی جائز ہے (فقہی مقالات اول ۹۹، ۱۰۰)۔

۱۴ - ادھار خرید فخر وخت میں بائع کا طے شدہ ثمن کو مقررہ وقت سے پہلے اس شرط پر مانگنا کہ اس کا ایک حصہ وہ معاف کر دے گا، جس کو فقہ کی اصطلاح میں صنع تعجل (کچھ ساقط کرو اور

جلدی حاصل کرو) کہا جاتا ہے، اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباسؓ، حضرت امیر المومنینؓ، امام زہریؒ اور ابو ثورؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمر، ابن عمر، زید بن ثابت، حضرت مقداد اور محمد بن سیرین، حسن بصری، حکیم بن حنیہ اور امام شعبہؒ تابعین میں سے اور ائمہ اربعہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں (مؤطا محمد، ۱/۳۳۲)۔

البتہ اس کا ممنوع و حرام ہونا صرف دیون مؤجلہ میں ہے، نقد دیون میں وضع و تعجل کا عمل جائز ہے (فقہی مقالات، ۱۱۰۶:۱۱۰۰)۔

ادھار دیون میں تعجل کی شرط کے ساتھ دین کا کچھ حصہ ساتھ کرنا بیع مساومہ میں (یعنی ان بیوع میں جس میں بائع اپنا منافع بیان کئے بغیر اپنی چیز مشتری کے ہاتھ بھاؤ تاؤ کے ذریعہ فروخت کرتا ہے) تو جائز ہے، ہاں اگر بیع مراہمہ ہو (یعنی جس میں بائع مدت کے مقابلہ میں ثمن میں جو زیادتی کر رہا ہے اس کو صراحتہً بیان کر دے) تو اس کے بارے میں متاخرین احناف کا فتویٰ یہ ہے کہ اس صورت میں اگر دیون وقت مقررہ سے پہلے اپنا دین ادا کر دے یا مدت مقررہ سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو بائع صرف اتنا ثمن وصول کرے گا جتنا سابقہ ایام کے مقابل میں ہوگا اور مقررہ مدت تک جتنے ایام باقی ہیں اس کے مقابل کا ثمن میں سے نفع چھوڑنا ہوگا (رد المحتار، ۱/۵۷۵ و ایضاً، ۱۶۰۔ بحوالہ فقہی مقالات، ۱/۱۱۵ تا ۱۱۸)۔

لیکن متاخرین کے اس فتویٰ پر عمل کر کے ”وضع و تعجل“ کا عمل بیع مراہمہ اور تسطوں پر بیع میں مناسب نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی تقی صاحب کی رائے ہے، انہوں نے لکھا ہے: ”وضع و تعجل کے قانون کے عدم جواز پر جو دلائل ہم نے پیچھے ذکر کئے ہیں، وہ ہر دین مؤجلہ پر ثابت ہوتے ہیں، ان میں بیع مساومہ اور بیع مراہمہ کا کوئی فرق نہیں، اور اگر مندرجہ بالا فتویٰ پر عمل کیا گیا تو اس صورت میں بیع مراہمہ اور تسطوں پر بیع کی ان سودی معاملات سے زیادہ مشابہت ہوگی، جن میں مختلف مدتوں کے ارتباط کی وجہ سے اصل واجب ہونے والی رقم میں شک رہتا ہے کہ وہ کم ہوگی یا زیادہ۔ لہذا میری رائے میں ”بیع بالتقسیط“ اور ”بیع مراہمہ“ کے وہ

معاملات جو اسلامی بینکوں میں رائج ہیں ان میں مندرجہ بالا فتویٰ پر عمل کرنا مناسب نہیں ہے (فقہی مقالات، ۱۱۸)۔

۱۵ - ادھار معاملہ میں جب مدت متعین نہیں کی گئی ہے، صرف مشتری نے یہ کہا کہ میں بعد میں دے دوں گا (بائع اس پر راضی ہے) تو مدت کی جہالت کی وجہ سے یہ معاملہ فاسد ہے، لہذا ایسے معاملہ میں عاقدین پر واجب ہے کہ اس کو فسخ کر دیں اور فسخ کرنے کے بعد از سر نو نقد بیع کریں اور اس میں پہلی مقررہ قیمت سے کم قیمت طے کریں تو بھی درست ہے۔

۱۶ - ”بیع بالتقسیط“ میں اس طرح شرط لگانا کہ مشتری کوئی قسط وقت مقررہ پر ادا نہ کر سکا تو اس صورت میں آئندہ کی باقی قسطیں فوراً ادا کرنا ضروری ہوگا، جائز ہے (خلاصۃ الفتاویٰ ۳/ ۵۳)۔ لہذا اگر مشتری نے اس صورت میں کوئی قسط مقررہ مدت پر ادا نہیں کی تو بائع کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ بقیہ اقساط کافی الفور مطالبہ کرے (فقہی مقالات، ص ۱۱۹-۱۲۰)۔

۱۷ - بیع بالتقسیط میں مدت مقررہ سے پہلے مدیون کا انتقال ہو جائے تو احناف، شوافع، مالکیہ کا مذہب اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ دین مؤجل فوری واجب الاداء ہو جاتا ہے، اور حنابلہ کا مختار قول یہ ہے کہ اگر مدیون کے ورثاء اس دین کی توثیق رہن یا کفیل سے کر دیں اور اس کی ادائیگی کا اطمینان دلا دیں تو اس صورت میں وہ دین پہلے ہی کی طرح مؤجل رہے گا۔ احناف کے نزدیک مدیون کی موت کی وجہ سے وہ دین فی الفور واجب الاداء ہوگا، لیکن متاخرین احناف نے فتویٰ دیا ہے کہ اس صورت میں دائن (بائع) مدیون کے ترکہ سے فی الفور نفع میں سے صرف اسی قدر وصول کرے گا جو گذشتہ مدت کے مقابل ہوگا، اور جو نفع باقی مدت کے مقابل ہوگا اس کو ترک کر دے گا۔

اور مدیون کی موت کی صورت میں دین کا فوری واجب الاداء قبول لینے میں متاخرین کے اس فتویٰ پر عمل کیا جائے، تاکہ مدیون کے ورثاء کا نقصان نہ ہو یا حنابلہ کے مختار قول (کہ مدیون کی موت کے بعد بھی دین مؤجل ہی رہے بشرطیکہ اس کی ادائیگی کی توثیق اس کے ورثاء کی

جانب سے ہو جائے) پر عمل کیا جائے تو بھی درست ہے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ مدیون کے ورثاء کا نقصان نہ ہو، لہذا مناسب ہے کہ یا تو متاخرین حنفیہ کا قول لیا جائے کہ اداء دین کی جو مدت متفق علیہ تھی اس کے آنے میں جتنا وقت باقی ہے، اس وقت کے مقابلہ میں جتنا ثمن آتا ہو وہ ساقط کر دیا جائے، لہذا مدیون کے ترکہ میں سے صرف یام گذشتہ کے مقابل جو ثمن ہو وہ وصول کر لیا جائے، یا حنابلہ کا قول اختیار کیا جائے کہ جس طرح وہ دین مؤجل تھا اب بھی اسی طرح مؤجل رہنے دیا جائے، البتہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مدیون کے ورثاء کسی قابل اعتماد ذریعہ سے اس کی توثیق کر دیں، شاید حنابلہ کا قول اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ مدتوں کے اختلاف کی وجہ سے ثمن میں جو تذبذب کی صورت ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے صورت سودی معاملات سے مشابہت ہو جاتی ہے وہ تذبذب اس صورت میں نہیں پایا جاتا ہے (فقہی مقالات، ص ۱۳۷-۱۳۸)۔ اور اگر بیع بالتقسیط میں مدت مقررہ سے پہلے دائن (بائع) کا انتقال ہو جائے تو دین نوری واجب الاداء نہیں ہوگا بلکہ مشتری وقت مقررہ پر ہر قسط ادا کرتا رہے گا، نوری مطالبہ نہیں کر سکتے ہیں (رد المحتار، ص ۳۱۴)۔

۱۸- ایک تاجر کوئی چیز قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور اس طرح کی اسکیم بناتا ہے کہ مثلاً پندرہ سو روپے کی سائیکل دس قسطوں میں قیمت کی ادائیگی پر ملے گی اور ہر قسط دیر ہ سو روپے کی ہوگی اور ہر ماہ یا چھ ماہ یا سال بھر میں قرض اندازی کی جائے گی اور جس خریدار یا خریداروں کا نام قرضہ میں نکلے گا ان کو مخصوص انعام بھی ملے گا، البتہ ہر خریدار کو تمام قسطیں ادا کرنی ہوں گی، یہ صورت جائز ہے اور صریح قرار میں داخل نہیں ہے، لیکن جو خریدار اس موہوم انعام ہی کی غرض سے اس چیز کو خریدتے ہیں وہ ایک گونہ قمار کا ارتکاب کر رہے ہیں، اس لئے مسلمان تاجر کے لئے ایسی اسکیم بنانا اور مسلم خریداروں کو ایسی اسکیم میں انعام کی غرض سے شرکت کرنا مناسب نہیں ہے، حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: ہر ماہ سائیکل انعام میں دینا لالچ دے کر خریداروں کو بڑھانا ہے کہ خریدار بلا ضرورت ۱۲ روپے ماہانہ جمع کرادیا کریں پھر ایک سائیکل تو بہر حال ملے

گی، ممکن ہے کہ انعام بھی نکل آوے، اگر اس انعام کی صورت میں خریدار کا روپیہ ضائع ہونے کی کوئی صورت نہیں، جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہوتا ہے اور قیمت بھی پوری دیتا ہے، یہ نہیں کہ قیمت پوری ہونے سے پہلے (خواہ ایک ہی قسط پر سہی) اگر نام نکل آئے تو سائیکل مل جاوے اور بقیہ قیمت ساقط ہو جائے تب تو بظاہر یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے ورنہ جوئے کی شکل ہو کر ناجائز ہو جائے گی (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۵۷)۔

اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اسی قسم کی ایک صورت کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: یہ صورت صریح قمار سے تو نکل جاتی ہے، کیونکہ نکتہ خریدنے والے کو اس نکتہ کا معاوضہ بصورت داخلہ نمائش مل جاتا ہے، لیکن اب مدارنیت پر رہ جاتا ہے، جو شخص موہوم انعام کی غرض سے یہ نکتہ خریدتا ہے وہ ایک کونہ قمار کا ارتکاب کر رہا ہے، اور جس کے پیش نظر صرف نمائش میں جانا ہے اور انتہائے انعام کی ہوس پیش نظر نہیں، پھر اتفاقاً انعام بھی مل گیا تو وہ قمار کی رو سے قمار کے حکم سے نکل گیا (جوہر الفقہ ۲/۳۲۵)۔

۱۹ - یہ صورت سود و قمار پر مشتمل ہے، مسلمان تاجر کے لئے اس قسم کی اسکیم بنانا یا کسی مسلمان کے لئے اس میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مفتی عبدالرحیم لاچپوری صاحب عینہ ایسے ہی سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: بلاشبہ مذکورہ اسکیم اور معاملہ سود اور قمار پر مشتمل ہے، لہذا حرام ہے، یہ اسکیم چلانا یا اس میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے (فتاویٰ رضویہ ۱۳۲/۶)۔

اسی طرح حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی عینہ اسی صورت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ معاملہ شرعاً درست نہیں ہے، وقت عقد ثمن مبیع متعین ہونا چاہئے، وہ یہاں متعین نہیں، بلکہ مجہول ہے، کمی زیادتی ظاہر ہے، چٹنی رقم دی ہے اس پر زیادتی کونسے عقد کی بناء پر ہے، اس کو قمار بھی کہا جاسکتا ہے اور با بھی (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۳۱۱)۔

چند قسطوں میں شمن ادا کرنے کی شرعی حیثیت

مولانا انجاز احمد کاکی ☆

۱- نقد فروختگی کے مقابلے میں ادھار فروختگی کی قیمت میں اضافہ کر دینا شرعاً درست ہے۔ جس طرح کسی تاجر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ۱۰ روپے قیمت والی شے کو ۱۲ روپے میں فروخت کر دے، اگر ۱۲ روپے میں نقد فروختگی درست ہے تو اتنی قیمت میں ادھار فروخت کرنا بھی درست رہے گا، بشرطیکہ دھوکہ اور فریب کا امکان نہ ہو۔ اور نہ اس کی نیت ہو۔ مشتری کے سامنے صحیح صورتحال آگئی اب اگر اصل قیمت سے کچھ زائد پر سامان خریدنے میں خیر سمجھے گا خریدے گا ورنہ باز رہے گا۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی جس طرح یکمشت جائز ہے اسی طرح چند قسطوں میں بھی ادا کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اتساط متعین ہوں۔ یعنی اس بات کی تعیین ضروری ہے کہ مشتری کتنی قسطوں میں ادا کرے گا۔ ہر قسط کی مقدار متعین ہو اور قسطوں کی مدت بھی معلوم ہو۔ مندرجہ بالا امور کے بالاتفاق طے ہو جانے کے بعد معاملہ منقضی الی النزاع نہیں رہے گا، قسط وار رقم کی ادائیگی کا عدم جواز اس امر پر مبنی تھا کہ قسطوں کی تاریخ مجہول ہو، شمن معلوم نہ ہو، مقدار قسط غیر متعین ہو جو نزاع کا باعث ہو سکتا تھا، اور یہاں ایسی صورت نہیں ہے، بائع قسطوں میں شمن لینے پر راضی ہے اور مشتری قسط کے مطابق شمن کے ادا کرنے کا پابند ہے، اس طرح آئندہ نزاع کا کوئی امکان نہیں ہے۔

۳- ادھار فر و ختگی میں قیمت کی زیادتی اس وقت تک جائز نہ ہوگی جب تک عاقدین عقد کے وقت ہی کسی ایک شق پر متفق نہ ہو جائیں۔ صرف ادھار قیمت کا تذکرہ کر دینا ادھار بیع کے لئے کافی نہیں، نقد اور ادھار بیع میں قیمتوں کے فرق کے تذکرہ کے بعد اگر عاقدین کسی ایک شق پر متفق نہیں ہوئے تو جہالت فی الثمن کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہو جائے گی۔

۴- ادھار قیمت میں مال کی قیمت کی زیادتی ”وقت“ اور ”مدت“ کے عوض محسوس ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ نقد اور ادھار بیع کے ثمن میں تفاوت بائع کا اپنی شئی پر قیمت کے سلسلے میں اختیار کلی کا نتیجہ ہے، مدت کے مقابلہ میں ثمن کی زیادتی پر ربا کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اس لئے کہ وہ اس مال ربا میں سے نہیں ہے اور نہ یہ قرض ہے، جس پر نفع لیا جا رہا ہے، بلکہ یہ ایک بیع ہے جس میں ثمن کی زیادتی کو ایک وقت اور حالت کے اعتبار سے عاقدین نے اتفاق سے طے کیا ہے جب بائع اور مشتری دونوں نے دو ثمن میں سے ایک پر اتفاق کر لیا تو جہالت اور تردنی الثمن ختم ہو گیا۔

”فان فارقہ علی أحدهما فلا بأس إذا كانت العقلة علی أحدهما“ (ترمذی)۔

(اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہو گیا تو کوئی حرج نہیں)۔

۵- اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ اگر فریقین باہم رضامندی سے معاملہ کی کسی ایک صورت پر متفق ہو جاتے ہیں اور دوسری صورت اتفاق سے ختم کر لی جاتی ہے، تو چونکہ تردد اور جہالت کو عاقدین نے باہم رضامندی سے پہلے ہی ختم کر لیا ہے، اس لئے شرعاً اس معاملہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر چھ ماہ میں چھ تسطوں میں ادا کرنے کی صورت میں مال کی قیمت بارہ ہزار روپے پر اتفاق ہو جاتا ہے تو سامان کی قیمت وہی متعین ہو جاتی ہے بصورت دیگر گیارہ ہزار روپے۔

۶- وقت مقررہ پر دین کی عدم ادائیگی کی صورت میں رقم کا اضافہ سود کہلائے گا، مسلمہ اصل ہے ”کل قرض جو نفعاً فہو ربا“ (ہر وہ قرض جو نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے) یہ اضافہ محض تاخیر کی بناء پر ہے، اور تاخیر کوئی عوض نہیں، پس اضافی رقم خالی عن العوض ہو کر ربا میں داخل ہوگی۔

۷ - مدیون دین یا دین کی کسی قسط کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، تو دین کی ادائیگی میں کوتاہی کی دو جہتیں ہو سکتی ہیں۔

الف: مفلسی اور تنگدستی کی وجہ سے دین ادا نہ کر سکا۔

ب: وسعت کے باوجود بد نیتی اور خود غرضی کی وجہ سے مال منول کی راہ اختیار کرتا ہے۔ پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ ایسے شخص کو مہلت دی جائے۔ قرآن کہتا ہے: ”وإن كان ذو عسرة فنظرة الی میسرة“ (سورہ بقرہ ۲۸۰) (مدیون اگر تنگ دست ہو تو وسعت کے زمانہ تک اس کو مہلت دو)، دائن کو ایسے شخص کو مہلت دینی چاہئے، البتہ دوسری صورت میں جو عام طور پر ہمارے زمانہ میں پائی جاتی ہے، ایسے شخص کو حدیث میں ظالم کہا گیا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ”مطل الغنی ظلم“ (بخاری) (مال دار کا مال منول کرنا ظلم ہے)، دوسری حدیث میں ہے: ”لی الواجد یحل عقوبتہ و عرضہ“ (بخاری) (مال دار شخص کا مال منول کرنا اس کی سزا اور آبرو کو حلال کر دیتا ہے)، مدیون کا عمل ناپسندیدہ ہے، آدمی شرعاً اس فعل کی وجہ سے مستحق تعزیر بن جاتا ہے۔ مگر کیا اس تعزیر سے تعزیر مالی (مالی تاوان) مراد ہے۔ تعزیر مالی کے جواز و عدم جواز میں اختلاف کے باوجود کسی نے لفظ ”عقوبتہ“ کی تفسیر مالی معاوضہ اور مالی تاوان سے نہیں کی، اور یہ مال منول نئے دور کے پیدا شدہ مسائل تو ہیں نہیں، بلکہ ہر زمانہ کے تجار اس مصیبت سے دو چار ہوتے رہے ہیں، مگر کسی زمانہ میں کسی نے مال منول کے عوض میں مال کو لازم نہیں کیا، اب رہا کہ اس پریشانی کا حل کیا نکالا جائے، ہر شخص اپنی تنگدستی اور مفلسی کو ظاہر کرے گا اور تاجر کے لئے یہ امر نہایت مشکل ہے کہ وہ افلاس کی تحقیق کرنا پھرے، مال داری کو ثابت کرنے کے لئے وہ عدالت کے دروازے کو کھٹکھٹائے اور مقدمہ بازی ہو۔ جتنا حاصل نہیں ہوگا اس سے زیادہ مقدمہ بازی میں خرچ کرے گا۔ کیا اس پریشانی کا حل بائیکاٹ ہو سکتا ہے؟ جواب نفی میں ہوگا۔ اس لئے کہ بائیکاٹ تاجروں اور بینکوں کے درمیان اتحاد کے بغیر ناممکن ہے، دوسرا تاجر رقابت کی وجہ سے اس کی پشت پناہی کرے گا تا کہ مد مقابل کا کاروبار ٹھپ ہو جائے وغیرہ۔

جسمانی تعزیر مثلاً تھیس وغیرہ ممکن نہیں، بالخصوص ہندوستان جیسے ملک میں اور بھی غیر امکانی عمل ہے، حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب نے اس کا ایک حل پیش فرمایا ہے، حضرت کی رائے سے احقر کو اتفاق ہے، وہ فرماتے ہیں: ایسا ممکن ہے نال منول کے عوض میں اپنی طرف سے مالی جرمانہ عائد کرنے کے بجائے مدیون سے معاہدہ نامہ پر دستخط لیتے وقت اس پر یہ لازم کر دیا جائے کہ دین کی ادائیگی میں کوتاہی بلا وجہ کرنے کی وجہ سے تم کو دین کے تناسب سے کوئی متعینہ مقدار ادا کرنی ہوگی اور اس رقم کو رفاہ عام اور عام خیراتی کاموں میں تیری طرف سے ادا کیا جائے گا۔ اور مدیون معاہدہ نامہ پر دستخط کر کے اپنے آپ کو پابند کرے۔ اگر بروقت مدیون دین ادا نہ کر پائے گا تو وہ متعینہ مقدار بطور جرمانہ بینک یا تاجر کو ادا کرے گا، اور وہ تاجر کی یا بینک کی نہ ہوگی، بلکہ خیراتی کاموں میں صرف کرنے کے لئے بطور امانت اس کے پاس محفوظ رہے گی۔ اس سے ممانعت کا سدباب بھی ہو جائے گا، اور یہ رقم سود کی نہیں کہلائے گی، اس لئے کہ اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ خیراتی کاموں کے لئے وہ وقف ہے۔ احناف کے نزدیک وعدہ کو قضاء لازم نہیں ہوتا، لیکن بعض فقہاء مالکیہ نے قضاء بھی اس کو لازم قرار دیا ہے، بلکہ احناف کے نزدیک بھی بعض وعدے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے لازم ہو جاتے ہیں اسے ”باب بیع الوفاء“ شامی میں دیکھا جاسکتا ہے (دیکھیے تحریر الکلام للعلامة للطلاب)۔

۸ - اپنی کوئی مملوکہ شیء مشتری بائع کے پاس بطور رہن رکھوائے اور بائع اپنے پاس گارنٹی کے طور پر رکھے تو ایسی صورت میں شیء مرہون سے انتفاع بائع کے لئے کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔ شیء مرہون سے انتفاع بھی ربا کی صورت ہے۔ شیء مرہون مرہن (دائن) کے پاس اس لئے رکھی رہے گی تاکہ مدیون اس رہن کے دباؤ میں وقت مقررہ پر دین ادا کر دے۔ ورنہ بائع اس چیز کو بیچ کر اپنا دین وصول کر لے گا، اگر مدیون نے دائن کے دین کی ادائیگی بروقت نہ کی تو دائن شیء مرہون کو فروخت کر دے گا، اور فروخت کر کے عقد کے وقت جو قیمت شیء کی تھی شیء مرہون کی قیمت سے اتنا وصول کرنے کے بعد جو رقم بچے گی وہ واجب الادا ہوگی، دین سے زائد

لیما دائن کے لئے جائز نہ ہوگا۔

۹- بائع دو طریقوں سے بیع کو روک سکتا ہے: ۱۔ فروخت شدہ سامان کو رہن کی حیثیت سے، ۲۔ ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو روک لینے کی حیثیت سے۔

دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جب ثمن کی وصولیابی کیلئے بیع کو جس کیا جائے گا تو بیع مضمون بائع ہوگی، مضمون بائع نہیں، لہذا اگر حالت جس میں بیع بلاک ہوگی تو بیع فسخ ہو جائے گی اور بازاری قیمت کا ضمان بائع پر نہیں ہوگا، اور اگر پہلی صورت میں بیع بائع کے پاس تعدی کے بغیر بلاک ہوگی تو بیع فسخ نہ ہوگی۔ بلکہ وہ مشتری کے مال سے بلاک ہوگی اور مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط نہ ہوگا، اور تعدی کی وجہ سے شئی بلاک ہوئی تو بائع بازاری قیمت کا ضامن ہوگا، ثمن کا ضامن نہ ہوگا۔ جہاں تک دوسری صورت کا سوال ہے وہ ”بیع بالتقسیط“ میں تو جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بیع موبل ہے، اور بائع کو استیفائے ثمن کے لئے جس بیع کا حق صرف نقد بیع میں ہوتا ہے (فتاویٰ مالگیری ۱۵/۳)۔

پہلی صورت میں اگر بائع بیع کو روک لیتا ہے (بطور گروی) اور یہ جس مشتری کے بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے ہوا ہے تو یہ صورت بھی پہلی صورت کی طرح درست نہیں ہے، اور اگر مشتری بیع کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد بطور رہن بائع کو دے دے تو یہ صورت اکثر فقہاء کے نزدیک جائز اور درست ہے (کتابیہ ۹۹/۸، زیلعی ۱۶/۲۶، ۳۹۷)۔

حاصل یہ ہے کہ نقد بیع میں اس بیع کے رہن (گروی) کے طور پر بائع کے پاس چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ صلہ عقد میں رہن مشروط نہ ہو، اگر صلہ عقد میں رہن مشروط ہوگا تو اس بیع کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح قول جواز کا ہے اگر رہن کا رکھنا لزوم بیع کے بعد ہو، ابن قدامہ نے اٹخنی میں تحریر فرمایا ہے:

”فإن كان بعد لزوم البيع فالأولى صحته، لأنه يصح رهنه عند غيره

فصح عنده كغيره“ (۳۲۷/۳)۔

۱۰- قیمت کے لئے طے شدہ اقساط نہ ادا کرنے کی صورت میں بائع سامان کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اور پھر وہ سامان اسی کا ہو جاتا ہے اور جو قسطیں ادا کی گئیں وہ بھی واپس نہیں کی جاتیں۔ یہ صورت قطعاً درست نہیں ہے۔ اگر سامان خریدار کو نہیں مل سکا تو اس کی جمع شدہ قسطیں اس کو واپس ملنی چاہئے۔ اس لئے کہ جمع شدہ قسطیں کسی عوض کا بدلہ نہیں ہیں۔

۱۱- رہن کی ایک صورت اور ملتی ہے جس میں مرتہن شیء مرہون پر قبضہ نہیں کرتا، بلکہ وہ چیز راہن کے پاس ہی رہتی ہے، اور راہن شیء مرہون سے فائدہ حاصل کرنے کا مجاز ہوتا ہے، لیکن راہن جب دین کی ادائیگی سے قاصر ہو جاتا ہے تو پھر دین کے سلسلہ میں راہن سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ وہ شیء مرہون کو فروخت کر کے دین ادا کرے، اس رہن کے جواز پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ رہن کے جواز کے لئے مرتہن کا قبضہ شیء مرہون پر ضروری ہے، قرآن پاک میں ہے: ”فرھن مقبوضۃ“ اگرچہ فقہ حنفی میں شیء مرہون کو بطور عاریت مرتہن راہن کو دے سکتا ہے اور راہن عاریتاً شیء مرہون سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور شیء مرہون عاریت کی وجہ سے راہن کے ضمان میں آ جاتی ہے مگر اس عاریت کے جواز کے لئے بھی قبض مرتہن ضروری ہے۔

مگر ایک بات قابل غور یہ ہے کہ کیا قبضہ کے لئے حسی قبضہ ہی ضروری ہے، قبضہ حکمی کافی نہ ہوگا؟ قبضہ کی شرط کے مقصد پر غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیء اس طرح مرتہن کے گرفت میں ہو کہ جب ضرورت پڑے مرتہن مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کر سکے۔ اور یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے جب رہن کے دستاویزات و کاغذات پر قبضہ کر لیا جاتا ہے، اس لئے کہ قانوناً وہ جب چاہے گا ضرورت پڑنے معاہدہ نامہ کے ذریعہ شیء مرہون کو فروخت کر سکتا ہے۔ مقصد کے حصول کے ساتھ ساتھ ہر ایک کے حق کی مصلحت اور فائدوں کا لحاظ بھی ہے، راہن کو فائدہ یہ ہے کہ اپنی شیء سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کی نظیر فقہ میں عاریت کی شکل میں موجود ہے، اور مرتہن کو بھی اپنے دین کے وصول کرنے کا حق کسی ضمان کے لزوم کے بغیر رہے گا، اس طرح سے مسئلہ کی تطبیق میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، اور شرعی مقاصد کا حل موجود رہتا ہے۔

۱۲ - گارنٹی لینا یہ عقد تصریح ہے، اس پر اجرت لینا، یا اس کا مطالبہ کرنا کسی طرح جائز نہیں، گو دور حاضر میں گارنٹی تجارت کا ایک جز بن چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کام کے لئے مستقل ادارے قائم ہو چکے ہیں، اور اپنی خدمات کے لئے وہ ادارے بڑی بڑی رقمیں صرف کرتے ہیں، اور اجرت کے بغیر گارنٹی دینے والا بھی نہیں ملتا۔ مگر فقہ اسلامی میں ضمانت پر اجرت لینا کسی حال میں جائز نہیں ہے، البتہ کریڈٹ لیٹر جاری کرنے میں جو صرفاً آتا ہے اور بینک کے جو واقعی اخراجات اور مصارف ہوتے ہیں ان کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔ محض ضمانت اور گارنٹی پر اجرت لینا جائز نہیں، تجارتی لین دین میں درمیانی کام کرنے والے ادارے اور جماعت کے لئے بحیثیت ”وکیل“ اور ”دلال“ اجرت کا مطالبہ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ عمل کا بدلہ ہے اور اخراجات کا بدلہ ہے، اور سمسار (دلال) کے لئے اجرت کے جواز کی صراحت فقہاء نے کی ہے۔

۱۳ - شرعاً کسی دستاویز کے ذریعہ دین کی توثیق نہ یہ کہ صرف جائز ہے بلکہ امر مستحب ہے۔
قرآن کہتا ہے: ”یا ایہا الدین آمنوا إذا تداینتم بدین الی أجل مسمی فاکتبوه“ (سورہ بقرہ ۲۸۲)۔

(اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کرنے لگو تو تو اس کو لکھ لیا کرو)۔

مگر آج کل بائع جو اصل دائن ہے بعض اوقات یہ دستاویز کسی تیسری شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، اور یہ فروختگی عام طور پر تحریر شدہ دین کی مقدار سے کم پر ہوتی ہے تاکہ معین تاریخ سے قبل اس کو رقم حاصل ہو جائے، مندرجہ بالا طریقہ پر بیع کرنا شرعاً جائز ہے، اس لئے کہ یہ دین کی بیع ہو رہی ہے اور تحریر شدہ رقم سے کم میں ہو رہی ہے، اولاً تو یہ بیع ہی درست نہیں ہے، کیونکہ یہ ”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ کے قبیل سے ہے، اور وہ درست نہیں ہے، ثانیاً یہ کرنسی کی بیع کرنسی سے ہو رہی ہے جس میں کمی زیادتی ممنوع ہے، اگر معاملہ میں تھوڑی تبدیلی کر دی جائے تو جواز کی صورت نکل سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اولاً حامل دستاویز بینک کو مشتری

سے دین کے وصول کرنے کا وکیل بنا دے، اور اس وکالت پر بینک کو کچھ اجرت دے۔ اس کے بعد نئے معاملہ کے ذریعہ دستاویز پر تحریر شدہ رقم کے بقدر بینک سے قرض لے لے۔ اور بینک کو یہ اختیار دے دے، جب مشتری سے وہ رقم وصول ہو جائے تو وہ اس رقم سے اپنا قرض وصول کر لے اس طرح معاملہ درست ہو جائے گا، پہلا معاملہ تو اس لئے کہ اجرت پر وکیل بنایا گیا ہے اور اجرت پر وکیل بنانا درست ہے۔ دوسرا معاملہ اس لئے کہ اس میں کسی زیادتی کی شرط کے بغیر قرض کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

۱۴ - کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دائن مدیون سے یہ کہتا ہے کہ ہم دین کا کچھ حصہ اس شرط پر چھوڑ دیں گے جب آپ (مدیون) باقی دین اس سے کم مدت میں یا علی الفور ادا کر دیں، یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ جب دین کی تاخیر کی صورت میں دین میں زیادتی سود میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے تو اسی طرح دین کی تعجل اور جلدی کی صورت میں دین کے اندر کمی بھی درست نہیں ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک ”ضع“ اور ”تعجل“ پر دین میں کمی کر دینا حرام ہے۔

”قال مالک: ذلک عندنا بمنزلة الذی یؤخر دینہ بعد محله عن غریبہ، ویزید الغرم فی حقہ، قال: فہذا ربا بعینہ، لا شک فیہ۔“
(امام مالک نے ”ضع اور تعجل“ کی صورت تحریر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ صورت ہمارے نزدیک ایسی ہی ہے جیسی کہ کوئی شخص مدیون کو اداء دین کی تاریخ کے بعد اور مہلت دے کر دین میں کچھ اضافہ کر دے۔ یہ صریح ربا ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے) (مستحب ابویع سوطا امام مالک، ۶۰۶/۱، نیز دیکھئے سوطا امام محمد)۔

۱۵ - ”ضع اور تعجل“ کی ممانعت صرف انہی دیون میں ہے جن کے لئے مدت مقرر ہے، البتہ وہ دیون جن کے لئے کوئی اجل مقرر نہیں ہے، بلکہ مدیون اس کی ادائیگی میں کسی وجہ سے تاخیر کر رہا ہے تو ایسے دیون میں دین کے کچھ حصے کو چھوڑنے پر صلح کر لینا اور وضع کے بعد باقی

دین دائن کے فوراً حوالہ کر دینا مالکیہ کے نزدیک یہ جائز ہے، امام مالکؒ سے کسی نے پوچھا کہ میرے لئے کسی کے ذمہ ایک سو دینار اور ایک سو درہم فی الحال واجب ہوں، اور میں اس سے ایک سو دینار اور ایک درہم نقد پر صلح کر لوں تو کیا یہ جائز ہے تو آپ نے فرمایا ”لابأس بذلك“ اس میں کوئی حرج نہیں (المندویۃ الکبریٰ ۱۱/۲۷۷)۔

دیون غیر مؤجلہ میں چونکہ مدت کی کوئی شرط نہیں ہوتی، اور تاخیر مدیون کا کوئی حق نہیں ہوتا، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ دین کا حصہ جو معاف ہو اوہ حق (مدت) کے عوض میں معاف ہوا۔ اس لئے اس مسئلہ میں ربا کا معنی نہیں پایا گیا، گویا امام محمدؒ کے قول ”فکأنه بیع قلیلاً نقلاً بکثیر دیناً“ (وہ قلیل نقد کو کثیر دین کے عوض فروخت کر رہا ہے) کی صورت اس مسئلہ میں نہیں پائی گئی۔

۱۶- طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کو ختم کر دینا اور فوری طور پر ماہی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا درست ہے، اس لئے کہ قسطوں پر بیع کے معاہدہ نامہ میں صراحت ہوتی ہے کہ مقررہ وقت پر اگر کوئی قسط نہ ادا کر سکا تو آئندہ کی باقی قسطیں بھی فوراً ادا کرنا ضروری ہوگا (خلاصۃ الفتاویٰ ۳/۵۴)۔

۱۷- دائن و مدیون میں سے کسی کے انتقال کی وجہ سے دین مؤجل فوری واجب الاداء ہو جاتا ہے، اس مسئلہ میں احناف و شوافع اور مالکیہ کی رائے یہی ہے، دین مؤجل کی فوری ادائیگی میں تھوڑا شبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے متاخرین حنفیہ نے اس قول پر فتویٰ نہیں دیا ہے، شبہ یہ ہے کہ مراجعہ مؤجلہ میں ثمن کا کچھ حصہ مدت کے مقابلہ میں ہوتا ہے، لہذا اگر مشتری مدیون کے ترکہ میں سے پورا ثمن فی الفور اداء کرنے کا حکم لگا دے تو اس صورت میں ثمن کا جس قدر حصہ مدت کے مقابلہ میں تھا وہ بلا عوض رہ جائے گا، اس میں مشتری کا نقصان ہے، اسی وجہ سے متاخرین احناف نے فتویٰ دیا ہے کہ مشتری ثمن مراجعہ میں سے صرف اسی قدر ادا کرے جو گذشتہ مدت کے مقابلہ ہوگا (درمختار)۔

ثمن کی ادائیگی قسطوں میں - احکام و مسائل

مولانا محمد نور القاسمی ☆

۱- ادھار فروختگی میں قیمت کی زیادتی:

جس سامان کو ادھار فروخت کیا جا رہا ہے اس کی قیمت نقد فروختگی کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کر دینا صحیح ہے (ہدیۃ مع الفتح ۶۶، ۵۰۷، رد المحتار ۳/۵۸۸، امداد الفتاویٰ ۳/۳۰، الجوز والحرام فی الاسلام ص ۳۷۹، فقہ السنۃ ۳/۱۲۵)۔

۲- ادھار قیمت کی قسطوں میں ادائیگی:

ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت ہی ضروری نہیں، بلکہ اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ ادھار قیمت کو قسطوں میں ادا کیا جائے (فقہ السنۃ ۳/۱۲۵، الجوز والحرام فی الاسلام ص ۳۷۹، امداد الفتاویٰ ۳/۳۲)۔

۳- نقد و ادھار دونوں قیمتوں کے بیک وقت اظہار کا حکم:

ایک شخص یہ کرتا ہے کہ سامان کو نقد و ادھار دونوں طرح فروخت کرتا ہے، اور معاملہ اس طرح کرتا ہے کہ نقد قیمت مثلاً سو روپے اور ادھار سو سو روپے ہے، اور کوئی ایک قیمت حتمی طور پر طے نہیں ہوتی ہے تو ایسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے (الفتاویٰ امیر ازیۃ بہائش الہندیہ ۳/۳۳۱، بدائع الصنائع ۵/۵۸۸، نیز ملا حظہ ہوئے فقہ اسلامی وادلتہ ۳/۳۷۲، امداد الفتاویٰ ۳/۳۰)۔

لیکن اگر دونوں صورتوں کا اظہار کیا کہ نقد قیمت مثلاً سو روپے ہیں اور ادھار قیمت مثلاً سو سو روپے ہیں اور پھر بائع اور مشتری نے اسی مجلس عقد میں ایک صورت پر معاملہ حتمی طور پر طے کر لیا تو ایسا معاملہ کرنا جائز ہے (فقہ اسلامی واداء ۴/۲۷۲، نیز فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹۳)۔

۴- ربا کا شبہ:

ادھار و ختگی کی صورت میں نقد و ختگی کے بالمقابل مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرہ میں نہیں آتا ہے، جب صرف ادھار زائد قیمت کا تذکرہ کیا گیا، یا نقد و ادھار دونوں صورتوں کی قیمت کا تذکرہ کرنے کے بعد ایک صورت طے کر لی گئی تو گویا اب زائد قیمت ہی مال کی اصل قیمت متعین ہوگئی، لہذا اس میں ربا کا شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

۵- ادائیگی ثمن کے لئے قسطوں کی دو میعادیں متعین کرنا:

اگر مجلس عقد میں دونوں کسی ایک میعاد پر رضا مند ہو کر ایک صورت کو متعین کر لیتے ہیں تو معاملہ بالکل صحیح اور درست ہو جائے گا، اس لئے کہ دونوں میعاد ذکر کرنے کی وجہ سے جو جہالت پیدا ہوئی تھی، اس جہالت کو دونوں نے مل کر جب مجلس عقد ہی میں رفع کر لیا تو عدم جواز کی کوئی علت نہیں رہ جاتی، اس لئے کہ عدم جواز کی علت محض جہالت فی الثمن تھی (مجمع ۸/۲۳)۔

۶، ۷- میعاد مقررہ پر ثمن کی ادائیگی نہ ہونے پر رقم کی زیادتی:

سوال میں مذکور ان دونوں صورتوں میں معاملہ شرعاً جائز مقررہ پائے گا، اس مزید رقم کو ”جرمانہ“ یا مالی تاوان قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ یہ سراسر ربا کے دائرہ میں آئے گا جو شرعاً حرام ہے، اس لئے کہ یہ اس قرض کے مشابہ ہے جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اس بابت ایک موقوف حدیث ہمارے سامنے موجود ہے:

”عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا“ (سنن الکبریٰ للبخاری ۳/۵۰۷)۔

(نبی کریم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی فضالہ بن عبید سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر وہ قرض جو منفعت کھینچ لائے وہ ربا کی قسموں میں سے ایک قسم ہے)، مسئلہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (رد المحتار ۳/۱۷۲، نیز فقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۷۲۲)۔

۸- قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے مال رہن رکھنا:

اسلام نے سود کا دروازہ بالکل مقفل کر دیا ہے اور قرض پر بھی کسی طرح کا نفع اٹھانا حرام قرار دیا ہے، پیغمبر اسلام نے اسی کو سو قرا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”کل قرض جرنفعا فہو ربا“ اور سود کے بارے میں حقیقت سود تو کجا شبہ سود بھی ناقابل برداشت ہے، اس لئے رہن کے سامان سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض فقہاء احناف نے مالک کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے (الدر المختار بہامش ۱۵/۳۱۰)۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سود کا حاصل کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا بہر حال ناجائز ہے، گورضامنندی اور خوشی سے حاصل کیا جائے (رد المحتار ۳/۳۱۰)۔

اگر بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے تو بائع اس کا ضامن قرار دیا جائے گا، یعنی اگر مال مرہون کی قیمت دین کے برابر ہے تو کو بائع دین کا وصول کرنے والا شمار کیا جائے گا، اور اگر مال مرہون کی قیمت دین کے مقابلہ میں زیادہ ہے تو دین کے برابر منہا کر کے بقیہ قیمت کا بائع ضامن ہوگا اور زائد رقم مشتری کے حوالہ کرنا ہوگا، اور اگر مال مرہون کی قیمت دین کے مقابلہ میں کم ہے تو دین میں سے اتنی مقدار مشتری سے ساقط ہو جائے گی، لیکن بقیہ زائد رقم بائع مشتری سے وصول کرے گا (الدر المختار مع الرد ۱۰/۳۰۹، نیز ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ۶/۱۳۲)۔

وقت مقررہ پر ادا نہ کرنے یا مال منول کی صورت میں مرتہن راہن کے خلاف دار التضاء میں دعویٰ پیش کرے گا، قاضی راہن کو ادائیگی کے لئے حکم دے گا پھر بھی ادا نہ کرے تو راہن کو ایک مدت کے لئے قید کر دیا جائے گا، اور اگر اس کے بعد بھی ادائیگی نہ کرے تو قاضی مال

مرہون کفر وخت کر کے مرتہن کے دین کی ادائیگی کرے گا، اگر فر وخت شدہ مال مرہون کی قیمت دین سے زائد ہوگی تو زائد رقم راہن کو واپس کر دی جائے گی، اور اگر کم ہوگی تو تاضی اس کو اس وقت تک قید میں رکھے گا جب تک کہ وہ مکمل ادائیگی کا انتظام نہ کروادے (ہدایتہ مع الفتح ۱۰/۱۴۷)۔

تاضی کفر وخت کرنے کا حق اس لئے ہے کہ اس کو عوام الناس پر ولایت عامہ حاصل ہے۔

۹- بائع کی طرف سے بیع کو روکنے کی حیثیت:

بائع کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ فر وخت شدہ سامان کو اپنے پاس اس وقت تک کے لئے روکے جب تک کہ مکمل قیمت یا اس کی چند اقساط جمع نہ کی جائیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بائع کا بیع کو روکنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ آیا اس کو رہن مانا جائے یا ”جس المبیع لاستیفاء الثمن“ قرار دیا جائے؟

(الف) اگر اس کو رہن مان لیا جائے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو اسی مقالہ کے سوال نمبر (۸ ب) کے تحت گذر چکا ہے کہ.... احناف کے مفتی بہ قول کے مطابق رہن مرتہن کے پاس بطور ضمان ہوتا ہے، لیکن یہاں یہ صورت جائز نہیں ہے۔

”فلو هلك المبيع في يدها البائع سقط الثمن عن المشتري، فلا يصح

الرهن به“ (فقہ الاسلامی وادلتہ ۱۹۶/۵)۔

(اگر بیع بائع کے پاس ہی ہلاک ہو جائے تو مشتری سے ثمن ساقط ہو جائے گا، لہذا اسی شیء کو بطور رہن رکھنا جائز نہ ہوگا)۔

(ب) اور اگر اس کو جس المبیع لاستیفاء الثمن قرار دیا جائے تو علامہ شامی کی تصریح کے مطابق تفصیل یہ ہوگی کہ اگر بیع خود کسی وجہ سے مثلاً آفتِ سماوی کی وجہ سے ہلاک ہوگئی تو بیع باطل قرار دی جائے گی، اور ثمن کا جو کچھ حصہ بائع نے وصول کیا ہے بائع پر اس کا واپس کرنا ضروری ہوگا،

اور اگر مشتری کے کسی فعل سے بیع ہلاک ہوئی تو دیکھا جائے گا کہ بیع مطلق تھی یا خیار کے ساتھ تھی؟ اگر بیع مطلق ہو، یا مشتری ہی کو خیار ہو تو مشتری پر ثمن کی ادائیگی واجب قرار پائے گی، اور اگر خیار بائع کو ہو یا بیع فاسد کا معاملہ ہو تو بائع پر اس بیع کا ضمان لازم ہوگا، اگر بیع مثلی ہے تو اس کا مثل دینا ہوگا، اور اگر قیمتی اشیاء میں سے ہے تو اس کی قیمت دینی ہوگی، اور اگر کسی تیسرے شخص کے کسی فعل سے بیع ہلاک ہوئی ہو تو مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے بیع کو فسخ کر دے، اس صورت میں ہلاک کرنے والا بائع کے لئے ضامن ہوگا، اور اگر مشتری چاہے تو بیع کو نلی حالہ باقی رکھے اور خود جنایت کرنے والے سے ضمان وصول کر لے (ملاحظہ ہو: رد المحتار ۵/ ۴۲)۔ اور یہاں اسی صورت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جہاں تک اس صورت میں کسی پابندی کا تعلق ہے تو مناسب یہ ہے کہ اس پابندی کا تعین علماء کی ایک جماعت مل کر مشورہ کے بعد کرے۔

۱۰- بیعانہ (عربون) کی حیثیت:

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قیمت کے لئے طے شدہ اقساط کو ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع سامان کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اور پھر وہ سامان اسی کا ہو جاتا ہے، نیز جو اقساط ادا کی جا چکی ہیں وہ بھی واپس نہیں کی جاتیں، اسی کو ہم اپنی اصطلاح میں ”بیعانہ“ کہتے ہیں اور فقہاء کی اصطلاح میں اسی صورت کو ”بیع العربون“ کہا جاتا ہے (النبہایہ ۳/ ۲۰۲، نیز دیکھئے: مسوود فقہ عبد اللہ بن عمر: ۵۸۳، اور مسوود فقہ عمر بن الخطاب: ۶۳۸)۔

”بیع العربون“ کی بابت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

”عن عمر و بن شعيب عن أبيه عن جده أنه قال: نهى رسول الله عن

بيع العربان“ (سنن ابی داؤد: ۳/ ۲۸۳، کتاب البیوع باب فی العربون، و سنن ابن ماجہ: ۲/ ۷۳۹)۔

(حضرت عمر و بن شعيب سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ

اپنے دادا سے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عربون کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

لیکن اس کے برخلاف ایک دوسری روایت بھی منقول ہے جسے عبد الرزاق نے

”المصنف“ میں جگہ دی ہے۔

”عن زید بن أسلم قال: سئل رسول الله ﷺ عن العربان في البيع فأحله“ (کنز العمال للہندی: ۱۵۵/۳)۔

(زید بن اسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے بیع میں بیعانہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے اسے جائز قرار دیا)۔

اور حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب سے بھی اس کا جواز منقول ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم جوزی نقل فرماتے ہیں:

”عن نافع بن الحارث عامل عمر علی مكة أنه اشترى من صفوان بن أمية دارا لعمر بن الخطاب بأربعة آلاف درهم، واشترط عليه إن رضى عمر فالبيع له وإن لم يرض، فلصفوان أربعة مائة درهم“ (اعلام الموقعین لابن قیم: ۳۰۱/۳، نیز ملاحظہ ہو: مسودہ فقہ عمر: ۶۳۸)۔

(حضرت عمر کی طرف سے مکہ کے عامل نافع بن الحارث نے صفوان بن امیہ سے حضرت عمر کے لئے چار ہزار درہم میں ایک گھڑا شرط پر خریدا کہ اگر حضرت عمر راضی ہو جائیں گے تو بیع نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ راضی نہیں ہوئے تو صفوان کے لئے چار سو درہم ہوں گے)۔
حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

”وروی عن ابن عمرو جماعة من التابعين إجازته“ (شرح الزرقانی: ۲۵۲/۳)۔

(حضرت عبداللہ بن عمر اور تابعین کی ایک جماعت سے اس کا جواز مروی ہے)۔

اسی وجہ سے فقہاء کے درمیان بھی اس بیع کے جواز اور عدم جواز کی بابت اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالک اور امام شافعی عدم جواز کے قائل ہیں، چنانچہ علی المرتضیٰؒ تحریر فرماتے ہیں:

”وقال شارح معالم السنن: وقد اختلف الناس في جواز هذا البيع، فأبطله مالک والشافعی للخبر، ولما فيه من الشرط الفاسد والغرر، ويدخل في آكل المال بالباطل وأبطله أصحاب الرأى“ (کنز العمال ۱۵۶۳)۔

(شارح معالم السنن نے فرمایا کہ اس بیع کے جواز کی بابت لوگوں میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالک اور شافعی نے حدیث کی وجہ سے اسے باطل قرار دیا ہے، نیز اس لئے بھی کہ اس میں شرط فاسد اور دھوکہ ہے اور یہ اکل بالباطل کے ضمن میں آتا ہے، اور اصحاب الرأى نے بھی اسے باطل قرار دیا ہے)۔

لیکن جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ یہ بیع جائز ہے، اور اسی قول کے قائل مجاہد، محمد بن سیرین، زید بن اسلم اور نافع بن الخارث ہیں، چنانچہ علامہ ابن قیم جوزی تحریر فرماتے ہیں:

”ومن ههنا قال الإمام أحمد: لا بأس ببيع العربون، لأن عمر فعله وأجاز ههنا البيع والشرط فيه ومجاهد ومحمد بن سيرين وزيد بن أسلم ونافع بن الخارث“ (اعلام المؤمنین ۳۰۱)۔

(اور یہاں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ عربون کی بیع میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے ایسا کیا ہے، اور مجاہد، محمد بن سیرین، زید بن اسلم اور نافع بن الخارث نے اس بیع اور اس میں شرط لگانے کی اجازت دی ہے)۔

ایک ناقص رائے:

آج کے انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں جہاں بیعانہ کی بیع کا طریقہ خرید و فروخت میں بالکل اساسی اور بنیادی حیثیت اختیار کر گیا ہے اگر امام احمد بن حنبل کے مسلک کو اپناتے ہوئے جواز کا فتویٰ دے دیا جائے تو مناسب ہوگا (لغہ اسلامی وادب ۲۱۲)۔

۱۱۔ مشتری کے استعمال میں رکھ کر بیع کو رہن بنانا:

فروخت کردہ سامان کو مشتری کے استعمال میں رکھ کر رہن قرار دینا جائز نہیں ہے، اس

لئے کہ اس صورت میں مشتری راہن قرار پاتا ہے اور بائع مرتہن، اور مرتہن کیلئے ضروری ہے کہ شے مرہون پر وہ خود قبضہ کرے یا اس کا وکیل:

”یتولی قبض الرهن المرتہن أو وکیلہ“ (کتاب مذکورہ ۲۱۶/۵)۔

(رہن پر قبضہ کا حق مرتہن کو ہے یا اس کے وکیل کو)۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشتری (راہن) بائع (مرتہن) کا وکیل بن سکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء کی کتابوں اور عبارات، نیز شرائط رہن وغیرہ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مشتری (راہن) بائع (مرتہن) کا وکیل نہیں بن سکتا، چنانچہ مشہور عالم دین ڈاکٹر وہبہ زحیلی نقل فرماتے ہیں:

”ولا یصح أن یکون وکیلہ هو الراهن، لأن المقصود من القبض تأمین

المرتہن ولا یتتم القبض من بقاء الرهن فی ید الراهن“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۱۶/۵)۔

(مرتہن کی طرف سے راہن کا وکیل بنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا مقصود مرتہن کا

مامون ہونا ہے، اور راہن کے قبضہ میں رہتے ہوئے قبضہ مکمل نہیں ہوتا ہے)۔

۱۲- گارنٹی اور ضمانت پر معاوضہ:

خریدار کی طرف سے گارنٹی و ضمانت لینا جائز ہے، اس لئے کہ یہ کفالتہ کے اصول کے تحت آتا ہے جس کو فقہاء شرع متین نے جائز قرار دیا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گارنٹی لینے کی صورت میں اس پر اجرت لینا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ فقہاء نے اس سلسلہ میں صاف اور واضح طور پر اس اجرت کے عدم جواز کا قول فرمایا ہے: چنانچہ علامہ سرحدی کی عبارت ملاحظہ ہو:

”لو کفل رجل عن رجل بمال علی أن یجعل له جعلاً فالجعل باطل،

هكذا روی عن إبراہیم، وهذا؛ لأنه رشوة، والرشوة حرام، فإن الطالب لیس

یستوجب بهذه الكفالة زیادة مال، فلا یجوز أن یجب علیه عوض

بمقابلته“ (کتاب اوسط ۳۲/۲۰)۔

(اگر کسی شخص نے کسی کی طرف سے مال کی کفالت لی اور اس شرط کے ساتھ کہ اس پر وہ اجرت لے گا تو اجرت باطل قرار پائے گی، حضرت ابراہیم سے اسی طرح مروی ہے، اس لئے کہ یہ رشوت ہے اور رشوت حرام ہے، اس لئے کہ طالب اس کفالت سے زیادتی مال کا خواہاں نہیں ہے، لہذا اس کے مقابلہ میں کسی عوض کو واجب کرنا جائز نہیں ہوگا) (مسووفہ فقہ عبداللہ بن عمر: ص ۶۳۳)۔

اور مشہور فقیہ و مجتہد حضرت ابراہیم نخعی کا مسلک بھی عدم جواز کا ہے۔

”لا تصح الكفالة بأجر، قال النخعي في رجل طلب إلى رجل أن يكفل به، فأبى حتى يجعل له جعلاً؟ قال: لا يصح“ (مسووفہ فقہ ابراہیم نخعی ص ۸۱۰)۔
(اجرت پر کفیل بننا جائز نہیں ہے، نخعی نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جو کسی شخص کو کفیل بنانا چاہتا ہو اور وہ بغیر اجرت کے کفیل بننے کو تیار نہ ہو تو فرمایا کہ ایسے شخص کو اجرت پر کفیل بنانا صحیح نہیں ہے)۔

یہ بات معلوم ہے کہ کفالت عقد تبرع و نیکی سے عبارت ہے اور تعاون علی الخیر کی جیتی جاگتی مثال ہے، اس کا تقاضا ہے کہ کفالت کا عمل بغیر کسی روپے پیسے اور اجرت کے ہو، ہاں اگر مکشول لہ، یعنی جس کے لئے کفیل بنا ہے، کفیل کو کچھ دے دے تو بہہ اور ہدیہ سمجھا جائے گا اور یہ جائز قرار دیا جائے گا، لیکن چونکہ دور حاضر میں لوگوں میں تبرع اور نیکی کا جذبہ مفقود ہو گیا ہے اور محسنین کا گروہ ختم ہوتا دکھائی دیتا ہے، اس لئے فی زمانہ اگر کفیل اپنی کفالت پر اجرت کا مطالبہ کرے تو اس کو اجرت دے دینا جائز ہوگا، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

”جواز دفع الأجر للضرورة أو الحاجة العامة لما يترتب على عدم المدفع من تعطيل المصالح.... وأساس القول بالجواز فيه أن الفقهاء أجازوا دفع الأجر للحاجة لأداء القربات و الطاعات من تعليم القرآن وممارسة الشعائر الميضية كما أنهم أجازوا دفع شئ من المال على سبيل الرشوة للوصول إلى الحق أو دفع الظلم“ (فقہ اسلامی وادلتہ ۱۶۱/۵)۔

(ضرورت و حاجت کی وجہ سے اجرت دینا جائز ہے، اس لئے کہ نہ دینے میں مصالِح معطل ہو کر رہ جائیں گے، اور اس میں جواز کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ فقہاء نے حاجت کے وقت عبادات و طاعات پر اجرت دینے کو جائز کہا ہے، مثلاً قرآن کریم کی تعلیم پر یا شعائرِ دینیہ کی انجام دہی کے لئے، اسی طرح حق وصول کرنے کے لئے یا ظلم کو دفع کرنے کے لئے بطور رشوت کچھ مال دینے کی اجازت دی ہے)۔

نیز عمومِ بلوی بھی جواز کا ضامن ہوتا ہے، اس لئے بھی ”کریڈٹ لیئر“ کو جائز ہونا چاہئے۔

۱۳ - دستاویز کی خرید و فروخت:

ادھار خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت کبھی گارنٹی اور ضمانت کا معاملہ بھی ہوتا ہے اور اس پر معاوضہ کے لین دین کا رواج ہے اور اسی میں کبھی کبھی یہ صورت بھی اختیار کی جاتی ہے کہ ادھار خرید و فروخت کے مکمل کاغذات تیار کرائے جاتے ہیں، جس کو اردو میں دستاویز اور عربی میں ”سندات“ کہتے ہیں۔ وقت مقررہ پر رقم ادا نہ کرنے کی صورت میں یا وقت سے پہلے رقم حاصل کرنے کے لئے اس دستاویز یا سندات کی خرید و فروخت بھی کی جاتی ہے، شرعی نقطہ نظر سے یہ صورت ماورست ہے، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ دستاویز کی خرید و فروخت میں اس کے اندر تحریر کردہ قیمت و مالیت سے کم پر معاملہ ہوتا ہے، جو سراسر ربا کے دائرہ میں آتا ہے، چنانچہ مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر وہبہ زحیلی یوں رقم طراز ہیں:

”والتعامل بالأسهم جائز شرعاً، أما التعامل بالسندات فحرام لاشتمالها على الفائدة الربوية“

(حصص میں کاروبار کرنا جائز ہے، لیکن ”بونڈز“ کا کاروبار حرام ہے، اس لئے کہ یہ ربوی فائدہ کو شامل ہے)۔

۱۴ - وضع و عجل کی صورت کا حکم:

ادھار خرید و فروخت کے معاملہ میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بائع طے شدہ رقم کو

مقررہ وقت سے پہلے اس شرط پر مانگتا ہے کہ ثمن کا ایک حصہ ہم تم کو معاف کر دیں گے، اس کے لئے اصطلاحی تعبیر ”ضع وتعجل“ کی استعمال ہوتی ہے، اس کے جواز اور عدم جواز کی بابت دو مسالک ہیں، ایک مسلک جمہور کا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صورت جائز نہیں ہے، سید سابق تحریر فرماتے ہیں:

”ذهب جمہور الفقہاء إلی تحریم وضع قدر من الدین نظیر التعجیل بالقضاء قبل الأجل المتفق علیہ“ (فقہ النبیۃ ۳/۱۶۷)۔

(جمہور فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ عاقدین کے درمیان متفق علیہ مدت کے ختم ہونے سے پہلے جلدی حق وصول کرنے کے واسطے دین کے کچھ حصہ کو وضع کرنا جائز نہیں ہے)۔ ان حضرات کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر کی وہ روایت ہے جس میں اس صورت کو ربا سے تعبیر کیا گیا ہے، سعید بن مسیب کی بھی یہی رائے ہے جو حضرت ابن عمر کی ہے، امام شعبی کا بھی یہی مسلک ہے (المصنف لعبد الرزاق ۸/۷۳)، لیکن حسن اور ابن سیرین اس کو مکروہ سمجھتے ہیں (ملاحظہ ہو اسنن الکبریٰ للبخاری ۱۰/۳۳۵)۔ مشہور محدث عبدالرزاق بن ہمام نقل فرماتے ہیں:

”عن ابن المسیب وإبن عمر قالوا: من كان له حق على رجل إلى أجل معلوم فتعجل بعضه وترك له بعضه، فهو ربا قال معمر: ولا أعلم أحدا قبلنا إلا وهو يكره“ (المصنف ۸/۷۱)۔

(حضرت ابن مسیب اور ابن عمر دونوں فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا کسی پر کوئی حق ایک متعین مدت تک کے لئے ہے، پھر وہ اس میں سے بعض کو وقت سے پہلے وصول کرے اور بعض کو چھوڑ دے تو یہ ربا کے دائرہ میں آئے گا، معمر کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے بھی فقہاء اسے مکروہ سمجھتے تھے)۔

اس کے برخلاف احناف میں سے امام زفر کا مسلک جواز کا ہے، اور اسی مسلک کے حامل حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی تھے، چنانچہ سید سابق نقل فرماتے ہیں:

”ویری ابن عباس وزفر جواز ذلک لما رواه ابن عباس أن النبیؐ لما أمر یاخراج بنی نضیر جاء ۵ ناس منهم، فقالوا: یا نبی اللہ! إنک أمرت یاخراجنا، ولنا علی الناس دیون لم تحل، فقال رسول اللہ ﷺ: ضعوا وتعجلوا“ (نقلاً عن ۱۶۷/۳)۔

(حضرت ابن عباس اور امام زفر اس کے جواز کے قائل ہیں، اس لئے کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے جب بنو نضیر کو نکال دینے کا حکم دیا تو ان میں سے کچھ لوگ آئے اور کہا کہ اے اللہ کے نبی آپ نے ہمیں نکال دینے کا حکم دے دیا ہے، حالانکہ ہمارے بعض لوگوں کے ذمہ دین ہیں جن کی مدت ابھی پوری نہیں ہوئی ہے تو نبیؐ نے فرمایا کہ کچھ چھوڑ دو اور باقی جلد وصول کرلو)۔

نیز عبدالرزاق بن ہمام نقل فرماتے ہیں:

”عن ابن عباس سئل عن الرجل یكون له الحق علی الرجل إلی أجل فیقول: عجل لی وأضع عنک فقال: لا بأس بذلك“ (المصنوع ۷۲/۸)۔

(حضرت ابن عباس سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کا کسی دوسرے آدمی پر ایک مدت تک کے لئے دین ہو اور وہ (دائن) کہے کہ مجھے جلد واپس کر دو میں تجھے کچھ رقم چھوڑ دوں گا، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

احقر کی ناقص رائے میں فی زمانہ فتویٰ جواز کے قول پر ہونا چاہئے، یہی زیادہ بہتر ہے اور اس کی کو بائع کی طرف سے بہہ اور ہدیہ مانا جانا چاہئے۔

۱۵- ”ضع وعجل“ کی ایک اور شکل:

اس صورت کے شرعی وجود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس میں بیع سرے سے منعقد ہی نہیں ہوئی، لہذا بائع کا مطالبہ کرنا چہ معنی دارد؟ ہاں اس مطالبہ کو از سر نوبع تسلیم کیا جاسکتا ہے اور اب فی الفور جتنے کا مطالبہ کر رہا ہے کو یا وہی اس بیع کی اصل قیمت ٹھہرے گی جب

کہ مشتری اس پر راضی ہو جائے، ایسی صورت میں اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

۱۶۔ قسطوں کی مہلت کو ختم کرنا:

اوصار خرید و فروخت کے معاملہ میں ثمن کی ادائیگی کی جو مدت متعین کی گئی ہے وہ لازم قرار پائے گی، اس لئے کہ نبی کریم کا ارشاد ہے:

”عن أبي هريرة أن النبي ﷺ قال: المسلمون على شروطهم“ (اسنن الکبریٰ للبخاری، ۷/۲۶۶، و سنن الدارقطنی، ۳/۳۷۷)۔

(حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے شرط کے پابند ہوں)۔

نیز دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عن كثير بن عبد المزني عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: المسلمون عند شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً“ (حوالہ سابق)۔

(حضرت کثیر بن عبد المزنی اپنے باپ اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اپنے شرائط کے پاسدار ہیں سوائے ان شرطوں کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرتی ہوں)۔

اصل میں دین میں تاویل کی تین قسمیں ہیں: ایک تو وہ معاملے جن میں تاویل باطل ہوتی ہے، مثلاً بیع صرف اور سلم میں ثمن کی ادائیگی کے لئے اجل متعین کرنا، دوسرے وہ معاملے جن میں اجل متعین کرنا صحیح تو ہے البتہ لازم نہیں ہوتی، مثلاً قرض، اتقالہ، شفعہ اور میت کے دین میں اجل متعین کرنا، تیسرے ان کے علاوہ وہ معاملے کہ ان میں اجل کی تعیین صحیح بھی ہے اور لازم بھی، بیع بالتقسیط (بیع میں ثمن کی ادائیگی کے لئے مدت متعین کرنا) اس تیسری قسم میں شامل ہے، لہذا طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا اور فوری طور پر ماہی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ صحیح نہیں ہوگا (الدارالافتاء مع الرد، ۳/۱۷۰)۔

۱۷- دائن اور مدیون کے انتقال کے بعد معاملہ کی صورت:

سنن دارقطنی میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ”قال رسول الله ﷺ: إذا مات الرجل وعليه دين إلى أجل وله دين إلى أجل فالذي عليه حال والذي له إلى أجله“ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مر جائے اور اس پر ایک مدت کے لئے دین ہو، اور کسی شخص پر اس کا ایک مدت کے لئے دین ہو تو جس پر دین ہوگا اگر وہ مر تو اس پر فی الفور ایفاء لازم ہوگا اور جس کا ہے اگر وہ مر تو وہ اپنے اجل تک باقی رہے گا) (سنن دارقطنی ۳/۲۳۲)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائن کا اگر انتقال ہو جائے تو معاملہ علی حالہ باقی رہے گا اور اگر مدیون کا انتقال ہو جائے تو معاملہ علی حالہ باقی نہیں رہے گا، بلکہ مدیون کے ورثاء پر لازم ہو گا کہ وہ فی الفور تک میں سے ثمن کی ادائیگی کر دیں، لیکن ائمہ کرام کا مسلک اس سلسلہ میں یہ ہے کہ دائن یا مدیون کا انتقال ہو جائے تو معاملہ میں فرق آ جائے گا اور ثمن کی ادائیگی فی الفور لازم ہو جائے گی، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نقل فرماتے ہیں:

”هل تحل الديون المؤجلة: بالموت؟ يرى جمهور العلماء ومنهم أئمة المذاهب أن الديون المؤجلة تحل بالموت... وحجتهم أن الله تبارك وتعالى لم يبيح التوارث إلا بعد قضاء الدين“ (فقہ اسلامی وادانہ ۵/۳۷۹)۔

(کیا موت کی وجہ سے دیون مؤجلہ کی فی الفور ادائیگی لازم ہوگی؟ جمہور علماء جن میں ائمہ مذاہب بھی ہیں، کا خیال ہے کہ موت کی وجہ سے دیون مؤجلہ کی فی الفور ادائیگی لازم ہوگی.... ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے توارث کو قضاء دین کے بعد ہی جائز قرار دیا ہے)۔

۱۸- بیع بالتقسیط کے ساتھ انعامات کا مسئلہ:

اگر دوکاندار یا کمپنی کے مالکان کی طرف سے دیئے جانے والے انعامات کو اصل

معاملہ سے مربوط کرنے کے بجائے بہمان لیا جائے تو اس سے مستفید ہونے میں کوئی حرج نہیں ہوگا (درختار ۳۱۷۷)۔

۱۹ مقرر عاندازی:

یہ صورت ناجائز مقررہ پائے گی، اس لئے کہ اس میں بعض لوگوں کو بیع کی اصل قیمت سے بہت کم میں بیع حاصل ہو رہی ہے اور بعض کو اصل قیمت سے زائد ادا کرنا پڑ رہا ہے، یہ ربا اور قمار کی شکل معلوم ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ قسطوں میں ادا کرنے کی وجہ سے ثمن کی مقدار متعین نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ حصول بیع کے لئے زید کا نام پہلی قسط کے بعد ہی نکل آئے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلسل کئی قسطیں جمع کرنے کے بعد اس کا نام نکلے، اس وجہ سے ثمن کی مقدار مجہول ہوگئی، لہذا مذکورہ شکل نا درست ہی مقرر پائے گی۔

☆☆☆

ادھار قیمت زیادہ مقرر کرنا کیا رہا ہے؟

سوال: اقبال احمد انصاری ☆

۱- جس سامان کو ادھار فرخت کیا جائے اس کی قیمت نقد فروختگی کے مقابلہ میں زیادہ کرنا زین العابدین علی ابن الحسین، ناصر، منصور باللہ اور امام مہدی کے نزدیک جائز نہیں، اس لئے کہ شمن کی یہ زیادتی حقیقتاً اجل اور مدت کے عوض ہے اور مدت کوئی مال نہیں جس کی قیمت لی جائے، اس لئے ادھار فرخت کرنے کی صورت میں نقد کے مقابلے میں کچھ زیادہ قیمت مقرر کرنا سود ہے جو جائز نہیں (تحت: الاحوذی ۳/۲۹۲)۔

جبکہ جمہور فقہاء اور محدثین ادھار میں قیمت کی زیادتی کو جائز قرار دیتے ہیں (فقہ السنہ

۴۳/۳)۔

احناف کی کتابوں میں بھی اس کو جائز قرار دیا گیا ہے (شرح وقایہ، ہدایہ ۵۸/۳، سموط

مرخصی ۱۳/۷۸)۔

اس بارے میں جمہور فقہاء اور محدثین کی بات فطرت انسانی کے موافق معلوم ہوتی

ہے۔

۲- شرعاً اس کی گنجائش ہے (درمختار ۲۶/۳)۔

لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ قسط کی رقم اور ادائیگی کا وقت متعین کر دیا ہو، ورنہ قسط کی

رقم اور ادائیگی کی مدت مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی (فتاویٰ ہندیہ ۳/۳)۔

۳- جمہور فقہاء اور محدثین نے نقد فر و خنگی کے مقابلہ میں ادھار میں قیمت کی زیادتی کو جو جائز قرار دیا ہے، وہ علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ اس شرط پر کہ عاقدین بوقت عقد ہی بیع مؤجل ہونے، نہ ہونے کے بارے میں قطعی فیصلہ کر کے کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں (ترمذی شریف ۱/۲۳۳، دیکھئے ہندیہ ۲/۳۷۲، فتح القدیر بحوالہ فتاویٰ عبدالحی ۲/۲۷۶، کفایت المفتی ۸/۳۰۸)۔

۴- یہ بات مسلم ہے کہ اشیاء کی قیمت زمان، مکان، جودت و صنعت اور کثرت قلت کے اعتبار سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اور مالک کو بھی اپنے سامان کے بارے میں مکمل اختیار ہوتا ہے، کہ جب چاہے وہ سستا بیچے اور جب چاہے مہنگا بیچے، اسکو کم یا زیادہ پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا، جب یہ بات محقق ہے تو پھر مالک اگر کسی سامان کو نقد سو روپے میں بیچے اور اس سامان کو ادھار زیادہ قیمت پر بیچے تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، نہ اس زیادتی کو سود قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ سود کی تعریف ”فضل لا یقابلہ عوض“ ہے، جو اس پر صادق نہیں آتی ہے، کیونکہ یہ قرض ہے، اور نہ ہی اموال ربو یہ کی بیع ہے، بلکہ یہ ایک عام بیع ہے جس میں بائع کو مکمل اختیار ہے، البتہ بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ زائد قیمت وقت کے عوض معلوم ہوتی ہے، تو اس بارے میں یہ سمجھنا چاہئے کہ کہیں وقت کی حیثیت اصلی اور مقصود حقیقی کی ہوتی ہے، اور کہیں وقت کی حیثیت فرعی اور غیر مقصود کی ہوتی ہے، جہاں وقت کی حیثیت اصلی اور مقصود حقیقی کی ہوتی ہے، وہاں اس کے عوض قیمت کی زیادتی سود ہونے کی بنا پر حرام ہے، کیونکہ وقت مال نہیں ہے جس کی قیمت لی جائے، اس کو فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے (ہدایہ ۳/۲۳۵، بحر ۱۲۵/۶)۔

ہاں اگر وقت کی حیثیت ضمنی ہو اور مقصود اصل کوئی دوسری چیز ہو تو ایسی شکل میں وقت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کو فقہاء جائز قرار دیتے ہیں، بلکہ وقت جس چیز کے ساتھ وابستہ ہے، اس کی وجہ سے قیمت میں زیادتی ہے، کیونکہ زیادتی وقت کی وجہ سے نہیں ہے (بحر ۱۲۵/۶، ہدایہ ۳/۵۸)۔

اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ کبھی کوئی چیز اصلاً و قصداً جائز نہیں ہوتی، لیکن تابع ہو کر ضمنی طور

پر جائز ہو جاتی ہے (قواعد الفقہ قاعدہ نمبر ۱۶/۳)۔

اور ادھار بیع میں وقت کی حیثیت ضمنی ہوتی ہے، اصلاً اس بیع کو بیچنا مقصود ہوتا ہے، اس لئے ادھار میں قیمت کی زیادتی جائز ہوگی۔

۵- معاملہ کی یہ صورت شرعاً درست ہے، کیونکہ تاجر اپنے سامان کا مالک ہے، اور مالک کو اپنے سامان میں مکمل اختیار ہوتا ہے، اس لئے شریعت نے ضمن طے کرنے کا اختیار بھی اسی کو دیا ہے، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ عام حالات میں حاکم وقت کے لئے نرخ متعین کرنا اور لوگوں کو اس پر مجبور کرنا مناسب نہیں، ہاں اگر تاجر ظلم و ستم شروع کر دیں اور ہر چیز کی قیمت من مانی لینے لگیں اور یہ غبن فاحش کی حد تک پہنچ جائے تو پھر عوام سے ضرر کو دفع کرنے کے لئے حاکم نرخ کو متعین کر سکتا ہے (ہدایہ ۵۵/۳، نیز کفایت المفتی ۳۱/۸)۔

۶- اس طرح کا معاملہ کرنا سود ہونے کی بنا پر حرام ہے، کیونکہ اس چیز کی جب اصل قیمت دس روپے طے ہوگئی تو مشتری کے ذمہ صرف دس روپے واجب ہوئے، اس کے بعد مشتری کی طرف سے تاخیر کی بنا پر قیمت میں زیادتی صرفاً وقت کا عوض ہے جو جائز نہیں، اور زمانہ جاہلیت میں سود کی یہی شکل رائج تھی کہ کسی آدمی پر کسی کا کوئی حق ایک متعین وقت کے لئے واجب ہوتا، جب ادائیگی کا وقت آ جاتا تو صاحب حق کہتا کہ کیا تم حق کو ادا کرو گے، یا کچھ اضافہ کرو گے، اب اگر وہ حق ادا کر دیتا تو ٹھیک، ورنہ وہ اس کے حق میں اضافہ کر دیتا اور اس کو مزید مہلت دے دیتا۔

”كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل الحق إلى أجل، فإذا حل الحق، قال: أنقضى أم تربى، فإن قضى أخذ، وإلا زاده في حقه، وأخر عنه في الأجل“ (سوطی امام مالک باب ما جاء في الربا في الدين ۲۷۹)۔

۷- یہ صورت شرعاً جائز نہیں، خواہ اس کی مقدار طے کر دی جائے یا فیصد کا حساب رکھا جائے، کیونکہ زائد رقم کی حیثیت یا تو مالی جرمانہ کی ہوگی یا سود کی ہوگی اور دونوں ناجائز ہیں، کیونکہ وقت پر عدم ادائیگی کی وجہ اگر تنگدستی ہو تو وہ شخص مصقر آنی مہلت دینے جانے کا مستحق ہے۔

”وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة“ (سورہ بقرہ، ۳)۔

اس لئے اس کے حق میں اس زائد رقم کو جرمانہ قرار نہیں دیا جاسکتا، بالآخر اس کو سو قدر ادا دیا جائے گا، اور اگر وہ شخص غنی ہے جو وقت پر ادا کرنے پر قادر ہے، اس کے باوجود وقت پر ادا نہیں کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نال منول کر رہا ہے، اور وہ لا پر واپس برت رہا ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات بائع کو پریشانی اور دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس مجبوری کے تحت مزید رقم لازم کرنے کو یا تو سو قدر ادا دیا جائے گا یا جرمانہ اور مالی تاوان قرار دیا جائے گا، سو تو بھص قرآنی حرام ہے، اس لئے زائد رقم لازم کرنا جائز نہیں، جہاں تک مالی تاوان قرار دینے کی بات ہے تو یہ بھی امر اربعہ کے نزدیک خصوصاً احناف کے نزدیک جائز نہیں (رد المحتار ۳/۱۸۳)۔

”وفی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام، ثم نسخ،

والمحاصل أن المذهب عدم التعزیر باخذ المال“ (رد المحتار ۳/۱۸۳)۔

مالی تاوان کے عدم جواز کے سلسلے میں مذاہب اربعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (احسن الفتاویٰ ۵/۵۵۲)، البتہ اس طرح نال منول کرنا مشتری کے لئے جائز نہیں سراسر ظلم اور زیادتی ہے، مسلم شریف میں ہے: ”مطل الغنی ظلم“ (مسلم شریف ۱۸/۲) (مالدار آدمی کا نال منول کرنا ظلم ہے)، دوسری حدیث میں ہے: ”لی الواجد یحل عقوبتہ وعرضہ“ (حاشیہ مسلم شریف ۱۸/۲) (مالدار آدمی کا نال منول کرنا اس کی سزا اور آبرو کو حائل کر دیتا ہے) جو شخص ایسا کرے تو اس کو شرعاً سزا دی جاسکتی ہے، کہ بوقت عقد بائع مشتری سے وعدہ لے لے کہ اگر وقت پر روپے ادا نہیں کرے گا تو وہ بائع کو قیمت کے علاوہ کچھ مزید رقم دے گا اور بائع اس کے نام سے صدقہ کر دے گا، یہ صورت جائز ہے، اس لئے کہ یہ سود بھی نہیں، اور مالی تاوان بھی نہیں، بلکہ یہ عام صدقہ ہے، جس کا ثواب مشتری کو ملے گا، اس طرح صدقہ کو لازم کرنے سے اتنا تو فائدہ ہوگا کہ مشتری نال منول نہیں کر سکے گا، اور وقت پر ادائیگی کا پابند ہوگا، لیکن صدقہ کو لازم کرنا باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں، اس لئے اس پر صدقہ کو لازم کرنا محل تامل ہے۔

۸ - بیع مؤجل میں بیع کے مکمل ہوتے ہی مشتری کے ذمہ ثمن دین ہو جاتا ہے، لیکن فی الفور اس کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی، اس لئے اوصار قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے اور وقت مقررہ پر ادائیگی کے لئے مشتری سے رہن کا مطالبہ کرنا اور مشتری کا اپنی مملوکہ چیز کو بائع کے پاس رہن رکھ دینا جائز ہے، ”الرهن بآي دين كان جائز“ (فتاویٰ خانہ علیہا شامی الہندیہ ۵۹۶/۳)، البتہ اس بارے میں تین مسائل قابل غور ہیں (الف) مال مرہون سے انتفاع کا مسئلہ (ب) مال مرہون کے ضیاع کا مسئلہ (ج) مال منول کی صورت میں واجب الاداء قیمت کی وصولیابی کا مسئلہ۔

الف: بائع کے لئے شی مرہون سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، اگرچہ راہن اجازت دے دے، کیونکہ مرہون کا حق شی مرہون میں صرف جس ہوتا ہے، منافع اور زوائد راہن کی ملک ہوتے ہیں اور رہن عموماً دین کے بدلے رکھا جاتا ہے، اور دین دے کر مدیون سے یا اس کے مال سے نفع حاصل کرنا، ”کل قرض جَوّ نفعاً فہو دبا“ کی بنا پر حرام اور ناجائز ہے، اور سوداؤں سے حاصل نہیں ہوتا، اس لئے انتفاع کی شرط لگانے یا عرف عام کے دباؤ کی بنا پر اجازت دے دینے سے نفع حاصل کرنا جائز نہ ہوگا اور آج کل عرف عام یہ چل پڑا ہے کہ مرہون شی مرہون سے نفع حاصل کرتا ہے، مثلاً کھیت سے غلہ پیدا کرتا ہے، اور راہن عدم رضا کے باوجود اس کو روک نہیں سکتا، کیونکہ اس کے بغیر وہ قرض یا دین دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس لئے مجبوراً عرف عام کے دباؤ میں آ کر یا انتفاع کی شرط لگانے کی بنا پر اجازت دیتا ہے (دیکھئے درمختار مع رد المحتار ۵/۳۲۲، ۳۲۳، امداد الفتاویٰ ۳/۵۳، کفایت المفتی ۸/۱۳۲)۔

عام متون اور فتاویٰ کی کتابوں میں مرہون کے لئے راہن کی اجازت سے نفع حاصل کرنے کو جو جائز لکھا ہے، وہ اس وقت ہے جب کہ اس نے بخوشی اجازت دی ہو، عرف عام کے دباؤ یا شرط کی بنا پر اجازت نہ دی ہو، اور آج کل عموماً عرف عام کے دباؤ میں آ کر اجازت دیتا ہے، اس لئے جائز نہیں (دیکھئے فتاویٰ عبدالحی اور ۳۰۱)۔

ب: اگر بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے شی مرہون ضائع ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ اس کی قیمت قبضہ کے دن کیا تھی؟ اگر اس کی قیمت دین مؤجل کے برابر تھی تو دین مشتری کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، اور اگر قیمت دین سے زائد تھی تو اس صورت میں بھی دین کے بقدر قیمت ساقط ہو جائے گی، اور دین سے زائد جو قیمت ہے، اس میں مرتہن امین ہے، اور امانت کے ہلاک ہونے پر کوئی ضمان نہیں ہوتا، لیکن اگر رہن کی قیمت دین سے کم ہو تو قیمت کے بقدر دین ساقط ہو جائے گا، اور جو دین باقی رہ گیا ہے وہ مشتری سے لے لے گا (قدوری، ۸۸)۔

ج: بائع کے لئے خریدار کے وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور مال منول کرنے کی صورت میں مال مرہون کے ذریعہ اپنی واجب الاداء قیمت وصول کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ وہ خریدار کو مجبور کرے کہ وہ اپنا سامان بیچ کر قیمت ادا کرے، اگر وہ بیچنے کے لئے تیار ہو جائے تو قبضہ ورنہ قاضی اس کو بیچ کر قیمت ادا کرے گا، بائع کے لئے بغیر اس کی اجازت کے بیچنا جائز نہیں (درمختار مع رد المحتار، ۵۹۷/۳)۔

اور سب سے آسان شکل یہ ہے کہ بائع خریدار سے بوقت رہن وکالت کی شرط لگائے کہ اگر تم نے وقت پر قیمت ادا نہیں کی تو میں تمہاری طرف سے وکیل ہو کر مال مرہون کو بیچ دوں گا اور اپنی قیمت وصول کر لوں گا، اگر مشتری اس شرط کو قبول کر لیتا ہے تو وقت مقررہ پر ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کو بیچ کر قیمت وصول کر سکتا ہے، اور یہ وکالت لازم ہوگی، مشتری وکالت سے معزول کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔

اور اس صورت میں قیمت سے زائد جو رقم ہوگی وہ مشتری کو لوٹانا ضروری ہے، اور اگر قیمت سے کم ہو تو بقیہ دین مشتری سے وصول کر لے گا (درمختار، ۵۹۷/۳)۔

۹- اس صورت میں سامان کو روکنے کی دو جہتیں ہو سکتی ہیں:

الف۔ فروخت شدہ سامان کو رہن بنا کر روکنا

ب۔ اپنا حق وصول کرنے کے لئے اس کو اپنے پاس روکنا، ان دونوں میں سے پہلی

جہت کے اعتبار سے جس بیع قبضہ کے بعد جائز ہے، جبکہ دوسری جہت کے اعتبار سے جائز نہیں۔ ان دونوں جہتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی جہت یعنی بیع کو بطور رہن ماننے کی صورت میں اگر بیع بائع کے پاس سے تعدی کے بغیر ہلاک ہو گئی تو اس کے بقدر دین مشتری کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا، بلکہ مشتری کا مال ہلاک ہونا سمجھا جائے گا، اور بیع علی حالہ باقی رہے گی، فسخ نہیں ہوگی، اور مشتری کے ذمہ کل ثمن واجب ہوگا، کیونکہ بیع کو رکھنا ہی باطل ہے، اس لئے اس کا بطور رہن رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں (ہدایہ ۴/۵۱۱)۔

اور اگر تعدی کی بنا پر بیع ہلاک ہوئی ہو تو بائع اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، ثمن کا ضامن نہ ہوگا، لہذا اگر مشتری نے بائع سے اس کو پچاس روپے میں خریدا ہو اور بازار میں اس کی قیمت ساٹھ روپے ہو تو بائع پر لازم ہوگا کہ وہ دس روپے مشتری کو دے (ہدایہ ۴/۵۰۶)۔

اور دوسری جہت میں (جبکہ محض اپنا حق وصول کرنے کے لئے اس کو اپنے پاس روکنے کو مانا جائے) اگر بیع بائع کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو وہ مضمون باثمن ہوگی، اور مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا، مضمون باقیمتہ نہیں ہوگی، اس لئے بازاری قیمت کا ضمان اس پر عائد نہیں ہوگا (درمختار ۵/۳۵۰) مسئلہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (ہدایہ ۴/۵۱۱-۵۱۸، درمختار ۵/۳۵۲)۔

درمختار کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع کو اپنے پاس روک کر رکھنا ثمن کی وصولیابی کے لئے جائز ہے، اور نہ بطور رہن، ہاں قبضہ کے بعد بطور رہن روک لیا جائز ہے، یہ علی الاطلاق جائز ہے، کوئی شرط اور قید ہمارے علماء نے اس بارے میں ذکر نہیں کی ہے، البتہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس صورت میں امام شافعی سے دو اقوال ذکر کئے ہیں، جبکہ رہن کی شرط صلب عقد میں ہو، ایک قول جواز کا ہے اور دوسرا قول عدم جواز کا ہے۔ لیکن انہوں نے بھی جوازی کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس کو ظاہر اور ایہ کہا ہے (المغنی لابن قدامہ ۴/۳۲۷، کتاب الرهن)۔

ہاں! ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو روکنا نقد بیع میں تو جائز ہے لیکن ادھار بیع میں بیع

کو روکنا جائز نہیں، کیونکہ اوصاف بیع کا مقتضای یہی ہے کہ بیع سے فی الحال مشتری نفع اٹھا سکے اور ثمن بعد میں ادا کرے اور بیع کو روک لیا اس کے خلاف ہے، اس لئے جس بیع نہ ادائیگی کی مدت آنے سے پہلے جائز ہوگا اور نہ بعد میں (ہندیہ ۱۵/۳)۔

۱۰- ایسا کرنا شرعاً جائز و حرام ہے، کیونکہ یہ معاملہ یا تو بیع ہے یا اجارہ، اگر اس کو بیع قرار دیا جائے تو سابقہ اقساط کو ضبط کرنے اور بیع کو واپس لینے کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے جس میں بائع کو فائدہ ہی فائدہ ہے کہ اس کو فروخت کردہ سامان بھی مل رہا ہے اور ساتھ ہی قیمت کا ایک حصہ بھی، اور مشتری کا نقصان ہی نقصان ہے کہ سامان بھی نہیں ملا اور اس کی قیمت بھی چلی گئی اور ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں متعاقدین میں سے کسی کا فائدہ ہو بیع کو فاسد کر دیتی ہے۔

”وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه و هو من أهل الاستحقاق يفسده“ (ہدایہ ۲۳/۳)۔

البتہ وقت مقررہ پر تمام اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں فسخ بیع کا تو اختیار ہے لیکن قیمت کو ضبط کرنے اور بیع کو واپس لینے کا اختیار نہیں، کیونکہ اس صورت میں ایک ہی شخص کا بیع اور ثمن دونوں کا مالک ہونا لازم آئے گا اور شریعت میں ایسی کوئی نظیر نہیں ہے کہ ایک ہی شخص دونوں کا مالک ہو، یہی وجہ ہے کہ مشتری خیار شرط حاصل ہونے کی صورت میں چونکہ ثمن کا مالک رہتا ہے، اس لئے حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک وہ بیع کا مالک نہیں ہوتا، حالانکہ بیع بائع کی ملکیت سے خارج ہو چکی ہے تا کہ بدلیں کا اجتماع ملک واحد میں لازم نہ آئے (ہدایہ ۱۵/۳)۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کو اجارہ قرار دیا جائے، لیکن یہ بھی درست نہیں، کیونکہ اجارہ میں مستاجر منافع کا مالک ہوتا ہے، اعیان کا مالک نہیں ہوتا، اور یہاں اگر تمام اقساط کو وقت پر ادا کر دیتا ہے تو اعیان کا مالک ہو جاتا ہے۔

ایک تیسرا احتمال بھی ہے، وہ یہ کہ اس عقد کو بیک وقت بیع اور اجارہ کا مجموعہ قرار دیا

جائے، بایں طور کہ اگر تمام اقساط وقت پر ادا کر دیتا ہے تو بیع ورنہ اجارہ، لیکن یہ احتمال بھی فاسد ہے، اس لئے کہ شریعت میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے کہ کوئی عقد بیک وقت بیع بھی ہو اور اجارہ بھی، بلکہ حدیث میں ایک عقد کے ساتھ دو عقد کرنے کی ممانعت وارد ہے:

”نہی النبی ﷺ عن صفتین فی صفقة“ (ہدایہ ۳/۴۲، نیز امداد الفتاویٰ ۳/۱۳۲)۔

۱۱ - کسی خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس اور اس کے استعمال میں رکھ کر رہن قرار دینے کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک جائز اور دوسری ناجائز ہے، پہلی شکل یہ ہے کہ مشتری نے سامان پر قبضہ کر لیا پھر اس سامان کو بطور رہن بائع کو دے دیا، بائع نے قبضہ کرنے کے بعد پھر اس سامان کو بطور عاریت مشتری کو واپس دے دیا تو یہ رہن کی شکل جائز ہے، لیکن چونکہ عاریت کی بنا پر مشتری کا قبضہ ہو جاتا ہے، اس لئے بائع کا قبضہ شئی مرہون پر سے ختم ہو جائے گا اور اس کے ضمان سے نکل جائے گا، کیونکہ قبضہ عاریت اور قبضہ رہن میں منافات ہے، اب اگر وہ چیز مشتری کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو بائع کا دین اس سے ساقط نہیں ہوگا، بلکہ علی حالہ مشتری کو قیمت ادا کرنا ضروری ہوگا (ہدایہ ۳/۵۳۰)۔

دوسری شکل یہ ہے کہ مشتری نے سامان پر قبضہ کر لیا اور بائع نے اس سے عقد رہن کا معاملہ زبانی طے کر لیا کہ مجھ کو بیع میں ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور تم صرف استعمال کر سکتے ہو، لیکن اس نے قبضہ نہیں کیا، اس شکل میں اس کو رہن قرار دینا درست نہیں، کیونکہ رہن کے لئے فقہاء نے قبضہ کو شرط قرار دیا ہے اور اس پر قرآنی آیت سے استدلال کیا ہے: ”فرہان مقبوضۃ“ (سورہ بقرہ ۲۰۶)۔

اور یہاں قبضہ نہیں پایا گیا، اس لئے رہن قرار دینا درست نہیں۔

۱۲ - شریعت میں عقد کفالت کی حیثیت محض عقد تبرع کی ہے کہ کفیل مکفول عنہ کے نفع اور فائدہ کی خاطر اپنے اوپر اوائے دین کا التزام کرتا ہے، لہذا اس پر اجرت لینا صحیح نہیں (ہدایہ

البتہ اگر ادارہ یا اشخاص مدیون کے حکم سے کفیل بنیں اور وہ دین کی رقم ادا کر دیں تو صرف ادا کردہ رقم اس سے لے سکتے ہیں، اس سے زائد رقم لیما جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں اس کی حیثیت ابتداً تمرع کی ہے، اور انتہاء معاوضہ کی ہے، اس لئے تمرع کی بنا پر عقد کفالت کا عوض نہیں لے سکتا اور معاوضہ کی بنا پر جتنی رقم دی ہے اتنی ہی لینے کا حقدار ہے (ہدایہ ۳/ ۱۰۷)۔

بالکل یہی حیثیت قرض کی ہے کہ وہ ابتداً عاریت ہوتی ہے اور انتہاء معاوضہ ہوتی ہے اور قرض میں زیادتی یا زائد رقم لیما حرام ہوتا ہے (ہدایہ ۳/ ۶۰)۔

حاصل یہ ہے کہ خریدار کی طرف سے گارنٹی اور ضمانت لینے کی صورت میں اداروں اور اشخاص کی طرف سے اجرت و معاوضہ کا لین دین جو رائج ہے وہ ناجائز ہے، البتہ کریڈٹ لیٹر چونکہ اس عہد کی ایک عام مروج چیز ہے، اس لئے دوسری جہت سے اس کی کچھ گنجائش نکل سکتی ہے جس کو مولانا مفتی عثمانی صاحب نے ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ”بینک کے لئے اپنے عمیل سے دو چیزوں کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

۱۔ لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے کے عمل میں بینک کے جو واقعی اخراجات و مصارف ہوتے ہیں ان کا مطالبہ کرنا عمیل سے جائز ہے۔

۲۔ ایپورٹ و ایکسپورٹ کے درمیان معاملہ کی تکمیل کے سلسلہ میں بینک جو خدمات بجا لاتا ہے اس پر بحیثیت وکیل یا بحیثیت دلال، یا درمیانی واسطہ کے اپنی خدمات پر اجرت کا مطالبہ کرنا بینک کے لئے جائز ہے، لیکن صرف کفالت اور گارنٹی پر کسی اجرت کا مطالبہ کرنا بینک کے لئے جائز نہیں (تفصیلی مقالات ۱/ ۹۸)، میرے نزدیک اگر اس ضمانت کے لئے کفیل کا وقت صرف ہوتا ہو اور اس کو جدوجہد کرنی پڑتی ہو تو اجرت مثل لے سکتا ہے، ”کفایت المفتی“ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے ”نہیں یہ اجرت جائز نہیں اگر یہ اجرت عمل کی ہو تو اجرت مثل ہونی چاہئے“ (کفایت المفتی ۱۳۳/ ۸)۔

۱۳ - ادھار معاملہ کے مکمل کاغذات تیار کرنا جس میں بیع کی قیمت، ادائیگی کی تاریخ اور

مشتری کا دستخط موجود ہو مندوب اور مستحسن ہے قرآن پاک میں ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا إذا تداینتم بآئین الی اجل مسمی فاکتبوه“۔

لیکن وقت مقررہ پر رقم ادا نہ کرنے کی صورت میں یا وقت سے پہلے رقم کو حاصل کرنے کے لئے اس دستاویز کو اس کے اندر تحریر کردہ قیمت و مالیت سے کم پر بیچنا جائز نہیں، خواہ اس معاملہ کو حوالہ قرار دیا جائے، یا بیع، حوالہ کا احتمال اس لئے ہے کہ وہ دستاویز صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ اس قرض کی سند ہے جو بائع کا مشتری کے ذمہ ہے، بائع نے دستاویز دے کر جو رقم حاصل کی ہے وہ قرض ہے، بائع نے وہ دستاویز دے کر اس کے قرض کو مشتری پر حوالہ کر دیا، جب یہ عقد حوالہ ہو گیا تو حوالہ کی شرائط کے ساتھ صحیح ہوگا، اور اس میں کمی زیادتی باطل ہوگی، کیونکہ حوالہ صرف اس رقم کا ہوتا ہے جو مدیون کے ذمہ دائن کے لئے واجب ہے، اس لئے جتنی رقم اس نے بائع کو دی ہے اتنی رقم مشتری سے وصول کر کے خود رکھے گا، اور جو رقم زائد ہوگی وہ بائع کو واپس کر دے گا۔

کفایت المفتی (۸/۱۴۳) پر ایک استفتاء کے جواب میں اس کو حوالہ قرار دیتے ہوئے کمی زیادتی کو باطل قرار دیا گیا ہے (کفایت المفتی ۸/۱۴۳)۔ اور بیع کا احتمال اس لئے ہے کہ وہ اس کو نہیں بیچ رہا ہے، بلکہ اس میں جو رقم لکھی ہوئی ہے اس کو نقد روپے کے بدلے الفاظ بیع کے ذریعہ بیچ رہا ہے، لیکن دین کو مدیون کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں (درمختار مع رد المحتار ۱۵۴)۔

اور ناجائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ رقم کو کم رقم کے عوض بیچ رہا ہے جو سود ہے، الغرض دستاویز کی خرید و فروخت فقہ اسلامی کی روشنی میں بہر حال ناجائز ہے، خواہ اس کو حوالہ کہا جائے یا بیع۔

حیلہ جواز: البتہ اس کے جواز کا ایک حیلہ یہ ہے کہ بائع اس شخص کو اپنا دین وصول کرنے کا وکیل بنا دے اور وکالت کی اجرت طے کر دے پھر وہ اپنے وکیل سے پیشگی رقم بطور قرض لے لے اور اس کو کہہ دے کہ جو رقم تم مشتری سے وصول کرو گے اس کو اپنے قرض اور وکالت کی

اجرت میں رکھ لیا، اس صورت میں مشتری سے کل رقم وصول کر کے اپنے پاس رکھ لیا صحیح ہوگا، لیکن اگر مشتری سے وہ روپے اس کو وصول نہ ہوئے تو وہ بائع سے اپنے روپے واپس کر لیا (امداد الفتاویٰ ۳۲۲/۳)۔

۱۴ - یہ بات معلوم ہے کہ اگر معاملہ ادھار طے ہوا اور قیمت کی ادائیگی کی مدت بھی طے ہو گئی ہو تو پھر بائع وقت مقررہ سے پہلے مشتری سے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بائع کو رقم کی ضرورت پڑ جاتی ہے، اور مشتری وقت سے پہلے رقم دینے کو تیار نہیں تو ایسے موقع پر بائع مشتری سے کہتا ہے کہ میں تم سے کچھ رقم معاف کرنا ہوں، اس لئے تم ماہی رقم فی الحال ادا کر دو، پھر کبھی طے شدہ رقم میں چھوٹ تجیل کی شرط کے بغیر دی جاتی ہے اور کبھی تجیل کی شرط پر دی جاتی ہے، اگر چھوٹ تجیل کی شرط کے بغیر دی گئی ہو تو یہ چھوٹ جائز ہے، اور اس کو بائع کی جانب سے تبرع سمجھا جائے گا اور تبرع لازم نہیں ہوتا ہے، اسی لئے ادائیگی کی تاریخ آنے کے بعد بائع اگر چھوٹ دی ہوئی رقم واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے (بدائع ۳۵۶)۔

اور اگر رقم میں چھوٹ تجیل کی شرط پر دی گئی کہ بائع وقت سے پہلے طے شدہ رقم کو اس شرط پر مانگتا ہے کہ اس کا ایک حصہ ہم تم کو معاف کر دیں گے، اس کے لئے عربی میں ”ضع و تجیل“ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو یہ چھوٹ شرعی اعتبار سے سود ہونے کی بنا پر حرام ہے، اگر بائع نے ایسا معاملہ کر لیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس رقم کو واپس کر دے، اور وقت آنے پر کل رقم مشتری سے لے لے، اس لئے کہ رقم میں چھوٹ تجیل کی بنا پر ہے، اور تجیل کی بناء وقت پر ہے اور وقت کا عوض لینا حرام ہے (بدائع ۳۵۶ مزید دیکھئے: سوطا امام محمد ۳۳۳، سوطا امام مالک ۲۷۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ وقت سے پہلے ادائیگی کی شرط پر رقم میں چھوٹ سود ہے اور بغیر شرط کے درست ہے۔

۱۵ - میری ناقص رائے میں یہ سوال درست نہیں ہے، کیونکہ سوال یہ کیا گیا ہے کہ اگر معاملہ

ادھار کیا گیا مگر قیمت کی ادائیگی کے لئے صرف یہ طے ہوا کہ بعد میں دے دیں گے، اور اس کے لئے وقت طے نہیں کیا گیا تو اس صورت میں رقم کے اندر چھوٹ دی جائے، اس لئے کہ اس صورت میں مدت کے مجہول ہونے کی بنا پر بیع فاسد ہے (ہندیہ ۳۴۳)۔ اور جب بیع فاسد ہوگئی تو رقم میں چھوٹ دینے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لئے اگر سوال سے ادھار کا لفظ ہٹا دیا جائے اور یوں استفتاء کیا جائے کہ بیع کا عقد ہوا اور قیمت کی ادائیگی کے لئے کوئی بات نہیں آئی کہ کب دے گا اور اس صورت میں رقم نقد ادا کرنے پر کچھ چھوٹ دی جائے تو اب سول صحیح ہو جائے گا، اسی کو ہم نے دین مطلق سے تعبیر کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی ابھی ہوگی یا بعد میں ہوگی، متعاقبین نے اس کا کوئی چرچا نہیں کیا، یہ بیع شرعی اعتبار سے درست ہے، اور یہ نقد بیع میں داخل ہے، اس لئے مشتری پر لازم ہے کہ وہ فی الحال ثمن کو ادا کرے، تاہم اگر تاخیر ہو جائے اور بائع کی طرف سے صراحتاً یا دلالتاً اجازت ہو تو صحت بیع میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، بلکہ اگر مطلق معاملہ ہونے کے بعد بائع مشتری کو غیر متعین وقت تک مہلت دے دے تو یہ مہلت دینا درست ہے، حالانکہ ادھار معاملہ میں مدت مجہولہ تک مہلت دینا درست نہیں (ہدایہ ۳۵۳، بدائع ۲۶/۲۴)۔

اس لئے اس صورت میں نقد ادا کرنے پر کچھ رقم کو چھوڑ دینا شرعاً جائز اور مباح ہے۔

۱۶- اس میں کوئی کراہت و قباحت نہیں ہے (بدائع ۲۶/۳۵)۔

۱۷- اگر تمام قسطوں کی ادائیگی سے پہلے (خواہ کچھ قسط ادا کر دی ہو اور کچھ باقی ہو یا بالکل ہی ادا نہ کی ہو) بائع کا انتقال ہو جائے تو معاملہ اس کے بعد بھی اسی تفصیل کے ساتھ باقی رہے گا جو طے شدہ تھا، مشتری علی حالہ قسط وار رقم ادا کرتا رہے گا، بائع کے ورثاء ایک ہی قسط میں تمام رقم کا نقد مطالبہ نہیں کر سکتے، کیونکہ بائع نے جب مشتری کو قسط وار ادا کرنے کی اجازت دے دی اور مشتری نے اس کو قبول کر لیا تو یہ مہلت مشتری کے لئے بائع کی جانب سے لازم ہوگئی، اس سے خود اس کو رجوع کا حق نہیں تو ورثاء کو یہ اجازت کہاں ہوگی کہ وہ مہلت کو ختم کر سکیں۔

”ولزم تاجیل کل دین ان قبل المدیون“ (درختار ۱۸۸/۳)۔

اور اگر مشتری کا انتقال ہو جائے تو اوصار معاملہ نقد میں تبدیل ہو جائے گا، اور بائع کو اس کا حق ہوگا کہ وہ اس کے ورثاء سے مکمل دین کا نقد مطالبہ کرے (درختار ۵۳۲/۵)۔

لیکن اگر بائع راضی ہو کہ معاملہ اسی تفصیل کے ساتھ باقی رہے جو طے تھا اور اس کے ورثاء کو قسط و ارا ادا کرنے کی مہلت دے دے تو یہ مہلت دینا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دونوں قسم کی روایتیں کتب فقہ میں موجود ہیں، اور علامہ شامی نے دونوں کو دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے ”خلاصۃ الفتاویٰ، قدیہ اور ذخیرہ“ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ مہلت دینا درست نہیں، کیونکہ وقت دین کی صفت ہے، اور صفت قائم بالغیر ہوتی ہے، اس لئے مدیون کے مرنے کے بعد یا تو وہ دین خود اسی کے اوپر واجب اور ثابت رہے گا، یا اس کے ورثاء کے اوپر واجب ہوگا، یا میت کے مال سے متعلق ہو جائے گا اور تینوں احتمال ممکن نہیں، پہلا احتمال اس لئے ممکن نہیں کہ موت کی وجہ سے اس کا ذمہ ختم ہو گیا، دوسرا احتمال اس لئے ممکن نہیں کہ انہوں نے ادا کی گئی کو اپنے اوپر لازم ہی نہیں کیا ہے اور تیسرا احتمال اس لئے صحیح نہیں کہ میت کا ترک عین ہے، اور اعیان میں تاجیل کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، تینوں احتمالات میں سے کسی احتمال کا امکان نہیں تو پھر اس تاجیل کو دین کے ساتھ کس طرح متعلق کیا جائے گا۔

ردالمحتار (۱۸۹/۴) میں ہے: ”اور صاحب محیط کے نزدیک مہلت دینا جائز ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ دین اگر چہ ترک سے متعلق ہے، لیکن ثابت ذمہ میں ہے، اور جو ذمہ میں ثابت ہو وہ دین ہوتا ہے، عین نہیں ہوتا، اس لئے دین میں تاجیل درست ہوگی تا ضی خاں نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔“

میرے نزدیک یہ آخر والا قول راجح ہے، کیونکہ دین دائن کا حق ہوتا ہے، اور صاحب حق اگر خود ہی اپنے حق کو تاخیر سے ادا کرنے کی اجازت دے دے تو اس میں کسی کا کیا نقصان ہے بشرطیکہ صاحب حق کو یقین ہو کہ اس کے ورثاء اس کو قسط و ارا ادا کر دیں گے اور اس کی رقم

ضائع نہیں ہوگی۔

”لان الثمن حقه فله ان يؤخره تيسيرا“ (ہدایہ ۶۰۳)۔

۱۸- جو دوکاندار بالاقساط خرید فخر و خست کا کاروبار کرتے ہیں اور ہر قسط کی ادائیگی کے وقت پر یا چھ ماہ اور سال بھر میں انعام دیتے ہیں ان کا یہ انعام دینا ”بیع بالتقسیت“ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے، بلکہ بیع بالتقسیت اور انعام میں سے ہر ایک کے احکام جداگانہ ہیں، ایک کو دوسرے کے ساتھ جوڑنا درست نہیں، بیع کا حکم اوپر آچکا ہے کہ بائع مشتری کو بیع فوراً دے دے اور مشتری قسط وار رقم ادا کرتا رہے قیمت کی بنا پر بیع کو روکے رکھنا جائز نہیں، اس پر انعام دینا نہ دینا دونوں جائز ہیں، بائع پر کوئی جبر نہیں لیکن اگر بائع اپنی تجارت اور دوکان کو چکانے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے انعام دیتا ہے تو وہ انعام اس شرط کے ساتھ درست ہوگا کہ انعام دینے والا خود اپنے پیسے سے انعام دے، خریداروں سے اس کے لئے کوئی فیس یا کوئی معاوضہ نہ لے۔

”كذلك ما يفعله السلاطين وهو أن يقول السلطان لرجلين من سبق

منكما، فله كذا فهو جائز لما بينا أن ذلك من باب التحريض“۔

اور اس کے لئے قرعہ اندازی کرنا کوئی ضروری نہیں، بلکہ وہ انعام بائع کی جانب سے ہے وہ جس کو دینا چاہے دے سکتا ہے، البتہ اگر سبھی انعام کے مستحق ہوں، لیکن انعام چند افراد کو دینا چاہتا ہو تو ایسی صورت میں قرعہ اندازی کر لینا بہتر ہے تاکہ کسی کو بدگمانی نہ ہو۔

”والقرعة لتطيب القلوب وازاحة تهمة الميل“

اور اگر بائع نے شرط لگا دی ہو کہ خریداروں میں سے جو وقت سے پہلے مکمل قسط جمع کر دے گا وہ انعام کا مستحق ہوگا تو پھر جو پہلے جمع کر دے گا وہ مستحق ہوگا اگر چند افراد نے پہلے جمع کر دیا ہو تو قرعہ اندازی کر لینا بہتر ہے، یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ انعام کے لئے خریداروں سے کوئی فیس نہ لی گئی ہو اور اگر فیس لی گئی ہو تو پھر وہ انعام نہیں ہے، بلکہ قمار کی مروجہ شکل ہے جس کو لاٹری کہا جاتا ہے جو ناجائز اور حرام ہے۔

۱۹ - سوال میں صورت مسئلہ مکمل طور پر واضح نہیں ہے، اس کی واضح صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی تاجر یا کمپنی یا کوئی پارٹی ممبر سازی کرتی ہے، مثلاً، سائیکل، موٹر سائیکل، ریڈیو، یاٹی وی وغیرہ کی اسکیم چلاتی ہے اور اس چیز کی اصل قیمت اور قسط وار ادائیگی کی تاریخ فیکس کر دیتی ہے اور ہر قسط کے ادا کرنے پر قسط اندازی کی جاتی ہے، اس قسط میں جس ممبر کا نام نکل آتا ہے اس کو وہ چیز صرف اتنی قسط پر مل جاتی ہے جو اس نے اس وقت تک ادا کی ہے، اسی طرح ہر ماہ قسط اندازی میں نام نکلنے والے کو وہ چیز ملتی رہے گی، اس میں اسکیم چلانے والے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو ایک ہی قسط میں بہت ساری رقم مل جاتی ہے اور سامان ایک ہی شخص کو دینا پڑتا ہے جو جمع شدہ قسطوں سے بہت کم قیمت کی ہوتی ہے اور وہ تمام رقم کو اپنی تجارت میں لگا دیتا ہے اور ممبر کا فائدہ یہ ہے کہ قسط اندازی میں نام نکلنے والوں کو وہ چیز اصل قیمت سے کم میں مل جاتی ہے اور یہ معاملہ فریقین کی رضامندی سے طے ہوتا ہے۔

اس طرح کی تجارتی اسکیم اور قسط اندازی شرعی طور پر قمار کے دائرہ میں داخل ہے، اس لئے اس طرح کی اسکیم میں حصہ لینا اور قسط اندازی سے طے شدہ اشیاء کو حاصل کرنا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ شرع میں قمار وہ معاملہ کہلاتا ہے جو نفع اور نقصان کے درمیان دائرہ ہو اور صورت مسئلہ میں یہی بات ہے کہ کسی ممبر کو معلوم نہیں کہ اس کا نام قسط میں نکلے گا جس سے نفع ہو یا نہیں نکلے گا جس سے نقصان ہو، نیز شمن بھی مجہول ہے اگرچہ صورت متعین ہے، کیونکہ قسط میں جس کا نام نکل آتا ہے اس کو وہ سامان ادا کر دہ قسط پر دے دیا جاتا ہے اور بعد میں اس سے مزید رقم نہیں لی جاتی ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل قیمت وہ نہیں ہے جو شروع میں طے کی گئی تھی بلکہ اصل قیمت مجہول ہے اور شمن کے مجہول ہونے سے بیخ فاسد ہو جاتی ہے۔

سامان فروخت کرتے وقت دونوں قیمت بتانا

مفتی احمد درالقاسمی ☆

ادھار فروخت میں قیمت کی زیادتی:

۱، ۲ - اس بابت فقہاء و محدثین کی دو قسم کی آراء کتب فقہ اور شرح حدیث میں ملتی ہیں، بعض حضرات مطلقاً اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، اور حدیث رسولؐ ”نہی عن بیعتین فی بیعة“ (ابوداؤد ۳۳۸/۷) کے ظاہری مفہوم سے استدلال کرتے ہیں۔

اس روایت کو ان حضرات نے اپنا مستدل بنایا ہے جو نقد کے مقابلہ ادھار فروخت میں قیمت کے اضافہ کو غیر درست قرار دیتے ہیں، زین العابدین، ناصر، منصور باللہ، ہادیہ اور امام یحییٰ کا یہی مسلک ہے (نیل الاوطار اشوکا فی ۲۳۹/۵)۔

امام نسائی علیہ الرحمۃ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ ان کے قائم کردہ ترجمۃ الباب سے مترشح ہوتا ہے (سنن نسائی ۲۹۶/۷)۔

دوسری رائے جمہور علماء کی ہے کہ بائع اگر نقد فرختگی کے مقابلہ ادھار فروختگی میں اپنے سامان کی قیمت زیادہ رکھے اور فروخت کرے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، بشرطیکہ معاملہ کرتے وقت بائع کی بتائی ہوئی دونوں قیمتوں میں سے کسی ایک پر دونوں کا اتفاق ہو جائے اور معاملہ اسی پر تمام ہو۔

یہی رائے شافعیہ، حنفیہ، زید بن علی، مؤید باللہ، اور جمہور کی بھی ہے (نیل الاوطار اشوکا فی

-(۲۳۹/۵)-

اس بابت وارد شدہ اولہ کے عموم اور ظاہر کا مقتضی جواز ہی کا ہے، اس سلسلے میں امام ترمذی کی بحث کے لئے دیکھئے (المسنن للترمذی مع شرح ابن العربی ۲۳۱/۵-۲۳۸)۔ نیز فقہاء مذاہب اربعہ کی آراء کی تفصیل کے لئے دیکھئے (بویہ المجہد للقرطبی ۱۳۱/۲، لشرح الصغیر للدرردی علی قرب المساک ۳۳۳، المغنی ۳۵۹، فتح البزیری علی ہامش المجموع ۱۲/۸، الوسوط للسرہنی ۱۳۱/۳، الفقہ علی المذاہب الأربعة ۲۳۳/۲، فقہ السنن للسید سابق ۱۳۱/۳، الفقہ الاسلامی وأدلہ ۶۷۵، بحوث فی تفصیلات فقہیہ معاصرہ ص ۸)۔

مذکورہ بالا کتب میں بیان کردہ تفصیلات کا ما حاصل یہ ہے کہ ادھار خرید و فروخت میں بائع اگر نقد کے مقابلہ اپنے سامان کی قیمت میں اضافہ کرتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، اور اضافہ کی یہ صورت ربا اور سود کے زمرے میں نہیں آتی اور نہ اس میں ربا کا شبہ ہے اور نہ یہ صورت قول نبی ﷺ ”نہی عن بیعتین فی بیعة“ (حوالہ سابق) میں داخل ہے، لہذا (تسطوں) پر اشیاء و اراضی کی خرید و فروخت میں ادھار معاملہ کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا، بشرط عا جائز و مباح اور وہ زیادتی بھی حلال و طیب ہے، البتہ اضافہ نہ کیا جائے تو بہتر ہے تاکہ ضرورت مند اور معاشی لحاظ سے کمزور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ راحت مل سکے، اس بارے میں ابن قدامہ حنبلی کی مندرجہ ذیل عبارت سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے:

”فإن الغالب أن البائع بنسيئة يقصد الزيادة بالأجل ولكن البيع بنسيئة ليس بمحرم اتفاقا ولا يكره إلا أن تكون له تجارة غيره“ (المغنی لابن قدامہ ۱۹۵/۳)۔

(ادھار خرید و خنگی میں عام طور پر بائع زیادتی ہی کا ارادہ رکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس قسم کی خرید و خنگی بالاتفاق نہ تو حرام ہے اور نہ مکروہ، مگر اس صورت میں کراہت ضرور ہے جبکہ اس کے پاس کوئی دوسری تجارت ہو)۔

خلاصہ یہ کہ ادھار فر وخت میں قیمت کا اضافہ اور تسطواری قیمت کی ادائیگی اور وصولی نہ ہی ممنوع ہے اور نہ ہی اس میں سود کا شبہ ہے، بلکہ یہ اضافہ سامان کی قیمت میں ہی اضافہ اور سامان ہی کا بدل ہے، ادھار معاملہ کی وجہ سے اس زیادتی کو وقت اور دین کا بدل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۳- ادھار قیمت کی ادائیگی جس طرح یکمشت جائز ہے، اسی طرح بالاقساط بھی جائز اور درست ہے، اس میں شرعا کوئی قباحت اور ممانعت نہیں (الفتاویٰ الحلیمیہ مع الہندیہ ۲/۲۶۹)۔

سامان فر وخت کرتے وقت نقد و ادھار دونوں قیمت بتانا:

۳- فی زمانہ سامان کی خرید و فروخت اور ان کی قیمتوں کی دونوعتیں ہوتی ہیں، بعض سامان تو وہ ہیں جن کی قیمتیں ان پر لکھی ہوئی ہوتی ہیں اور عام طریقہ سے لوگوں کو معلوم ہوتی ہیں، اور بعض سامان وہ ہیں جن کی قیمت عام نہیں ہوتی اور نہ لوگوں کو عموماً اس کا پتہ ہوتا ہے، جیسے لکڑی کے سامان ہرنیچر وغیرہ، اول الذکر صورت میں دونوں قیمتیں بتانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ معروف و مروج ہونے اور قاعدہ شرعیہ ”المعروف کالمشروط“ کی وجہ سے اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، بلکہ صرف ادھار ہی کا تذکرہ کرے تو کافی ہے اور ابن قدامہ نے تو لکھ ہی دیا ہے کہ ادھار فر وخت میں غالب حد تک بائع کا منشاء اضافہ ثمن ہی ہوتا ہے (المغنی ۳/۱۹۵)، البتہ آخر الذکر صورت میں محض احتسان کی حد تک بائع کے لئے بہتر ہے کہ ادھار قیمت کے ساتھ نقد قیمت بھی مشتری کو بتا دے، تاکہ وہ غور و فکر کے بعد جسے چاہے اختیار کر لے، مگر قانونی اور شرعی طور پر بائع کے لئے کوئی بندش نہیں ہے، اسے اختیار ہے چاہے تو دونوں طرح کی قیمت بتائے یا صرف ادھار ہی کی قیمت بتا کر اپنا معاملہ طے کرے اور دونوں اس پر متفق ہو جائیں، اس لئے کہ شریعت نے صاحب سامان کو اس کا مکلف قرار نہیں دیا کہ وہ اپنا سامان اتنے ہی میں فروخت کرے جتنے میں دوسرے لوگ فروخت کرتے ہوں، اس پر کسی کو حق اعتراض نہیں، علامہ ابن حزم نے اس کی صراحت کی ہے:

”يجوز لمن أتى السوق كان من أهله أو من غير أهله أن يبيع سلعته بأقل من سعر السوق أو باكثر ولا اعتراض لأهل السوق عليه في ذلك ولا للسلطان“ (مسودہ ابن جزم ۱۸۶/۱)۔

(جو شخص منڈیوں اور بازاروں میں اپنا سامان فروخت کرنے آئے اس کے لئے جائز ہے کہ یا تو وہ بازار کی قیمت سے کم میں فروخت کرے یا زیادہ میں، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں اور نہ صاحب سلطنت کو ہے)۔

اور بالخصوص وہ لوگ جن کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ ادھار یعنی فروخت کرتے ہیں، جیسا کہ فی زمانہ بالاقساط اشیاء کی خرید و فروخت رائج ہے کہ صرف قسطوں اور اس کی قیمت ہی کا اعلان کیا جاتا ہے، اور لوگ بطور ممبر یا خریدار اپنا نام اس اسکیم میں درج کر کر سامان حاصل کرتے ہیں، اس لئے جب شریعت نے نقد و ادھار دونوں طرح فروخت کی اجازت دی ہے تو ایسا نہیں ہوگا کہ ادھار فروخت کرنے پر محض ادھار ہی کے تذکرہ کا پابند بنایا جائے، بلکہ دونوں کے اختیار کا جو از معلوم ہوتا ہے، بس اتنا ضروری ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہو۔

کسی ایک معاملہ پر اتفاق ضروری:

۵- اس معاملہ کی بھی صورت وہی بنتی ہے جو تفصیل سول نمبر ایک کے تحت گذری فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں صرف ایک قیمت کے نقد اور ادھار میں کمی اور زیادتی مقصود تھی، اور یہاں کئی ادھار قیمتوں میں علاحدہ علاحدہ قیمتیں اور زیادہ اقساط ہیں، لہذا شرعاً اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں بشرطیکہ دونوں یا جتنی بھی شکلیں ہوں ان میں سے کسی ایک پر اتفاق ہو جائے اور معاملہ کرتے وقت ادائیگی کے تعلق سے کوئی ابہام نہ رہے (دیکھئے: ہبوط المرئص ۱۳/۸)۔

وقت پر ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں اضافی رقم لینا:

۶، ۷- ان میں مذکور معاملات کی شکلیں شرعاً جائز نہیں، ارشاد نبوی ہے:

”قال: لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن،

ولا بیع ما لیس عندک“ (مصاحح النبی للبجوی ۲/۳۳۲) ”عن عمرو بن شعیب قال: نہی رسول اللہ عن بیعتین فی بیعة صفقة واحملة“ (حوالہ سابق) ”من باع بیعتین فی بیعة فله أو کسہما أو الربا“ (ابوداؤد ۳/۴۳۸، مصاحح النبی ۲/۳۳۱)۔

اور اگر تعین معاملہ کی وجہ سے اسے درست بھی قرار دیا جائے تو بھی یہ اضافہ خواہ فیصد کی شکل میں ہو یا مقدار ثمن پر متعین رقم کی شکل میں ہو غیر درست ہوگا، اس لئے کہ اس زیادتی کو نہ تو سامان کے عوض میں شامل کیا جاسکتا ہے اور نہ ادھار قیمت کی وجہ سے اس اضافہ کو ثمن کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ یہ ربا محرم ہوگا جس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، ورنہ تو تحقق ربا کے لئے کوئی صورت نہیں بن سکتی؟ نیز یہاں جائز و جبری اور باطل طریقہ سے مشتری کا مال کھانے کے مرادف ہوگا جس سے قرآن کریم نے سختی سے منع کیا ہے:

”یا ایہا الذین آمنوا لاتاکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منکم“ (النساء، ۲۹)۔

نیز بائع اور مشتری کے درمیان جب معاملہ طے ہو گیا اور خرید و فروخت کی تکمیل کے بعد قیمت مقرر ہو گئی تو کو یا وہ ادھار ثمن مشتری پر دین ہو اور دیون قرض میں دائن کی طرف سے کسی قسم کا اضافہ، خواہ جبری ہو یا رضائی وہ سود ہے اور کسی قیمت پر حلال نہیں ہے۔

”أحل الله البيع وحرم الربا“ (البقرہ، ۲۷۵، نیز دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۳/۳۵۳)۔
لہذا ایک مسلمان بائع کے لئے تو مذکورہ اضافہ کا مطالبہ قطعاً حرام ہوگا، البتہ بائع غیر مسلم ہے تو ضرورتاً مشتری اس طرح بھی رقم کا اضافہ ادا کر کے مجبوراً سامان حاصل کر سکتا ہے۔

مال مرہون سے انتفاع:

۸- (الف) اس سلسلے میں مذاہب اربعہ کے نقطہ ہائے نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرہون کے لئے مال مرہون سے انتفاع جائز نہیں، اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مال مرہون سے انتفاع نہ راہن کے لئے درست ہے اور نہ مرہون کے لئے، الا یہ کہ اجازت ہو (تفصیل

کے لئے ملاحظہ ہو: شرح مہذب ۲۳۹/۱۳، بدایہ النجاشی ۲/۲۷۶، الکافی لابن قدامہ ۱۳/۷۶، البحر الرائق (۲۳۹/۸)، علامہ ابن حزم کی بھی رائے یہی ہے (المحلی ۸/۸۹)، دلائل کے اعتبار سے راجح قول عدم جوازی کا ہے۔

(ب) تمام ہی ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر مال مرہون بغیر تعدی کے بلاک ہو جائے تو اس پر ضامن نہیں آئے گا، اس لئے کہ مرتہن کی حیثیت اس وقت امین کی ہے، اور امین پر ضامن عائد نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ امانت میں ضمان نہیں ہے، البتہ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ضمان واجب ہوگا یا نہیں تو شافعیہ، امام احمد ابن حنبل، ابو عبید، امام اوزاعی اور عطاء، نیز ایک روایت حضرت سیدنا علیؑ کی یہ ہے کہ علی الاطلاق مرتہن پر ضمان لازم نہیں آئے گا، امام مالکؒ اس بارے میں اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کے اعتبار سے فرق کرتے ہیں، مثلاً اموال ظاہرہ میں جانور، مکان وغیرہ کہ چونکہ ان کی بلاکت کے اسباب عام طور پر ظاہر ہوتے ہیں اور لوگوں کو ان کا پتہ فوراً چل جاتا ہے، اس لئے اس صورت میں ضمان بغیر اظہار تعدی کے نہیں آئے گا، اور اگر اموال باطنہ ہوں مثلاً سونا چاندی، نلہ وغیرہ، اور ان کی بابت راہن اگر کسی طرح کا دعویٰ کرے تو وہ قابل قبول ہوگا، اور اس صورت میں ضمان لازم آئے گا، یہی رائے اسحاق ابن راہویہ کی ہے اور یہ حضرت علیؑ کی دوسری روایت ہے، حضرت عمرؓ، امام ابو حنیفہؒ سفیان ثوری اور دیگر ائمہ احناف کی رائے یہ ہے کہ خواہ اظہار تعدی ہو یا نہ ہو بقدر قیمت ضمان واجب ہوگا (شرح مہذب ۲۳۹-۵۰/۱۳)۔

خلاصہ:

آج کے حالات میں، جبکہ بددیانتی عام ہے، اگر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ مال مرہون ایسے حالات میں بلاک ہوا ہے جس میں مرتہن معذور اور بے گناہ ہے تو اس پر ضامن عائد نہیں ہوگا، اور اگر معاملہ قدرے مخفی ہو اور اس کی بلاکت کے اسباب فرائض کا اندازہ سہولت سے نہیں لگایا جاسکتا ہو تو مرتہن پر بقدر قیمت رہن ضمان واجب ہوگا، اور اگر دین اور قیمت رہن دونوں برابر

ہو جائیں تو دین سا قسط ہو جائے گا، اور اگر بڑھ جائے تو زیادہ رقم راہن کو لوٹانا ضروری ہوگا، اور اگر رہن کی قیمت دین سے کم ہو تو راہن کو بقیہ ادا کرنا واجب ہوگا، یہی راجح معلوم ہوتا ہے (فتاویٰ ہندیہ ۱/۵۷۲، رد المحتار ۵/۳۲۳، الکافی لابن قدامہ ۲/۱۳۵)۔

(ج) مذکورہ صورت میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ قرض خواہ غریب ہے یا مالدار تو ہے، مگر فی الفور کسی پریشانی سے دوچار ہے تو ایسے لوگوں کی بابت تو صاف قرآن کریم کی ہدایت ہے:

”.....وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة وأن تصدقوا خير لكم إن

كنتم تعلمون“ (بقرہ ۲۸۰)۔

اور اگر مہلت کے باوجود مدیون دین کی ادائیگی پر قادر نہ ہو سکے تو اس سے اجازت لے کر دائن مال مرہون کی قیمت لگائے گا، اگر اس کے دین کے برابر ہو جائے تو اسی دین میں منہا کر کے چاہے تو اسے اپنے پاس رکھ لے، ورنہ اسے فروخت کر کے قیمت حاصل کر لے، اور اگر اس سے زیادہ ہو جائے تو بچا ہوا مال واپس کر دے، بغیر اجازت کے رہن کے ذریعہ دین وصول کرنا جائز نہیں ہوگا، خواہ اس کی صورت جو بھی ہو، اس لئے کہ وہ اس کا مالک ہی نہیں ہے، اور اگر راہن غنی و مالدار ہو اور پھر بھی مال منول سے کام لیتا ہو تو اس صورت میں شریعت کا حکم تعزیر و جس کا ہے، لیکن رہن کو بیچ کر دین وصول کرنے کی اجازت پھر بھی نہیں ہوگی، مگر اس ظلم و زیادتی کا دفع کرنا بھی ضروری ہے، اس لئے فی زمانہ خیال ہوتا ہے کہ وکالت کی شکل اختیار کی جائے گی، جسے حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ نے بھی اختیار کیا ہے، اس سے ایک طرف مرہن کو اپنا دین وصول کرنے میں سہولت ہوگی تو دوسری طرف مال منول کا سدباب ہوگا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ رہن کا معاملہ ہوتے وقت ہی یہ طے کر لیا جائے، اگر دین وقت پر ادا نہ کیا گیا تو مرہن یا کسی دوسرے شخص کو یہ اختیار ہوگا کہ رہن کو فروخت کر کے دین وصول کرے (البحر الرائق ۲۵۶/۸)۔

قیمت کی ادائیگی تک سامان کا بائع کے پاس رہنا:

۹- (الف) اس کے دو اجزاء ہیں: بائع اور مشتری کے درمیان اگر اس طرح معاملہ ہو کہ سامان

کی خرید و فروخت کا معاملہ تو طے اور مکمل ہو جائے، البتہ سامان بائع ہی کے قبضہ میں بطور رہن رہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ یہ کہ اس سامان پر خریداری کے بعد مشتری کا قبضہ ہو جائے پھر اسے قیمت کی ادائیگی کے وقت تک کے لئے بائع کے پاس چھوڑ دیا جائے، اس میں یہ بات ضروری ہوگی کہ مشتری کو سامان لے جانے کا اختیار ہو، تو چونکہ معاملہ کی نوعیت بدل گئی اور رہن کے شرائط بھی پائے گئے، اس لئے یہ صورت درست ہوگی، جیسا کہ امام محمدؒ کی روایت سے پتہ چلتا ہے جسے صاحب ”ہدایہ“ نے نقل کیا ہے:

”من اشتری ثوبا۔ بدراہم فقال للبائع: أمسک هذا الثوب حتى أعطيك الثمن فالثوب رهن“ (ہدایہ للرعینانی ۳/۵۱۸، نیز الکفایۃ مع الفتح ۹/۹۹)۔

کسی شخص نے چند درہم کے عوض کپڑا خریدا اور بائع سے کہا کہ یہ کپڑا اپنے پاس اس وقت تک رکھو جب تک میں اس کی قیمت تم کو ادا نہ کر دوں تو یہ کپڑا رہن قرار پائے گا۔

۲۔ یہ کہ مشتری نے اس پر قبضہ نہیں کیا، صرف اس طرح خریدا کہ وہ سامان بائع کے پاس ہی ثمن کی ادائیگی تک بطور رہن رہے گا، تو چونکہ اس وقت مشتری کا اس سامان پر قبضہ نہیں ہوتا اس لئے اسے رہن قرار نہیں دیا جاسکتا، اور نہ ہی یہ رہن درست ہوگا (دیکھئے: بدائع لمصائب ۱۳۷۶)۔

(ب) اس صورت میں بائع کا بیع کو روکنا اس وقت درست ہوگا جب سامان کی قیمت نقد لگائی گئی ہو اور نقد ہی پر خریدار اور بائع کا اتفاق ہو، اگر اس کے برعکس ہو اور ثمن ادھار طے پایا ہو تو یہ معاملہ درست نہیں معلوم ہوتا (فتاویٰ ہندیہ ۱۵۳، بدائع لمصائب ۲۳۹، رد المحتار ۳/۴۲)، لہذا بالاقساط بیع میں ثمن اور قسط کی وصولی کے لئے بیع کو اپنے قبضہ میں روکنا بائع کے لئے جائز نہیں ہوگا، بلکہ نورا حوالگی اور مشتری کو قبضہ دلانا ضروری ہوگا، ورنہ یہ خرید و فروخت درست نہ ہوگی، اور اگر یہ صورت مروج ہے تو بھی عرف فاسد کے زمرے میں شامل ہے جو نص شرعی (حدیث افس)۔

جس میں آپ ﷺ کے درعہ رہن میں رکھ کر یہودی سے غلہ لینے کا ذکر ہے، سے متصادم ہے اس لئے شرعاً جائز نہیں۔

قسط ادا نہ کرنے پر معاملہ فسخ کرنا:

۱۰- جیسا کہ گذر چکا بیع بالتقسیط میں ادھار معاملہ کی وجہ سے بیع کو روکنا جائز نہیں، البتہ قسطوں کی عدم ادائیگی کی وجہ سے دونوں کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو معاملہ کو باقی رکھیں یا فسخ کر دیں، دوران مدت مشتری نے جو قسطیں ادا کی تھیں، معاملہ کے ختم ہونے کے بعد بائع کے لئے ان کو مشتری کو واپس کرنا ضروری ہوگا، ایسا کرنا کہ اگر مشتری نے متعینہ مدت میں قسطیں ادا نہ کیں تو ادا شدہ قسط ہی واپس نہ ہو اور معاملہ بھی ختم ہو جائے قطعاً جائز نہیں، اور نص قرآن باطل ہے:

”.....یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تكون

تجارة عن تراض منکم“ (سورہ نساء: ۲۹۶)۔

نیز یہ معاملہ بیع عربوں سے بھی قدرے مناسبت رکھتا ہے کہ اس میں بھی بطور بیعہ رقم کی کچھ مقدار دی جاتی ہے، اور صورت یہ طے پاتی ہے کہ اگر بیع ہوئی تو ٹھیک، اسے قیمت میں شمار کر لیا جائے گا ورنہ واپس نہیں ہوگا، خرید و فروخت میں اس طریقہ کی بابت امام احمد کوئی حرج محسوس نہیں کرتے (المغنی لابن قدامہ ۳/۳۱۳، حجة اللہ البالغہ ۲/۱۰۸، المشرح الصغیر للرد ۳/۱۰۰)، ان کے علاوہ جمہور ائمہ بیع عربوں کی اس شکل کو ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ ابن ماجہ کی روایت ہے:

”عن النبی ﷺ نہی عن بیع العربون“ (سنن ابن ماجہ ۱/۱۷۷)۔

۱۱- اس کی صورت دراصل یہ ہے کہ سامان تو بظاہر مشتری کے قبضہ میں ہے، مگر معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ اگر اتنے دنوں میں قسط ادا ہوئی تو سامان خریدار کا ہو جائے گا اور اگر ادا نہ ہوئی تو بائع کو واپس کر دے گا، ورنہ تو اس سول کی کوئی صورت نہیں بنتی، اس صورت کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ خریدار جب تک پوری رقم ادا نہیں کر دیتا اسے انتفاع کی اجازت نہیں ہوگی، صرف خریدار کے قبضہ میں وہ شیء بطور رہن رہے گی تو اسے رہن قرار دینا درست ہوگا، ورنہ نہیں۔

ضمانت و گارنٹی پر اجرت:

۱۲ - شرعی نقطہ نظر سے کفالت و ضمانت کا مسئلہ تبرعات اور تقربات سے متعلق ہے، اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ اس پر کوئی اجرت وغیرہ نہ لی جائے، مگر چونکہ آج کل یہ کام عام طور سے اسٹاک ایکسچینج کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اور لوگوں کے درمیان عرف بھی یہی ہے، نیز اس میں کام کرنے والے عملہ اور فرائز اور اپنا وقت صرف کرتے ہیں اسی طرح آج کے دور میں اس کے بغیر سامانوں کا حصول بھی دشوار ہو گیا ہے، ان تمام احوال کے پیش نظر اسے بروکر اور سمسار کی حیثیت دی جاسکتی ہے، چونکہ فقہاء احناف بروکر کی اجرت کو جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے کفالت و ضمانت پر بھی اجرت لیما جائز اور ضرورۃ دینا اور لیما دونوں مباح ہوگا (مکملہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۱۶۱)۔

ایگریمنٹ پیپر کی خرید و فروخت:

۱۳ - توصیات و سندات کی خرید و فروخت کے معاملات تقریباً شیئرز کی خرید و فروخت کے مماثل ہیں، اور ان سندات پر وہ قیمت اور مالیت درج ہوتی ہے جتنے میں سامان کی فروخت و خرید ہوتی ہے، گویا سند کی فروختگی نقدین (سونے، چاندی) اور کرنسی کی خرید و فروخت ہے، اس لئے احقر کی رائے میں ان سندات پر بیع صرف اور دین بالمدین کے احکام جاری ہوں گے، اور ایک ہی ملک کی کرنسی میں اگر خرید و فروخت ہو تو مماثل جائز ہوگا، زیادتی قطعاً ناجائز ہوگی، اور اگر دوسری کرنسی میں ہو تو حسب قیمت اضافہ اور کمی درست قرار پائے گی، البتہ مذکورہ شرائط کے ساتھ جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

جلد ادائیگی کے لئے واجب رقم کم کرنا:

۱۴ - اس سلسلے میں فقہاء مذاہب اربعہ کی تفصیل یہ ہے کہ احناف میں سوائے امام زفر کے سبھی اس شکل کے عدم جواز کے قائل ہیں، چنانچہ امام محمد اپنی کتاب موطا میں تحریر فرماتے ہیں:

”قال محمد: و بهذا نأخذ من وجب له دين على إنسان إلى أجل فسأل أن يضع عنه ويعجل له ما بقى لم ينبغ ذلك، لأنه يعجل قليلاً بكثير دينا“

فكانه يبيع قليلا نقدا بكثير دينا وهو قول عمر بن الخطاب وزيد بن ثابت وعبد الله بن عمرو وهو قول أبي حنيفة“ (موطأ امام محمد بن الحسن اشعري ص ۳۳۲)۔

مالکیہ اس صورت کو اس وقت جائز قرار دیتے ہیں جب یہ معاملہ جائیداد سے تبرع اور انسانی ہمدردی پر مبنی ہو، اور اسی جذبہ سے دین کی متعینہ مقدار سے کم کر کے فوری ادائیگی کا تقاضا کیا جائے چنانچہ امام مالک لکھتے ہیں:

”من وجب عليه دين إلى أجل فسأل أن يضع و يعجل له ما بقى لم ينبغ ذلك، لأنه يعجل قليلا بكثير دينا وإن أراد كل واحد..... من التبرع فلا بأس به“ (موطأ امام مالک مع التحليل ل محمد ص ۲۰۲)۔

ابن تیمیہ نے تمام مالکیہ اس صورت کو ناجائز قرار دیتے ہیں، خواہ قرض میں ہو یا سامان کی قیمت میں (المشرح لمغیر ص ۵۳)۔

دین اور قرض میں سے کسی کر کے ما بقیہ کی ادائیگی کو حائل بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ محقق ابن قدامہ لکھتے ہیں:

”إذا كان عليه دين مؤجل، فقال لغريمه: ضع عني بعضه و أعجل لك بقيته لم يجز“ (المغنی والمشرح لمغیر ص ۱۸۹)۔

شافعیہ بھی اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

علماء متقدمین کا دوسرا گروہ اس صورت کو جائز قرار دیتا ہے، جواز کے تاکلیم کے پیش نظر یہ بات ہے کہ دین قرض دینے والے شخص کا ذاتی حق ہے اور اپنے حقوق میں سے کسی، زیادتی اور ترک کا صاحب حق کو اختیار ہوتا ہے، لہذا یہ جائز ہوگا کہ کوئی شخص اپنے حق سے چاہے تو دستبردار ہو جائے یا کسی کر کے وصول کر لے، مجوزین میں حضرت ابن عباسؓ، ابراہیم نخعی، ابو ثور وغیرہ ہیں، چنانچہ موفق ابن قدامہ لکھتے ہیں:

”وروي عن ابن عباس انه لم يره بأسا، وروي ذلك عن النخعي وأبي ثور، لأنه أخذ لبعض حقه تارك لبعضه فجاز كما لو كان الدين حالا“ (المغنی ص ۱۸۹)۔

(ابن عباس سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اہم شخص، ابو ثور کی یہی رائے ہے، اس لئے کہ وہ اپنے بعض حق کو لے رہا ہے اور بعض کو چھوڑ رہا ہے، لہذا اجازت ہوگا جس طرح نقد اور فوری ادائیگی والے دین میں جائز ہے)۔

جن حضرات نے جواز کو اختیار کیا ہے ان کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس میں بنو نضیر سے کم لینے کی آپ ﷺ نے اجازت دی تھی، سید سابق پورا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ویری ابن عباس و زفر جواز ذلک لما رواہ ابن عباس أن النبی ﷺ لما أمر بإخراج بنی نضیر جاء ہ ناس منهم فقالوا: یا نبی اللہ! إنک أمرت بإخراجنا ولنا علی الناس دیون لم تحل، فقال رسول اللہ ﷺ: ضعوا و تعجلوا“ (نقد السنن سید سابق ۱۶۷۳)۔

(حضرت ابن عباس اور امام زفر اسے جائز قرار دیتے ہیں اس حدیث کی بنیاد پر جسے ابن عباس نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے جب بنی نضیر کو نکالنے کا حکم دیا تو ان میں سے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اے اللہ کے نبی! آپ نے ہم لوگوں کو نکالنے کا حکم فرمایا ہے، اور ہمارے قرض لوگوں پر باقی ہیں جن کی ابھی مدت پوری نہیں ہوئی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کم کرو اور جو مل جائے فوراً لے لو)۔

احقر کے نزدیک جواز یہی راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ آج کی تجارتی دنیا میں کوئی تاجر اپنی بڑی سے بڑی رقم کو اگر اس طرح منجمد رکھے گا تو سامانوں کی فراہمی میں خود تاجر کو بھی خسارہ کا سامنا ہوگا اور لوگوں کی دشواریاں بھی بڑھ جائیں گی، نیز اسقاط حق، یعنی اپنی مرضی سے اپنے حق سے کم لینا شریعت میں سود نہیں ہوتا کہ اسے ناجائز قرار دیا جائے، دوسری طرف ابن عباس کی جواز والی روایت بھی دقتوں ہی پر مبنی معلوم ہوتی ہے، تیسرے یہ کہ علماء نے اسے صرف مکروہ اور غیر اولیٰ قرار دیا ہے، چوتھے یہ کہ ”بیع بالتقسیط“ میں یہ معاملہ ہو یا دیگر دیون میں، کسی کسی شرط کی بنیاد پر نہیں ہوتی، بلکہ دائن کی طرف سے یہ معاملہ تبرعاً ہی ہوتا ہے، اور تبرع کو

جمہور امت جائز قرار دیتی ہے، ابو بکر جصاص رازی نے اسے تبرع ہی پر محمول کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

”ومن أجاز من السلف إذا قال: عجل لي وأضع عنك، فجاز أن يكون أجازوه إذا لم يجعله شرطاً فيه“ (احکام القرآن للجصاص رازی)۔
(اور بائع کی طرف سے کمی کے بعد جو رقم مشتری سے وصول کی جائے گی وہی باقی ماندہ رقم سامان کی قیمت قرار پائے گی، اور اگر سامان کی قیمت نہیں ہے تو ما بقیہ ہی واجب دین میں تبدیل ہو جائے گا، اور وہ کمی تبرع شمار ہوگی)۔

۱۵ - قرآن کریم میں ہے: ”إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى.....“ (سورہ بقرہ ۲۸۲) جس کا تقاضا ہے کہ معاملہ میں تعین مدت ہو، اور حدیث میں بھی، ”ثمن معلوم و أجل معلوم“ کے الفاظ آئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ خرید و فروخت میں اگر ثمن اور بیع کی ادائیگی کی مدت طے نہ ہو تو اکثر فقہاء اسے فاسد قرار دیتے ہیں اور اس کی دو جہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر مدت کا تعین نہ ہو تو آئندہ بائع اور مشتری کے درمیان کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ سکتا ہے جو بیع کو لازم کر دے گا، اور اسی کو فقہ کی اصطلاح میں مفحصی الی المنازعة کہا جاتا ہے، لہذا اس اندیشہ کی بنیاد پر یہ شکل جائز نہیں، یہ نقطہ نظر عام علماء کا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ”کل قرض جو نفعاً“ کے قبیل سے ہے جو شرعاً ممنوع ہے، لیکن موجودہ زمانے میں مگر خرید و فروخت کے معاملات میں چونکہ اس طرح کی صورت عام طور سے پیش آتی ہے اور لوگوں میں کسی قسم کا تنازع غالب اوقات میں پیش نہیں آتا، اس لئے یہ صورت بھی جائز معلوم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام قرطبی نے مذکورہ آیت ”إذا تداينتم بدين“ میں معاملہ کو تحریر میں لانے کو انتخاب پر محمول کیا ہے اور اسے صحیح الاقوال قرار دیا ہے (احکام القرآن للقرطبی ۳/۳۸۳)۔

نیز یہ کہ ادھر خرید و فروخت میں مدتوں کا عدم تعین اس وجہ سے بھی حارج نہیں کہ اس

میں تبادلہ اموال ربو یہ کا نہیں، بلکہ غیر ربو یہ کا ہے، اس لئے ”کل قرض جرم منفعة“ کی ممانعت میں بھی یہ صورت معاملہ داخل نہیں، لہذا معاملہ کی یہ شکل جس میں ادائیگی کی مدت بھی طے نہیں ہوتی اور ”ضع و تجمل“ کی صورت اپنا کر بائع اپنے سامان کی قیمت وصول کرتا ہے، اگر تبادلہ اموال ربو یہ کا نہ ہو تو جائز ہوگا، ورنہ درست نہیں ہوگا، اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے فقہ کے اس معروف جزئیہ سے بھی مدد لی جاسکتی ہے جسے فقہاء احناف نے ”کتاب الصلح“ میں ذکر کیا ہے۔ صاحب ”ہدایہ“ نقل کرتے ہیں:

”و صورتہ باع ثوبا معینا مثلا بعشرة دراهم و افترقا من غیر قبض الدرہم من غیر ذکر الأجل، ثم تصالحا علی خمسة دراهم، فإنہ یجوز، وإن افترقا من غیر قبض بدل الصلح الذی ہو خمسة دراهم، لأن هذا الصلح علی أنه استوفی بعض حقه و أسقط باقيه“ (ہدایہ للفرعینانی ۳/۲۳۵)۔

(تصویر مسئلہ اس طرح ہے کہ بائع نے متعین کپڑا اس درہم کے بدلے فروخت کیا اور مشتری نے کپڑا لے لیا اور بائع نے نہ تو ابھی قیمت لی اور نہ ادائیگی کی مدت طے کی، اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، پھر پانچ درہم کی ادائیگی پر بائع اور مشتری نے مصالحت کر لی تو یہ صورت جائز ہوگی، اگرچہ بدل صلح پر قبضہ کے بغیر دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، اس لئے کہ صلح اس بات پر ہوئی کہ اس نے اپنا بعض حق وصول کر لیا اور بعض کو ساقط کر دیا۔

تمام قسطیں بطور جرمانہ ایک ساتھ ادا کرنا:

۱۶ - فقہاء کی واضح تشریحات موجود ہیں (رد المحتار ۳/۲۶، نیز دیکھئے خلاصۃ الفتاویٰ ۳/۵۳)۔

شوائع کے یہاں بھی اس طرح کی جزئیات موجود ہیں (کتاب الام ۳/۳۳)۔

لہذا بالاقساط خرید و فروخت میں بائع کی طرف سے اگر معاملہ اس طرح مشروط ہوتا ہے کہ متعینہ مدت میں مقررہ اقساط اگر ادا نہیں کئے گئے تو رقم کی ساری قسطیں ایک ساتھ ادا کرنی پڑیں گی تو شرعی اور فقہی نقطہ نظر سے بائع کا معاملہ کو اس طرح مشروط کرنا صحیح اور درست ہوگا، اور

خریدار کو اسی کے مطابق جملہ رقم دینا ضروری ہوگا، خواہ ان میں سے کچھ کی ادائیگی ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

کسی ایک کے انتقال پر معاملہ کی نوعیت:

۱۷- اس کی تفصیل فقہ حنفی میں ملتی ہے (الدر المختار مع رد المحتار ۲/۲۶۳، دیکھئے فتاویٰ برازیہ مع ہندیہ ۵۱۳)۔

کتب فقہ میں مذکور جزئیات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بالاقساط اور ادھار خرید و فروخت میں اگر بائع کا انتقال ہو جائے تو معاملہ متاثر نہیں ہوگا، بلکہ مشتری طے شدہ مدت اور اقساط کے تحت ہی قسط بائع کے وراثت یا کمپنی کو ادا کرتا رہے گا، اور اگر اس کے وراثت نہ ہوں تو ”السلطان ولی من لا ولی له“ کے تحت اسے بیت المال میں جمع کر دے گا، اور اگر مشتری کا انتقال ہو جائے تو میت کے متروکہ مال سے فی الفور جس طرح دیگر دیون ادا کئے جائیں گے، اسی طرح اسے بھی ادا کیا جائے گا، تمام اقساط تحلیل ہو کر یکبارگی اور ادھار مدت سے حال اور فی الفور میں تبدیل ہو جائیں گی، مشتری کے وراثت اگر کسی عارض کے سبب اسی کو برقرار رکھنا چاہیں تو بائع کو اختیار ہوگا وہ جسے اختیار کرے، چاہے تو مہلت دے، ورنہ فوراً اپنا بقایا وصول کر لے، معاملہ کی صورت میں بس یہ مذکورہ فرق آئے گا، جیسا کہ فقہاء احناف نے تشریح کی ہے اور یہی رائے شوافع کی بھی ہے (تختہ المحتاج ۳/۶۷)۔

خرید و فروخت میں بطور گفٹ اضافی سامان:

۱۸- سوال میں مذکور شکل نہ تو بیع میں اضافہ کی ہے اور نہ ضمن و قیمت میں زیادتی کی، بلکہ یہ تبرع کی ایک قسم ہے، اس لئے ان انعامات کو بیع و ضمن کے ساتھ جوڑنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ کمپنیاں خریدار اور ممبر بننے کے صلہ میں کوئی سامان بکری میں اضافہ کی غرض سے دیتی ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ممبر بنیں اور خریدیں، اس صورت کا جواز تو شرعاً معلوم ہوتا ہے، جیسے احناف کی کتابوں میں یہ چیز یہ ہے:

”وصح التصرف في الثمن قبل قبضه والزيادة فيه والحط منه والزيادة في المبيع“ (البحر الرائق ۱۱۹/۶)۔

(ثمن پر قبضہ سے پہلے اس میں تصرف بھی درست ہے اور بیع و ثمن میں اضافہ بھی جائز ہے اور کمی بھی)۔

اس کو اس مسئلہ کے حل کیلئے نظیر بنایا جاسکتا ہے، مگر بادی النظر میں چونکہ محض ترغیب مقصود ہے، اس لئے کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ یہ ایک طرح کی بیع بخشش ہی ہے جسے محدثین اور فقہاء نے علی اختلاف الاقوال جائز و ناجائز اور مکروہ قرار دیا ہے، علامہ عینی شارح بخاری ”عمدة القاری“ میں لکھتے ہیں:

”والأصح عندهم صحة البيع مع الإثم و هو قول الحنفية“ (عمدة القاری ۲۵۵/۹)۔

(صحیح بات یہی ہے کہ بیع بخشش علماء کے نزدیک درست ہی ہے، مگر مع الکرہتہ اور یہی رائے احناف کی ہے)۔

خرید فخر و خست میں معاملہ کو ہم رکھنا:

۱۹ - یہ صورت شرعاً جائز معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس طرح معاملہ کرنے میں سامان کی قیمت کا تعین نہیں ہونا اور خرید فخر و خست میں بیع اور ثمن کا متعین ہونا ضروری ہے جو شرائط صحت میں سے ہے، چنانچہ کاسانی لکھتے ہیں:

”ومنها أن يكون المبيع والثمن معلوما“۔

خرید فخر و خست کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ سامان اور قیمت متعین و معلوم ہو۔ اور اگر قدر و اندازی کے وقت جو قسط ادا کر چکا تھا اسے ہی قیمت تصور کر لیا جائے تو بھی یہ بائع کی طرف سے قیمتوں کا تعین نہیں، بلکہ محض مجبوراً وہ سامان مشتری کو اس وجہ سے حوالہ کر رہا ہے کہ اس نے یہ شرط رکھ رکھی ہے، اگر ایسا ہوتا تو پہلے ہی بغیر کوئی قسط متعین کئے ہوئے اتنی ہی رقم

کے عوض اپنا سامان فروخت کرنا اور ایسا ہرگز نہیں ہوتا، اس لئے احقر کی رائے میں یہ صورت سٹہ اور شرط کی ہے اسے سند جواز نہیں دی جاسکتی ہے اگرچہ عام اور مروج ہی کیوں نہ ہو، شرعاً فاسد اور باطل ہوگی۔

☆☆☆

خرید و فروخت میں صرف ادھار قیمت بتانا

مولانا محمد ابراہیم رضا ندوی

۱- نقد فروختگی کے مقابلہ ادھار میں قیمت زائد مقرر کرنا:

ادھار خرید و فروخت میں نقد فروختگی کے مقابلہ میں قیمت کے اندر کچھ زیادتی اور اضافہ کرنا درست ہے، لیکن یہ اسی صورت میں جائز ہوگا، کہ جب ادھار کی مدت متعین ہو، اور مجلس عقد کے اندر ہی یہ بھی طے کر لیا جائے کہ معاملہ ادھار ہے یا نقد، یعنی بائع اور مشتری عقد کے وقت یہ طے کر لیں کہ ادھار خریدیں گے یا نقد، یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ادھار قیمت کا تذکرہ کیا جائے، بلکہ ضروری جوئی ہے وہ یہ کہ معاملہ کے اندر کسی ایک صورت کی تعیین اور مدت کا وقت مقرر ہو، تا کہ نزاع کی صورت نہ پیش آئے، ورنہ بیع جائز نہ ہوگی (ہدایہ مع الفتح ۶/۶۲-۶۱، مجمع لا مشہر ۸/۲، الدر المنثور ۸/۲، شرح الختایہ ۶/۶۲، رد المحتار ۳/۲۷۹، نیز دیکھئے الجلال والحرام فی الاسلام لقرضاوی ۳/۳۷۷، فقہ اسلامی ۷/۷۰۹)۔

۲- قسطوں پر قیمت ادا کرنا:

ادھار خرید و فروخت کی صورت میں قیمت کو قسطوں میں اداء کرنا درست ہے (فقہ السنۃ ۵/۱۲، نیز دیکھئے نیل الاوطار ۵/۱۵۳، الجلال والحرام فی الاسلام للعصاف ۳/۳۷۷، ولقرضاوی ۳/۳۷۷)۔

۳- نقد و ادھار دونوں قیمتوں کا تذکرہ کرنا:

ادھار فروختگی کی صورت میں یہ کوئی ضروری نہیں کہ صرف ادھار قیمت کا تذکرہ کیا

جائے، بلکہ ادھار اور نقد دونوں کا ذکر کیا گیا تو اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ مجلس عقیدہ میں کوئی ایک شکل طے کر لی جائے، ورنہ بیع جائز نہ ہوگی (الدر المنثور ۸/۲، نیز دیکھئے شرح العنایہ علی الہدایہ مع الفتح ۶/۲۶۲، امداد الفتاویٰ ۳۰/۳)۔

۴- ربا کا شبہ:

ادھار فر و ختگی میں سامان کی قیمت زیادہ متعین کرنا، ربا یا سود کے دائرہ میں نہیں آتا ہے، اس لئے کہ یہ ثمن میں جو زیادتی کی جاتی ہے یہ اجل کے مقابلہ میں ہوتی ہے، اور فقہاء نے اس زیادتی ثمن برائے اجل کو جائز قرار دیا ہے (رد المحتار ۳۰/۳، مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی ۲/۱۳۳ نیز دیکھئے فقہ السنۃ ۳/۱۲۵، فتاویٰ رشیدیہ ۳۰/۳، امداد الفتاویٰ ۳۰/۳، کلمات المنقذی ۸/۳۰)۔

۵- قسطوں کی دو میعادیں متعین کرنا:

اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے (فقہ السنۃ ۳/۱۲۵)۔

۶، ۷- مدت کی تاخیر پر ثمن میں اضافہ کرنا:

اس طرح سے معاملہ کرنا جائز ہونا چاہئے، اس لئے کہ مدت متعین ہونے کے بعد مزید تاخیر کرنے میں کچھ رقم کا زیادہ کرنا یا تاخیر اجل کی وجہ سے ہے، اور یہ اجل مجہول بھی نہیں ہے، بلکہ اجل اور ثمن دونوں ایک طرح سے متعین ہو جاتے ہیں، اور یہ نرخ مالیت کا بیان ہے، کہ جب وہ ثمن کی ادائیگی میں تاخیر کر رہا ہے تو مال کی قیمت میں بھی اضافہ ہونا رہتا ہے، لہذا بیع کی مذکورہ دونوں صورتوں کو جائز ہونا چاہئے۔

آج کل عالمی تجارت ہو یا چھوٹی سطح کی خرید و فروخت ہو، تجارت قیمت کی ادائیگی میں بہت ہی نال مٹول کرتے ہیں، اگر یہ صورت نہ اپنائی جائے تو قیمت نہ ملنے کی بناء ان کی تجارت ختم ہو جائے گی، اور انہیں پریشانی و خستہ حالی سے دوچار ہونا پڑے گا، لہذا لوگوں کے حالات، اور تجارت پیشہ افراد کے طور طریقہ اور زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں کو دیکھتے ہوئے، اس طرح کی صورت اپنانا درست ہونا چاہئے۔

قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے مال رہن رکھنا:

الف۔ مال مرہون سے بائع کے لئے استفادہ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ مشتری کی جانب سے اجازت ہو تو جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے (فقہ اسلامی وادلتہ ۲۵۶/۵)۔

رہن سے فائدہ اٹھانے کی شرط لگانا:

لیکن اگر فائدہ اٹھانا یعنی گروی رکھی ہوئی شئی سے انتفاع مشروط ہو تو قطعاً جائز نہ ہوگا، اسی طرح بعض روایات شاذہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت کے بعد بھی شئی مرہون سے انتفاع جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ ربا ہے اور ربا اذن سے حلال نہیں ہوتا ہے (الدر المختار مع رد المحتار ۳۱۰/۵)۔

حنبلی نقطہ فکر:

لیکن امام احمد بن حنبل، امام اسحاق اور ایک گروہ کا خیال ہے کہ مرہن اگر شئی مرہون کی دیکھ بھال کرتا ہے تو بلا کسی تفصیل کے اس کو حق ہے کہ وہ اس سے مستفید ہو، اور اس کو انتفاع کا مکمل اختیار ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے رہن میں رکھے ہوئے جانور پر سواری کرنے، اس کا دودھ نوش کرنے کی اجازت فرمائی ہے، یہ حدیث اس بات کے لئے واضح ثبوت فراہم کرتی ہے کہ مال مرہون سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

محدث کبیر شیخ عبدالرحمن مبارکپوری لکھتے ہیں:

”قال رسول الله ﷺ: الظهر يركب إذا كان مرهوناً، ولبن الدر يشرب إذا كان مرهوناً، وعلى الذي يركب ويشرب نفقته، هذا حديث حسن صحيح..... وفيه حجة لمن قال: يجوز للمرتهن الانتفاع بالرهن إذا قام بمصلحته ولو لم يأذن المالك وهو قول أحمد وإسحاق وطائفة..... وذهب الجمهور إلى أن المرتهن لا ينتفع من المرهون بشئ، وتأولوا الحديث“ (تختة الاخوانی ۳۶۱/۳)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رہن میں رکھے ہوئے جانور پر سواری کی جائے گی، اور وہ اونٹنی جو دو دھاری ہے اس کا دودھ پیا جائے گا، جبکہ وہ رہن میں رکھی ہوئی ہو، اور اس کا نفع سواری کرنے والے اور دودھ استعمال کرنے والے پر ہوگا، یہ حدیث حسن، اور صحیح ہے..... اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ رہن سے استفادہ کرنا درست ہوتا ہے، جبکہ وہ اس کی اصلاح و دیکھ بھال کرتا ہو، یہ مسلک امام احمد بن حنبل، امام اسحاق اور ایک گروہ کا ہے، لیکن جمہور کا کہنا ہے کہ شیئ مرہون سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہے اور انہوں نے اس حدیث کی تاویل کی ہے۔

رہن سے انتفاع مشروط ہو:

اسلامی قانون شریعت کی رو سے رہن میں رکھی جانے والی چیز کی حیثیت محض ایک ضمانت کی ہے، اور رہن رکھنے کے بعد بھی وہ شیئ اصل مالک کی ملک ہوتی ہے، اس سے فائدہ اٹھانا درست نہ ہوگا، لیکن فقہاء متقدمین نے مالک کی اجازت سے استفادہ کی گنجائش رکھی ہے..... مگر رہن رکھتے وقت انتفاع کی شرط لگانے کو ناجائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ ایک طرح کا ربا ہے (الدر المختار مع الرد ۵/۳۱۰)۔

لیکن اس دور میں رہن سے انتفاع عرف میں داخل ہے، گرچہ زبان سے صراحت نہیں ہوتی ہے، مگر لوگوں کے عرف و عادت میں اس سے استفادہ مشروط ہوتا ہے، اس لئے دور حاضر میں ”المعروف عرفاً کالمشروط شرعاً“ کے تحت اجازت نہ ہوگی (رد المختار ۵/۳۱۱)۔

اگر بائع کے پاس مال مرہون ضائع ہو جائے۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات گذر چکی ہے کہ رہن اصل مالک کی عی ملک ہوتا ہے، بائع کے پاس اس کی حیثیت محض ایک ضمانت کی ہے، اس لئے اگر شیئ مرہون بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے ہلاک ہو جائے، تو بائع، یعنی مرہن کے مال سے ہلاک سمجھی جائیگی، اسی کے بقدر راہن دین میں کمی کر دے گا، گویا ہلاکت کا ضمان بائع کے ذمہ ہوگا (الجلید مع الہندیہ ۳/۶۰۳)۔

مال مرہون سے قیمت وصول کرنا:

اگر مشتری مال مٹول کرے یا غائب ہو جائے، تو بائع تاقضی کے پاس مقدمہ دائر کرے گا، اور تاقضی مشتری کو قیمت ادا کرنے پر مجبور کرے گا، بلکہ تاقضی کو اختیار ہے کہ اس کو قید کر دے، اس کے بعد بھی قیمت ادا کرنے میں سستی و کوتاہی اور مال مٹول کرتا ہے تو تاقضی مال مرہون کفر و خست کر کے بائع کو اس کی قیمت دلوادے گا (لغھ الاسلامی و ادلتہ ۲۵۷/۵، الدر المنثور فی شرح السنہ ۶۰۱/۲، مجمع الزہر شرح ملتہی الابحار ۶۰۱/۲)۔

۹- بائع کا سامان کو روکنا:

بائع کو اجازت ہوتی ہے کہ فر و خست کردہ سامان کو مشتری کے حوالہ کرنے کے بجائے اپنے ہی پاس روک لے، یہاں تک کہ مشتری ثمن کی چند اقساط یا مکمل قیمت ادا کر دے..... لیکن اس سامان کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا یہ روکنا فر و خست کردہ سامان کو رہن بنانے کے لئے ہے، یا اس کو ”جس المبیع لاستیفاء الثمن“ کہا جائے گا..... تو اس سلسلہ میں یہ بالکل واضح ہے کہ بائع فر و خست کردہ سامان کو اپنے پاس روکے، اور اس کو رہن مان لیا جائے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یعنی اس کو رہن قرار دینا کسی حال میں درست نہیں ہے، بلکہ بائع کا فر و خست کردہ سامان کو روکنا ”جس المبیع لاستیفاء الثمن“ کے طور پر ہوتا ہے، فقہاء کرام کے یہاں اس کے جواز کی صراحت موجود ہے (فتاویٰ ہندیہ ۱۵/۳، نیز دیکھئے رد المحتار ۳۲۴)۔

خرید فر و خست نقد صورت میں ہو یا اس کی ادائیگی قسطوں کی شکل میں ہو مثلاً کچھ قیمت فوراً ادا کر لے، اور کچھ بعد میں قسط وار، تو اس صورت میں بائع اپنا حق، یعنی قیمت کو وصول کرنے کے لئے فر و خست کردہ سامان کو روک سکتا ہے، لیکن معاملہ بالکل ادھار طے ہوا ہو تو بائع کے لئے بیع کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

۱۰- مکمل اقساط کو ادا نہ کرنے کی صورت میں ادا کردہ اقساط کو واپس نہ کرنا:

معاملہ کی اس صورت کو ہم فقہاء کی بیان کردہ ”بیع عربون“، یعنی بیعانہ کی رقم پر قیاس

کر سکتے ہیں، جس میں وثیقہ کی خاطر بائع کو کچھ رقم دی جاتی ہے اور اس میں مشتری اگر ضمن ادا نہ کرے تو بائع پر لازم ہوتا ہے کہ اس کو بیعانہ کے طور پر جو رقم ملی ہے، اس کو مشتری کو لوٹا دے، اس کو اپنے پاس رکھنا، اور واپس نہ کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح یہاں طے شدہ اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں ادا کردہ اقساط مشتری کو لوٹا دینا ہوگا، ورنہ رہا میں شمار ہوگا جو کہ حرام ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیع عربون سے منع فرمایا

ہے:

”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ نهى عن

بيع العربون“ (موطا امام مالک ۲/۶۰۹، ابوداؤد ۲/۲۲، کتاب البیوع ۶۷، باب فی العربان)۔

حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہے وہ اپنے والد سے، ان کے والد عمرو کے دادا سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عربون سے منع فرمایا ہے۔

بیع عربون کی صورت:

بیع عربون کی شکل یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک شخص کسی سے سامان خریدتا ہے یا جانور کرایہ پر لیتا ہے، اور اس کو کچھ پیشگی رقم اس طور پر دیتا ہے کہ اگر میں نے یہ سامان خرید لیا، یا سواری کو استعمال کر لیا تو یہ قیمت اور رقم سامان کی قیمت یا سواری کے کرایہ میں شمار ہوگی، اور اگر میں نے سامان کو نہیں لیا یا سواری پر سوار نہیں ہوا تو یہ ادا کردہ رقم آپ کی ہوگی، اس طرح کے معاملہ کو با اتفاق فقہاء عا جائز کہا گیا ہے، صرف امام بن حنبل اس کے جواز کے قائل نظر آتے ہیں:

امام مالک فرماتے ہیں:

”وإن تروكت ابتیاع تلک السلعة أو كراء المأبأة فما أعطیتك لك

باطل، بغير شیء ای لا رجوع لی به علیک، وهو باطل عند الفقهاء لما فیہ من

الشرط و الغرر و أكل أموال الناس بالباطل، فإن وقع فسخ..... فقد أجازہ

أحمد، وروی عن ابن عمر و جماعة من التابعین إجازته، ویرد العربان علی كل

حال، قال ابن عبد البر: ولا يصح ما روى عنه عليه السلام من إجازته، فإن صح احتمال أنه يحسب على البائع من الثمن إن تم البيع وهذا جائز عند الجميع“ (شرح الرقائى على موطا امام مالك ۲۵۱، ۳)۔

(اگر میں نے اس سامان کو خریدنا، یا جانور کو کرایہ پر لیا ترک کر دیا، تو جو رقم میں نے تم کو دی ہے اس کو واپس لینے کا مجھے اختیار نہ ہوگا، اس طرح کی بیع تمام فقہاء کے نزدیک باطل ہے، اس وجہ سے کہ اس میں شرط پائی جا رہی ہے اور اس میں غرر اور لوگوں کے مال کو باطل طریقہ سے کھانا ہے، اگر اس طرح معاملہ کر لیا گیا تو فسخ سمجھا جائے گا، صرف امام احمد بن حنبل نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اور حضرت ابن عمر اور تابعین کے ایک گروہ سے اس کا جواز نقل کیا گیا ہے، بیع عربوں کو ہر حال میں رد کیا جائے گا، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ آپؐ سے اس کا جواز نقل کرنا درست نہیں ہے، اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر بیع مکمل ہو جائے تو بائع کے لئے وہ رقم ثمن میں شمار ہوگی، اور یہ ہر ایک کے یہاں جائز ہے)۔

نیز اس سلسلہ میں رموز شریعت کے نکتہ شناس حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے

ہیں:

”نہی عن بیع العربان أن يقدم اليه شيء من الثمن، فإن اشترى حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر“ (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۰۸، نیز ملاحظہ ہو: فقہ السنۃ ۱۳۰۳)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ بائع کو ثمن کا کچھ حصہ دیا جائے کہ اگر اس نے خرید لیا تو وہ قیمت میں محسوب ہوگا، اور اگر نہ خرید تو بائع کو وہ رقم مفت حاصل ہو جائے گی، اس میں جو پایا جاتا ہے۔

یہی رائے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بھی ہے، حضرت تھانویؒ ایک سول کے

جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”معاملہ مذکورہ ناجائز ہے، اور ناجائز ہونے کی وجہ دوسری ہے، وہ یہ ہے کہ ادنیٰ جزو قیمت رہ جانے پر واپس کر لیں گے اور اداء شدہ رقم کو کالعدم سمجھا جاوے گا، اور اگر اجارہ ہے تو یہ شرط فاسد ہے کہ زرکرایہ کے عوض میں بیع کر دیں گے، اور ایسا کوئی معاملہ شریعت میں نہیں ہے کہ ایک صورت میں بیع ہو، اور ایک صورت میں اجارہ۔“

۱۱ سفر و خت کردہ سامان کو مشتری کے پاس رہن رکھنا:

خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس رکھنا، جس میں اس کو استعمال کرنے کی بھی اجازت ہو، اور اس کو رہن قرار دینا، جس میں فروخت و تصرف کا حق بائع کو بھی ہو، جس کے لئے اس سامان کو رہن بنایا گیا ہے، جائز نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے رہن کی جو اجازت دی ہے، اس میں بہت بڑی حکمت اور مصلحت کارفرما ہے، کہ مشتری قیمت کی ادائیگی میں کسی طرح کی مال مٹول سے کام لے، یا قیمت اداء کرنے سے انکار کر دے، تو مال مرہون کے ذریعہ بائع اپنی قیمت وصول کر سکتا ہے اور یہاں جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں یہ حکمت مفقود نظر آتی ہے، لہذا خرید کردہ سامان کو رہن کے پاس رکھ کر رہن قرار دینا صحیح نہیں (مفتی الاسلامی وادلتہ ۲۱۶/۵)۔

۱۲- کریڈٹ لیٹر کا حکم:

خریدار کی طرف سے گارنٹی لینا شرعاً جائز ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ کفالت کی ایک صورت ہے، کفالت کا حکم بیان کرتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ضمانت یا دوسرے الفاظ میں کفالت اسیل کے حکم سے ہے تو کفیل بعد میں اپنا روپیہ یا سامان اسیل سے واپس لے سکتا ہے (الدر المختار ۴/۲۸۳، نیز دیکھئے امداد الفتاویٰ ۳/۱۲۸)۔

لیکن اگر کفالت، یعنی ضمانت اسیل کے حکم کے بغیر ہے تو اس میں کفیل اسیل سے رجوع نہیں کر سکتا، کہ یہ اس کی جانب سے تبرع تصور کیا جائے گا (رد المحتار ۴/۲۸۳)۔

لیکن آج کل ”کریڈٹ لیٹر“ اس عہد جدید کی ایک عام اور مروج چیز بن چکی ہے۔ کہ بعض ادارے یا اشخاص اس کی ضمانت اور گارنٹی لیتے ہیں، ساتھ ہی اجرت و معاوضہ کا لین دین

ہوتا ہے، شریعت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت جائز ہونی چاہئے اور اداروں یا اشخاص کی جانب سے اجرت لیما سود کے دائرہ میں نہیں آتا ہے، بلکہ یہ ان کی اجرت ہوگی، اور یہ لیما دینا جائز ہوگا، اور حضرت اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ضمانت کے کمیشن پر ایجنٹ بنانا درست ہے (امداد الفتاویٰ ۱۳۹/۳)۔

۱۳- دستاویز کی خرید و فروخت:

چونکہ اس صورت میں دستاویز کے اندر تحریر کردہ قیمت سے کم پر معاملہ ہوتا ہے، اس لئے یہ ربا ہے اور یہ حرام ہے۔

۱۴- طے شدہ رقم کا وقت سے پہلے مطالبہ کرنا:

مذکورہ صورت ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ عینہ قرض کی طرح ہے۔
شیخ السید السابق نقل فرماتے ہیں:

”ذهب جمهور الفقهاء إلى تحريم وضع قدر من الدين نظير التعجيل بالقضاء قبل الأجل المتفق عليه“ (نقہ الریۃ ۳/۱۶۷)۔

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ متفق علیہ اجل کے مکمل ہونے سے قبل، حق کو جلدی وصول کرنے کی غرض سے دین کے کچھ حصہ کو معاف کرنا جائز نہیں ہے۔

ابن عباس اور امام زفر کا مسلک:

لیکن حضرت ابن عباسؓ اور امام زفرؒ کا مسلک جواز کا ہے، اور رقم کارہجان بھی یہی ہے، اس لئے کہ اس کا قوی امکان ہے کہ بائع کو شدید ضرورت ہو، روپے کا نظم نہ ہو پارہا ہو، اس لئے مناسب ہوگا کہ اس کی اجازت دے دی جائے، اور قیمت کا کچھ حصہ معاف کرنا، بائع کی جانب سے عطیہ ہے، کیونکہ ادھار میں قیمت کا زائد ہونا یہ اجل کے مقابلہ میں ہے، بائع اپنی رضا مندی سے اس اجل میں کمی کر رہا ہے اور مشتری بھی تیار ہے تو قیمت میں کمی کرنا شرعاً درست ہوگا۔

شیخ سید سابق نے عبد اللہ بن عباسؓ اور امام زفر کا مسلک نقل کیا ہے:

”ویروی ابن عباس وزفر جواز ذلک لما رواہ ابن عباس أن النبی لما أمرنا بإخراج بنی النضیر جاء ۵ ناس منهم، فقالوا: یا نبی اللہ! إنک أمرت بإخراجنا، ولنا علی الناس دیون لم تحل، فقال رسول اللہ ﷺ: ضعوا وتعجلوا“ (تفصیل کے لئے دیکھئے: فقہ الفقہ ۱/۱۶۷)۔

(حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور امام زفر نے اس کو جائز کہا ہے، حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بنو نضیر کو نکالنے کا حکم دیا، تو آپ ﷺ کے پاس ان کے چند لوگ آئے، اور انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے ہم کو نکالنے کا حکم دیا ہے، جبکہ لوگوں پر ہمارا قرض ہے، اور اس کی مدت پوری نہیں ہوئی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تھوڑا چھوڑ دو اور جلدی واپس لے لو۔

۱۵- ادھار معاملہ میں مدت مجہول ہو:

خرید و فروخت کا معاملہ ادھار کیا جائے، مگر قیمت اداء کرنے کی مدت متعین نہ ہو، مطلقاً یہ طے کر لیا گیا ہو کہ قیمت بعد میں دے دیں گے تو یہ صورت ناجائز ہے، اس لئے کہ ادھار فروختگی کے اندر زمانہ کی تعیین ضروری ہے، فقہاء نے مدت متعین کرنے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ اگر قیمت ادا کرنے کا زمانہ مقرر نہ ہو تو بائع قریب عی مدت میں ثمن کا مطالبہ شروع کر دے گا اور مشتری اس کو بعد میں دینا چاہے گا، اور جس کی وجہ سے دونوں کے مابین نزاع اور اختلاف و انتشار پیدا ہوگا، جو کہ ممنوع ہے، اور شریعت اسلامیہ نے تجارت کے معاملہ کو صاف شفاف اور غیر جانب دار رکھا ہے، کہ انسانوں کی ضروریات بھی پوری ہوں، اور کسی کی دل آزاری، قلوب میں کدورت و نفرت بھی پیدا نہ ہو، اور جو بیع نزاع کا باعث ہو وہ ناجائز ہے، اور اس میں یہ صورت اپنانا کہ رقم کم کر کے فوری لین دین ہو اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ معاملہ شروع ہی سے ناجائز ہے، صاحب ”عنایہ“ تحریر فرماتے ہیں:

”والبیع بالثمن الحال والموجل جائز.....لكن لا بد أن يكون الأجل معلوماً لئلا يفضى إلى ما يمنع الواجب بالعقد وهو التسليم والتسليم فربما يطالب البائع في مدة قريبة والمشتري يؤخر إلى بعيدها“ (شرح التنايه على الهدييه مع الفتح ۲/۲۶۳)۔

”نقد اور ادھار دونوں صورتوں میں بیع جائز ہوتی ہے، لیکن ادھار میں مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے تا کہ عقد کے ذریعہ جو چیز واجب ہوتی ہے اس کے سپرد کرنے میں مانع نہ ہو، بسا اوقات بائع قریب مدت میں اس کی سپردگی کا مطالبہ کرے گا اور مشتری اس کو مدت بعید میں دینا چاہے گا۔“

۱۶- ادائیگی کی تاخیر میں مہلت کا ختم کرنا:

مشتری طے شدہ اقساط میں سے کسی قسط کو ادا نہ کرے یا اداء کرنے میں بہت تاخیر کرے، تو ایسی صورت میں بائع مہلت کے معاملہ کو ختم کر سکتا ہے، چنانچہ سید سابق امام زفر و عبد اللہ بن عباس کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ویری ابن عباس وزفر جواز ذلك لما رواه ابن عباس أن النبي لما أمرنا ياخراج بنى النضير جاءه ناس منهم، فقالوا: يا نبى الله، إنك أمرت ياخراجنا، ولنا على الناس ديون لم تحل فقال رسول الله ﷺ: ضعوا وتعجلوا“ (تفصیل کے لئے دیکھئے فتاویٰ النبیہ ۳/۱۶۷)۔

۱۷- اگر بیع بالتقسیط میں کسی فریق کا انتقال ہو جائے:

بیع بالتقسیط کی صورت میں مقررہ وقت سے پہلے اگر بائع کا انتقال ہو جائے تو مدت یعنی اجل باطل نہ ہوگی، بلکہ معاملہ سابقہ شرائط کے ساتھ وراثت کی طرف منتقل ہوگا، اس کے برعکس اگر مشتری کا انتقال ہو تو اجل ختم ہو جائے گی، لہذا بائع اپنا ثمن مشتری کے مال سے حاصل کر لے گا، کیونکہ متروک میں دین کی ادائیگی لازم ہوتی ہے (مجمع الانہر ۲/۸۰)۔

۱۸- بیع بالتقسیط میں انعام دینا:

یہ صورت جائز ہے، اس میں نہ رہا ہے اور نہ ہی کوئی شرط فاسد پائی جارہی ہے، بلکہ تجارت کو ترقی دینے کیلئے ایک حسین تدبیر اپنائی گئی ہے۔

البتہ انعام دینے کا مطالبہ کرنا، یا زبردستی اس کو مشروط کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ تجارت میں انسان اتنا ہی مطالبہ کر سکتا ہے جو باہم طے پایا ہے، ہاں تا جر اپنی طرف سے یہ صورت اپناتا ہے تو کوئی حرج نہیں، اس کو فقہاء کے بیان کردہ اس جزئیہ پر قیاس کر سکتے ہیں جس میں فقہاء نے یہ اجازت دی ہے کہ عقد مکمل ہونے کے بعد بائع سودے میں اضافہ کر سکتا ہے، اور مشتری چاہے تو شمن بائع کو زیادہ دے سکتا ہے (مختصر القدوری، ۸۱، باب المراءى والولیۃ)۔

۱۹- مقرر عدازی کے ذریعہ مال حاصل کرنا اور معاملہ سے الگ ہو جانا:

یہ صورت ناجائز ہے، اور رہا و قمار کی ایک شکل ہے، بالفاظ دیگر اس کو زمانہ جاہلیت کے ”ازلام“ سے تعبیر کرنا درست ہوگا، اور اس میں ہوتا یہ ہے کہ ابتداء میں جس کا نام نکل آیا اس کو بہت کم قیمت پر سامان مل جاتا ہے، اور اخیر میں نام نکلنے والے کو سامان کی قیمت زیادہ ادا کرنی ہوتی ہے، بلکہ اس کا بھی امکان ہے کہ فراڈ کی تعداد کثیر ہوئی تو اخیر میں نام نکلنے والے کو سامان کے مقابلہ قیمت زیادہ ادا کرنا پڑ جائے، اور شریعت نے ایسی تجارت کرنے سے منع کیا ہے جس میں غرر فاحش ہو، اور کسی ایک فریق کی دل آزاری ہو، نیز اس میں سامان کی قیمت ہی مجہول ہے، لہذا مذکورہ طریقہ پر معاملہ کرنا کسی حال میں جائز نہ ہوگا۔

خرید و فروخت - قسط در قسط

مولانا سید عقیل احمد قادری

۱- ادھار فروختگی میں قیمت زیادہ کرنا:

اگر کوئی شخص ادھار فروخت کرنے میں نقد کے مقابلہ میں قیمت زیادہ کرتا ہے تو اس زیادتی کے جواز و عدم جواز میں قدیم و جدید دونوں قسم کے فقہاء نے بحث کی ہے، اس سلسلے میں فقہاء، محدثین اور ائمہ اربعہ کے مسالک کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (ترمذی، المغنی لابن قدامہ، اہموسط للسرہنی، الدرستی علی الشرح الکبیر، ہدایہ ۳/ ۵۸)۔

چونکہ یہ بیع عام ہے اور اس میں ثمن کی جو زیادتی پائی جاتی ہے نہ تو وہ قرض ہے اور نہ ہی امول ربویہ کی بیع ہے، اس لئے اس زیادتی کو سود نہیں کہا جاسکتا، اور عام بیع میں بائع کو شرعاً اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی قیمت پر چاہے فروخت کر دے، خواہ بازاری دہوں پر فروخت کرے، یا ان سے زیادہ دہوں پر فروخت کرے، اس لئے نقد بیع کے مقابلہ میں ادھار بیع کی قیمت میں جو زیادتی ہوگی وہ شرعاً جائز ہے، اور اس کے عدم جواز پر قرآن و حدیث میں کوئی نص نہیں ہے۔

۲- ادھار قیمت کو قسطوں میں ادا کیا جاسکتا ہے:

اگر ادھار بیع کی قیمت کی ادائیگی کے لئے بائع اور مشتری کے درمیان یہ بات طے ہوگئی کہ دس ہزار روپے کو دس قسطوں میں ادا کرنا ہے، اور ہر ماہ کے شروع میں ایک ہزار روپے

دینے ہوں گے تو یہ شرعاً جائز ہے۔

”ویجوز البیع بضمن حال و مؤجل“ (المحرر المرقوم ۳۰۲/۵، خلاصہ الفتاویٰ ۳/۳، ۵۴،

ہدایہ ۳/۲)۔

(نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرنا جائز ہے)۔

۳- نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرنے کا حکم:

اگر کوئی شخص اپنی کسی چیز کو نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نقد قیمت سو روپے ہے اور ادھار قیمت دو سو روپے ہے اور دونوں قیمتوں کو ذکر کر کے ادھار فروختگی اور اس کی قیمت پر اتفاق ہو جاتا ہے تو یہ ادھار بیع جائز ہوگی (خلاصہ الفتاویٰ ۳/۲۰)۔

ادھار فروخت کرنے کی صورت میں ضروری ہے کہ مجلس عقد ہی میں عاقدین کے درمیان ادھار فروخت کرنے پر اتفاق ہو جائے، اور اس کے لئے ثمن اور مدت کا تعین بھی ضروری ہے۔

۴- ادھار فروختگی میں قیمت کی زیادتی ربا نہیں ہے:

چونکہ اجل کو بیع کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت ہے اور ثمن میں اس کی وجہ سے زیادتی کی جاتی ہے، اس لئے یہ زیادتی ربا نہیں ہے (فتح القدیر ۶/۵۰۷)۔

۵- دو قیمتوں میں سے اگر ایک قیمت کو طے کر لیا گیا تو یہ جائز ہے:

یہ شکل شرعاً درست ہے۔

لیکن دونوں صورتوں میں جواز اسی وقت ہے جب عاقدین کے درمیان قیمت اور مدت دونوں کی تعین میں اتفاق ہو چکا ہو۔

۶- ادائیگی ثمن کی تاخیر پر منافع کا مطالبہ جائز نہیں:

یہ صورت سود میں داخل ہے، اس لئے کہ اس میں اصل قیمت جو روپے ہے اس پر اضافہ ہو رہا ہے، اب اس اضافہ کو منافع کا نام دیا جائے یا کچھ اور کہا جائے، لیکن اس کے سود

ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ صراحتاً اس صورت میں مدت کی زیادتی کی بنیاد پر قیمت میں زیادتی ہو رہی ہے جو شرعاً جائز نہیں (ہدایہ باب الرابح، المجموعۃ الامیر ۱/۵۸۶)۔

۷- ادھار فر و ختگی میں قیمت ادا نہ کرنے پر مزید رقم کی شرط:

معاملہ کی صورت مذکورہ شرعاً ناجائز ہے، اس لئے کہ قیمت کے طے ہونے کے بعد وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے پر مزید رقم کی شرط لگانا بالکل سود ہے، خواہ اس کو کچھ بھی نام دیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت طے ہوگئی تو وہ قیمت مشتری کے ذمہ دین ہوگئی، اب کسی شرط کی وجہ سے اس سے زیادہ مطالبہ کرنا سود ہے، اور یہ مدت کی زیادتی کی بنیاد پر قیمت میں زیادتی ہوگی جس کو فقہاء کی اصطلاح میں "اعتیاض عن الأجل" سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی حرمت پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

نیز اس شرط کے لگانے کی وجہ سے یہ بات مشتبہ ہوگئی کہ مشتری کو کتنی قیمت دینی ہوگی؟ اس لئے کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ کس وقت تک وہ قیمت ادا کرے گا جس کی وجہ سے ثمن مجہول ہو گیا جو فساد بیع کا سبب ہے، لہذا مزید رقم کو منافع سے تعبیر کیا جائے یا مالی معاوضہ سے بلاشبہ سود ہے۔

۸- (الف) بائع کے لئے مال مرہون سے فائدہ اٹھانا:

بائع کے لئے شی مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس شی مرہون سے فائدہ اٹھانا بھی ربا کی ایک شکل ہے (ہدایہ ۳/۵۰۶)۔

(ب) بائع کے پاس شی مرہون کے ہلاک ہونے کا حکم:

بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے اگر گروی رکھی ہوئی چیز ہلاک ہوگئی تو بائع شی مرہون کی قیمت اور دین میں سے جو چیز کم ہوگی اس کا ضامن ہوگا، یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ مرہون کی بازار میں کیا قیمت ہے اور دین کی کتنی مقدار ہے اگر دین کے مقابلہ میں قیمت کم ہے تو بائع اس کا ضامن ہوگا اور اگر قیمت کے مقابلہ میں کم ہے تو بائع کو اس کا ضامن دینا ہوگا (ہدایہ ۳/۵۰۲)۔

(ج) وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور مال مٹول کی صورت میں قیمت شئی مرہون سے وصول کی جائے گی:

اگر مشتری ثمن کی ادائیگی میں مال مٹول کر رہا ہے یا وقت مقررہ پر دین ادا کرنے سے قاصر ہو گیا تو بائع کے لئے شئی مرہون کفر و خست کر کے اپنا دین وصول کرنا جائز ہے، لیکن عقد کے وقت جو قیمت مقرر ہوئی تھی اسی کو وصول کرنے کی اجازت ہے، زیادہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ ”فقہ السنہ“ میں ہے:

”ومتى حل الأجل لزم الراهن الإيفاء وسداد ما عليه فإن امتنع عن وفائه ولم يكن أذن له أجبره الحاكم على وفائه أو بيع الرهن“ (فقہ السنہ ۳/۲۹۸)۔
(وقت مقررہ آنے پر راہن پر ضروری ہے کہ وہ اپنے ادائیگی کے وعدہ کو پورا کرے اور اپنی بات پر جما رہے، اور اگر اس نے دین کو ادا کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی طرف سے مرتہن کو شئی مرہون فر و خست کرنے کی اجازت نہیں ہے تو اولاً حاکم وقت اس کو ادائیگی دین پر مجبور کرے، ورنہ پھر مرہون کفر و خست کر دیا جائے اور اس کی قیمت سے دین وصول کر لیا جائے)، نیز دیکھئے: (بودیہ الجہد ۳/۲۷۸)۔

قیمت کے وصول ہونے تک بائع کا خرید کردہ سامان کو روکنا:

اگر بائع خرید کردہ چیز کو اس وقت تک اپنے پاس روکتا ہے جب تک مشتری مکمل قیمت ادا نہ کر دے یا اس کی کچھ قسطیں جمع نہ کر دے تو ان دونوں صورتوں میں بیع کو روکنے کی مذکورہ صورت دوطریقوں سے ممکن ہے:

(۱) ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو روک لیا جائے۔

(۲) بطور رہن بیع کو روک لیا جائے۔

پہلی صورت میں اگر بیع بائع کے پاس رہتے ہوئے ہلاک ہو گئی تو وہ مضمون بائع ہوگی، اور بائع پر بازاری قیمت کا ضمان نہیں آئے گا۔

دوسری صورت میں اگر بغیر تعدی کے بیع ہلاک ہوگئی تو وہ مشتری کے مال سے ہلاک ہوگی اور بیع فسخ نہیں ہوگی، اور مشتری کے ذمہ سے ثمن سا قطنہ ہوگا، لیکن اگر وہ بیع بائع کی تعدی کی وجہ سے ہلاک ہوئی تو بائع پر اس چیز کی بازاری قیمت کا ضمان آئے گا۔

ادھار بیع میں ثمن کی وصولیابی کے لئے بائع کا بیع کو روکنا:

بیع مؤجل اور بیع بالتقسیط میں اگر بائع ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو اپنے پاس روکتا ہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بائع کو ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو روکنے کا حق صرف بیع معجل (نقد بیع) میں حاصل ہوتا ہے، ادھار بیع میں اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے (فتاویٰ ہندیہ کتاب المبیع)۔

ادھار بیع میں بائع کا بیع کو اپنے پاس رہن رکھنا:

اگر بائع بیع مؤجل میں اپنی قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے خرید کردہ سامان کو اپنے پاس بطور رہن رکھتا ہے تو فقہاء نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ بیع مؤجل میں مشتری نے بیع پر قبضہ نہیں کیا اور قبل القبض اس خریدی ہوئی چیز کو بائع کے پاس بطور رہن چھوڑ دیا، اس صورت میں چونکہ ”حبس المبیع لاستيفاء الثمن“ لازم آرہا ہے جو بیع مؤجل میں جائز نہیں ہے، اس لئے خرید کردہ چیز کو رہن رکھنے کی یہ صورت جائز نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اولاً مشتری اپنی خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کرے، اور بعد القبض بائع کے مطالبہ پر اس چیز کو بائع کے پاس رہن رکھ دے، یہ صورت اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے (فتح القدير ۹۹/۹)۔

اس لئے کہ جب مشتری نے کپڑا خرید کر اس پر قبضہ کر لیا تو وہ کپڑا صحت رہن میں دوسری تمام اشیاء مملوکہ کے برابر ہو گیا، جس طرح مشتری اپنی مملوکہ شی کو رہن رکھ سکتا ہے اس کپڑے کو بھی رہن رکھنا جائز ہے (درمختار ۶/۳۹۷، رد المحتار مع الدر المختار ۶/۳۹۷)۔

۱۱- قسطوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع کا سامان کو اپنے قبضہ میں رکھنا: بعض مرتبہ یہ مشکل پیش آتی ہے کہ مشتری طے شدہ تمام اقساط کو جمع نہیں کرتا اور بائع سامان کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے، اور پوری قسطیں جمع نہ ہونے کی وجہ سے وہ سامان اسی کا ہو جاتا ہے، اور ادا شدہ قسطوں کو بھی واپس نہیں کیا جاتا ہے، شرعیاً یہ شکل درست نہیں ہے۔

۱۲- خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس رہن قرار دینا:

اس مسئلہ کی دو شکلیں ہیں:

۱- اگر بائع نے مشتری کی طرف سے اس خرید کردہ سامان پر بطور رہن کے قبضہ کر لیا اور پھر راہن (یعنی مشتری نے بائع کے پاس رہن رکھے ہوئے اس سامان کو عاریت کے طور پر واپس لے لیا اور اس سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا تو ایسا کرنا جائز ہے اور عاریت کی وجہ سے عقد رہن فاسد نہیں ہوگا اور خریدار کے پاس رہتے ہوئے بھی اس کو رہن قرار دیا جائے گا، اور مرتہن کو یہ حق ہوگا کہ جب چاہے اس مرہون کو راہن سے واپس لے لے، اور مدت ادائیگی دین کے گزرنے کے بعد اس چیز کو بیچ کر اپنا دین وصول کر لے، لیکن اگر یہ چیز راہن کے قبضہ میں بلاک ہوگئی تو اسی کی چیز بلاک ہوگی (بدا یہ کتاب الرہن)۔

۲- اور اگر مرتہن نے اس چیز پر قبضہ بالکل نہیں کیا تو اس صورت پر عاریت کا حکم لگانا اور راہن کے قبضے میں رہتے ہوئے اس کو رہن قرار دینا درست نہیں ہے، اس لئے کہ رہن کی صحت کے لئے قبضہ شرط ہے جس کی بنیاد قرآن کی اس آیت پر ہے (فرہان مقبوضۃ) اور یہاں پر قبضہ نہیں پایا گیا)۔

لیکن اگر موجودہ دور کے حالات کے تقاضوں کے اعتبار سے مرتہن شی مرہون پر قبضہ کرنے کے بجائے ملکیتی دستاویزات پر قبضہ کر لے اور اس قبضہ سے رہن نام سمجھا جائے، اور چونکہ رہن پر مرتہن کے قبضہ کے مشروط ہونے کی علت یہ ہے کہ وقت ضرورت اس کو بیچ کر اپنا دین وصول کر لے اور یہ چیز مذکورہ رہن میں قانوناً ایگریمنٹ میں مذکور شرائط کی بنیاد پر مرتہن کو

حاصل ہو، اس لئے اس بات کا احتمال ہے کہ مذکورہ صورت میں حسی قبضہ شرط قرار نہ دیا جائے۔ اسی طرح اگر مرتہن عین مرہون کو راہن کے قبضہ میں رہنے دے اور شی مرہون کے ذریعہ اپنا دین وصول کرنے کا حق باقی رہنے دے تو ان وجوہات اور ضروریات کی بنیاد پر اگر بغیر قبضہ مرتہن کے راہن کے قبضہ میں رہنے والی چیز کو راہن قرار دے دیا جائے تو اس میں شرعاً کوئی رکاوٹ نظر نہیں آ رہی ہے، جب کہ اس میں راہن اور مرتہن کو فائدہ بھی ہے، راہن کو تو یہ فائدہ ہے کہ اپنی چیز سے فائدہ اٹھائے گا، اور اس سے محروم نہیں ہوگا اور مرتہن کا فائدہ یہ ہے کہ کسی ضمان کے لزوم کے بغیر اس کے پاس اپنا دین وصول کرنے کا حق محفوظ ہے، یہاں تک کہ راہن کے مفلس ہو جانے کی شکل میں بھی دوسرے غرماء کے مقابلہ میں مرتہن اس چیز کا زیادہ حقدار ہوگا، اس دور کی اصطلاح میں اس کو راہن سائل کہا جاتا ہے جو اسلامی ممالک میں رائج ہے۔

۱۳- ضمانت اور گارنٹی پر اجرت لینا:

موجودہ دورہ میں اداروں اور اشخاص کی طرف سے گارنٹی و ضمانت لینے پر اجرت اور معاوضہ کا جو لین دین جاری ہے اس کے بارے میں علماء کے دو نظریے ہیں:

۱- ضمانت اور گارنٹی ایک عقد تبرع ہے اور جس طرح قرض کے عقد تبرع ہونے کی وجہ سے اس پر منافع کا مطالبہ جائز نہیں ہے، اسی طرح ضمانت و گارنٹی پر بھی کسی طرح کی اجرت اور معاوضہ کا مطالبہ درست نہیں ہے۔

۲- بعض حضرات کی رائے یہ ہے موجودہ دور میں ضمانت اور گارنٹی تجارت کا ایک لازمی جزء بن گئی ہے، اور یہ صرف عقد تبرع نہ رہ کر ایک تجارتی معاملہ بن گئی ہے جس کی تاجروں کو ضرورت ہے، اور خصوصاً بین الاقوامی تجارت میں یہ چیز لابدی ہے، اسی لئے لوگ اس کام کے لئے بڑی بڑی رقمیں صرف کر کے مستقل ادارے قائم کرتے ہیں جو ان خدمات کو انجام دے رہے ہیں اور بغیر اجرت کے گارنٹی دینے کو کوئی تیار نہیں ہے، اس لئے اس وقت ضمانت اور گارنٹی پر اجرت لینا جائز ہے۔

لیکن اس صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرض بھی اس دور میں عقد تبرع ہونے کے باوجود ضمانت کی طرح تجارت کی ایک ضرورت بن چکا ہے اور قرض فراہم کرنے کے لئے بھی مستقل ادارے اور بینک قائم ہیں، اور اب تو مظلومہ مقدر میں تبرعاً قرض کا ملنا بھی بہت دشوار ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود کسی نے بھی قرض پر نفع لینے کی اجازت نہیں دی ہے، اور چونکہ عقد تبرع ہونے میں دونوں شریک ہیں، اس لئے جس طرح قرض پر نفع لیما جائز نہیں ہے، اسی طرح گارٹی پر بھی اجرت لیما جائز نہیں ہے، اور یہی بات زیادہ بہتر ہے۔

البتہ جو اسلامی بینک بین الاقوامی تجارت اور لین دین میں کریڈٹ لیٹر جاری کرتے ہیں، اور مذکورہ بالا موانع کی وجہ سے شرعاً ان کو اس پر اجرت لینے کی اجازت نہیں ہے تو ان کے لئے یہ صورت جائز ہے کہ لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے میں ان کے جو واقعی اخراجات ہوئے ہیں عمیل سے ان کا مطالبہ کریں یا خرید فروخت کرنے والوں کے درمیان معاملات کو مکمل کرانے میں انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ان پر بحیثیت وکیل یا بحیثیت دلال کے اجرت کا مطالبہ کریں، اور دونوں صورتوں میں اس طرح اجرت لینے کی گنجائش ہے۔

۱۳- ادھار معاملہ کے کاغذات کی خرید و فروخت:

بعض مرتبہ ادھار معاملہ کے مکمل کاغذات تیار کرائے جاتے ہیں اور وقت مقررہ پر دین ادا نہ کرنے کی صورت میں یا وقت سے پہلے رقم حاصل کرنے کے لئے اس دستاویز کو اس میں تحریر شدہ رقم سے کم میں فروخت کرنے کی دو شکلیں ہیں:

۱- یا تو یہ دین کی بیع اس شخص کے ساتھ کی جائے جس پر دین نہیں ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح بیع الدین من غیر من علیہ الدین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس بیع کا ناسد ہونا فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

۲- یا یہ کرنسی کی بیع کرنسی کے ساتھ ہے جس کو اصطلاح فقہ میں بیع صرف کہا جاتا ہے، اور اس بیع میں کمی اور زیادتی کرنا اور ادھار بیچنا دونوں ممنوع ہیں اور صورت مذکورہ میں یہ دونوں

چیزیں پائی جارہی ہیں، اس لئے ادھار کاغذات کی بیع جائز نہیں ہے۔
 لیکن اگر یہ لابدی امر ہو تو اس معاملہ میں شرعی اعتبار سے یہ گنجائش نکل سکتی ہے کہ بائع
 کسی بینک یا شخص کو مشتری سے دین وصول کرنے کا وکیل بنا دے، اور وہ دستاویز اس کو سپرد کرنے
 کے بعد اس بینک یا شخص سے نئے معاملہ کے تحت دستاویز میں تحریر شدہ رقم کی مقدار میں قرض
 لے لے، اور بینک یا شخص کو یہ اختیار دے دے کہ اس دستاویز کے عوض جب مشتری سے رقم
 وصول ہو جائے تو اس رقم سے اپنا قرض جو مجھ پر ہے وصول کر لیں، شرعی اعتبار سے اس صورت
 میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

۱۵- ”ضع و عجل“ کا حکم:

اگر ادھار خرید و فروخت کے معاملہ میں بائع طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے پہلے اس
 شرط پر مانگتا ہے کہ اس کا ایک حصہ ہم تم کو معاف کر دیں گے، فقہاء کی اصطلاح میں اس معاملہ کو
 ”ضع و عجل“ (کچھ ساقط کر دو اور جلدی حاصل کرو) سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس معاملہ کے حکم شرعی
 میں اختلاف ہے۔

حضرات صحابہ میں سے عبد اللہ ابن عباس، تابعین میں سے ابو انیم نخعی اور احناف میں
 سے امام زفر اور شوافع میں سے شیخ ابو ثور معاملہ کے جواز کے قائل ہیں جب کہ حضرت عبد اللہ بن
 عمر اور زید بن ثابت، تابعین میں سے امام محمد ابن سیرین اور حسن بصری اور ائمہ میں سے امام ابو
 حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ شرعاً جائز
 نہیں ہے۔

قائلین ضع و عجل کے دلائل:

”ضع و عجل“ معاملہ کو جائز قرار دینے والے حضرات نے امام بیہقی کی اس روایت
 سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے مدینہ سے بنی نضیر کے اخراج کا
 معاملہ ذکر فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

”لما أمر النبي ﷺ بإخراج بني النضير من المدينة ، جاءه ناس منهم ، فقالوا: يا رسول الله! إنك أمرت بإخراجهم ، ولهم على الناس ديون لم تحل ، فقال النبي ﷺ : ضعوا وتعجلوا“

(جب حضور ﷺ نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکلنے کا حکم فرمایا تو کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکلنے کا حکم فرمایا ہے، حالانکہ ان کے لوگوں پر بہت سے دیون باقی ہیں جن کی ادائیگی کا ابھی وقت نہیں آیا ہے، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: کچھ ساقط کر دو اور جلدی ادا کر دو) (سنن ابی نعیم، کتاب البیوع)۔
حدیث کے آخری جملہ سے ”ضع وتعجل“ کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔

تاکلیف عدم جواز کے دلائل:

جن حضرات نے وضع وتعجل کے معاملہ کو ناجائز کہا ہے ان کے پاس متعدد دلائل ہیں: ان میں سے ایک دلیل حضرت مقداد ابن اسود کی وہ روایت ہے جس کی تخریج بھی امام بیہقی نے کی ہے فرماتے ہیں:

”أسلفت رجلاً مائة دينار، ثم خرج سمهي في بعث بعثه رسول الله ﷺ فقلت: له عجل لي تسعين ديناراً وأحط عشرة دنانير، فقال: نعم فذكرت ذلك لرسول الله ﷺ فقال: اكلت ربا يا مقداد وأطعمته“۔

(حضرت مقداد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو بطور قرض ایک سو دینار دیئے، اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک وفد روانہ کیا جس میں میرا نام بھی آگیا تو میں نے اپنے مقروض سے کہا کہ اگر تم مجھے نوے دینار دید و فوری طور پر تو میں دس دینار چھوڑ دوں گا، اس نے اس طرح ادائیگی کو منظور کر لیا، پھر میں نے اس معاملہ کا تذکرہ حضور ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا، اے مقداد تم نے خود بھی سو دکھایا اور اس کو بھی سو دکھلایا) (سنن ابی نعیم، کتاب البیوع)۔
اس حدیث کی وجہ سے ائمہ اربعہ نے ”ضع وتعجل“ کے معاملہ کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا جواب:

جواب اول:

ائمہ اربعہ نے عبداللہ ابن عباسؓ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث ”ضع و تعجل“ کے جواز پر حجت نہیں ہے، اس لئے کہ اولاً تو اس حدیث کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ خود امام بیہقی نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

جواب دوم:

دوسرا جواب یہ ہے کہ بنی نضیر کی جلا وطنی کا واقعہ ۲ھ میں پیش آیا ہے اور اس وقت تک ربا کی حرمت کا نزول نہیں ہوا تھا، لہذا مقداد ابن اسود کی حدیث عبداللہ ابن عباسؓ کی حدیث کے لئے مانع ہوگی۔

جواب سوم:

شمس لائبریری فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا تو ان لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگوں پر ہمارے دیون ہیں، تو آپ نے فرمایا: دین کا کچھ حصہ ساقط کر دو اور بقیہ فوراً لے لو، اور یہ طے ہے کہ مسلمانوں کے درمیان یہ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اگر کسی شخص کا دوسرے کے ذمہ دین ہو اور دین کی ادائیگی کا وقت ابھی نہ آیا ہو تو دائن اگر اس شرط پر دین کا کچھ ساقط کر دے کہ مدیون دین کو فوراً ادا کر دے تو یہ معاملہ جائز نہیں ہے (شرح اسیر الکبیر للنزہی ۱۳۱۴/۳)۔

امام سہروردی کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تو ”ضع و تعجل“ کا معاملہ جائز نہیں ہے، اور بنی نضیر کو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ حالت جنگ میں تھے، اور اس وقت ان کے پورے مال پر بھی مسلمان اگر قبضہ کر لیتے تو یہ بھی جائز ہوتا، لہذا اگر مسلمانوں نے ان کے دین کا کچھ حصہ کم کر دیا تو بطریق اولیٰ جائز ہے۔

جواب چہارم:

اس سلسلہ میں امام وقفی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دین کے جس حصے کو ساقط

کرنے کا حکم دیا تھا اس سے وہ سود مراد تھا جو اس المال سے زائد تھا فرماتے ہیں: ”فکان لأبي سلام بن الحقيق علي أسيد بن حضير عشرون ومائة دينار إلى سنة، فصالحه علي أخذ رأس ماله ثمانين ديناراً وأبطل ما فضل“۔

(ابو رافع سلام ابن الحقیق کے حضرت اسید بن حضیر پر ایک سو بیس دینار تھے جن کی واپسی سال گزرنے پر ہوئی تھی، چنانچہ حضرت اسید نے اصل اس مال جو اسی دینار تھے اس پر اس سے صلح کر لی اور جو زائد (سود کے) چالیس دینار تھے ان کو چھوڑ دیا) (سخازی الواقدی ۱۷۹/۱)۔

امام مالک اس مسئلہ میں آثار صحابہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”والأمر المکروه الذی لا اختلاف فیہ عندنا أن یکون للرجل علی الرجل المدین إلى أجل، فیضع عنه الطالب ویعجله المطلوب، قال مالک: وذلك عندنا بمنزلة الذی یؤخر دینہ بعد محله عن غریمہ فی حقہ قال: فهذا الربا بعینه لا شک فیہ“ (موطا امام محمد، کتاب الربو)۔

(امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ امر مکروہ جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کا دوسرے پر کسی مدت تک دین واجب ہو اور وہ دائن دین کا کچھ حصہ ساقط کر کے بقیہ دین کا فوری مطالبہ کرے، امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ صورت ہمارے نزدیک اس صورت ہی کی طرح ہے کہ کوئی شخص مدیون کو دین کی تاریخ کے بعد اور مہلت دے دے اور وہ مدیون اس مہلت کے بدلے دین میں کچھ اضافہ کر دے فرماتے ہیں کہ صریح ربا ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے)۔

امام محمد نے اپنی کتاب موطا میں زید ابن ثابت کا اثر نقل کرنے کے بعد مندرجہ گفتگو فرمائی ہے:

اور ہم اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمہ کسی مدت

پر دین واجب ہو اور وہ اس سے کہے کہ وہ اس کا کچھ دین ساقط کر دے گا، بشرطیکہ وہ بقیہ دین فوراً ادا کر دے تو یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں وہ دین کثیر کے بدلے میں دین قلیل کو جلد طلب کر رہا ہے کو یا کہ وہ قلیل نقد کو کثیر دین کے عوض فروخت کر رہا ہے، یہی قول عبداللہ ابن عمر اور زید ابن ثابت کا ہے اور امام ابوحنیفہؒ اسلک بھی یہی ہے (مؤطا امام محمد)۔

علامہ ابن قدامہ نے اپنی کتاب ”المغنی“ میں جمہور صحابہ و تابعین ائمہ اربعہ کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ تجیل دین کی شرط کے ساتھ دین کا کچھ حصہ ساقط کرنا جائز نہیں ہے (ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامہ ۵۲/۳)۔

لیکن اگر دائن مدیون کے دین کو جلد ادا کرنے کی صورت میں بلا شرط تجیل تبرعاً کچھ دین ساقط کر دے تو یہ جائز ہے، چنانچہ علامہ جصاصؒ نے ”احکام القرآن“ میں ”ضع وتجیل“ کے جواز پر جتنے آثار ہیں ان کو اسی حالت پر محمول کیا ہے (ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص)۔

۱۶- ادھار خرید و فروخت میں ثمن کی ادائیگی کی مدت کی تعیین ضروری ہے:
اگر ادھار معاملہ میں قیمت کی ادائیگی کے لئے صرف یہ طے ہوا کہ بعد میں دے دیں گے اور کوئی وقت طے نہیں کیا گیا تو یہ بیع ناجائز ہوگی (ترمذی، کتاب البیوع، باب ۲/۳)۔

۱۷- ادائیگی قسط میں کوتاہی پر مہلت ختم کر دینا:
اگر کسی شخص نے بیع بالتقسیت میں یہ شرط لگائی کہ اگر مشتری وقت مقررہ پر کوئی قسط ادا نہیں کرے گا تو مہلت ختم ہو جائے گی اور باقی قسطوں کو فوراً ادا کرنا ضروری ہوگا، تو شرعی اعتبار سے یہ شرط لگانا جائز ہے (خلاصۃ الفتاویٰ ۵۲/۳، وکندانی البحر والدر المختار)۔

۱۸- دائن اور مدیون کی موت سے مہلت کا ختم ہونا:
بیع بالتقسیت میں ادائیگی کے لئے مقررہ وقت آنے سے پہلے اگر دائن (یعنی حاکم کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں مدیون کو دی ہوئی مدت سابقہ حالت پر بدترار رہے گی اور بائع کے وراثہ قسط وار ہی مشتری سے قیمت وصول کریں گے اور اجل باطل نہیں ہوگی (خلاصۃ الفتاویٰ ۹۵/۳)۔

احناف، شوافع، مالکیہ اور ایک روایت کے اعتبار سے امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ مدیون کی موت کی وجہ سے دین مؤجل فوری واجب الادا ہوگا۔

حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مدیون کے ورثاء اس دین کی توثیق کر دیں اور ادائیگی پر اطمینان دلا دیں تو اس صورت میں وہ دین مدیون کی موت کی وجہ سے فوری واجب الادا نہیں ہوگا، علامہ ابن قدامہ نے اپنی کتاب ”المغنی“ میں اس مسئلہ میں ائمہ کے قول اسی طرح نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو: المغنی ۳۸۶/۳، کتاب المغلس)۔

متاخرین احناف کا فتویٰ:

احناف کا اصلی مسلک اس مسئلہ میں وہی ہے جو جمہور فقہاء کا مسلک ہے، لیکن متاخرین احناف نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ مشتری کی موت کی وجہ سے وہ دین فی الفور واجب الادا نہ ہوگا، بلکہ مشتری کے ورثاء مشتری کے ترکہ میں سے صرف اسی قدر ثمن ادا کریں گے جو گذشتہ مدت کے مقابلہ میں ہوگا، اس لئے کہ اگر مشتری کے ترکہ میں سے پورا ثمن فی الفور ادا کرنے کا حکم لگا دیں تو اس صورت میں ثمن کا جتنا حصہ مدت کے مقابلہ میں تھا وہ بلا عوض ہونا لازم آئے گا، اور اس میں مشتری کا نقصان ہے، کیونکہ وہ اس ثمن پر اس لئے راضی ہوا تھا کہ وہ ایک مدت کے بعد ادا کرے گا (رد المحتار ۷۶۶/۷)۔

فتسوں کی ادائیگی پر انعام:

ایسے دوکاندار جو بالاقساط خرید فریخت کا کاروبار کرتے ہیں اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے اور لوگوں کو فستوں کی ادائیگی پر آمادہ کرنے کے لئے ماہ بیاہ یا چھ ماہ میں انعام دینے کا نظام بناتے ہیں، اور قاعدہ اندازی کے ذریعہ خریداروں کو انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں تو ان انعامات سے خریداروں کو مستفید ہونا جائز ہے، اس لئے کہ جب بیع مکمل ہونے کے بعد مشتری بائع کے ثمن میں زیادتی کر سکتا ہے اور بائع مشتری کے لئے بیع میں زیادتی کر سکتا ہے تو ثمن میں کمی کرنا بھی جائز ہے (ہدایہ ۵۹۳)۔

اگر بطور انعام مشتری کو کچھ دینا چاہے تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، مگر یہ انعام بطور صلہ اور تبرع کے ہوگا، جیسا کہ شوافع نے اور امام زفر نے ثمن اور بیع میں زیادتی اور کمی کو اصل بیع کے ساتھ لاحق نہ مانتے ہوئے مستقلاً اس کو تبرع مانا ہے، ہدایہ میں ہے:

”و عند زفر والشافعی لا یصحان علی اعتبار الالتحاق بل علی اعتبار

ابتداء الصلۃ“ (ہدایہ ۵۹۳)۔

(اور امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک ثمن اور بیع میں زیادتی اور کمی باعتبار الحاق بیع صحیح نہیں ہے البتہ ابتداء صلہ اور تبرع کے اعتبار سے صحیح ہیں)۔

۱۹- لاٹری کا حکم:

سوال نمبر ۱۹ میں لاٹری کی جو شکل ذکر کی گئی ہے وہ حرام ہے، اس لئے کہ اس صورت میں دس روپے کے بدلے مثلاً ایک سو روپے مل رہے ہیں، جب کہ کوئی تجارت وغیرہ نہیں ہو رہی ہے تو سول یہ ہے کہ نوے روپے کیسے مل رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کو سود یا قمار ہی کہا جائے گا، جو شریعت میں حرام ہیں، لہذا مذکورہ معاملہ بالکل جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

ادھار فروخت میں قیمت کی زیادتی کی حیثیت

مفتی عبداللہ قاسمی

نقد و ادھار قیمتوں میں فرق رکھنا:

شریعت میں نقد اور ادھار فروخت کرنے میں قیمت کے لحاظ سے کمی بیشی کرنا جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں یہ طے ہو جائے کہ بیع نقد ہو رہی ہے یا ادھار قیمت بھی متعین ہو جائے اور ادھار ہونے کی صورت میں ادائیگی کی مدت بھی طے کر دی جائے (مصنف عبدالرزاق ۱۳۷۸-۱۳۸، امداد الفتاویٰ ۳/۲۰، ۳۱۲، کفاہت المفتی ۸/۲۲)۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اس جگہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ ادھار فروخت کی صورت میں نقد فروختی کے بالمقابل قیمت زیادہ مقرر کرنا کہیں ربا اور سود کے دائرے میں تو نہیں آتا؟ کیونکہ قیمت کی یہ زیادتی مدت ادائیگی کے عوض رکھی گئی ہے، اور مدت کے عوض جو زیادتی ہوتی ہے اسے ربا کہتے ہیں، جیسا کہ صاحب الفقہ علی المذاہب الاربعہ شیخ عبدالرحمن الجزیری کی اس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے:

”وهو أن تكون الزيادة المذكورة في مقابلة تأخير الدفع“ (اللہ علی

المذاہب الاربعہ ۳/۲۲)۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مدت کی وجہ سے ایک عوض (قیمت) میں زیادتی کی

گئی ہے، مگر چونکہ صرف مدت کے عوض یہ قیمت نہیں ہے، بلکہ قیمت تو سامان کے بدلہ میں ہے، مدت کی حیثیت صرف وصف اور کیفیت کی سی ہے، تنہا وصف اور کیفیت متقوم نہیں، ان کا عوض لیما درست نہیں ہوتا مگر کبھی کسی چیز کے ساتھ لگ کر ان کی حیثیت ہو جاتی ہے اور وہ قیمت بڑھا دیتے ہیں (الدر المختار ۶۶/۳، جوہر فقہ ۱۳۹۳-۱۵۲)۔

قیمت قسطوں میں طے کرنا:

قسط و ارادائیگی جائز ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو رافع مولیٰ رسول اللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مابین ایک مکان کی خریداری کا واقعہ ہے، حضرت ابو رافع بیچنے والے اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خریدار ہیں، ابو رافع نے جب پیش کش کی تو حضرت سعد نے فرمایا: ”والله لا ازيدك على أربعة آلاف منجمة أو قال: مقطعة“ (بخاری ۳۰۰۱)۔ بخدا میں تمہیں چار ہزار درہم سے زائد نہیں دوں گا وہ بھی قسطوں میں ادا ہوں گے، پتہ چلا کہ دور صحابہ ہی سے قسط و ارادائیگی رائج چلی آ رہی ہے، کتب فقہ میں بھی قسط و ارادائیگی کے احکام مذکور ہیں (در مختار ۵/۳۲۳)۔

قسطوں کی تعداد کے اعتبار سے قیمت میں کمی بیشی:

جس طرح نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق کرنا جائز ہے، اسی طرح مختصر مدت کے ادھار پر کم قیمت اور لمبی مدت کے ادھار پر زیادہ قیمت مقرر کرنا بھی درست ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں ایک صورت متعین کر دی جائے، قیمت کی ادائیگی اگر قسط وار طے پائی ہے تو ان قسطوں میں بھی یہ تفاوت برتا جا سکتا ہے (مصنف عبدالرزاق ۱۳۶/۸-۱۳۷)۔

ابن شہاب زہری، طاؤس اور سعید بن مسیب بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔

ادائیگی میں تاخیر سے قیمت میں اضافہ:

یہ مشروط اضافہ یقیناً سود ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ وہی سود ہے جو زمانہ جاہلیت سے چلا آ رہا ہے کہ خریدار کے ذمہ واجب شدہ رقم کی ادائیگی میں تاخیر کے عوض اس پر مزید رقم عائد کر

دی جاتی ہے، اس لئے نہ تو اس کا لیما جائز ہوگا اور نہ دینا (فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۵۰)۔

مال مرہون سے نفع اندوز ہونا:

فقہاء شیعہ مرہون سے انتفاع ناجائز مقرر دیتے ہیں، کیونکہ یہ نفع اندوزی اسی قرض کی بدولت ہے جو اس نے دے رکھا ہے۔ فقہاء کا استدلال اس حدیث سے ہے: ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ (المجامع المعیئر للسیوطی مع شرح المنانوی ۵/۲۸، مطبوعہ دارالحدیث کراچی، نیز دیکھئے رد المحتار للہای ۵/۳۳۳)۔

مال مرہون کا ضمان:

مرہون کے ضائع ہونے کے بعد دیکھا جائے گا کہ اس کی بازار میں جو قیمت ہے وہ مرہن کے دین کی مقدار کے بقدر ہے یا اس سے کم یا اس سے زیادہ؟ اگر برابر ہے تو گویا مرہن نے اپنا دین وصول کر لیا کچھ لیما دینا نہیں۔ اور اگر کم ہے تو قیمت کے بقدر دین وصول ہو گیا اور بقیہ ابھی مدیون کے ذمہ واجب ہے، مثلاً ایک ہزار پر ادھار بیچا تھا جس کے وثیقہ میں خریدار سے ایک گھڑی بطور رہن رکھوائی تھی، گھڑی ضائع ہو گئی جس کی بازار میں قیمت آٹھ سو تھی (اس دن جس دن اس نے اس پر قبضہ کیا تھا) جب وہ ہلاک ہو گئی تو گویا بائع نے اپنے ثمن کا آٹھ سو وصول کر لیا اور مزید دو سو اس کے خریدار کے ذمہ باقی ہیں، اور اگر مرہون کی قیمت دین کی مقدار سے زائد ہے تو مرہن نے اپنا دین تو وصول کر ہی لیا اور قیمت کا جتنا حصہ دین کی مقدار سے زائد ہے اسے خریدار کی جانب سے لوٹنا بھی نہیں پڑے گا، کیونکہ اس زیادتی پر اس کا قبضہ امانت کا قبضہ تھا اور امانت کے ضیاع سے ضمان نہیں آتا، مثلاً اگر گھڑی کی قیمت بازار میں بارہ سو روپے ہے تو مزید دو سو روپے کا لوٹنا مرہن پر واجب نہیں ہے۔

ہاں اگر مرہن شیعہ مرہون کے ساتھ تعدی کرے، مثلاً اس کی حفاظت میں اس نے کوتاہی کی، یا بلا اجازت استعمال کیا اور استعمال کے دوران وہ ضائع گئی یا جان بوجھ کر تلف کر دیا تو اب اس کی جو بھی قیمت ہوگی وہ اس کا ضامن ہوگا، اگر اس کی قیمت دین سے زائد ہوگی تو

زیادتی کا لوٹانا واجب ہوگا (درمختار ۵/۳۲۱-۳۲۲)۔

شیئرمہون سے دین کی وصولیابی کس طرح ہو؟

بہتر تو یہ ہے کہ رہن کا معاملہ کرتے وقت ہی مدیون سے وکالت نامہ لکھو لیا جائے یا

لکھے ہوئے وکالت نامہ پر اس سے دستخط لے لیا جائے (درمختار ۵/۳۵۸)۔

ہاں اگر رہن کا معاملہ کرتے وقت وکالت عمل میں نہ آئی تو بعد میں جب تک مدیون (راہن) اجازت نہیں دے دیتا کسی کو بیچنے کا اختیار نہیں ہے، البتہ قاضی کی عدالت میں قرض خواہ چارہ جوئی کرے گا اور قاضی وصولیابی دین کی مدد اختیار کرے گا، بلکہ وہ یا اس کا نائب مرہون کو بیچ بھی سکتے ہیں (درمختار ۵/۳۵۷)۔

واضح رہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں جہاں باختیار اسلامی عدالت نہیں ہے اس معاملہ کو سرکاری عدالت میں بھی لے جایا سکتا ہے، کیونکہ یہ مسلم پرسنل لا میں نہیں آتا۔
قیمت کی وصولیابی تک بیچ کو روک کر رکھنا:

خرید و فروخت کے معاملہ میں شریعت نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ فروخت کنندہ اپنے بیچے ہوئے سامان کو اس وقت تک روکے رکھے جب تک خریدار کی جانب سے قیمت وصول نہیں ہو جاتی، اس روکنے کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ محض اپنا حق وصول کرنے کیلئے بیچ کو اپنے پاس روکے۔ دوسرے یہ کہ فروخت شدہ سامان کو اپنے پاس رہن کے طور پر روک کر رکھے، ان دونوں صورتوں میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں بیچ جو روکی گئی ہے وہ مضمون بالٹمن ہوگی یعنی ہلاک ہونے پر اس کا عوض (ٹمن) خریدار سے ساقط ہو جائے گا، جبکہ دوسری صورت میں بیچ جو مرہون ہے دین ٹمن اور بازاری قیمت میں سے کم کے عوض مضمون ہوگی۔ ان دونوں صورتوں میں روکنے کا جواز چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

پہلی صورت میں بائع کے لئے اپنی فروخت شدہ چیز کو روکنے کا حق دو شرطوں کے ساتھ

ہے:

۱۔ عوضین میں سے ایک عین یعنی متعین سامان ہو اور دوسرا دین یعنی ذمہ پر واجب ہونے والا ہو (درہم، دینار) چنانچہ اگر دونوں عین کے قبیل سے ہوئے یا دونوں دین ہوئے تو کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ کسی دوسرے کی جانب سے حوالگی ہونے تک اپنا مال روکے رکھے، بلکہ دونوں ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو سپرد کریں، مساوات کا تقاضا یہی ہے۔

۲۔ ثمن جو خریدار کے ذمہ ہے نقد ہو، ادھار نہ ہو، پس اگر ادھار قیمت طے پائی ہے تو فروخت کنندہ کو سامان روکنے کا قطعاً حق نہیں، کیونکہ بائع کو روکنے کا اختیار اس لئے ملتا ہے کہ اس کی چیز تو متعین ہے اور خریدار کے ذمہ جو اس کا بدل ہے وہ غیر معین ہے، جب تک وہ دیتا نہیں معین نہیں ہوتا، نیز دو معاملہ کرنے والے عادیہ مساوی حقوق پانے کے خواہشمند ہوتے ہیں، اس لئے شریعت نے یہ اختیار دیا کہ پہلے وہ اپنا حق وصول کر کے متعین کرے، پھر بیع حوالہ کرے، کیونکہ بیع پہلے سے متعین ہے، اب جبکہ اس نے از خود قیمت ادھار رکھ چھوڑی تو جس بیع کا اختیار خود ساقط کر دیا (بدائع الصنائع ۲۳۹۵)۔

رہی دوسری صورت تو ادھار فروختگی میں یہ ممکن ہے، مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ پہلے بائع فروخت شدہ سامان پر خریدار کا قبضہ کرادے، پھر اس سے دین ثمن کے وثیقہ میں اپنے پاس بطور رہن رکھوالے (رد المحتار ۳۵۳-۳۵۴)۔

بیع کو رہن بنا کر خریدار کے پاس رکھنا:

اس سلسلہ میں کچھ شرائط ہیں جن کا لحاظ رکھ کر معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ رہن کا معاملہ کرنے کے بعد مرہون پر مرہون کا قبضہ ہونا ضروری ہے، پھر اس سے عاریتہ لیما جائز ہوگا، جب تک بحیثیت مرہون مرہون کا قبضہ نہ ہوگا وہ شیء مرہون نہیں بنے گی (درمختار ۳۲۰/۵)۔

۲۔ جب بائع (مرہون) خریدار (رہن) کو مرہون بطور عاریت دے دے گا تو اس کے ضمان سے وہ چیز نکل جائے گی، یعنی اگر خریدار کے پاس سے ہلاک ہوئی تو اس کا اپنا مال

بلاک ہو اور دین بدستور باقی رہے گا (ایضاً ۵۱۳/۳۶۳)۔

۳۔ مرتہن جب چاہے واپس لے سکتا ہے، کیونکہ عقد رهن باقی ہے (الہدایہ

للرغینانی ۳/۵۳۰)۔

۴۔ اگر وکالت نامہ میں مرتہن کو بیچنے کا اختیار دیا ہے تو وہ بیچ سکتا ہے، لیکن اگر یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بیچ جو کہ مرہون ہے اس کا مکمل مالک ہو جائے گا تو جائز نہیں، کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے: "لا یغلق الرهن، لصاحبه غنمه وعلیه غرمه" (المستدرک للحاکم ۲/۵۱) "والمراد بقوله علیه السلام: لا یغلق الرهن علی ما قالوا: الاحتباس الکلی بأن یصیر مملوکاً له کذا ذکر الکرخی عن السلف" (الہدایہ ۳/۵۰۱)۔

قسطیں وقت پر ادا نہ ہوں تو سامان واپس لے لینا:

اس طرح کا معاملہ عقود شرعیہ میں سے کسی عقد کے تحت نہیں آتا، اس لئے جائز

نہیں (امداد الفتاویٰ ۳/۱۲۲، فتاویٰ محمودیہ ۳/۵۰۳)۔

بیع کے کاغذات بیچ دینا:

سوال میں مذکورہ صورت میں بیع کاغذات نہیں، بلکہ درحقیقت ان میں درج شدہ رقم ہے جو اصل خریدار کے ذمہ باقی ہے اور رقم کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ اس طرح کہ ایک ادھار اور دوسری نقد ہو جائز نہیں، یہ سود ہے، نیز یہ دین (ذمہ پر باقی رہنے والے مال) کی بیع ہے جو مدیون کے علاوہ شخص کے ہاتھ جائز نہیں، البتہ دستاویز میں تحریر شدہ رقم کے برابر رقم لے کر بیچنا درست ہے، اس وقت یہ بیع نہیں، بلکہ حوالہ کی تاویل میں ہوگا، بشرطیکہ حوالہ کی شرطیں ملحوظ رکھی جائیں (الدر المختار ۲/۱۵)۔

قبل از وقت قیمت کم کر کے وصول کرنا:

اس سلسلہ میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، جمہور فقہاء و محدثین، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور دوسرے حضرات عدم جواز کے قائل ہیں، صحابہ میں ابن عباسؓ اور احناف

میں امام زفرؑ اس کو جائز بتلاتے ہیں، موطا امام مالک میں ایسے دو واقعے مذکور ہیں، حضرت زید بن ثابتؓ سے مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے سختی سے منع فرمایا:

”عن عبید ابی صالح مولی السفاح أنه قال: بعث بزا لی من أهل دارنخلة إلى أجل ثم أردت الخروج إلى الكوفة فعرضوا علي أن أضع عنهم وينقدونني فسألت عن ذلك زيد بن ثابت فقال: لا أمرک أن تأکل هذا ولا تؤکله“ (موطا امام مالک، ۲۷۸)۔

(عبید ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے دارنخلہ والوں کے ہاتھ ایک مدت کے اوصار پر اپنے کچھ کپڑے بیچے، پھر میرا کوفہ جانے کا ارادہ ہوا تو ان لوگوں نے یہ تجویز رکھی کہ میں ان سے کچھ بقایا کم کر دوں اور وہ مجھے نقد دیدیں، میں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے پوچھا تو آپ نے کہا میں اجازت نہیں دیتا کہ تم اسے کھاؤ یا کھلاؤ)۔

اس کے معاً بعد ایک اور روایت ہے جس میں ابن عمرؓ سے پوچھا گیا ہے تو آپ نے بھی منع فرمایا ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ صورت اور زمانہ جاہلیت والی معروف صورت (تاخیر دین کی وجہ سے اضافہ) دونوں برابر ہیں۔

امام محمدؑ اپنی موطا میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اپنا موقف اور اس کی علت تفصیل سے یوں بیان فرماتے ہیں:

”بهذا نأخذ من وجب له دين على إنسان إلى أجل فسأل أن يضع عنه ويعجل له ما بقي لم ينبغ ذلك، لأنه يعجل قليلا بكثير دينا فكأنه يبيع قليلا نقدا بكثيرا دينا وهو قول عمر بن الخطاب و زيد بن ثابت و عبد الله بن عمر و هو قول أبي حنيفة“ (موطا امام محمد، ۳۳۲)۔

(ہم اسی (عدم جواز) کو اختیار کرتے ہیں جس کا کسی انسان کے ذمہ بقایا ہو اور وہ اس سے چاہے کہ کچھ کم کر کے مابقیہ فوراً لے لے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ وہ زیادہ مقدار دین کے عوض تھوڑی مقدار دے رہا ہے، کو یا کم نقد کو زیادہ دین کے عوض بیچ رہا ہے، یہی قول حضرت عمر، ابن عمر

اور زید بن ثابتؓ اور امام ابو حنیفہ کا ہے۔

یعنی ان آٹا صحابہ کے علاوہ ”ضع و تعجل“ کی صورت کا متفق علیہ ربا حرام (ربا جاہلیت) سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہونا بھی اس کی حرمت کا متقاضی ہے۔

جو حضرات جواز کے قائل ہیں ان کے پیش نظر حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کو مدینہ چھوڑ کر جانے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ لوگوں کے ذمہ ہمارے دیون ہیں تو آپ نے فرمایا کہ کم کرو اور جلد وصول کرو۔

جمہور اس واقعہ کو تحریم ربا کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا قرار دیتے ہیں، جیسا کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے..... ”وأخرج ابن جرير وابن مردويه عن عمر بن الخطاب أنه خطب فقال: إن من آخر القرآن نزولا آية الربا“ (الدر السعوي في التفسير للسيوطي ۱۰۳/۲)۔

یعنی قرآن پاک کی آیات احکام میں سب سے آخری آیت آیت ربا ہے۔ اور بنو نضیر کا اخراج ۳ھ میں ہوا ہے، اس لئے واقعہ بنی نضیر سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ الغرض جمہور کی رائے کے مطابق طے شدہ قیمت میں تخفیف کی شرط لگا کر قبل از وقت ادا کرنا سود ہوگا۔

ہاں اگر مدیون نے دین کی ادائیگی میں جلدی کر دی اور دائن نے تمہارا کچھ کمی کر دی یا پہلے دائن نے بغیر کسی شرط کے کمی کر دی اور مدیون نے دین جلدی ادا کر دیا تو جائز ہے (سولانا عبدالحی نکلسنوی التحلیق المحمد علی سوطا الامام محمد ۳۳۲)۔

غیر معین مدت کا ادھار:

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ بیع فاسد ہونی چاہئے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح معاملہ کرنا ہمیشہ سے مروج و معمول رہا ہے، جیسا کہ ابن عمرؓ سے مروی ہے۔

”عبد الرزاق قال: أخبرنا معمر قال: بلغني أن ابن عمر كان يبتاع إلى

ميسرة ولا يسمى أجلا“ (مصنف ۱۳۸/۸)۔

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یوں مدت معین کئے بغیر عقد کر لینا باعث نزاع ہو سکتا ہے دوسری طرف لوگوں کا یہ معمول بھی ہے اس لئے فقہاء نے سلم پر قیاس کر کے از خود ایسے معاملوں کی تحدید فرمادی ہے، اور وہ ایک ماہ کی مدت ہے (درمختار ۲۵/۴)۔

اب اگر کوئی شخص اس طرح عقد کرتا ہے پھر بعد میں بائع سے کہتا ہے کہ قیمت کا اتنا حصہ معاف کر دو، بقیہ میں تمہیں ابھی ادا کر دیتا ہوں تو یہ جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ کمی اس ایک مہینہ کی مدت کے عوض ہوگی جو ادھار قیمت کی ادائیگی کے لئے معین ہے۔

قسط کی تاخیر سے قیمت نقد ہو جانے کی شرط:

ادھار معاملہ کرتے وقت اگر یہ شرط لگائی جائے کہ خریدار طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی ادائیگی اگر اس کے وقت پر نہ کر سکا تو اس کو دی گئی مہلت ختم ہو جائے گی اور فوری طور پر باقیہ جملہ قسطوں کا ادا کرنا ضروری ہوگا، فقہاء کی تصریحات کے مطابق یہ شرط جائز ہے (درمختار ۲۶/۳)۔

قسطوں پر بیع کے ساتھ انعام کی اسکیم:

اگر اس انعام کی صورت میں خریدار کا روپیہ ضائع ہونے کی کوئی صورت نہیں جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہوتا ہے اور قیمت بھی پوری دیتا ہے، یہ نہیں کہ قیمت پوری ہونے سے پہلے (خواہ ایک ہی قسط پر سہی) اگر نام نکل آئے تو سائیکل مل جائے اور بقیہ قیمت سا قسط ہو جائے، تب تو بظاہر یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے، ورنہ تو جوئے کی شکل میں ہو کر ناجائز ہو جائے گی (فتاویٰ محمودیہ)۔

ایک ناجائز شکل:

آج کل قسطوں پر خریداری کی ایک ناجائز صورت تیزی سے مروج ہو رہی ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے اعلان کیا جاتا ہے کہ مثلاً سال بھر پر ایک موٹر سائیکل خریدار کو ملے گی جس کے لئے اسے ہر ماہ مثلاً ایک ہزار کی قسط جمع کرنی ہوگی اور ہر ماہ قسط جمع ہونے پر تمام

خریداروں کے نام میں قرضہ اندازی کر کے جس کا نام نکلے ایک موٹر سائیکل اسے دے دی جائے گی، وہ اس کو لے کر کنارہ کش ہو جائے اب اسے کچھ نہیں جمع کرنا ہے، بقیہ خریدار قسطیں جمع کرتے رہیں گے، ہر ماہ یہ سلسلہ رہے گا، چنانچہ ایک ایک شخص موٹر سائیکل پاسکے گا۔ یہ اسکیم خریداروں کو بڑی پسند آتی ہے، کیونکہ ہر شخص سمجھتا ہے کہ قرضہ میں میرا نام نکل سکتا ہے جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، نہیں تو بارہزار میں سودا مہنگا نہیں۔

یہ صورت صریح غرر اور قمار کی ہے، شریعت کے مزاج اور قانون کے خلاف ہے، اس لئے اس طرح کی اسکیم چلانا اور اس میں حصہ لینا قطعاً جائز نہیں۔

مدت سے قبل دائن و مدیون میں سے کسی کا انتقال ہو جائے:

ادائیگی ثمن کی مدت آنے سے پہلے یا قسط وار ادائیگی طے پانے کی صورت میں جملہ قسطیں ادا ہونے سے پہلے اگر بائع و خریدار (دائن و مدیون) میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بائع کے مرنے سے معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بلکہ خریدار وقت مقررہ پر ہی ثمن ادا کرنے کا پابند ہوگا، البتہ اگر خریدار وقت سے پہلے مر جائے تو اس کے ترکہ سے ثمن کی نقد ادائیگی ضروری ہو جائے گی، ورنہ اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جس تاخیر اور تفصیل کے ساتھ مورث کو ادائیگی کا حق تھا یہ اس حق کا استعمال کریں، کیونکہ اختیار محض میں وراثت نہیں چلتی (الدر المختار ۲۶۴)۔

سامان کی قیمت مختلف قسطوں میں ادا کرنا

مولانا جمال اکبر مظفر پوری

۱- جس سامان کو ادھار فروخت کیا جائے اس کی قیمت نقد فروختگی کے مقابلہ میں زیادہ کرنا جائز ہے (ہبوط ۱۳/۸)۔

البتہ اس صورت میں بیع کی درستگی کے لئے یہ شرط ہے کہ عاقدین کسی ایک قیمت کو طے کر کے مجلس عقد چھوڑیں، ورنہ بیع فاسد ہوگی۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت بھی جائز ہے، اسی طرح اس کی بھی گنجائش ہے کہ قیمت کو مختلف قسطوں میں ادا کیا جائے، بلکہ تھوڑے تامل کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ”بیع بالتقسیط“ کے جائز ہونے کا عملی اثر یہی ہے کہ اس کے ذریعہ مشتری (خریدار) کو دشمن کے کئی قسطوں میں طے ہونے کی بناء پر ہی سہولت ملتی ہے، اور یہی تقسیط کا فائدہ ہے، اس لئے کہ بیع بالتقسیط میں دشمن کی ادائیگی بعد میں ہوتی ہے اور خود جناب کریم ﷺ سے بیع مؤجل کا جواز ثابت ہے۔ نیز پوری امت کا اتفاق ہے کہ ادھار بیع درست ہے (مجلد مجمع فقہ الاسلامی العدد السادس، الجزء الاول، ۲۷۹)۔

۳- مذکورہ صورت میں دشمنوں میں سے ایک کی تعیین اور اس پر اتفاق کی صورت میں بیع درست ہوگی ورنہ تر دشمن کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی (ترندی کتاب ایوب ۲۷۲-۱۳۸)۔

(الف) ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے، دلائل سے بھی یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے، چونکہ اس کی حرمت قرآن و حدیث میں کہیں منقول نہیں ہے۔

(ب) ادھار فرحتگی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ادھار قیمت کا تذکرہ کیا جائے، بلکہ نقد و ادھار دونوں قیمتوں کا ذکر کرنا بھی جائز ہے، البتہ قیمت کی زیادتی کا ذکر ادھار فرحت میں دھوکہ فریب کی غرض سے نہ ہو۔

۴- سوال میں مذکورہ صورت کی بابت قدیم و جدید فقہاء کے درمیان اختلاف رہا ہے، اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ اضافی قیمت ”مدت“ کے عوض میں ہے یا مستقل طور پر اصل ثمن کا جزء ہے۔

جن لوگوں کے نزدیک ادھار فرحت میں قیمت کی زیادتی ”مدت“ کے عوض میں ہے ان کے نزدیک یہ زیادتی ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ زیادتی مدت کے عوض میں قرار پاتی ہے، اور جو زیادتی مدت کے عوض میں طے ہوئی ہے وہ سود ہے یا کم از کم سود کی طرح ہے، لہذا یہ زیادتی حرام قرار پائے گی۔

یہ زین العابدین بن علی بن الحسین، الناصر، المنصور باللہ اور ہادویہ نیز امام سنی رحمہم اللہ کا مسلک ہے (تحت الاحوذی ۳۵۹، ۳۶۰)۔

اس کے برخلاف جن لوگوں کے نزدیک ادھار فرحت میں زیادتی درست ہے ان کے نزدیک یہ زیادتی اصل قیمت ہی کا جزء ہے (الربا، از: مولانا عبید اللہ امجدی)۔

۵- اگر خریدار کے دونوں صورتیں ذکر کرنے کے بعد عاقدین ایک صورت کو طے کر لیں تو معاملہ کی یہ شکل شرعاً درست قرار پائے گی (ترندی ۲/۱۳۷-۱۳۸)۔

۶- یہ ربا ہے اور اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، قرآن کا ارشاد ہے: ”وحرّم الربا“ ()۔

۷- ”تاخیر مدت“ کی بناء پر جو بھی مزید رقم کا مطالبہ کیا جائے وہ زیادتی سود ہے، لہذا ایسی رقم کا مطالبہ سود کا مطالبہ قرار پائے گا اور اس کو دینا بھی سود دینے میں شمار ہوگا، چونکہ وہ زیادتی ”مدت“ کے عوض ہے، اور یہ صریح سود ہے، نیز اس زیادتی کی مقدار متعین کر دی جائے یا فیصد کا

حساب رکھا جائے، بہر صورت یہ سودی کاروبار ہوگا جو کہ قطعی حرام ہے۔

اس اعتراف کے باوجود ذکر کردہ صورت حرام ہے آج کے ان مشکلات سے جو عموماً تجارت کو لاحق ہوتے ہیں ان سے صرف نظر کرنا بھی ایک مشکل ترین مسئلہ ہے، چونکہ آج دیانت داری، امانت داری کا معیار کافی گر چکا ہے، قرض لینے والا قرض کی ادائیگی میں بہت ٹال مٹول کا عادی ہو چکا ہے جو بائع کے لئے بہت زیادہ نقصان و خسارہ کا ذریعہ بن جاتا ہے، لہذا ان مشکلات کا حل ”سد باب“ کے طور پر نکالنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں دین کی ادائیگی کے وقت ٹال مٹول کی صورت میں دائن کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ مدیون کی تحقیق کرے کہ آیا تنگدستی کی وجہ سے نہیں دے پارہا ہے یا واقعہ ٹال مٹول کر رہا ہے، اگر وہ تنگدست ہے تو فرسخی تک مہلت کا مستحق قرار پائے گا، کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

”وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسره“ (-)

البتہ وہ تنگدست نہیں، بلکہ مالدار ہے تو اس کا یہ عمل ظلم ہوگا، اور ظلم حرام ہے، جیسا کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ”مطل الغنی ظلم“۔

قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کی وجہ سے جرمانہ یا مالی تاوان، یا کسی اور نام سے کچھ رقم لیما مدت کے عوض میں ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، ایسا معاملہ شرعاً حرام ہے۔

جہاں تک روایت: ”مطل الغنی ظلم“ کا تعلق ہے تو اس سے صرف مال دار ٹال مٹول کرنے والے کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ اس پر جرمانہ یا مالی تاوان کا عائد ہونا۔

بعض لوگوں نے ایک دوسری روایت ”لی الواجد يحل عقوبته و عرضه“ سے استدلال کرتے ہوئے اضافی رقم کو مالی معاوضہ کا نام دے کر جائز قرار دیا ہے۔

لیکن اس روایت سے مالی معاوضہ کے جواز پر استدلال کرنا نہ از روئے لغت درست ہے، اور نہ کسی امام، مجتہد اور نہ کسی محدث سے یہ مفہوم ثابت ہے۔

لیکن اس مشکل کا حل حضرت مولانا محمد تقی عثمانی نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ یہ کہ مراحمہ اور اجارہ کے ایگریمنٹ پر مدیون سے دستخط لیتے وقت اس پر لازم کر دیا جائے کہ مالی واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی اور تاخیر کرنے کی صورت میں وہ دین کے تناسب سے ایک معین رقم خیراتی کاموں میں صرف کر دے گا، اور وہ یہ رقم پہلے بینک کو ادا کر دے گا پھر کوتاہی یا تاخیر کرنے پر بینک اس کی طرف سے نیا بتا سے خیراتی کاموں میں لگا دے گا، البتہ یہ رقم نہ بینک کی ملکیت ہوگی اور نہ اس کی آمدنی اور منافع کا حصہ ہوگی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: (فقہی مقالات)۔

۸۔ اس سلسلے میں ائمہ اربعہ کے مسالک کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

مالکیہ صرف ایک صورت میں ”شئی مرہون سے انتفاع“ کے جواز کے قائل ہیں، وہ یہ کہ عقد بیع میں ہی مرہون نے انتفاع کی شرط لگائی ہو اور انتفاع کی مدت بھی متعین کر دی گئی ہو، تو یہ صورت عقد اور اجارہ ہونے کی وجہ سے جائز قرار دی جائے گی (فقہ الاسلامی وادلائہ ۲۵۸/۵)۔

مثلاً بائع کہتا ہے کہ میں اپنی سائیکل ایک ہزار روپے میں اس شرط پر فروخت کروں گا کہ تم اپنی گھڑی ایک ماہ کے لئے استعمال کرنے کے لئے دو، وہ گھڑی میرے پاس بطور رہن ہوگی۔

مسلك شوافع بھی اجمالی طور پر مالکیہ ہی کے مسلک کی طرح ہے (فقہ الاسلامی

وادلائہ ۲۵۸/۵)۔

فقہ حنبلی میں اس مسئلہ میں تین رائیں پائی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۱۔ اگر شئی مرہون حیوان نہ ہو، یعنی اس کے گروی رکھنے میں کسی قسم کا خرچ مرہون کے ذمہ نہ آتا ہو، مثلاً گھر، گھریلو سامان یا دوسری کوئی بھی اس طرح کی چیز ہو تو ایسی صورت میں راہن کی اجازت کے بغیر ”مرہون“ کے لئے مرہون سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ شئی مرہون، اس کے منافع اور اس کی بڑھوتری راہن کی مملوک ہیں، لہذا بغیر اس کی اجازت کے ان سے

انتفاع کا حق کسی کو کیسے ہو سکتا ہے، ”مالا یحتاج إلی مؤنة كالدار والمتاع ونحوه، فلا یجوز للموتهن الانتفاع به بغير إذن الراهن بحال“ (المغنی ۳۲۶/۳)۔

۲۔ راہن نے قرض والے رہن میں مرتہن کو عوض لئے بغیر اجازت دے دی تو بھی مرتہن کے لئے انتفاع جائز نہیں، چونکہ یہ نفع قرض کی بدولت حاصل کرنا ہوا جس کی حرمت ارشاد نبوی ”کل قرض جر نفعاً فهو حرام“ سے واضح ہے (ایضاً)۔

۳۔ شیء مرہون حیوان ہو اور اس کی ذات پر چارہ وغیرہ میں مرتہن کا سرمایہ بھی خرچ ہوا ہو، اور اس اتفاق کی اجازت راہن نے دی ہو تو ایسی صورت میں خرچ کی ہوئی رقم کے بقدر مرہون سے انتفاع جائز ہوگا، خواہ انتفاع کی اجازت ہو یا نہ ہو۔

حنابلہ اس مسئلہ میں حضور اکرم ﷺ کے ارشاد ”الظہور یرکب بنفقة إذا کان مرہوناً“ سے استدلال کرتے ہیں کہ جب حیوان مرہون کا خرچ مرتہن کے ذمہ ہو تو مرتہن اس پر سواری بھی کرے گا اور اس کے دودھ سے بھی مشفق ہوگا (المغنی ۳۲۷/۳، ترمذی علی تختہ الاحوذی ۳۸۵/۳)۔

فقہاء احناف کے یہاں بھی مسئلہ مذکور سے متعلق مختلف قول ملتے ہیں۔

۱۔ مرتہن کے لئے راہن کی اجازت کے بغیر شیء مرہون سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر مرہون غلام ہو تو اس سے خدمت لیا، حیوان ہو تو اس کو سواری بنا، یا اس کا دودھ استعمال میں لانا، مکان ہو تو اس میں رہائش اختیار کرنا، کپڑا ہو تو پہننا، یہاں تک کہ اگر کتاب ہو تو اس کو پڑھنا کچھ بھی جائز نہیں (فتح القدیر ۱۶۹/۱۰)۔

۲۔ جب راہن انتفاع کی اجازت دے تو بعض احناف کے نزدیک بغیر کسی تفصیل کے مرتہن کے لئے انتفاع درست ہے۔

۳۔ اور بعضوں نے تو بالکل ہی اجازت نہیں دی ہے، کیونکہ یہ ربا ہے یا اس میں شبہ ربا ضرور ہے، اور اجازت یا رضامندی نہ ربا کو حلال کر سکتی ہے، اور نہ شبہ ربا کو مباح کر سکتی ہے۔

۳۔ بعضوں نے تفصیل کی ہے کہ اگر مرتہن نے عقد کے دوران ہی انتفاع کی شرط لگائی ہو، تو یہ حرام ہے، اس لئے کہ یہ ربا ہے، اور دوران عقد انتفاع کی شرط نہ ہو، بلکہ بعد میں بغیر کسی دباؤ کے مرتہن نے اجازت لی ہو تو یہ انتفاع درست ہے، کیونکہ یہ راہن کی جانب سے تبرع قرار پائے گا۔

حنفیہ کا آخری قول شریعت اسلامی کی روح سے قریب ہے۔

(ب) بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے اگر مال ضائع ہو جائے تو فقہ حنفی کے مطابق اگر شئی مرہون کی قیمت دین کے برابر ہو تو دین ساقط کر دیا جائے، اور اگر زیادہ ہو تو دین کے برابر قیمت کو ساقط کر دیا جائے اور پھر زائد میں تعدی وغیرہ کی تحقیق کے بعد حکم لگایا جائے۔ اس شکل کے اختیار کرنے میں اموال مسلم کی صیانت اور ضیاع سے بچاؤ ہے۔

(ج)۔ وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور مال منہول کرنے کی صورت میں مرتہن، راہن کو وارننگ دے گا، دین کی ادائیگی کا مطالبہ کرے گا، حسب وسعت اس کو ترغیب دیتا رہے گا، اس نے اگر قبول کر لیا اور ادائیگی بھی کر دی تو بہتر ہے، اور اگر اس نے قبول نہیں کیا، مال منہول کی وجہ سے، یا اپنی تنگدستی کی بناء پر یا لمبے سفر کی وجہ سے اس نے وقت مقررہ پر ادائیگی نہیں کی تو ان تمام صورتوں میں قاضی اس کو مال مرہون کی فروختگی پر مجبور کرے گا جس کے ذریعہ مرتہن اپنی واجب الاداء رقم حاصل کر سکے۔ اس صورت میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

بصورت انکار قاضی خود ہی مال مرہون کو فروخت کر کے مرتہن کو اس کی واجبی رقم دے دے گا، نہ قید کی ضرورت ہے اور نہ مارپیٹ، ڈرانے اور دھمکانے کی۔

اس مسئلہ میں مالکیہ، حنابلہ اور صاحبین کا اتفاق ملتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ راہن کی رضامندی کے بغیر خود قاضی کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ قاضی اس کو قید کر کے جیل میں ڈال دے گا یہاں تک کہ وہ خوفِ وخت کر دے (بدائع الصنائع ۶/۱۳۸)۔

۹۔ بطور رہن بیع کور کا جاسکتا ہے، البتہ اس کے لئے کچھ پابندیاں بھی ہیں (۱) مشتری کا

شرعی قبضہ ہو۔ (۲) عاقدین کی باہمی رضامندی ہو۔ (۳) بیع رہن کے قابل بھی ہو، مثلاً دونوں عین ہوں یا کم از کم بیع عین ہو۔

البتہ واضح ہو کہ صلہ عقد میں رہن مشروط نہ ہو، کو اس سلسلے میں بھی قابل اعتماد مسلک جواز کا ہی ہے کہ صلہ عقد میں رہن مشروط ہونے کے باوجود رہن درست قرار پائے گا (المغنی ۴۲۰، الدرہم مکان الدرہم)۔

۱۰۔ رہن والی صورت میں اس کے شرائط و قیود کا لحاظ کرنے کے بعد یہ معاملہ شرعاً درست ہو جائے گا۔ لیکن مدیون جو اقساط ادا کر چکا ہے وہ اس کی ملک ہے، اگر مشتری نے قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کیا اور فرسخت شدہ چیز کی بیع کی نوبت آگئی تو پہلے مرتہن اپنا دین وصول کرے گا اور اگر زائد ہو تو بقیہ رقم اور تسطوں میں دی ہوئی رقم راہن کو لوٹا دے گا، چونکہ قیمت و دین سے زیادہ اس کی ملک ہے اور نہ اس کا وہ مستحق ہے اس لئے جو اقساط ادا کئے جا چکے ہیں ان کا واپس نہ کیا جانا صحیح نہیں ہے۔

۱۱۔ اکثر فقہاء نے ایسے رہن کو ناجائز قرار دیا ہے جس میں مرتہن نے مال مرہون پر قبضہ نہ کیا ہو، کیونکہ قبضہ عقد رہن میں شرط ہے۔

دور حاضر میں ایک نئے قسم کا ”رہن“ اور اس کا حکم:

لیکن آج سرکاری و غیر سرکاری اداروں، بینکوں اور تجارتی اشخاص کے مابین ایک نئے قسم کا رہن مروج ہے جس کو انگریزی میں Folling, Mortgage کہا جاتا ہے اور اس کے لئے عربی میں ”الرهن السائل“ کی تعبیر مستعمل ہوتی ہے، اسے اردو میں ”متحرک رہن“ کہہ سکتے ہیں۔ اور اسلامی ممالک کی بہت سی آبادی میں اس کا رواج ہے۔

اس خاص قسم کے رہن میں مرتہن شی مرہون پر قبضہ نہیں کرتا ہے لیکن ”ایگریمنٹ ہیپر“ (معاہدہ نامہ) کی وجہ سے مرتہن کو اس میں تصرف و فرسخت کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ معاہدہ کے مطابق قیمت کی عدم ادائیگی کی صورت میں مرتہن کو فرسخت کر کے اپنا حق لینے کا پورا

پورا حق اور موقع حاصل ہوتا ہے، اس دوران راہن اپنی چیز فرخت نہیں کر سکتا ہے، اور مرتہن کو اختیار رہتا ہے کہ کسی وقت بھی مال مرہون پر قبضہ کر لے۔

اور اس اثناء میں راہن اپنی چیز سے مستفیع ہوتا نیز مرتہن بھی ضمان سے بری ہوتا ہے، اگر شئی بلاک ہو جائے تو اس کی ملک سے بلاکت مبرا پائے گی۔

واضح رہے کہ اس رہن میں اگر چہ شئی مرہون پر مرتہن کا قبضہ نہیں ہوتا ہے، لیکن اس کے دستاویزی کاغذات پر مرتہن کا ہی قبضہ رہتا ہے جس کی بناء پر مرتہن تقریباً مطمئن ہو جاتا ہے۔ نیز آج کی بین الاقوامی تجارت جس میں بسا اوقات بائع امریکہ میں اور مشتری ہندوستان میں رہتا ہے ایسی صورت حال میں شئی مرہون پر حسی قبضہ بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دستاویزی کاغذات پر بدستور مرتہن کا قبضہ ہوتا ہے۔ اور اس میں دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر ”رہن سائل“ کے جواز کا فتویٰ دیا جانا چاہئے۔ اس کو جائز قرار دینے کے بعد مذکورہ صورت کو بھی جائز کہا جاسکتا ہے، جس میں فرخت و تصرف کا حق بائع کو ہی ہوگا جس مقصد کے پیش نظر اس شئی کو مرہون بنایا گیا ہے۔

۱۲ - چونکہ یہ عقد تبرع ہے، نیز کفالت بھی تبرع ہونے میں بالکل قرض کی طرح ہے، لہذا قرض کی طرح کفالت و گارنٹی پر بھی اجرت و معاوضہ لیما حرام ہے۔

لیکن آج تجارت کا رخ بدل چکا ہے۔ اس کے نتیجے میں لین دین اور کفالت و گارنٹی کی بھی نئی نئی صورتیں سامنے آ رہی ہیں، اب تو افراد و اشخاص سے بالاتر ہو کر کفالت و گارنٹی کے لئے باقاعدہ ادارے اور بینک قائم ہو چکے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ ان اداروں کو کریڈٹ لیٹر جاری کرنے میں مختلف قوتوں میں سرمایہ خرچ کرنا پڑتا ہے، اس کام کو انجام دینے کے لئے مستقل ادارے کا قیام، اس کی ضروریات و اخراجات اور اس کے عملہ کی تنخواہیں یہ سب کچھ ادارہ کو ہی کرنا پڑتا ہے۔

لہذا اگر اشخاص، افراد اور ادارے واقعی اخراجات اجرت و معاوضہ لیتے ہوں تو درست ہے، کیونکہ شریعت میں ”اعتبار“ معنی کا ہے ”العبرة للمعنی“۔

۱۳- کیا دستاویز کی بیع درست ہے؟

کاغذی دستاویز پر نہ مال کی تعریف صادق آتی ہے، اور نہ اس کو مال سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ مالیت کی محض سند ہوتی ہے، اس کے ذریعہ صرف یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ فلاں کے پاس اتنی مالیت ہے، بذات خود وہ کوئی مال نہیں۔

لہذا دستاویز کی خرید و فروخت صحیح نہیں ہے۔ اس کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال حرام ہوگا، البتہ دستاویز کی بیع کا حیلہ علماء نے ذکر فرمایا ہے، اگر اس کے مطابق عمل کیا جائے تو درست ہوگا۔

حیلہ کا حاصل یہ ہے کہ مشتری کو اپنا وکیل بنالے اور وکالت کی اجرت بھی متعین کر دے۔

دستاویز کی بیع کی درستگی کا یہی حیلہ ہے، اس کو اختیار کرنے سے معاملہ درست ہو جائیگا، البتہ اگر وکیل کو مثلاً مدیون کے افلاس کی بناء پر دستاویز کی رقم نہ مل سکی تو اپنا دیا قرض وصول لے گا (امداد الفتاویٰ ۳/۲۲۲، فقہی مقالات ۹۹)۔

۱۴- دیون موجد کو معجلہ بنانے کے لئے دین کا کچھ حصہ چھوڑنا:

صورت مذکورہ کے جواز و عدم جواز کی بابت صحابہ، ائمہ اور دیگر اہل علم حضرات کے درمیان شدید اختلاف رہا ہے، تاہم جواز میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، امیر ایہم نخعی، زفر بن بذیل اور شوافع میں شیخ ابو ثور کا نام قابل ذکر ہے۔

ان حضرات نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے جس میں بنو نضیر کی جلا وطنی کا تذکرہ آیا ہے، کہ اس موقع پر کچھ صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تو بنو نضیر کی جلا وطنی کا حکم فرمایا ہے، حالانکہ ہم میں سے کچھ لوگوں پر ان کے

دیون ہیں اور ان کی مدت پوری بھی نہیں ہوئی ہے، آپ نے فرمایا: کچھ نقد دے کر بقیہ ساقط کر لو۔

تاکلمین عدم جواز میں حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابتؓ، محمد بن سیرین، حضرت حسن بصری، ابن مسیب، حکیم بن عتبہ اور امام شعبہ رحمہم اللہ وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے، اور ائمہ اربعہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ان حضرات کی جانب سے ”بنو نضیر“ والے واقعہ کی مختلف توجیہ پیش کی جاتی ہے، بعضوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ واقعہ دوسری ہجری کا ہے، اور ربا کا حکم اس کے بعد نازل ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”ضع و تعجل“ والا حکم منسوخ ہے۔

نیز بعضوں نے اس روایت کو سند کی حیثیت سے لائق احتجاج تسلیم نہیں کیا ہے۔

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ: ”بنو نضیر“ عام طور پر سود کا معاملہ کرتے تھے، آپ نے جس حصہ کو ساقط کرنے کا حکم فرمایا تھا وہ سود تھا (شرح البرقانی علی مؤطا امام مالک ۳/۲۰۵، ۲۰۶)۔

ذکر کردہ تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ تجلیل کے مقابلہ میں دین کا کچھ حصہ چھوڑ دینا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ چھوڑنا مدت کی کمی کا عوض ہے۔ اور مدت کے عوض میں رقم کا لیمہ، دینا دونوں ہی سود میں داخل ہیں جن کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے (بدایع فتح القدر ۸/۲۲۸)۔

۱۵- اس سوال کا جواب وہی ہے جو جواب ۱۴ میں مذکور ہے فرق ان دونوں صورتوں میں صرف صورت ہے، حکماً کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ دیون مؤجلہ کو کچھ کم کر کے معجلہ بنانا ہی باعث سود ہے، اور یہاں یہی حرمت کا معیار ہے۔

۱۶- کیا کسی قسط کی ادائیگی میں تاخیر مہلت ختم کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے؟

کسی قسط کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے کے بعد بائع کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مہلت ختم کر کے فوری طور پر اپنی بقیہ واجب الاداء رقم وصول کر لے۔ یا اس کا مطالبہ کرے (خلاصۃ الفتاویٰ

۱۷۔ سفر یقین میں سے کسی ایک کی موت سے بیع بالتقسیط پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟
 بیع بالتقسیط کے دونوں فریق میں سے ہر ایک کی موت کا اثر الگ الگ ہے، دائن کی موت کا اثر ”اجل“ (مقررہ وقت) پر نہیں پڑتا ہے، کیونکہ اس کی طرف سے مدت کی مہلت کا دیا جانا مدیون کے ساتھ ایک قسم کا ایسرا اور سہولت پہنچانا ہے، اس کی موت کے بعد اس مقصد میں کوئی خاص فرق و اثر نہیں پڑتا ہے، البتہ موت کے بعد یہ دین ان کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔
 مدیون کی موت:

مدیون کی موت سے معاملہ پر گہرا اثر پڑتا ہے چونکہ مدیون کا ادھار پر معاملہ کرنا اور دین اپنے ذمہ واجب کرنا اس لئے تھا کہ تجارت کر لے اور اس کی بڑھوتری سے ثمن کی ادائیگی کرے۔ ظاہر ہے اس کی موت کے بعد یہ مقصد کیسے پورا ہو سکتا ہے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

۱۔ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مدیون کی موت مدت ادائیگی کے دوران ہو جانے کی وجہ سے دین مؤجل فوری واجب الاداء ہو جاتا ہے، امام احمد سے ایک روایت اس طرح کی منقول ہے۔

۲۔ حنابلہ کا مسلک مختار اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مدیون کی موت کے بعد اگر اس کے ورثاء دین کی توثیق کر دیں، اور اس کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کر لیں تو وہ دین مؤجل ہی رہے گا۔ فوری واجب الاداء نہیں ہوگا، چونکہ ورثاء کی توثیق اور ان کی ذمہ داری قبول کرنا دراصل اس بات کی خاموش سند ہے کہ ہم اپنے مورث مدیون کے مقصد کے مطابق دین کی تاخیر کا فائدہ لیں گے۔ اور یہ دین کی ادائیگی کا وعدہ بھی ہے (المنہج لابن قدامہ ۳۳۸۲)۔

احقر کے نزدیک حنابلہ کا مسلک مختار ہی راجح ہے۔

۱۸۔ صورت مذکورہ میں جس انعام کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ از روئے شرعاً درست ہے، نہ وہ ربا میں داخل ہے اور نہ اس کو قمار شمار کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس پر ربا و قمار کی تعریف صادق نہیں آتی

ہے۔ ممکن ہے ”قرع اندازی“ کی تعبیر سے شبہ ہوتا ہو۔ لیکن ہر قرع اندازی کا نتیجہ قمار نہیں ہوا کرتا ہے۔

☆☆☆

خرید و فروخت میں اقساط کا لحاظ

مولانا عبدالفتاح مادل

۱- نقد کے مقابلہ ادھار میں ثمن کی زیادتی کا حکم:

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تاجر کے لئے ادھار میں قیمت کا زیادہ کر دینا درست اور جائز ہے (بدائع الصنائع ۵/۲۲۳، المدونۃ الکبریٰ ۳/۳۲۸، فتح العزیز علی ہاشم المجموع ۹/۱۲، المغنی لابن قدامہ ۲/۲۱۳)۔

۲- قسط وار رقم کی ادائیگی کا حکم:

ادھار قیمت قسط وار بھی ادا کی جاسکتی ہے اور اس پر بھی ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے (خانہ ۲۶۹۷، کتاب الام ۳/۳۳)۔

۳- نقد اور ادھار میں قیمتوں کا فرق:

اگر عاقدین کے درمیان مجلس ہی میں یہ بات طے پا جاتی ہے کہ میں نقد سو روپے دوں گا یا سو سو روپے پر دونوں کی رضامندی ظاہر ہوگئی تو معاملہ درست ہوگا، اور اگر مبہم ہی چھوڑ دیا تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ جہالت باعث نزاع ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات درجہ ذیل ہیں:

حنفیہ کے نزدیک بیع کی کوئی ایک نوعیت اور قیمت رضامندی سے طے ہو جائے تو جائز ہے (بدائع الصنائع ۵/۱۵۸)۔

کیونکہ جو جہالت مانع تھی وہ مجلس ہی میں باہمی رضامندی سے ختم ہوگئی (بدیۃ المجتہد

۱۵۳/۲)۔

اگر بیع کسی ایک صورت میں لازم نہیں ہوئی تھی تو یہ صورت امام مالک کے نزدیک

درست ہے۔

شواہح کے نزدیک بھی یہی صورت ہے (حاشیہ تجلہ المحتاج ۳۴۳)۔

حنابلہ کے یہاں بھی یہ صورت جائز ہے (المغنی لابن قدامہ ۳۱۶۲)۔

۴- ادھار میں رقم کی زیادتی کا حکم:

ادھار فریختگی کی صورت میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا نہیں ہے، نیز یہ زیادتی

وقت کے عوض شمار نہ ہوگی، تمام فقہاء کرام کے درمیان یہ بات تسلیم شدہ ہے (مفہم اسلامی

وادانہ ۷۰۹/۳)۔

۵- قسطوں میں ثمن کی زیادتی کا حکم:

یہ صورت بھی دراصل عاقدین کی سہولت کے لئے ہوتی ہے، اور خاص کر مشتری اس

سے بڑی آسانی محسوس کرتا ہے، مجلس ہی میں جب عاقدین کسی ایک معاملہ پر رضامند ہو جائیں

تو اس بیع کے جواز میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ چاروں ائمہ اس کے جائز ہونے پر متفق ہیں (بدائع

۱۵۸/۵، المدونۃ الکبریٰ ۳۱۱، المغنی ۳۱۶۲)۔

۶- مدت کی تاخیر پر زیادتی کا مطالبہ اور اس کا حکم:

بیع میں اس طرح کی شرط، شرط فاسدہ ہے، جو ربا کے دائرہ میں آتی ہے، اس صورت

کے عدم جواز پر فقہاء اربعہ متفق ہیں، کیونکہ یہ ربا بھی ہے اور اس میں شرط فاسدہ بھی ہے (رد المحتار

۱۹۷۳، مقدمات ابن رشد ۱۸/۱۹)۔

۷- کسی قسط کی عدم ادائیگی کے سبب زیادتی کے مطالبہ کا حکم:

بیع کی یکمشت قیمت یا جملہ قسطیں، یا کوئی قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں بطور

”جرمانہ“ کسی زائد رقم کی شرط لگانا مفسد بیع ہے، خواہ اس زیادتی کی تعیین کردی جائے یا فیصد کا حساب رکھا جائے، اگر بائع خریدار سے اس زائد رقم کو وصول کرتا ہے تو یہ سود ہے جو بالکل حرام ہے، کیونکہ بیع میں سے اس زیادتی کا کچھ بدل اور مقابل نہیں ہے، ایسی بیع ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے (اس باب میں جواب نمبر ۶ ہی کے حوالہ جات مفید ہوں گے)۔

۸، الف: اس بات پر قریب قریب تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے کہ مال مرہون سے مرہن فائدہ نہیں اٹھا سکتا، البتہ چند شرائط کے ساتھ مالکیہ اور حنابلہ اس کے جواز کے قائل ہیں، امام صاحب کا ایک قول راہن کی اجازت کے باوجود عدم جواز کا ہے، امام صاحب کا قول معنی بر احتیاط ہے جو معاملات کے باب میں حد درجہ اہمیت کا حامل ہے (بدائع ۱۳۶/۶، نیز دیکھئے مٹا ۱۹۵/۳)۔

مرہن کے لئے مال مرہون سے استفادہ کی گنجائش نہیں ہے، مثلاً اگر غلام ہے تو اس سے خدمت لینا بھی اس کے لئے درست نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک راہن فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دے یا خود مرہن مدت کی تعیین کے ساتھ انتفاع کی شرط لگائے تو مال مرہون سے نفع حاصل کر سکتا ہے، البتہ حیوانات، کپڑے اور قرض میں انتفاع کی شرط مکروہ ہے (المدوینۃ الکبریٰ ۱۶۳/۳)۔

حنابلہ کے نزدیک اگر جانور دودھ دینے والا ہو یا سواری کے لائق ہو تو اس کے اوپر جتنے اخراجات آتے ہوں اس کے بقدر فائدہ اٹھانا درست ہے (المغنی لابن قدامہ ۲۵۲/۳)۔

(ب) ہلاک شدہ مال مرہون کے ضمان کا حکم:

حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ مرہن کا ہر وہ فعل جو مال مرہون کی حفاظت سے متعلق ہو اس فعل کی انجام دہی پر اگر رہن ہلاک ہو جائے تو مرہن ضامن نہیں ہوگا لیکن مرہن کا وہ فعل جو اس کے استعمال سے متعلق ہو اور اس کی وجہ سے رہن ہلاک ہوا ہو تو مرہن ضامن قرار پائے گا، کیونکہ ایسے عمل کے باعث مال مرہون مضمون ہو جاتا ہے (بدائع ۱۳۸/۶، نیز دیکھئے ہند یہ ۲۳۸/۵، مٹا ۵۳۱/۵)۔

شافیہ کے نزدیک مال مرہون مرتہن کے پاس امانت ہے، لہذا اگر مرتہن کی جانب سے رہن کی ہلاکت میں تعدی پائی گئی تو مرتہن ضامن ٹھہرے گا، اور تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو مرتہن پر ضمان نہ ہوگا، کیونکہ امانت کے ہلاک ہونے پر ضمان نہیں ہوتا (مستاب الام ۱۶۷/۳)۔

مالکیہ کی رائے شوافع سے ملتی جلتی ہے، اگر مرتہن رہن کی ہلاکت کا سبب نہ بنے تو ضمان نہ ہوگا اور اگر یہی سبب بن رہا ہو تو ضامن ہوگا (المدوۃ ۱۵۲/۳)۔

یہی قول حنابلہ کا ہے (المغنی لابن قدامہ ۲۰۷/۳)۔

گویا ایک درجہ میں نتیجہ کے اعتبار سے سبھی حضرات متفق ہیں، بظاہر کوئی خاص فرق ان کے درمیان واضح نہیں ہوتا۔

(ج) قیمت کی ادائیگی میں نال مٹول کا حکم:

قیمت کی ادائیگی میں نال مٹول کے سبب مرتہن مال مرہون کو حاکم کے پاس لے جائے، حاکم راہن پر فوری قیمت کی ادائیگی کے لئے دباؤ ڈالے گا، اگر تیار نہ ہو تو اپنی صوابدید کے مطابق فروخت کر دے، خواہ راہن بیچ پر راضی ہونہ ہو، اس طرح مرتہن کو اپنی رقم حاصل ہو سکتی ہے (رد المحتار ۳۵۷/۳، نیز دیکھئے بدائع الصنائع ۱۳۸/۶)۔

شافیہ کے نزدیک مرتہن قاضی کے سامنے مقدمہ دائر کرے، قاضی راہن کو بیچنے پر یا دین کی ادائیگی پر مجبور کرے، اگر وہ انکار کر دے تو قاضی خود بیچ دے اور اس کی قیمت سے مرتہن کا دین ساقط کر دے (فتح البواب ۱۹۷/۱، نیز مستاب الام ۱۶۹/۳)۔

مالکیہ اور حنابلہ دونوں کی رائے ایک ہی ہے، البتہ حنابلہ کا قول تھوڑی تفصیل کے ساتھ یہ ہے کہ اگر مرتہن کو نہ ادا کرنے پر بیچنے کی اجازت تھی تو بیچ کر دین وصول کر لے، اور اجازت نہیں تھی تو کہا جائے گا کہ ادا کرو اور مال رہن بیچو، عدم رضامندی کی صورت میں حاکم وقت مناسب اقدام کر سکتا ہے (المغنی ۲۶۲/۳، المدوۃ الکبریٰ ۱۵۶/۳)، گویا اس مسئلہ میں بھی ان چاروں ائمہ کا طریقہ کار ایک ہی ہے۔

۹۔ جس بیع کا حکم:

اگر بیع (مبجل) نقد ہوئی ہے تو بائع کو پوری قیمت کے حصول تک بیع کے روکنے کا حق ہوگا اور اگر بیع (مؤجل) ادھار ہوئی ہے تو حق جس نہیں ہوگا، اگر بائع نے بیع پر خریدار کے قبضہ کرنے کے بعد بیع کو روکا ہے تو یہ رہن شمار ہوگا، اگر خریدار نے بیع پر قبضہ نہیں کیا تھا تو بائع کا یہ روکنا اپنا ثمن وصول کرنے کے لئے سمجھا جائے گا، یعنی (جس المبیع لاستيفاء الثمن) اب بصورت رہن اگر بائع کے پاس مرہون بلاک ہو جائے تو بائع ضامن ہوگا اور بیع فسخ نہ ہوگی، اور بصورت وصولی ثمن بائع کے پاس مرہون بلاک ہو جائے تو بائع پر کوئی ضمان نہیں ہوگا اور بیع فسخ ہو جائے گی، اگر مشتری نے بائع کو ثمن ادا نہیں کیا تھا تو دے گا بھی نہیں اگر کچھ رقم دے چکا تھا تو واپس لے لے گا (رد المحتار ۱۵/۳۵۳)۔

شوائع اور حنابلہ کے نزدیک ثمن کی وصولی کے لئے رہن کو روک سکتا ہے اگر ثمن فوت ہونے کا اندیشہ ہو (المغنی ۱۳۱/۳)۔

۱۰۔ بیع کی واپسی کے بعد جمع شدہ قسطوں کا حکم:

اس قسم کی بیع، بیع عربون میں شامل ہے اور یہ ناجائز ہے اولاً تو ثمن جب قسط وار ادا کرنے کی بات طے پا چکی تو بائع کا بیع پر قبضہ کرنا ہی مادرت تھا، دوسرے جو قسطیں مشتری نے جمع کر دی تھیں بائع کو اپنے سامان پر قبضہ کر لینے کے بعد اس کی واپسی ضروری تھی، اور اس نے واپس نہیں کیا تو یہ سود شمار ہوگا، کیونکہ ظاہر ہے مشتری کی جانب سے جمع شدہ رقم کا بدلہ کچھ نہیں ہے، چنانچہ حنفیہ، شوافع، مالکیہ سبھی حضرات بیع کی اس صورت کے عدم جواز کے قائل ہیں (رد المحتار ۱۲۸/۳، حلیۃ الدسوقی ۳/۶۳، تہذیب المحتاج ۳/۳۲۲)، البتہ حنابلہ کا موقف جائز ہونے کا ہے، لیکن وہ بھی زائد رقم کا بائع کو مستحق قرار نہیں دیتے بلکہ مشتری کو بائع سے اس رقم کی واپسی کے مطالبہ کا حق دیتے ہیں (المغنی ۳/۱۶۰-۱۶۱)۔

۱۱- بیع کو خود مشتری کے پاس بطور رہن رکھنے کا حکم:

رہن کے درست ہونے کے لئے مال مرہون پر مرہن کا قبضہ ضروری ہے (بدیہ الجہد

۲۷۳/۲)۔

اس لحاظ سے مذکورہ صورت میں خریدار کے لئے خرید کردہ سامان کو بطور استعمال رکھنا رہن متصور نہ ہوگا، کیونکہ بائع نے مال مرہون پر قبضہ نہیں کیا ہے، اگر پہلے سامان پر قبضہ کر لیتا پھر خریدار کے پاس اسے رہن رکھ دیتا تو درست ہونے میں کوئی قباحت نہ تھی۔

۱۲- ضمانت پر اجرت کا حکم:

کریڈٹ لیئر اگر اس میں کتابت اور وقت کی حد تک اجرت لی جاتی ہے، تب تو جائز اور درست ہے ورنہ فی نفسہ اس کی وجہ سے اجرت لیما ناجائز ہوگا، اور شاید اس زمانہ میں کتابت اور وقت کی ہی اجرت لی جاتی ہے، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے (لغۃ الاسلامی وادلتہ

۱۶۱/۵)۔

۱۳- دستاویز کی خرید و فروخت کا حکم:

یہ دراصل دستاویز کی بیع نہیں ہوتی، بلکہ دستاویز کے اندر جو مالیت ہے اس کی بیع ہوتی ہے اور اس میں جواز اور عدم جواز کی تفصیل ہے، کیونکہ حقیقتہً دستاویز کی بیع ہی مابعدہ ہے اس لئے کہ اس میں ”مبادلة المال بالمال“ نہیں پایا جاتا، اب یہاں دو نقد جمع ہو گئے، مالیت دستاویز اور اس کا معاوضہ، اور نقدین کے اندر کمی و بیشی ناجائز ہے، اس میں ادھار بھی درست نہیں، اور مجلس کی شرط بھی ہے، اس لحاظ سے مذکورہ مسئلہ میں اگر کمی بیشی ہے تو ربا کے خانہ میں داخل ہوگا جو حرام اور ناجائز ہے، چنانچہ علامہ ثامی نقل کرتے ہیں:

”ويشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحدا جنسا وإن اختلفا

جوودة وصياغة“ (الدر المختار علی ہاشم ارد ۲۶۱/۳، نیز دیکھئے بدائع ۲۱۵/۵، فتح القدير ۲۸۳/۵)۔

جنس ایک ہو تو برابری، اور مجلس میں قبضہ شرط ہے کو صفت میں مختلف ہو مثلاً رومی اور جید ہو یا بناوٹ کو اٹنی کفرق ہو، یہ بیع صحت بیع کے لئے مانع نہیں ہے، اور علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں:

”و أما ما يحرم فيه الربا فينظر فيه فإن باعه بجنسه حرم فيه التفاضل والنساء والتفرق قبل التقابض“ (المجموع ۹/۳۰۳، نیز دیکھئے تحفۃ علی حوائج المشروانی ۳/۲۷۳)۔
(وہ اشیاء جس میں ربا حرام ہے تو اس میں تدبیر کریں گے، اگر اس میں جنس کا تبادلہ جنس سے ہو رہا ہو تو کمی، بیشی اور قبضہ سے پہلے جدا کیگی حرام ہے)۔

۱۴- ادھار معاملہ میں ثمن میں کمی کر کے نقد مطالبہ:

”ضع تعجل“ کی صورت عاقدین کے حق میں ہمدردی اور محبت کا باعث ہے، مشتری اپنی سہولت کی خاطر جہاں ادھار کے بجائے نقد رقم ادا کر دے تو اسی طرح اگر بائع نے ادھار معاملہ میں متعینہ مدت سے پہلے قیمت کا مطالبہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اتنے پیسے ہم تمہیں معاف کر دیں گے تو بے چارے مشتری کو کیا پڑی ہے کہ اسے قبول نہ کرے، حالانکہ اب اسے پہلے کے بالمقابل کم ہی دینا پڑے گا، یہ کمی بائع کا تمعر ہے، اور مشتری نے بذات خود اس کمی کی شرط نہیں لگائی تھی کہ شبہ رہا ہو، نیز بائع اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے چاہے تو پورا دین بھی معاف کر سکتا ہے، اس سلسلہ میں ایک قاعدہ بھی فقہاء کے یہاں مسلم ہے ”تذیل البائع من الثمن بعد العقد تلحق باصل العقد“۔

لہذا یہ کمی اصل قیمت ہی متصور ہوگی (دررالحکا ۴/۲۴۱)۔

البتہ مدت سے آگے بڑھانے پر زیادتی کا مطالبہ ناجائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زیادتی اصل میں تاخیر کے سبب ہو رہی ہے، اور یہ ماورست ہے، ”و بیع التأجيل لا يجوز“ (المغنی ۳/۳۱۶)۔

۱۵- عدم تعیین مدت پر فوری لین دین:

اوصار معاملہ میں قیمت کی ادائیگی کے لئے مدت کی تعیین نہیں ہوئی اور پھر بعد میں پہلے جو قیمت عاقدین کے مابین طے ہوئی تھی اس سے کم قیمت میں ان کے درمیان مصالحت ہوگئی کہ ابھی اتنے پیسے کم ہی دے کر بیچ لے لو تو یہ صورت جائز ہے، اور ایسی بیچ درست ہے (دررالحکام ۱/۲۳۰)۔

۱۶- کسی قسط کی تاخیر پر ماقبی قیمت کے مطالبہ کا حکم:

باع طے شدہ قسطوں کی تاخیر پر پوری قیمت کے فوری مطالبہ کا حق رکھتا ہے، ”دررالحکام“ میں مذکور ہے:

”إذا لم يف الدين بالشرط تحول باقى الدين معجلاً“ (دررالحکام ۱/۲۳۰)۔

جب دین متعینہ مدت پر ادا نہیں کیا تو ماقبی موجب دین معجل (نقد) ہو جائے گا، یہی رائے شوافع کی بھی ہے (مصاب الام ۳/۳۳)۔

۱۷- سفر یقین کے انتقال کے بعد طے شدہ معاملہ کا حکم:

وائن کے انتقال سے معاملہ کی نوعیت میں فرق نہیں آئے گا، بلکہ طے شدہ معاملہ برقرار رہے گا، ورثہ مدت کے گزرنے سے پہلے دین کا مطالبہ نہیں کر سکتے، ہاں اگر مدیون کی وفات ہو جائے تو معاملہ کی صورت بدل جائے گی، بائع کو فوری طور پر مطالبہ کا حق ہوگا، اور معاملہ ختم کر دیا جائے گا، علی حیدر لکھتے ہیں:

”إذا باع إنسان من آخر متاعاً وهو صحيح سلمه إليه ثم توفي فليس لورثته أن يأخذوا الثمن من المشتري قبل حلول الأجل، لأن الأجل الذى هو حق المدين لا يبطل بوفاة الدائن“ (دررالحکام ۱/۲۲۸، نیز دیکھئے رد المحتار ۳/۲۶)۔

بائع نے مشتری سے کوئی سامان فروخت کیا اور بیچ حوالہ کر دیا اور عقد کے وقت وہ موجود تھا پھر موت ہوگئی تو وارثین کو مدت کے گزرنے سے پہلے مشتری سے ثمن کے وصول کرنے

کاحق نہیں ہے، کیونکہ اجل مدیون کاحق ہے، یہ دائن کی وفات سے باطل نہیں ہوتا۔
شوافع بھی اسی کے قائل ہیں: ”انتقل بموت البائع لوارثہ وحل بموت
المشتری ولا یضر بموته؛ لأنه أمر غیر متیقن عند العقد فلم ینظر إلیہ (تحت
المناج ۳/۲۹۷)۔

بائع کی موت سے معاملہ اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہوگا اور مشتری کی موت سے
برقرار نہ رہے گا، بلکہ ختم ہو جائے گا، کیونکہ یہ غیر یقینی معاملہ ہے، لہذا اس کی طرف نظر نہیں کی
جائے گی۔

۱۸- ماہ بماء انعام کی حیثیت:

بیع بالتقسیط کے ساتھ ماہ بماء بذریعہ قمر عاندازی انعام دینا شرعی نقطہ نظر سے درست
معلوم ہوتا ہے، اور اس سے بیع کے اصول و آداب میں کوئی فرق نہیں آتا ہے، مشتری کو اس کی
اصل قیمت کے ذریعہ بیع مل جاتی ہے، اور کسی طرح کا اس کے ساتھ دھوکا نہیں کیا جاتا، یہ ماہ و
سال پر انعام دینا لوگوں کو اپنے سامان کی بکثرت فروختگی کی طرف رغبت دلانے کے لئے ہے،
اور ہر بائع اپنے سامان کی زیادہ سے زیادہ فروخت کا خواہشمند رہتا ہے، اس کے لئے وہ مختلف
صورتیں اختیار کرتے ہیں، یہ انعام کی شکل بھی اسی میں سے ہے، چنانچہ وہ قمر عاندازی کر کے
جس کا نام آیا اسے انعام دیتے ہیں، تاکہ ہر شخص یہ سوچ کر کے کہ انعام مجھے ملے خریدار بن
جائیں نہ تو اس انعام کا تعلق ثمن سے ہے اور نہ ہی بیع سے، لہذا بائع کا اس طرح انعام دینا، اور
خریدار کے لئے اس سے مستفید ہونا درست اور جائز ہے۔

۱۹- بطور قمر عاندازی بیع کی حوالگی کا حکم:

بیع کی صحت کے لئے بیع اور ثمن کا معلوم ہونا شرط ہے، اور بیع و ثمن کی جہالت مفسد بیع
ہے الا یہ کہ جہالت باعث نزاع نہ ہو، سوال میں مذکور صورت میں اجل اور ثمن میں کسی قدر
جہالت ضرور ہے، لیکن اس جہالت سے کوئی نزاع نہیں ہوگا، اور ہو بھی کیوں جبکہ باہمی رضا

مندى موجود ہے، لہذا ابانے کا فروخت کرنا اور مشتری کا خریدنا دونوں درست ہیں، گویا اس کی صورت یہ ہوگی کہ:

زید بانے ہے، اس کے پاس کوئی چیز بیچ ہے،..... خریدار بکر، عمر، حامد، ساجد وغیرہ ہیں، زید نے چاروں خریداروں کو کسی مدت تک قسط وار ۲۰/۲۰ روپے جمع کرنے کی ذمہ داری دے دی ہے، خریداروں نے رقم جمع کر دی، مگر سامان کسی کو نہیں دیا گیا، بلکہ قرض اندازی کے ذریعہ جس کا بھی نام نکل آیا یہ سامان اس شخص کا ہو گیا، اور یہ شخص جو منہا بکر تھا، خارج از معاملہ ہو گیا، اسی طرح ہر ایک شخص عمر، حامد، ساجد اپنے نام نکلنے پر معاملہ سے نکل جائیں گے ہر ایک کو بیچ اس کے ثمن کے ساتھ مل جاتی ہے، اس میں علاوہ پہلے کے ہر ایک خریدار کو کافی مدت تک انتظار کرنا پڑتا ہے، چونکہ وہ اس پر راضی ہے اس لئے بیچ درست ہوگی۔

صحت بیچ کی شرائط کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:

”ومعلومیة المبیع و معلومیة الثمن بما یرفع المنازعة“
(رد المحتار ۶/۳۳)، بیچ و ثمن کا معلوم ہونا اس طرح کہ نزاع نہ پائی جاسکے شرط ہے۔
کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ”وإن كان مجهولاً جهالة لا تفضی إلى المنازعة لا یفسد..... واذا لم تكن مفضیة إلى المنازعة لا تمنع من ذلك فیحصل المقصود“ (بدائع المنابع ۵/۱۵۶)۔

جہالت مفصی الی النزاع نہیں ہے تو بیچ فاسد نہیں ہوگی اور جب جہالت مفصی الی النزاع نہ ہو تو اسے اس بات سے روکنا ممنوع ہے، کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔

قسط وار خرید و فروخت میں ائمہ کا موقف

سوالنامہ اراکین کا سی

۱- یہ صورت جائز ہے، یہی رائے جمہور ائمہ کی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: "لأن الأجل مرغوب فيه، ألا ترى أن الثمن قد يزداد لمكان الأجل" (بوائج ۲۲۳/۵، نیز دیکھئے: مٹائی ۱۷۷/۵، فقہ الاسلامی وادانہ ۷۰۹/۳)۔

(اس لئے کہ مہلت بھی معاملہ میں رغبت کا باعث ہے چنانچہ ادھار کی وجہ سے کبھی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے)۔

اسی طرح علامہ ابن محمد الرافعی شافعی تحریر فرماتے ہیں: "للتفاوت الظاهر بين المؤجل والمعجل في المالبة" (فتح العزيز علی المجموع ۱۲/۹-۱۳، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی ۲۱۳، ۱۳۲، بولبیہ الجہد ۲۱۵/۲، المدوینۃ الکبریٰ ۲۳۶/۳، حاشیہ المدوینۃ ۱۶۵/۳، مقدمات ابن رشد علی المدوینۃ ۳۲۸/۳)۔

- ۲- ادھار قیمت قسطوں میں ادا کرنی جائز ہے (صحیح الخالق علی البحر ۲۸۰/۵، البحر الرائق ۲۸۰/۵)۔
شوائع کے نزدیک بھی یہ صورت جائز ہے (مآب الام ۳۳/۳)۔
یہی رائے جمہور ائمہ بہ شمول مالکیہ اور حنابلہ کی ہے۔
۳- اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی آراء حسب ذیل ہیں:

حنفیہ کا نقطہ نظر:

چونکہ کسی ایک صورت پر معاملہ متعین نہیں ہوا ہے جس کی وجہ سے کوئی ایک قیمت متعین

نہ ہو سکی، اس لئے یہ بیع درست نہ ہوگی، چنانچہ علامہ کاسانی بیوع فاسدہ کے ذیل میں یوں رقم طراز ہیں:

”وجہالة الثمن تمنع صحة البيع“ (بدائع ۵/۱۵۸، نیز دیکھئے: فقہ الاسلامی وادلتہ ۴۷۲) (قیمت متعین نہ ہونے کی صورت میں بیع صحیح نہیں ہوتی ہے)۔ ہاں اگر مجلس عقد ہی میں کسی ایک متعین قیمت پر معاملہ طے کر لیتا ہے تو اس بیع کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے (حوالہ سابق)۔

شواہع کارحجان:

اس صورت میں کسی ایک قیمت کے متعین ہوئے بغیر اگر بائع و مشتری مجلس عقد سے جدا ہو جاتے ہیں تو یہ بیع درست نہیں ہوگی بلکہ ناجائز و فاسد ہوگی۔ چنانچہ حواشی شروانی وابن قاسم میں تحریر ہے:

”وتخصیص البطلان بقبوله علی الإبهام أو بقبولهما معا“ (حواشی علی تحفۃ لکنانج ۳۷۴، نیز دیکھئے: المجموع ۳۳۸/۹) اور بیع کا باطل ہو جانا خاص ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ مبہم طور پر یا دونوں کو بیک وقت قبول کر لیا ہو۔

یہی رائے جمہور فقہاء اور حنابلہ کی بھی ہے (المغنی ۳/۱۶۱)۔

مالکیہ کا خیال:

مالکیہ کے نزدیک اگر یہ بیع لازم نہ ہو تو درست اور صحیح ہے اور مشتری کو اختیار حاصل ہوگا، اور اگر بائع کسی ایک میں بیع لازم کر دے تو بالاتفاق یہ بیع ناجائز ہوگی، چنانچہ محمد بن رشد اقرطبی مسلک مالکی کی ترجمانی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”إذا لم یکن البیع لازماً فی أحدهما فأجازہ مالک ومنعہ أبو حنیفة والشافعی، وجعلہ مالک من باب الخيار، وأما إذا کان البیع فیہ واجباً فلا خلاف فی أنه لا یجوز“ (بدیة المجتہد ۲/۱۵۳، دیکھئے: المدویر ۳/۲۱۱)۔

(جب ان میں سے کسی ایک میں بیع لازم نہ ہو تو امام مالک اسے جائز کہتے ہیں، ابوحنیفہ وشافعی اسے ناجائز، اور مشتری کو امام مالک کے نزدیک اختیار ہوگا، اور جب بیع ان میں سے کسی ایک میں لازم ہو تو بالاتفاق وہ بیع ناجائز ہوگی)۔

۴- یہ اضافہ ربا کے دائرے میں نہیں آتا، تفصیل سوال نمبر ۱ کے جواب میں گذر چکی (بدائع ۲۲۳/۵، نیز دیکھئے ہٹائی ۱۷۷/۵، ہدایہ ۷۶/۳)۔

۵- معاملہ کی یہ شکل ازروئے شرع درست اور جائز ہے، کیونکہ معاملہ کے ایک صورت پر متعین ہونے کی وجہ سے بیع کی قیمت (ثمن) بھی متعین ہوگئی، مجہول نہیں رہی (بدائع ۱۵۸/۵)۔ یہی رائے امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور دیگر فقہاء کرام کی ہے (المجموع ۳۳۸/۹، المغنی ۳/۱۶۲، المدوینہ ۳/۲۱۱، بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۳، الفقہ الاسلامی وادلہ ۳/۷۲)۔

۶- یہ سو ہے، اور سود لیما اور دینا دونوں حرام ہے، لہذا یہ بیع جائز نہیں ہوگی، کیونکہ وہ بیع جس میں ربا یا ربا کا شبہ ہو وہ بیع فاسد ہے (بدائع ۱۸۳/۵، نیز دیکھئے ہٹائی ۱۹۷/۳)۔ یہی رائے شوافع، حنابلہ، مالکیہ اور دیگر فقہاء کرام کی ہے (مقدمات ابن رشد علی المدوینہ ۳/۱۱۸، المجموع ۱۶۲/۸)۔

۷- بیع کی یہ صورت بھی ربا میں داخل ہے، کیونکہ جو قیمت انقساط میں متعین ہے وہ تو مشتری ادا کرے گا ہی، تاخیر کی صورت میں مزید ادا کرنے کی جو شرط لگادی گئی ہے وہ عوض سے خالی ہے، اور جو مال شئی عوض سے خالی ہو اسی کا نام ربا ہے اور اس کی حرمت اولہ شرعیہ سے ثابت ہے۔

یہی رائے حنابلہ و مالکیہ اور شوافع کی ہے (حوالہ سابق)۔

۸- (الف) اس سلسلے میں مذاہب اربعہ کی تفصیل یہ ہے:

راہن کی اجازت کے بغیر بائع کے لئے مال مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں

ہے (بدائع ۱۳۶/۶)۔

اگر راہن اجازت دے تو اس کی دو صورتیں نکلتی ہیں: پہلی تو یہ کہ سودا کرتے وقت ہی بائع نے خریدار پر یہ شرط لگا دی ہو کہ وہ شیء مرہون کو اپنے استعمال میں لائے گا، راہن نے اجازت دیدی، خواہ شرط حقیقی ہو یا شرط حکمی ہو، اس طرح کہ بائع نے شرط تو نہیں لگائی لیکن سماج میں شیء مرہون سے فائدہ اٹھانے کا عام چلن ہے تو یہ بھی بمنزلہ شرط کے ہوگا، ایسی صورت میں راہن کی اجازت کے بعد بھی بائع کے لئے شیء مرہون سے انتفاع جائز نہیں ہے (فتح القدیر ۲/۹۷، ۷۹، ۷۸، ۳۳۲/۵، نیز دیکھئے: بدائع ۱/۳۶۶، الفقہ الاسلامی وادلہ ۲/۵۷۷، حلیۃ العلماء فی مذاہب الفقہاء ۳/۳۳۹)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ معاملہ کے وقت بائع نے انتفاع کی کوئی شرط نہیں لگائی، اور نہ ہی معاشرہ میں اس کا چلن عام ہے، بلکہ راہن اپنی مرضی سے مرتہن کو شیء مرہون سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتا ہے تو یہ صورت جائز ہے (درمختار علی الرد المحتار ۵/۳۳۳-۳۳۲)۔ مالکیہ کے نزدیک وافر وخت کے معاملہ میں اگر فر وخت کرنے والا معاملہ کے وقت انتفاع کی شرط لگا دے یا خوشی سے راہن خود ہی اجازت دے دے تو بائع کے لئے مال مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز ہے (المدونہ ۳/۱۶۳، حاشیۃ المدون علی لشرح الکبیر ۳/۳۵۵)۔ شوافع کے نزدیک بھی بغیر راہن کی اجازت کے شیء مرہون سے انتفاع جائز نہیں ہے (المجموع ۱۰/۱۳۲)۔

حنابلہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر مال مرہون حیوان ہو تو اپنے خرچ کے بقدر راہن کی اجازت کے بغیر بھی اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے (المغنی ۳/۲۵۰، ۲۵۱)۔

(ب) مسلک احناف: اگر بائع کے قبضہ میں مال مرہون اس کی تعدی سے ضائع ہو جائے تو بالا جماع بائع ضامن ہوگا، اگر مثلی ہو تو مثل کا اور قیمتی ہو تو اس کی قیمت واجب ہوگی، اور اگر بائع کے قبضہ میں مال مرہون اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک قیمت اور دین میں سے جو اقل ہو بائع اس کا ضامن ہوگا (بدائع الصنائع ۶/۱۶۰-۱۶۳، الفقہ الاسلامی وادلہ ۲/۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹)۔

دیکھئے: تمییز الحقائق ۶/۸۷، ۵/۳۳۱، حلیۃ العلماء ۳/۲۵۸۔

مسلک شوائع: چونکہ شیء مرہون مرتہن کے پاس امانت ہے لہذا بائع ضامن نہیں ہوگا (المجموع شرح المہرب ۱۰/۱۳۸)۔

حنابلہ کی بھی وہی رائے ہے جو شوائع کی ہے (المغنی ۳/۲۵۷)۔

مالکیہ کا رجحان: بائع یعنی مرتہن اس وقت ضامن ہوگا جبکہ شیء مرہون کی بلاکت کا سبب پوشیدہ ہو، اور اگر بلاکت کا سبب واضح اور ظاہر ہو مثلاً حیوان مال مرہون تھا اور وہ ہلاک ہو گیا، تو بائع ضامن نہیں ہوگا (حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء، المدوئۃ ۳/۲۵۲، فقہ الاسلامی ۲/۲۷۱)۔

(ج) مسلک حنفی: خریدار اگر وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرے یا نال مٹول کرے، راہن اگر موجود ہو، یا خود تو غائب ہو، لیکن اس کا وکیل موجود ہو، تو راہن یا اس کے وکیل کو بالاتفاق تاقضی دین ادا کرنے یا مال مرہون کو بیچنے پر مجبور کرے گا، اور اگر بیچنے سے انکار کر دے تو تاقضی شیء مرہون کفر وخت کر دے گا، اور مرتہن اپنا دین اس قیمت سے صاحبین کے نزدیک وصول کر لے گا، امام اعظم کے نزدیک انکار کی صورت میں راہن کو قید کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ خود ہی بیچنے پر مجبور ہو جائے، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (رد المحتار ۵/۳۵۹)۔

یہی رائے حنابلہ، شوائع، مالکیہ اور دیگر فقہاء کرام کی ہے (المغنی ۳/۲۶۲، المجموع ۱۰/۱۲۷، المدوئۃ ۳/۱۵۶)۔

۹۔ اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مسالک کی تفصیل یہ ہے:

حنفیہ کا مسلک: بخر وخت شدہ سامان کو بائع اس وقت تک روک سکتا ہے جب تک مکمل قیمت وصول نہ کر لے، اور یہ اس وقت درست ہوگا، جبکہ بائع نے مشتری سے نقد سودا کیا ہونہ کہ ادھار، اور اگر بائع نے سودا ادھار فر وخت کیا ہے تو اس کو اب بیع کے روکنے کا حق حاصل نہ ہوگا، علامہ کا ساقی تحریر فرماتے ہیں:

حنابلہ کا نقطہ نظر:

حنابلہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، یہی رائے ابن سیرین اور حضرت ابن عمرؓ کی ہے، تاہم ان کے نزدیک بھی خریدار کے بیع نہ لینے کی صورت میں فروخت کرنے والا اس پیشگی رقم کا حقدار نہ ہوگا، مشتری کو دی ہوئی رقم واپس لینے کا حق حاصل ہوگا، چنانچہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

”قال أحمد لا بأس به، وفعله عمر، وعن ابن عمر أنه أجازہ، وقال ابن سيرين: لا بأس به، وإن لم يشتتر السلعة في هذه الصورة لم يستحق البائع الدرهم، لأنه يأخذ بغير عوض، ولصاحبه الرجوع فيه“ (المغنی ۳، ۱۶۰، ۱۶۱)۔

(امام احمد نے فرمایا کہ اس بیع میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے ایسا کیا ہے، ابن عمرؓ سے بھی جواز مروی ہے، اسی کے قائل ابن سیرین بھی ہیں، اس صورت میں اگر مشتری نے سامان نہیں لیا تو بائع کو درہم لینے کا کوئی حق نہیں، کیونکہ یہ سود ہے، اور مشتری کو بائع سے اپنا ثمن واپس لینے کا حق حاصل ہوگا)۔

خلاصہ کلام یہ کہ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ بیع کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے، کیونکہ جائز قرار دیئے جانے کی صورت میں سامان نہ لینے پر بائع کے پاس ادا کردہ رقم بغیر عوض کے ہوگی، اور سود لیمانہ وینادونوں حرام ہیں، اسی طرح جس معاملہ کا تعلق سود سے ہو جاتا ہے وہ بھی حرام ہے۔

۱۱ - جہاں رہن کی بہت سی شرائط ہیں وہیں رہن کے جائز ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شئی مرہون پر مرہون یا اس کے وکیل کا قبضہ ہو چکا ہو، اور یہ بھی مسلم ہے کہ قبضہ سے مرہون کا وکیل راہن نہیں ہو سکتا، ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

”ولا يصح ان يكون وكيلا هو الراهن“ (مفہم الاسلامی وادلتہ ۵/۲۱۶) (قبضہ سے پہلے مرہون کا وکیل راہن نہیں ہو سکتا ہے)۔

مسئلہ مذکورہ میں چونکہ خرید کردہ سامان پر بائع کا قبضہ نہیں ہوا ہے، نہ حقیقی اور نہ حکمی،

لہذا مشتری کے پاس وہ سامان رہن نہیں ہوگا (بدائع الصنائع ۶/۱۳۷)۔

ہاں مرتہن یا اس کا وکیل قبضہ کے بعد دوبارہ خریدار کے پاس بطور رہن رکھے تو یہ

درست ہے (بدائع ۶/۱۳۷)۔

شواہع و حنا بلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ شئی مرہون پر قبضہ سے پہلے راہن کے پاس رہن رکھنا صحیح نہیں ہے، نیز مرتہن قبضہ میں راہن کو وکیل بھی نہیں بنا سکتا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں مرتہن کا اس پر قبضہ سے پہلے اس کو راہن کے پاس بطور رہن رکھنا صحیح نہیں ہے (حواشی تحتہ المباح

۶/۶۸-۶۷، المغنی ۳/۲۱۶، ۲۲۹)۔

مالکیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شئی مرہون جب تک راہن یا عادل کے قبضہ میں رہے تو رہن ہوگا، یعنی ان کے نزدیک رہن کے صحیح ہونے کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس پر مرتہن کا ہمیشہ قبضہ ہو، اگر راہن کے قبضہ میں وہ آجائے چاہے مرتہن کی اجازت سے ہی کیوں نہ آوے پھر بھی رہن باطل ہو جائے گا، لہذا صورت مسئولہ میں راہن کے سامان کو خود راہن کے پاس بطور رہن رکھنا کسی بھی طرح سے جائز نہ ہوگا، چنانچہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

”إن من شرط صحة الرهن استدامة القبض وأنه متى عاد إلى يد

الراهن یاذن المرتهن بعارية أو ودیعة أو غیر ذلك فقد خرج من اللزوم“ (بدیة
المجہد ۲/۲۷۳، نیز دیکھئے المدوینۃ ۱۵۱)۔

(رہن کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ شئی مرہون پر مرتہن کا قبضہ ہمہ وقت رہے،

لہذا اگر وہ مرتہن کی اجازت سے راہن کے پاس آجائے خواہ کسی بھی طریقہ سے آئے، تو وہ رہن لزوم سے نکل گیا اور اب وہ شئی مرہون نہیں رہے گی)۔

۱۲ - کفالت ایک عقد تبرع ہے، اگر اس پر مشتری اپنی طرف سے کچھ روپے بطور ہدیہ

یا بیہ دے دے تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر عقد کفالت میں کفیل اجرت و

معاوضہ کی شرط لگا دے اور خریدار کے لئے اس سامان کا حصول ضروری ہے تو اس کے لئے اجرت

دینے کی بھی گنجائش ہے، لیکن خود کفیل کے لئے اس کا ایما جائز نہیں (فقہ اسلامی وادانہ ۱۶۱/۵)۔

۱۳ - مذکورہ صورت میں صاحب دستاویز حقیقت میں دستاویز کو نہیں، بلکہ اس قیمت و مالیت کو فروخت کر رہا ہے جو اس میں مرقوم ہے، تو کو یا نقد کی بیع نقد سے ہو رہی ہے، جس کے صحیح ہونے کے لئے چار شرائط ہیں:

۱- نقدین برابر ہوں کسی میں کمی یا زیادتی نہ ہو، ۲- اسی مجلس میں نقدین پر قبضہ ہو چکا ہو، ۳- بائع و مشتری میں کسی کو اختیار شرط حاصل نہ ہو، ۴- مٹل (نقد) ہو ادھار (موجب) نہ ہو۔

ان شرطوں میں سے کوئی ایک بھی شرط فوت ہو جائے تو بیع جائز نہ ہوگی، چہ جائیکہ دو یا تین شرائط کا نقد ان ہو، مسئلہ مذکورہ میں ایک تو نقدین پر قبضہ نہیں ہے، اور ادھار ثمن کی بیع نقد ثمن سے ہو رہی ہے، لہذا اس دستاویز کی خرید و فروخت ناجائز ہوگی (درمختار ۲/۴۰۲، دیکھئے: رد المحتار ۳/۲۶۱، البدائع ۵/۲۱۵، فتح القدر مع العناویہ ۵/۲۸۲، ۳۶۸، المجموع ۳/۴۰۳، تحفۃ علی حواشی ۳/۲۷۳)۔

۱۴ - حنفیہ کے نزدیک بطور شرط کے اس طرح کی کمی کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر خوشی سے فروخت کرنے والا (بائع) بطور تبرع کم کر دے تو جائز ہے (سنائی ۳/۵۳۲، دیکھئے: درمختار ۲/۶۱۳، اطلاق علی ملئ ۲/۱۳۲)۔

مسئلک شوافع: بائع طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے پہلے اس شرط پر مانگتا ہو کہ اس کا ایک حصہ ہم تم کو معاف کر دیں گے، شوافع کے نزدیک اس طرح کی کمی کرنا جائز نہیں ہے (حواشی علی تحفۃ المحتاج ۵/۱۵۲)۔

حنابلہ کا نقطہ نظر: ان کے نزدیک بھی یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں ”نقد“ اور ”ادھار“ کی بیع لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

”وبیع الحلول والتأجيل لا يجوز“ (المغنی ۳/۳۱۶)۔ حلول اور تأجيل کی بیع جائز نہیں ہے۔

مسلك مالکيہ: مالکيہ کے نزدیک بھی یہ صورت درست نہیں ہے، ہاں اگر بطور تصریح اور احسان کے کم کر دے تو یہ جائز ہے (مؤطا امام مالک مع التعلیق المجدد ۳/۲۰۲)۔

ابن قاسم مالکی، ابن سیرین، ابن عباسؓ، سعید بن المسیب اور شافعی کا ایک قول ہے کہ یہ صورت جائز ہے کیونکہ احادیث سے اس طرح کی کمی کرنا ثابت ہے (مؤطا امام مالک مع التعلیق المجدد ۳/۲۰۲، المغنی ۳/۳۱۶)۔

خلاصہ کلام:

جس طرح مشتری کو یہ حق ہے کہ ادھار خرید کو نقد سودا میں بدل دے، اسی طرح بائع کے لئے بھی جائز ہے کہ کل قیمت سے مشتری کو بری کر دے، یا بعض قیمت اس سے کم کر دے، مشتری کو قبول کرنے یا نہ کرنے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے (درر المختار ۱/۲۳۰، ابن ماجہ بن علی البحر)۔

لہذا جب مشتری اس (ضع و تعجل) پر تیار ہے تو عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ہے جب کہ اصول یہ ہے کہ ”تنزیل البائع من الثمن بعد العقد تلحق بأصل العقد“ (عقد کے بعد بائع نے کچھ قیمت کم کر دیا تو یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوگا)، گویا اصل عقد میں ہی اس کی اتنی قیمت تھی، اس کا بھی تقاضہ ہے کہ یہ بیع اور اس طرح کی کمی جائز ہو، بخلاف متعین وقت سے آگے بڑھانے پر قیمت میں زیادتی کے، کیونکہ اس صورت میں قیمت میں اضافہ محض تاخیر کی وجہ سے ہو رہا ہے، اور محض تاخیر پر زیادتی کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

”وبیع التأجيل لا يجوز“ (المغنی ۳/۳۱۶) (محض مہلت کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے)۔

۱۵ - اگر اس طرح معاملہ طے کر لیا ہے تو یہ بیع جائز ہوگی، کیونکہ مشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ تاخیر (ادھار) کو تعجل (نقد) میں بدل دے (درر المختار ۱/۲۲۹)۔

ابن سیرین، ابن عباس وغیرہما کے نزدیک بھی جائز ہے، چنانچہ المغنی میں ہے:

”روی عن ابن عباس والنخعی وابن سیرین، أنه لا بأس به، ولعل ابن سیرین یحتج بأن التعجیل جائز، والاسقاط وحده جائز، فجاز الجمع بینهما“ (المغنی ۳/۳۱۶)۔

(تجیل جائز ہے، اسقاط محض جائز ہے تو جب دونوں جمع ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے)۔

۱۶ - طے شدہ کسی قسط کی تاخیر پر بائع فوری طور پر بقیہ تمام قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے (ٹائی

۲۶، درالحدیث ۱/۲۳۰)۔

شوائع کا خیال بھی یہی ہے (مطب الام ۳/۳۳)۔

۱۷ - بائع (دائن) کے انتقال سے بیع بالتقسیط میں کوئی فرق نہیں آئے گا، بلکہ معاملہ اب بھی اسی تفصیل کے ساتھ باقی رہے گا، اور اگر مدیون کا انتقال ہو جائے تو اب بیع بالتقسیط ختم ہو جائے گی اور بائع کو فوری طور پر قیمت کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا، اور مدیون کے ترکہ میں سے قیمت وصول کی جائے گی۔ علامہ ابن عابدین رقم طراز ہیں:

”ویبطل الأجل بموت المملیون لا الدائن (.....بحر عن شرح المجمع) و صرح قبلہ بأنه لو مات البائع لا یبطل الأجل“ (درمختار علی لرد ۳/۲۶، دیکھئے: درالحدیث ۱/۲۲۸)۔

(مہلت مدیون کے انتقال سے باطل ہو جاتی ہے نہ کہ دائن سے، اس سے پہلے یہ صراحت ہے کہ اگر بائع (دائن) کا انتقال ہو جائے تو اجل (مہلت) باطل نہیں ہوگی، مہلت بدستور باقی رہے گی)۔

یہی رائے حضرات شوائع کی ہے، چنانچہ تحفۃ المحتاج میں ہے:

”انتقل بموت البائع لو ارثه وحل بموت المشتري ولا یضر السقوط بموته“ (تحفۃ المحتاج علی حواشی ۳/۲۵۷)۔

(بائع کے مرنے سے مہلت ورنہ کی طرف منتقل ہو جائے گی، اور مشتری کے مرنے سے مہلت ختم ہو جائے گی، اور اس کی موت کے بعد مہلت کے ختم ہونے سے کوئی نقصان نہیں ہے)۔

۱۸- مسئلہ مذکورہ میں بیع کی قیمت بھی متعین ہے، اور اجل (مہلت) بھی متعین ہے، تجارت تجارت کو فروغ دینے کے لئے مزید کچھ انعام مقرر کرتے ہیں، اور قراءہ اندازی کے ذریعہ انعامات تقسیم کرتے ہیں، اور یہ بائع کی خوشی پر ہے جسے چاہے انعام دے اور جسے چاہے انعام نہ دے، نفس بیع یا ثمن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، تماریا ربا کی تعریف بھی اس پر صادق نہیں آ رہی ہے، لہذا یہ انعام جائز ہے، اور یہ تماریا اور ربا میں داخل نہیں ہے (جوہر الفقہ ۳/۵۳۳، احکام اقرار)۔

۱۹- بیع کی صحت کے لئے یہ شرط ہے کہ بیع یا ثمن میں ایسی جہالت نہ ہو جو جھگڑے کا باعث بنے۔ مسئلہ مذکورہ میں کو قیمت میں ایک کو نہ جہالت ہے اور اجل (مدت) میں بھی جہالت ہے، لیکن عرف میں رواج پانے کی وجہ سے وہ ایسی جہالت نہ رہی جو جھگڑے کا سبب بنے۔

نیز خرید فتر وخت کے اندر بائع و مشتری کی رضامندی کو خاص دخل ہے، ایجاب و قبول کا مقصد ہی رضامندی ہے، اسی وجہ سے بیع تعاظمی جائز ہے، کیونکہ ایجاب و قبول اس میں لفظاً نہیں پائے جاتے مگر عملاً خریدار اور بائع دونوں راضی ہوتے ہیں، اس لئے بیع تعاظمی جائز ہوگی، لہذا مسئلہ مذکورہ میں جب بائع و مشتری دونوں راضی ہیں تو بیع جائز ہوگی (بدائع المعانی ۵/۱۵۶، نیز دیکھئے رد المحتار ۳/۱۳۳، در مختار علی المراد ۳/۲۳)۔

نقد و ادھار قیمت میں مساوات کا مسئلہ

مولانا جنید احمد فلاہی

۱- نقد قیمت کے مقابلے ادھار لینے کی صورت میں قیمت زیادہ رکھنا درست ہے، جیسا کہ فقہائے کرام کی تصریحات و اشارات سے معلوم ہوتا ہے۔

”لامساواة بين النقد والنسيئة، لأن العين خير من الدين، والمعجل أكثر قيمة من المؤجل“ (بداية المعاد ۵/۱۸۷ نیز ۵/۲۲۳)۔

نقد و ادھار کے مابین کوئی مساوات نہیں، اس لئے کہ نقد ادھار سے بہتر ہوتا ہے اور نقد قیمت میں ادھار سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

حضرات شوافع کی بھی اس مسئلے میں یہی رائے ہے، چنانچہ ”فتح العزیز علی المجموع“ میں ہے: ”إذا اشتراه بضمن مؤجل وجب الإخبار عنه للفتاوت الظاهر بين المؤجل والمعجل في المالية“ (فتح علی المجموع ۸/۱۲)۔

اگر کوئی ادھار خریداری کرے تو اس سے باخبر کرنا ضروری ہے، نقد و ادھار میں مالیت کے اعتبار سے واضح فرق کی وجہ سے۔

مسئلہ مالکی کی مستند ”کتاب المدونہ الکبریٰ“ میں امام مالک کا بھی یہی قول مذکور ہے (المدونہ الکبریٰ ۳/۲۱۱)۔

حنابلہ کی رائے بھی یہی ہے (المغنی ۳/۱۶۱)۔

۲- اگر بیع ہو جانے کے بعد مستقل گفتگو ضمن کی ادائیگی کی نوعیت پر ہو اور کسی ایک فیصلے پر

باع اور مشتری راضی ہو جائیں تو اقساط میں بھی ثمن کی ادائیگی جائز ہے (البحر الرائق ۵/۲۷۹، درالمنکاح ۱/۲۲۷، مجمع البحار علی البحر الرائق ۵/۲۸۱)۔

۳- مذکورہ شکل میں ثمن مجہول رہتی ہے جب تک کسی ایک کی تعیین نہ کر دی جائے، اور ثمن میں جہالت عقد میں فساد پیدا کرتی ہے، لہذا اگر تعیین نہیں کیا گیا تو بیع فاسد ہو جائے گی، البتہ مجلس عقد ہی میں بیع کی کوئی ایک نوعیت اور اس کے مطابق قیمت طے پا جاتی ہے تو پھر یہ معاملہ درست ہوگا نیز نقد و ادھار دونوں قیمتوں کا تذکرہ کرنے سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

یہی رائے ائمہ اربعہ کی بھی ہے (بدائع ۵/۱۵۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۳۵۸)۔

۴- صورت مذکورہ میں ادھار ثمن رکھنے کی صورت میں زیادتی ربا کے حکم میں نہیں آتی، زائد قیمت محض وقت کا عوض نہیں اس منفعت کا عوض ہے جو مشتری کو مہلت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے (بدائع الصنائع ۵/۱۸۷)، نیز صاحب بدائع فرماتے ہیں: "للأجل شبهة المبيع، ألا ترى أن الثمن قد يزداد لمكان الأجل" معلوم ہوا کہ اجل کی وجہ سے ثمن کی زیادتی عقد کی فطرت میں داخل ہے۔

۵- یہ صورت اصول بیع کی روشنی میں جائز معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ بیع بھی وصول ہو جاتی ہے، اور ثمن و اجل دونوں متعین ہیں، اور جب کسی قسم کی جہالت نہ رہے تو عقد مکمل ہونے میں کوئی مانع نہیں، مدت میں زیادتی کی وجہ سے ثمن کی زیادتی ظاہر ہے (لأن الثمن قد يزداد لمكان الأجل) (بدائع)، اور بیع میں ثمن کی قسط و ادائیگی کی اجازت فقہاء نے دی ہے (درعی ارد ۳/۲۶)۔

پس اگر ایک معاملہ پر مجلس عقد میں اتفاق ہو گیا تو عقد درست ہو جائے گا، یہی رائے شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی بھی ہے، جیسا کہ گذر چکا۔

۶- مذکورہ شکل میں اجل کی جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی، ظاہر ہے کہ عقد پورا ہوتے وقت عاقدین میں سے کسی کو یہ علم نہیں ہوتا کہ بیع کتنے ثمن پر منعقد ہوئی ہے۔

”ولا يصح التأجيل إلى أجل مجهول متفاحش“ (مجمع الأنهر ۳/۸۳)، ا.جل
مجهول رکھ کر ادھار کرنا صحیح نہیں ہے۔

دوسرے سبھی ائمہ کی بھی یہی رائے ہے:

”وهو أيضا باطل وهو قول جمهور، لأنه لم يجزم له بيع واحد“ (المغنی
۱۶۱/۳)، صورت بیع کا جزم نہ ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہوگی۔

۷- اصول کی روشنی میں یہ بیع قطعاً درست معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ مزید رقم جو بائع کو مل
رہی ہے بے بدل ہے، اور کسی عقد کے ذیل میں بے بدل رقم کو ربا کہا جاتا ہے۔

۸- بیع کی مذکورہ صورت قطعاً درست نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اجل متعین ہے نہ ثمن۔

”وجهالة الثمن تمنع صحة البيع“ (بدائع ۵/۱۵۸)، ثمن کی جہالت صحت بیع کے
لئے مانع ہے۔

اور جہالت سے وہ جہالت مراد ہے جو عقد کے وقت باقی رہے، ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی
مسئلہ ہے۔

۹- (الف): مرثمن کو مال مرہون سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، وہ صرف قابض
ہے، اور اگر وہ کوئی فائدہ اٹھاتا ہے جس کی وجہ سے شی مرہون کو کوئی نقصان پہنچے تو اس کا ضمان
اسی کے ذمہ ہوگا (البحر الرائق ۸/۲۷۱، ہندیہ ۵/۳۶۷)۔

علامہ نووی شافعی مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فليس للمرتهن أن يفعل ذلك بغير إذن الراهن“ (المجموع
۳۳۵/۱۳)، مرثمن کیلئے شی مرہون میں راہن کی اجازت کے بغیر تصرف درست نہیں ہے۔

المدونة الكبرى میں امام مالک کے مسلک کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”إذا باعه و ارتهن رهنا، واشترط منفعة الرهن إلى أجل قال مالك: لا
أرى به بأسا في المور والأرضين، قال مالك: وأكره في الحيوانات

و الشباب“ (المدونہ اکبری ۳/۱۶۳)۔

اگر بائع نے کوئی چیز بیچی اور ثمن کے بدلے خریدار سے کوئی رہن رکھ لیا اور دین وصول ہونے تک اس رہن سے نفع اٹھانے کی شرط بھی لگا دی تو امام مالک فرماتے ہیں کہ مکانات اور زمینوں میں تو ایسا کرنا درست ہے، لیکن حیوانات اور کپڑوں میں مناسبت نہیں سمجھتا۔
 حنا بلہ کا خیال ہے کہ اگر رہن دودھ یا سواری کا جانور ہو تو انسان کا خیال رکھتے ہوئے مرتہن کو حق ہے کہ اس جانور پر خرچ کرے اور اپنے خرچ کے بقدر اس پر سواری کرے اور دودھ استعمال کرے، اور اگر رہن دودھ یا سواری کے جانور کے علاوہ کوئی اور چیز ہو، جیسے غلام اور باندی وغیرہ تو ایسی صورت میں ان کے نزدیک ظاہر مذہب یہ ہے کہ مرتہن کا اس پر خرچ کرنا اور اپنے خرچ کے بقدر اس سے خدمت لیانا جائز ہے (المنہج ۳/۲۵۱)۔

(ب): مسلک حنفی

صورت مذکورہ میں اگر مال مرتہن کی قیمت دین کے مساوی تھی تو کو یا دین ادا ہو جائے گا، اور اگر کم بھی ہو تو مرتہن بقیہ کو راہن سے وصول کرے گا، اور اگر زائد ہو تو فاضل قیمت مرتہن راہن کو نہیں دے گا، اس لئے کہ وہ فاضل اس کے پاس امانت ہے (بدایہ علی الفتح ۱۰/۱۳۵، ہندیہ ۵/۲۲۷)۔

معلوم ہوا کہ حنفیہ مرتہن کو راہن کا ضامن گردانتے ہیں تا کہ راہن کا حرج نہ ہو، اور یہی رائے اس مسئلہ میں زیادہ صحیح اور حقوق کی حفاظت میں معین معلوم ہوتی ہے۔

جمہور کا مسلک:

جمہور کے یہاں مرتہن رہن رکھی ہوئی چیز کا امین ہے، لہذا اگر اس کی تعدی کے بغیر ضائع ہو جائے تو اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور وہ اپنا قرض راہن سے پورا پورا وصول کرے گا۔

”لا یضمن الرهن عند جمهور الفقهاء إذا هلك بلا تعد، ولا تقصير، وهو في يد المرتهن“ (فتاویٰ اسلامیہ وادانہ ۵/۲۷۱، فتح العزیز علی المجموع ۱۰/۳۸، المدونہ اکبری

- (۱۵۲/۳)

جمہور فقہاء کے نزدیک مرتہن رہن کا ضامن نہیں ہوگا اگر اس کی تعدی کے بغیر شئی مرتہون بلاک ہو جائے۔

(ج): مذکورہ صورت میں رائہن کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ رہن رکھی ہوئی چیز کو فروخت کر کے قرض ادا کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو تاقضی اسے بیچ کر قیمت وصول کرے گا، اور وہ مرتہن کو ادا کر دے گا، مرتہن کو بذات خود رہن رکھی ہوئی چیز بیچ کر اپنا حق وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے (بدائع ۱۳۸/۸)۔

دوسرے ائمہ کرام کا بھی یہی مسلک ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۷۶/۵)۔

۱۰- اس صورت میں بائع اپنے فروخت کردہ سامان کو مکمل قیمت وصول ہونے تک روک سکتا ہے۔

الف: فروخت شدہ سامان کو رہن بنانے کی شکل تو یہاں درست نہ ہوگی، اگر خریدار سامان کو شمن کی جگہ فروخت کرنے والے کے پاس رہن رکھ دے یا وہ خود ہی رہن بنا لے تو عقد ختم ہو جائے گا (ہندیہ ۱۳/۳)۔

ب: یہ سامان کو روکے رکھنے کی شکل ”حبس المبیع لاستيفاء الشمن“ کے قبیل سے ہوگی، اگر شمن کا ادنیٰ حصہ بھی ادائیگی سے رہ گیا ہے اور عقد مخیل پر ہوا تھا تو بائع اسے وصول کرنے کے لئے سامان روک سکتا ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے (مٹای ۳۷۳/۲، نیز دیکھئے ہندیہ ۱۵/۳)۔

۱۱- بیع کی یہ صورت متقدمین کی کتب میں نظر نہیں آتی، البتہ اسے اپنی ہیئت کے اعتبار سے بیع عربوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے، جس میں شکل یہ ہوتی ہے کہ اگر ابتدائی گفتگو ہو جانے کے بعد خریدار سودا نہ لے تو بیع نہ جو اس نے اپنی بات مضبوط کرنے کے لئے بطور ضمان دیا تھا بائع کا ہو جاتا ہے، امام احمدؒ کے علاوہ ائمہ کرام میں کسی کے یہاں یہ صورت درست نہیں ہے (المغنی ۱۶۰/۳)۔

۱۲ - اگر خریدار خود اس پر قبضہ کر لینے کے بعد اسے بائع کے پاس بطور رہن رکھ دے اور بائع اس پر بحیثیت مرہن قبضہ کر کے امانت خریدار کو دے دے تو درست ہے، لیکن اگر خریدار نے سامان پر قبضہ ہی نہیں کیا تو غیر مقبوض کو رہن رکھنا درست نہیں، اور اسی طرح مرہن قبضہ کئے بغیر اسے امانت رہن کے حوالے کر دے تو یہ بھی صحیح نہیں۔

”إذا قبضه المرتهن، أو العادل ثم تراضيا على أن يكون في يد الراهن ووضعه في يده جاز، لأن القبض الصحيح قد وجد“ (بدايع ۱۳۷/۶)۔

جب مرہن یا اس کی طرف سے کوئی عادل شخص شے مرہون پر قابض ہو گیا پھر راہن و مرہون اس پر رضامند ہو گئے کہ مرہون راہن ہی کے قبضہ میں رہے، اور راہن کے قبضہ میں شے مرہون دے دی جائے تو جائز ہے، اس لئے کہ عقد کی درستگی کے لئے جس قبضہ کی جو شرط تھی وہ پوری ہو چکی۔

۱۳ - اسلام میں کفالت عقد تبرع ہے اور انسان کے ساتھ تعاون و ہمدردی کے جذبہ سے کیا جاتا ہے (مجمع الامم ۱۲/۱۳۳)۔

اگر مجبوری میں دائن کفالت پر اجرت دینے پر مجبور ہو تو فقہاء کرام نے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن ایسا کوئی کاروبار کرنا کہ کفالت پر اجرت لی جائے درست نہیں۔

۱۴ - اس صورت میں دستاویز خریدنے والے شخص کو نہ تو اصل سودے کا خریدار کہا جاسکتا ہے، اور نہ اس دستاویز کو اتنا قیمتی قرار دیا جاسکتا ہے جتنی مالیت کم کر کے دستاویز کو فروخت کیا گیا ہے۔ یہ اس دستاویز میں لکھی ہوئی رقم کو مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کم قیمت میں فروخت کرنا ہے، اور ایک رقم کو مزید رقم کے عوض تاخیر کا فائدہ اٹھا کر بیچنا یہی اصل ربا ہے، لہذا یہ شغل قطعاً حرام ہوگی۔

۱۵ - مذکورہ صورت میں چونکہ مشتری تا جیل بائع سے وصول کرتا ہے، اس لئے یہ صورت بھی درست نہیں ہو سکتی۔ علامہ ابن قدامہ نے اس کے عدم جواز کی تصریح کی ہے، لیکن

اگر بلا عقد کے عاقدین کی طرف سے اپنے حق سے دستبرداری بطور تصریح ہو تو جواز ہو سکتا ہے (المغنی ۳۱۶/۳)۔

۱۶ - مذکورہ صورت میں اگرچہ اجل کا صراحتاً تذکرہ نہیں کیا ہے، لیکن عاقدین کے ذہن میں تا جیل ہی کا تصور تھا، اس لئے بیع درست ہو جائے گی، اور اس سے اجل عرفی مراد ہوگی (دررالحکام ۲۳۱/۱۲)۔

اور نقد و فوری لین دین کی شکل میں ”المغنی“ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اجل کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے، بلکہ اسی وقت جتنی قیمت پر تراضی ہو جائے عقد مانا جائے گا، گویا گذشتہ عقد ہوا ہی نہیں تھا۔ اصل یہی عقد ہوگا۔ لہذا جواز ہونا چاہئے، نسا و وصف کی وجہ سے آیا تھا جو دور ہو گیا (المغنی ۳۱۶/۳)۔

۱۷ - مذکورہ شکل میں فروخت کرنے والے کو یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ خریدار سے فوری ادائیگی کا مطالبہ کرے اس لئے کہ درحقیقت یہاں مقررہ قیمت میں تا جیل ہوئی ہی نہیں ہے (دررالحکام)۔

۱۸ - اگر مدت مقررہ کی آمد سے پہلے قرض دینے والے کی وفات ہو جائے تو معاملہ کی نوعیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس لئے کہ مدت مقررہ کی آمد سے پہلے مہلت سے جس ذات کو فائدہ پہنچ رہا تھا وہ باقی ہے، اس کی مدت پوری کی جائے گی، لیکن اگر خریدار کا انتقال ہو جائے تو مہلت ختم ہو جائے گی، اور اس کے ترکہ سے فوراً ثمن وصول کیا جائے گا (حوالہ سابق، ص ۳۳۰-۳۳۱، نیز رد المحتار ۲۶۸/۳)۔

۱۹ - انعام دینے کی یہ صورت، تجارت کفر و غ دینے کے لئے اختیار کی جاتی ہے، اس میں چونکہ مشتری جس سامان کے لئے قسطیں جمع کرتا ہے، وہ سامان اسے حاصل ہو جاتا ہے، اور بازار کی عام قیمت ہی میں ملتا ہے، مزید انعام کمپنی اپنی آمدنی کے تناسب سے گا بہوں کو راغب کرنے کے لئے دیتی ہے، خریدنے والوں کی قسط جمع کرتے ہوئے اصل نیت بھی سود لینے کی ہوتی ہے نہ کہ انعام حاصل کرنے کی، اس لئے اس میں قمار کا شائبہ کم ہی ہے۔

فتسٹوں پر خرید و فروخت کا معاملہ

مولانا محمد عمر بن یوسف غلامی

- ۱- چاروں مسالک کے فقہاء کرام کی تحریروں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اجل (ادھار) کے طور پر کسی چیز کا فروخت کرنا اس چیز کی قیمت میں اضافہ کا سبب بن سکتا ہے۔ کیونکہ اجل ایک ایسا وصف ہے جس کی بناء پر قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی ہے (تختہ المحتاج علی حواشی الشروانی ۳/۲۹۷، بدائع الصنائع ۵/۲۲۳، مقدمات ابن رشد علی المدونہ ۳/۳۲۸، المغنی ۳/۲۱۳)۔
- ۲- حنفیہ اور شافعیہ کے اقوال سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ اگر خریدار اپنی تنگدستی کی بناء پر یا اس ترقی یافتہ دور میں جہاں ہاتھوں ہاتھ لاکھوں اور کروڑوں کی مالیت کا لین دین رائج ہے اور یکمشت اتنی بڑی رقم ادا کرنے میں بسا اوقات قانونی اعتبار سے بھی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یکمشت رقم ادا کرنے کے بجائے متعدد متعین فستوں میں رقم ادا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (فتح العزیز علی المجموع ۸/۲۳۰، البحر الرائق ۵/۲۸۰، بیاضی ۳/۲۶۱)۔
- ۳- ائمہ اربعہ کی عبارتوں پر غور کرنے سے اس بات کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے کہ سوال میں تحریر کردہ صورت کے عدم جواز کی اصل علت بیع (سامان) کی متعین قیمت کا معلوم نہ ہونا ہے، لہذا اگر کوئی عقد ہی میں قیمت کی اس جہالت کو دور کر دے اور کسی ایک صورت کو متعین کر دے تو پھر اس عقد کے جواز میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے (دیکھئے بدائع الصنائع ۵/۱۵۸، حواشی الشروانی وابن القاسم ۳/۲۹۳، بدلیہ الجہد ۲/۱۵۳، المغنی ۳/۱۶۱)۔
- ۴- سوال سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ فروخت کرنے والا (بائع) نقد و ادھار فرختگی میں

قیمتوں میں جو فرق ہے اس کو خریدار کے سامنے بیان نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا اپنا ذاتی معاملہ ہے، وہ نقد کے مقابلہ میں ادھار فرنگی کی صورت میں زیادہ قیمت وصول کرتا ہے تو بائع کا اس طرح کرنا درست ہے، اور یہ ربا کے دائرہ میں نہیں آئے گا، کیونکہ اجل جس کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کر رہا ہے ایک ایسا وصف ہے جس کو قیمتوں کی کمی زیادتی میں بڑا دخل ہے، جیسا کہ اس سے پہلے ذکر ہوا۔

۵- مذکورہ صورت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ بائع مشتری کے سامنے دونوں صورتوں کو بیان کر رہا ہے، اگر معاملہ یونہی متعین کئے بغیر طے ہوا تو یہ درست نہیں، ہاں! اگر دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو دونوں آپس میں طے کر لیتے ہیں تو پھر اس طرح یہ معاملہ درست ہوگا۔ کیونکہ عدم جواز کی صورت میں ثمن میں جو جہالت تھی تعین صورت کے بعد وہ جہالت ختم ہو جاتی ہے، اور قیمت متعین ہو جاتی ہے، اس لئے یہ عقد درست ہوگا اور اس عقد کی درستگی میں بھی تقریباً تمام فقہاء متفق ہیں۔

۶- چاروں مذاہب کے فقہاء کی عبارتوں سے اس مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے کہ ثمن بیع یا قرض کی صورت میں پہلے ہی شرط لگانا کہ فلاں وقت تک ثمن یا قرض ادا نہیں کیا تو اتنی رقم زائد ادا کرنی ہوگی، یہ صورت وہی ہے جس کو زمانہ جاہلیت میں لوگ اپناتے تھے، ان ہی غلط رواج و رسومات کو ختم کرنے کے لئے اور حقیقی دین کی اشاعت کے لئے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تھا، اور آپ ﷺ نے حق کی تبلیغ کو کما حقہ ادا فرمایا، لیکن آج پھر اس طرح کے رواج اور معاملات معاشرہ میں نظر آ رہے ہیں، اس لئے آج ایسے معاملات کرنے والوں کو سمجھا بجھا کر ان معاملات سے باز رہنے کی ہدایت دیں تاکہ وہ بھی ایسے صریح خلاف شرع کاموں کے مرتکب نہ ہوں (دیکھئے: فقہ السنہ ۳/۱۳۵، فتح العزیز علی المجموع ۸/۱۶۲، تحفۃ علی حواشی ۳/۲۷۲، رد المحتار ۳/۱۹۷، مقدمات ابن رشد علی المدوینہ ۳/۱۸، اعلام الموقعین ۲/۱۳۵)۔

۷- جیسا کہ سوال سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کسی ایک صورت پر معاملہ طے ہوا، اب مزید یہ شرط

لگانا کہ وقت مقررہ پر جملہ رقم یا قسط ادا نہ ہوئی تو اصل قیمت سے زائد رقم ادا کرنی ہوگی، شرط فاسد کی قبیل سے ہے، اور یہ صریح ربا کے حکم میں ہوگا۔

۸- الف: فقہاء مذاہب اربعہ کے اقوال پر غور کرنے سے یہ بات قدرے مشترک نظر آتی ہے کہ اگر راہن مرتہن کو مال مرہون سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے تو درست ہے ورنہ نہیں (دیکھئے: المجموع شرح المہذب ۳/۲۳۵، رد المحتار ۵/۳۳۳، المدوینۃ الکبریٰ ۳/۱۶۳، المغنی ۳/۲۵۰ اور بعد کے صفحات، الفقہ الاسلامی وادانہ ۵/۲۵۹)۔

لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ بات مناسب نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ مرتہن وقت مقررہ پر اپنا پورا سرمایہ وصول کرے گا، اب مدت رہن میں اس کو مال مرہون سے بھی فائدہ کی اجازت دے دی جائے تو یہ فائدہ اٹھانا ربا و سود ہے، کیونکہ مرتہن نے اپنا سرمایہ تو بغیر کسی نقصان کے مکمل وصول کر لیا، مزید مال مرہون سے بھی فائدہ اٹھایا، یہ بغیر کسی عوض کے ہے۔ اگر موجودہ حالات میں ربا سے بچنا بھی چاہے تو ممکن ہی نہیں، ایسی صورت حال میں اس طرح صریح مال مرہون سے انتفاع کی اجازت دی جائے تو سود کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس لئے اگرچہ فقہاء کی عبارات سے انتفاع کا جواز مستفاد ہوتا ہے لیکن احتیاطاً اور سد باب کے طور پر صریح انتفاع کی اجازت نہ دی جائے تو مناسب ہوگا۔ جبکہ بعض فقہاء نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، صاحب فقہ السنہ کا بھی یہی خیال ہے اور علامہ ابن عابدین شامی کے کلام سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ احتیاطاً اسی صورت عدم جواز کو اختیار کرنا چاہئے (الدر المختار ۵/۳۳۳)۔

(ب): اس مسئلہ میں شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ مال مرہون مرتہن کے پاس بطور امانت ہے، لہذا اگر مرتہن کی کسی زیادتی و تعدی کے بغیر ہلاک ہوا تو مرتہن پر اس کا ضمان نہیں ہوگا، اور مکمل دین خریدار (راہن) کے ذمہ باقی رہے گا (فتح العزیز علی المجموع ۱۰/۱۳۸، المدوینۃ الکبریٰ ۳/۱۵۲، المغنی ۳/۲۵۷)۔

اس سلسلہ میں حنفی نقطہ نظر یہ ہے کہ مال مرہون مرتہن کے قبضہ میں بطور ضمانت کے

ہے، لہذا اگر مرتہن کے قبضہ میں مال مرہون ہلاک ہو تو دین میں سے مال مرہون کے بقدر منہا کیا جائے گا (فتاویٰ ہندیہ ۲۳۸/۵)۔

(ج): فقہائے شوافع مذکورہ صورت میں اس بات کے قائل ہیں کہ اگر ایسی ہی صورت حال پیش آئی تو معاملہ کو تاقضی کے سامنے پیش کرے تاقضی خریدار کو دین ادا کرنے پر مجبور کرے گا، یا مال مرہون کے بیچنے پر، اس کے بعد بھی اگر خریدار اپنے قول پر مصر رہے تو مال مرہون کو بیچ کر اس سے مرتہن کا دین ادا کرے گا (فتح العزیز علی المجموع ۱۰/۲۷۷ و ما بعد)۔

اس سلسلہ میں احناف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ تاقضی مال مرہون کو ادائیگی دین کے لئے بیچ سکتا ہے، البتہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ تاقضی مال مرہون کو راہن کی اجازت کے بغیر فروخت نہیں کر سکتا، جبکہ صاحبین کا خیال ہے کہ تاقضی راہن کی اجازت کے بغیر بھی مال مرہون کو فروخت کر سکتا ہے، اور شامی وغیرہ نے صاحبین کے قول ہی کو مفتی بہ قرار دیا ہے (الدر المختار ۳۵۷/۵)۔

اس سلسلہ میں فقہاء مالکیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے کہ تاقضی کو مال مرہون بیچنے کا اختیار حاصل ہے (المدوینۃ لکبری ۱۵۶/۳)۔

اسی طرح حنابلہ بھی اس مسئلہ میں جمہور فقہاء کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں (المغنی ۲۶۲/۳)۔

۹- حنفیہ اور شافعیہ دونوں ہی کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عاقدین نے آپس میں کوئی معاملہ کیا، لیکن بائع کو مشتری کے بارے میں اندیشہ ہوا کہ اگر بیع اس کے سپرد کر دی تو یہ قیمت کی ادائیگی میں نال منول کرے گا، اور آج کل فساد زمانہ کی بنا پر ان امور کا پیش آنا کوئی بعید نہیں، تو ایسی صورت حال میں بیع کے ضائع ہونے کے خوف سے ثمن کی ادائیگی تک بائع کو بیع کو اپنے ہی پاس روک رکھنے کا حق دینے جانے میں کوئی قباحت نہیں (تختہ المحتاج علی حواشی المشروانی ۳۳۳/۳، بدائع الصنائع ۲۳۹/۵، رد المحتار ۳۷۷/۳)۔

۱۰- اس مسئلہ میں علمائے شوافع کا خیال یہ ہے کہ بائع نے جن اقساط پر قبضہ کیا ان اقساط کا واپس کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ بیع کو بائع نے روک رکھا تھا، اب مکمل اقساط نہ ادا کرنے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے طے شدہ معاملہ ختم ہو رہا ہے، تو بیع بعینہ بائع کے پاس موجود ہے۔ اب اگر مزید جو اقساط حاصل کی ہیں ان کو بھی اپنے پاس روک رکھتا ہے تو یہ رقم بغیر کسی عوض کے اس کے پاس آئی، ہے اور یہ بعینہ ربا و سود ہے، لہذا جو رقم وصول کی ہے وہ مشتری کو واپس کر دے، ورنہ وہ سود کے حکم میں ہوگی، جو کہ حرام ہے، یہ وہی صورت ہے جس کو احادیث میں بیع عربون سے تعبیر کیا جاتا ہے (تختہ المحتاج علی حواشی ۳۲۲، ۳)۔

اس سلسلہ میں فقہاء مالکیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ ”اکل أموال الناس بالباطل“ (لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھانا) کے قبیل سے ہے (شرح کبیر علی حاشیہ الدسوقی ۶۳، ۳)۔ امام احمد اس مسئلہ میں دیگر فقہاء کے خلاف اس صورت کے جواز کے قائل ہیں (المغنی ۱۶۰، ۳)۔

مذکورہ صورت کا حکم صراحۃً احناف کی کتب فقہ میں نہیں مل سکا۔ لیکن اصول اور بعض عبارتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فقہاء احناف بھی اس صورت کے عدم جواز کے قائل ہوں گے، اور مناسب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت کے جواز کی اجازت نہ دی جائے، کیونکہ اس سے بھی ناحق لوگوں کا مال ہڑپ کرنے کا دروازہ کھل جائے گا، اور کمزور طبقہ کے لوگوں کو جو کسی مجبوری کی بناء پر بیع نہ لے سکیں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے عام معتدل حالات میں اس کے جواز کی اجازت نہ دینی چاہئے۔

۱۱- اس سلسلے میں حنفیہ اور شافعیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر مرتہن مال مرہون پر قبضہ کئے بغیر کسی دوسرے کے پاس یا خود راہن کے پاس بطور رہن رکھنا چاہے تو درست نہیں۔ کو یا مرتہن کا قبضہ عقدرہن کی تمامیت کے لئے شرط ہے، اگر راہن کے پاس ہی مال مرہون کو رکھنا چاہتا ہے تو اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ پہلے خود مال مرہون پر قبضہ کر لے، پھر وہ مال راہن کے پاس

بطور رہن رکھے (تختہ المحتاج علی حواشی ۵/۶۷ و مابعد ہا، بدائع الصنائع ۶/۱۳۷)۔

۱۲ - اگر سوال میں مذکور صورت سے مراد گارنٹی و ضمانت کے لئے آج کل اداروں و اشخاص کی طرف سے معاوضہ و اجرت لینے کا رواج ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک اجرت لیما اور دوسرے اجرت دینا، تو جہاں تک اس ضمانت و کفالت پر اجرت دینے کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسی ضرورت پیش آئے جو ایسے ہی اشخاص کی ضمانت سے پوری ہو سکتی ہو جو معاوضہ لیتے ہوں اور وہ اس کو پورا کرنے پر مجبور ہو نیز شرعا ضمانت لینے والے جن سے وہ ضرورت پوری ہو سکے مثل رہے ہوں تو اب مجبوراً اجرت دے کر اس ضرورت کو پورا کرانے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ رشوت تو حرام ہے، لیکن اپنے جائز حق کو وصول کرنے کے لئے ضرورۃً رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں، اور جہاں تک اس ضمانت پر اجرت لینے کا تعلق ہے تو اصول کی روشنی میں یہ بات زیادہ ترین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اس پر اجرت لیما درست نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ نفس ضمانت و کفالت ایک عقد تہرغ ہے، کسی کا ضامن بنا کر گویا امر خیر پر اس کی اعانت کرنا ہے، اسی لئے کفالت کے بیان میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص مکفول عنہ کی اجازت کے بغیر کفیل بنے، اور وہ اس مقروض کا قرضہ ادا کرے تو اس کو اس مقروض سے اصل قرض کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ یہ عقد تہرغ ہے، لہذا مناسب یہی ہے ایسے اشخاص کو محض نفس ضمانت و کفالت پر اجرت و معاوضہ نہیں لینا چاہئے۔

۱۳ - یہ صورت شرعاً درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں گویا ثمن (نقد) کی بیع اپنے ہی جنس (نقد) کے ساتھ ہو رہی ہے۔ اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ اموال ربو یہ میں جب ہم جنس کے ساتھ بیع ہو تو تفاضل و نساء (ادھار) حرام ہوتا ہے۔ اور مذکورہ صورت میں تقریباً دونوں ممنوعات کا ارتکاب لازم آ رہا ہے، بایں طور کہ تفاضل تو ظاہر ہی ہے کہ اس دستاویز میں تحریر کردہ رقم سے کم میں فروخت کر رہا ہے، اور ادھار کا ارتکاب بایں طور کہ بیچنے والے نے فوری طور پر رقم حاصل کر لی۔ لیکن خریدار کو دستاویز کی رقم ابھی نہیں ملی، بلکہ وہ تو جب وقت مقرر آئے گا اس

وقت حاصل ہوگی، اس صورت حال کے پیش نظر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دستاویزات کی خرید و فروخت درست نہیں ہونی چاہئے، اور اس میں فقہاء احناف و شوافع سب کے سب عدم جواز کے قائل نظر آتے ہیں (رد المحتار ۲/۶۱، المجموع شرح المہذب ۹/۳۰۲)۔

۱۴ - ”ضع و تعجل“ والی صورت اختیار کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ رقم میں جو کمی ہو رہی ہے وہ محض اجل کے کم کرنے کی بنا پر ہو رہی ہے، اب یہاں پر کسی کو شبہ نہ ہو کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اجل کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے تو یہاں پر اجل کے کم کرنے کی بنا پر قیمت میں کمی کی جائے تو کیا حرج ہے؟

اس لئے کہ ما قبل میں اجل کی بنا پر قیمتوں میں جو اضافہ ہوتا تھا وہ اصلۃً اجل کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ اصل وہاں مبیع تھی، لیکن جہاں سامان اصل نہ بن رہا ہو تو وہاں محض اجل کی وجہ سے ثمن میں اضافہ یا کمی نہیں کر سکتے، لہذا مذکورہ صورت میں کمی جو ہو رہی ہے وہ خالص اجل کے مقابلہ میں ہے، اس لئے اس طرح کرنا درست نہیں ہے (اس سلسلہ میں مافیہ و رضیہ کے نقطہ نظر کے لئے دیکھئے: تہذیب المحتاج علی حواشی ۵/۱۹۲، التحلیق المجد علی ہواط امام محمد ۳/۲۰۲)۔

۱۵ - سوال سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ادھار معاملہ اجل متعین کئے بغیر ہوا ہے، اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو مجلس ہی میں جہالت کو ختم کرے تو عقد درست ہو گیا اسی جہالت کو باقی رکھ کر مجلس سے جدا ہو جائے، اگر مجلس ہی میں اس جہالت کو ختم کرے تو عقد درست ہوگا۔ لیکن بظاہر یہ صورت یہاں جوڑ نہیں کھاتی، بلکہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح اجل کو مجہول رکھ کر بائع و مشتری دونوں جدا ہو گئے، بعد میں ملاقات ہوئی تو یہ صورت اختیار کی تو اس صورت کے جائز ہونے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ جہالت اجل کی بناء پر پہلا عقد فساد کے مؤکد ہونے کی وجہ سے فاسد ہو گیا، اب بعد میں ملاقات کے وقت یہ کہے کہ اس معاملہ کو نقد ہی پورا کر لو بایں طور کہ پہلے طے شدہ رقم میں سے کچھ کم کر کے دے دو، تو یہ صورت ”ضع و تعجل“ کی نہیں ہوگی، کیونکہ پہلے جو عقد ہوا تھا وہ عقد جہالت اجل کی بناء پر فاسد ہو گیا، بعد میں جو گفتگو

ہوتی وہ گویا مستقل نیا عقد ہوا، اور یہ سمجھا جائے گا اب دوسرے وقت معاملہ ہی اتنی کم قیمت پر طے ہوا، اگر پہلا عقد درست ہوا ہوتا اور بعد میں اس طرح کہہ کر رقم میں کمی کی جاتی تو ”ضع و تعجل“ کی صورت ہو سکتی تھی، لیکن یہاں بظاہر یہ صورت دشوار ہے، لہذا یہ عقد درست ہونا چاہئے (رد المحتار ۳/۱۳۲)۔

۱۶- یہ مطالبہ درست ہے، کیونکہ قسط وار ثمن کو مقرر کرنے سے وہ مؤجل نہیں ہو جاتی ہے، بلکہ ہر وقت بائع مکمل قیمت کے مطالبہ کا حق رکھتا ہے، لہذا یہ حق مطالبہ درست ہونا چاہئے، یہی رائے حنفیہ و شوافع دونوں کی ہے (دیکھئے کتاب الام ۳/۳۳، الدرعی الرد ۲/۲۶۴)۔

۱۷- حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دائن کی موت سے اصل عقد ختم نہیں ہوگا، بلکہ وہی عقد و رثاء سے متعلق ہو جائے گا، لیکن مدیون (مشری) کے مرنے سے اصل عقد ہی ختم ہو جائے گا (دیکھئے تحفۃ المحتاج علی حواشی الشروانی ۳/۲۵۷، رد المحتار ۲/۲۶۴، درر الکام ۱/۲۲۸)۔

۱۸- جو صورت اختیار کی گئی ہے اس میں یہ ہوتا ہے کہ بیع بھی متعین ہوتی ہے اور اس کی قیمت بھی متعین ہوتی ہے، لیکن کوئی نئی دکان کھل گئی ہو، یا کسی نئی کمپنی کا وجود ہوا ہو۔ تو دکاندار اور کمپنی والا اپنی اشیاء کی زیادہ سے زیادہ فروخت کے لئے اس طرح کے انعام کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس مقصد سے کوئی تاجر ایک متعین مدت پر اپنی طرف سے انعام کا اعلان کر دے تو یہ گویا بائع کا اپنی طرف سے بیع میں اضافہ کرنا ہے، اور اس میں بائع کو اختیار ہے کہ جیسے چاہے وہ زائد شئی دے یا نہ دے۔ نیز اس طرح کی صورت سے نفع کم اور بکری زیادہ ہوتی ہے، اس کو قمار وغیرہ کے تحت نہیں داخل کر سکتے، کیونکہ قمار نام ہے مستور العاقبت کا اور اس صورت میں بیع و ثمن تو متعین ہی ہے بلکہ انعام ملنے والی چیز کا بھی اعلان ہوتا ہے، کچھ بھی مستور العاقبت نہیں، اس پہلو سے غور کرنے کی بنا پر اس صورت کے جواز میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، ظاہر ہے کہ اس صورت کا اصل کتب فقہ میں مذکور ہونا مشکل ہے، اس لئے ایسی صورتوں کا حکم دیگر چیزوں پر قیاس کر کے ہی لگانا ممکن ہے۔

۱۹ - بظاہر یہ معاملہ درست نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ بیع کی قیمت کا علم عقد کے وقت تو ممکن ہی نہیں، حالانکہ ضمن معلوم ہونا چاہئے، نیز کس خریدار کو کب ملے گی؟ یہ بھی کوئی متعین نہیں، اس اعتبار سے اجل مجہول ہے (الدعوى المرده ۴۳۲)۔

لیکن اسی کو دیکھ کر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ جس جہالت کی بنا پر عدم جواز کا حکم لگ رہا تھا اس جہالت کو بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ جہالت متفاحشہ ہے یا جہالت بسیرہ، اور انعقاد بیع کے لئے مانع جہالت متفاحشہ ہو سکتی ہے، کیونکہ وہ مفضی الی النزاع ہوتی ہے، نیز بائع و مشتری دونوں اس عقد پر راضی ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ باہمی رضامندی کو معاملات و عقود میں بڑا دخل ہے۔ اس پہلو سے مذکورہ صورت کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں جو جہالت ہے وہ جہالت کوئی مفضی الی النزاع نہیں ہوتی، کیونکہ اس طرح کا ایک عام عرف بن گیا ہے، نیز بائع و مشتری تو بہر صورت رضامند ہیں، اس اعتبار سے عدم جواز کیلئے جو علت تھی وہ باقی نہیں رہتی۔ لہذا باہمی رضامندی اور جہالت بسیرہ کو دیکھ کر یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت کے جواز میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے (رد المحتار ۴۳۲)۔

☆☆☆

جدید فقیہی تحقیقات

تیسرا باب
مختصر تحریریں

بیع بالتقسیط کا شرعی حکم

مفتی شیری علی، سمرات

- ۱- بیع نسبیہ تعیین اجل و شرائط صحت کے ساتھ جائز ہے۔
 ”ویجوز البیع بشمن حال و مؤجل إذا كان الأجل معلوما لإطلاق قوله تعالى: أحل الله البيع، وعنه عليه السلام أنه اشترى من يهودى طعاما إلى أجل ورهنه درعه“۔
 اور جواز کی صورت میں بمقابلہ نقد بیع ثمن میں زیادتی بھی جائز ہے۔
 ”ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل“ (ہدایہ ۲۱/۳)۔
- ۲- قسط وار ثمن کی ادائیگی ادھار بیع کی صورت میں جائز ہے، بشرطیکہ وقت اداء متعین کیا جائے خواہ یکمشت ہو، خواہ متفرق اوقات میں ہو۔
 ”ولو قال: كلما دخل نجم ولم تؤد، فالmaal حال، صحح وبصير المال حالا في حيل شمس الانمة الحلوانی“ (خلاصہ الفتاویٰ ۵۲/۳)۔
- ۳- بائع نے یوں کہا کہ یہ گاڑی نقد دو لاکھ اور ادھار سوا دو لاکھ میں فروخت کرتا ہوں تو مشتری نے کہا کہ میں نے سوا دو لاکھ ثمن پر ادھار خرید لیا تو یہ جائز ہوگا، بائع کا نقد ثمن ذکر کرنا تو صرف مشتری کو بتانے کے لئے ہے، اگر آپ نقد خرید رہے ہیں تو اس کا ثمن یہ ہے، باقی مشتری کے ادھار خریدنے میں نقد ثمن کے ذکر کرنے کو کوئی دخل نہیں۔
- ۴- صورت مسئولہ ربا کے دائرے میں نہیں آتی بلکہ جائز ہے۔

زیادتی قیمت بعوض مدت اصالتہ جائز نہیں ہے، اور ضمناً جائز ہے، معلوم ہوتا ہے کہ
سائل کو یہ شبہ رہا ”ہدایہ“ کی اس عبارت سے ہوا ہے۔

”وذلك اعتیاض عن الأجل وهو حرام“ (کتب الصلح ۳/۲۵۱)۔

حالانکہ حرمت زیادتی عبارت مذکورہ میں اس وجہ سے ہے کہ وہ بعض وقت اصالتہ ہے،
اور سوال نامہ کی ذکر کردہ صورت میں زیادتی ضمناً ہے، اور بعض چیزوں کا معاوضہ لیما براہ راست
جائز نہیں ہوتا، اور کسی دوسرے کے ضمن میں جائز ہو جاتا ہے، اس کی بہت سی نظیریں ہیں، ایک
نظیر یہ ہے کہ ہر مکان، دوکان اور زمین کی قیمت پر اس کے محل وقوع اور پڑوس کا بڑا اثر ہوتا ہے
جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں نمایاں امتیازات ہوتے ہیں، ایک محلہ میں ایک مکان دس ہزار
روپے کا ہے تو وسط شہر میں بالکل اسی طرح کا اور اتنے ہی رقبہ کا مکان ایک لاکھ میں بھی سستا سمجھا
جاتا ہے، قیمت کی زیادتی ظاہر ہے کہ مکان کی ذات کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اس کی خاص کیفیت
اور محل وقوع کے اعتبار سے ہے، اور جب کوئی آدمی یہ مکان بیچتا ہے یا خریدتا ہے تو اس کی یہ
کیفیت بھی فروخت ہو جاتی ہے، اور قیمت کی جتنی زیادتی ہے وہ اسی کیفیت کے مقابلہ میں ہے
، حالانکہ یہ کیفیت و صفت کوئی مال نہیں جس کا معاوضہ لیا جائے، مگر مکان یا زمین کی بیع کے ضمن
میں اس کی کیفیت و صفت کا معاوضہ بھی شامل ہو کر جائز ہو جاتا ہے۔

۵- بیع کی یہ صورت بھی جائز ہے، اس لئے کہ جب نقد اور ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں
اختلاف جائز ہے تو پھر مدتوں کے اختلاف کی بناء پر قیمتوں میں اختلاف بھی جائز ہے، اس لئے
کہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، لہذا یہ بھی سوال ۳ کی طرح جائز ہے۔

۶- یہ صورت سود میں داخل ہے، مثلاً بائع یوں کہے کہ یہ سامان تم کو ۱۰۰ روپے میں نقد
فروخت کرنا ہوں، لیکن تم نے اگر ایک ماہ تک یا جو بھی مدت مقرر کرے قیمت ادا نہ کی تو تمہیں
مزید ۲۵ روپے دینے ہوں گے، یہاں چونکہ براہ راست مدت کے عوض قیمت لی جارہی
ہے، اس لئے اس کے رہا ہونے میں نہ کوئی شبہ ہے اور نہ ہی کسی کا اختلاف ہے (دیکھئے ہدایہ

۳۵۱/۲، تفسیر کبیر ۷/۹۱)۔

۷- بیع کی یہ صورت بھی ربا میں داخل ہے، اور یہ بھی قمار کی ایک قسم ہے، صرف نام بدلنے سے قمار تاوان یا منافع نہیں بن سکتا، اس لئے کہ یہ معلق بالشرط ہے، اور معلق بالشرط کے قمار ہونے میں کوئی شبہ نہیں، محض چولہ بدلنے سے کسی شے کی حقیقت نہیں بدلتی۔

۸- (الف) راہن کی اجازت کے بغیر شی مرہون سے انتفاع جائز نہیں ہے۔

”ولیس للمرتہن ان ینتفع بالرهن لاستخدام ولا لبس ولا سکنی إلا ان یأذن له المالك، لأن له حق الحبس دون الانتفاع“ (کتاب الرهن، ہدایہ ۵۲۲/۳)۔

”ولا ینتفع المرتہن بالرهن استخداما وسکنی ولبساو إجارة وإعارة، لأن الرهن یقتضی الحبس إلی أن یتوفی دینہ دون الانتفاع، فلا یجوز الانتفاع إلا بتسلیط منه وإن فعل کان متعدیا ولا یبطل الرهن بالتعدی“ (البحر الرائق ۲۳۸/۸)۔

(ب) اگر مرتہن (بائع) کے قبضہ میں مال مرہون ہلاک ہو جائے تو مرتہن شی مرہون کی قیمت اور دین میں سے اقل کا ضامن ہوگا، لہذا اگر شی مرہون کی قیمت دین کے برابر ہو تو مرتہن اپنا حق وصول کرنے والا شمار ہوگا اور اگر شی مرہون کی قیمت دین سے زائد ہو تو اپنے دین کے بقدر وصول کرنے والا ہوگا، اور زیادتی اس کے پاس امانت ہوگی، اور اگر شی مرہون کی قیمت دین سے کم ہو تو اپنے دین سے شی مرہون کی قیمت کے بقدر وصول کرنے والا ہوگا اور بقیہ دین راہن سے وصول کرے گا (البحر الرائق ۲۳۳/۸)۔

(ج) اگر مشتری وقت مقررہ پر دین ادا کرنے سے قاصر ہو جائے تو پھر بائع مشتری کی اجازت سے شی مرہون بیچ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہے، اور اگر مشتری (راہن) اجازت نہ دے تو اس کی اجازت کے بغیر خود مرتہن کو شی مرہون فروخت کرنے کا حق نہیں، البتہ

تقاضی کو مشتری (رائہن) کی اجازت کے بغیر فروخت کرنے کا حق حاصل ہے، جبکہ رائہن دین ادا کرنے میں مال منول کرے (فتاویٰ تفتیح حامد یہ برہامیہ فتاویٰ نمبر یہ ۲۵۸/۲-۲۵۹)۔

۹- (الف) رائہن کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ پہلے مشتری بیع پر قبضہ کرے، اس کے بعد بائع کے پاس رائہن رکھے، صاحب کفایہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”لأن الثوب لما اشتراه وقبضه كان هو وسائر الأعيان المملوكة سواء في صحة الرهن“ (الكفاية شرح الهدية على هامش فتح القدير ۹۹/۹، مائے مطبوعہ بیروت کتاب الرهن ۱۱۱/۱۰)۔

۹- بیع بالتقسیت میں ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو روکنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع بالتقسیت بیع مؤجل ہے، اور بائع کو استیفاء ثمن کے لئے جس بیع کا حق صرف نقد بیع میں ہوتا ہے، اوصار میں نہیں۔

”قال أصحابنا رحمهم الله تعالى: للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن إذا كان حالا كلما في المحيط، وإن كان مؤجلا فليس للبائع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا بعده، كذا في المبسوط“ (مائگیری مطبوعہ ۱۵۳)۔

۱۰- قیمت کے لئے طے شدہ اقساط کو ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع کا سامان روکنا درست نہیں ہے، ادا کردہ اقساط کو واپس نہ کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

”يا ايها الذين آمنوا لا تاكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم“ (سورہ النساء: ۲۹)۔

حدیث شریف میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله: ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“ (مشکوٰۃ ۲۵۵)۔

اور اس قاعدہ کی روشنی میں بھی اس کا عدم جواز ظاہر ہے: ”لا ضرر ولا ضرار“

(قواعد فقہ / ص ۱۰۶) قاعدہ / ۲۵۲ (نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ خود نقصان اٹھاؤ)، یہاں مشتری کو ضرر ہو رہا ہے، ”العوض و جب ردہ إذا لم یسلم المعوض“۔ قواعد فقہ / ۱۶۳، قرآن و احادیث اور ان فقہی قواعد و ضوابط کی روشنی میں اس کا عدم جواز محتاج بیان نہیں ہے، نیز یہاں شخص واحد کی ملک میں عوض و معوض کا اجتماع لازم آتا ہے جو جائز نہیں ہے، اس لئے اس طرح کا معاملہ کرنا مسلمانوں کو شرعاً جائز نہیں ہے۔

۱۱ - یہ رہن صحیح نہیں، اس لئے کہ رہن کی صحت یہاں بیع کی صحت پر موقوف ہے، اور بیع تملیک شی معوض کا نام ہے جبکہ صورت مسئلہ میں فقط تصرف بلا تملیک ہے، رہن تو استیفاء ثمن واجب کا وثیقہ ہے، اور یہاں جب دین ہی ثابت نہیں ہوا تو رہن رکھنے کا کیا مطلب؟

”لأن الرهن وثيقة لجانب الاستیفاء وهو أن تكون موصلة إليه“ (ہدایہ

۵۰۱۳)۔

جب بیع ہی صحیح نہیں ہوئی تو رہن کا کیا سول؟

۱۲ - ضمانت اور گارنٹی پر معاوضہ لیما شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ عقد تبرع ہے، اور عقد تبرع پر کسی طرح کی اجرت اور معاوضہ لیما جائز نہیں ہے۔

رہا لیٹر آف کریڈٹ کا معاملہ تو اس کے جاری کرنے میں بینک اپنے واقعی اخراجات

لے سکتا ہے۔

۱۳ - شرعاً اس کی خرید و فروخت جائز نہیں، اس لئے کہ یا تو دین کی بیع اس شخص کے ساتھ کی جارہی ہے جس پر دین نہیں، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ کہا جاتا ہے یا یہ کہ کرنسی کی بیع کرنسی سے ہو رہی ہے جس میں کمی زیادتی اور ادھار دو دو ممنوعات پائی جارہی ہیں، اور احادیث رہا میں اس قسم کی بیع کا ناجائز ہونا منصوص ہے۔

۱۴ - جب صاحب دین اپنی مرضی سے بغیر کسی جبر کے دین کا کچھ حصہ معاف کر دے اور مدیون اپنی خوشی سے وقت سے پہلے دین ادا کر دے تو یہ صورت جائز ہے، اور شرط طریقہ پر

جائز نہیں ہے (احکام القرآن للجمہ ص ۱۱۷، آیت ربنا، المکی ۸/۸۳، اعلیٰ السنن ۵۳۹/۱۳)۔

۱۵- عقد اول جو تعیین مدت کے بغیر ہو اوہ تو فاسد ہو گیا، لہذا بعد میں جو نقد کر دیا اور ثمن کم کر دیا تو کو یا نیا عقد ہو اور اس میں کمی کرنا جائز ہے۔

”ویجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن، ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذلك، فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا“ (ہدایہ ۵۳۳)۔

۱۶- طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا اور ماقبی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز ہے، اگر شرط لگا دی کہ تاخیر کرنے کی صورت میں سارا دین فوری ادا کرنا ہوگا، اب یہ شرط چاہے صراحتاً ہو یا عرفاً ایسا سمجھا جاتا ہو کہ تاخیر کی صورت میں سارے دیون فی الفور واجب الاداء ہوں گے (خلاصۃ الفتاویٰ ۵۳/۳)۔

۱۷- مدیون کی موت کی وجہ سے دین مؤجل فوری واجب الاداء ہو جاتا ہے، جمہور کا یہی مسلک ہے۔

”کل دین مؤجل يحل بالموت سواء كان له أو عليه۔“

فائدة: من مات وله ديون على الناس مؤجلة أو للناس عليه ديون مؤجلة، فكل ذلك سواء، وقد بطلت الآجال كلها، وصار كل ما عليه وله من دين حال، اسواء في ذلك القرض والبيع وغير ذلك“ (اعلاء السنن ۵۳۹/۱۳)۔

”قضى المديون المدين المؤجل قبل الحلول أو مات فحل بموته فأخذ من تركته“ (مئی ۳۸۹/۱۰)۔

۱۸- اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس پر ربا اور قمار کی تعریف صادق نہیں آتی، قمار شریعت میں ایسے معاملے کو کہتے ہیں جو دائر بین المنفع والضرر ہو، اور یہاں ایسا نہیں ہے، اس میں مشتری کو بیع ملتی ہے، اور یہ میزید انعام ہوتا ہے، اپنی تجارت کے فروغ کے لئے تجارت

ایسا کرتے ہیں، نیز یہ شکل ربا میں بھی داخل نہیں ہے، بایں وجہ کہ ربا کی تعریف بھی اس پر صادق نہیں آتی۔

۱۹ - یہ بھی جو اسی کی ایک شکل ہے، چونکہ اس میں ہوتا یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو ممبر بنا کر ان سے ہر ماہ ایک رقم لی جاتی ہے، اور قاعدہ اندازی سے نام نکالا جاتا ہے، جس کا نام نکلے اس کو مقررہ سامان مثلاً موٹر سائیکل اسکوٹر وغیرہ دے دی جاتی ہے، اور آئندہ اس سے مزید قسط کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، پھر اسی طرح ایک ایک کا نام نکالتے ہیں، اس میں کسی کو تو صرف ایک ہزار روپے میں موٹر سائیکل یا مقررہ سامان مل جاتا ہے، اور کسی کو دو ہزار میں، کسی کو پندرہ ہزار میں، تو کسی کو بیس ہزار میں ملتی ہے، اور اس کے جو اہونے میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ یہاں معاملہ نفع و نقصان کے درمیان دائر ہے، اور جو اشریعت میں اسی کو کہتے ہیں۔

بیع بالتقسیط - شریعت کی روشنی میں

مفتی محبوب علی وجہی مدظلہ العالی

۱- ادھار بیچنے کی صورت میں بائع بیع کی قیمت نقد کے مقابلہ میں زائد لے سکتا ہے، مگر اس زیادتی کو صلہ عقد میں داخل نہ کرے، مثلاً یہ کہے کہ اگر نقد لوگے تو اس کی قیمت ایک ہزار روپے اور اگر ادھار لوگے تو اس کی قیمت بارہ سو، اگر لینے والا کہہ رہا ہے کہ یہ میں ادھار لوں گا تو یوں کہے کہ اس کی قیمت بارہ سو روپے ہے (ہدایہ البحر الرائق)۔

۲- ادھار کی قیمت کی ادائیگی کے لئے وقت کا تعین ضروری ہے، خواہ یکمشت ادائیگی ہو یا بالاقساط۔

۳- اس شخص کا یہ طریقہ کار تصریحات فقہاء کے خلاف ہے، یہ ہم نے پہلے ہی سوال کے جواب میں لکھ دیا ہے کہ اجل کے مقابلہ میں قیمت نہیں آنا چاہئے، اس شخص کو ایک ہی قیمت بتلانا چاہئے، عالمگیری میں ہے:

”الشروط التي تفسد البيع: رجل باع أنه بالنقد بكذا، وبالنسيئة بكذا، أو إلى شهر بكذا أو إلى شهرين بكذا، لم يجز، كذا في الخلاصة“۔

۴- ادھار فرخت کرنے کی صورت میں اگر بیع اور اجل دونوں کے مقابلہ میں قیمت مقرر کی، تو اس میں ربا پیدا ہو جائے گا، اور اگر قیمت بیع کے مقابلہ میں رکھی اور ثمن کو مؤجل کر دیا تو اس میں ربا پیدا نہیں ہوگا۔

۵- معاملہ کی یہ شکل جائز ہے، کیونکہ اس میں نقد کا ذکر نہیں ہے، بائع ادھار کی دو شکلیں مشتری کے سامنے پیش کر رہا ہے، اور چھ ماہ یا بارہ ماہ کا ذکر ادائیگی کے وقت کا بیان ہے، اور ہر ایک کے مقابلہ میں قیمت ہے، ہدایہ میں ہے:

”ألا تری أنه یزاد فی الثمن یزاد لأجل الأجل“۔

۶- خرید و فروخت کی یہ شکل جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط کہ اگر مہینہ بھر کے اندر جمع نہیں کرو گے تو دور و پے مزید دینا پڑیں گے یہ ربا کی شکل ہے۔

۷- یہ صورت بھی ناجائز ہے اور شریعت میں مالی جرمانہ صحیح نہیں ہے۔

۸- الف۔ مرتہن کو مال مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر رہن کے وقت طے نہیں ہوا اور بعد کو راہن نے مرتہن کو اجازت دے دی تو مال مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز ہے (ہدایہ)۔
ب۔ اس صورت میں مال مرہون کی قیمت اور دین ان میں سے جو کم ہوگا اس کا اعتبار ہوگا، اور اس کی تین شکلیں بنتی ہیں:

۱۔ مال مرہون کی قیمت اور دین برابر ہے، اس صورت میں اگر مرتہن کے پاس مال مرہون ہلاک ہو جائے تو راہن کا دین ادا ہو جائے گا۔

۲۔ مال مرہون کی قیمت زائد ہے اور دین کم ہے۔ اب مال مرہون ہلاک ہو گیا تو بقدر دین مرتہن نے اپنا دین وصول کر لیا، اور باقی قیمت اس کے پاس امانت ہوگی، اب اگر اس میں مرتہن کی تعدی ثابت ہو جائے تو بقیہ رقم راہن کو واپس کرے گا، اور اگر تعدی ثابت نہ ہو تو راہن کو بقیہ رقم نہیں ملے گی، امانت کا یہی حکم ہے۔

ج۔ مرتہن مال مرہون کو فروخت کر کے اپنا دین وصول کر لے، بہتر یہ ہے کہ قاضی (جج) کی اجازت پہلے لے لے، اگر دین اور فروخت شدہ مال کی قیمت برابر ہے تو استیفاء ہو گیا، اور اگر قیمت دین سے کم ہے تو بقیہ رقم کا مطالبہ راہن سے کرے گا، اور اگر قیمت دین سے زائد ہے تو دین کے وصول کرنے کے بعد بقیہ رقم راہن کو واپس کرے گا۔

۹- الف۔ بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ مشتری سے جب تک قیمت وصول نہ ہو جائے اس وقت تک اپنے مال کو اپنے پاس روکے رکھے، اور یہ بطور رہن نہیں ہوگا۔

ب۔ یہ روکنا استیفاء ثمن کے لئے ہے جو بائع کا حق ہے، جیسا کہ (عالمگیری

۹/۳) پر ہے:

”قال أصحابنا رحمه الله: للبائع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن إذا

كان حالا ، كذا في المحيط“۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ ثمن فی الفور دینا ہو۔ اور اگر مؤجل طے ہوا ہے تو پھر بائع کو

بیع کو روکنے کا حق حاصل نہیں ہے، چنانچہ عالمگیری میں ہے:

”وإن كان مؤجلا فليس للبائع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا

بعده، كذا في المبسوط“۔

اور اگر کچھ ثمن فی الفور دینا ہو اور کچھ میں مہلت ہو تو جو قیمت فی الفور دینا ہے اس کی

ادائیگی تک بائع کو بیع کے روکنے کا حق ہے، اگر فوری ادائیگی کی صورت میں تھوڑی سی بھی قیمت رہ

جائے تب بھی بیع کو روکنے کا حق ہے ”عالمگیری“ میں ہے:

”ولو كان بعض الثمن حالا و بعض الثمن مؤجلا فله حبسه ، حتى

يستوفى الحال ولو بقي شيء قليل كان له حبس جميع المبيع، كذا في

الذخيرة“۔

اور تفرید میں ہے کہ بیع کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ بائع اور مشتری کے درمیان فی

الفور قیمت دینا طے ہوئی ہے، اس صورت میں جب تک مشتری کل ثمن بائع کو ادا نہ کر دے بائع کو

بیع کے روکنے کا حق ہے، جب بائع جمیع ثمن پر قبضہ کر لے تب بیع کو مشتری کے حوالے کرے،

اس کو ثمن حال سے فقہاء تعبیر کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان قیمت مؤجل طے ہوئی ہے، اس

صورت میں بائع کو بیع کے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، بائع مشتری کو بیع پر فوراً قبضہ دے۔
ایک تیسری صورت یہ بھی ہے کہ کچھ قیمت نقد تھی اور کچھ ادھار تو نقد قیمت وصول
ہونے تک بیع کو روکنے کا حق بائع کو ہے۔

۱۰۔ فروخت شدہ مال مشتری کا ہو چکا ہے، اور جو قسطیں جمع ہوئیں وہ اس بیع کی جزوی
قیمت ہے۔ اور اب اگر مشتری بقیہ قیمت ادا نہیں کرتا تو بائع اس سامان کو فروخت کر کے اپنی طے
شدہ قیمت اس سے وصول کر لے، اگر طے شدہ قیمت اس بیع سے حاصل ہو جائے تو مشتری کی جو
قسطیں اس کے پاس جمع ہیں وہ ان کو واپس کر دے، اور اگر طے شدہ رقم اس بیع سے حاصل نہ ہو تو
قسطوں کی رقم میں سے اس کی کو منہا کر کے بقیہ رقم مشتری کو واپس کر دے، اور اگر اس بیع سے رقم
طے شدہ رقم سے زائد رقم حاصل ہوتی ہے تو اپنا حق لینے کے بعد زائد رقم بھی مشتری کو ادا کرے۔

”ہدایہ“ میں ہے: ”البيع ینعقد بالإيجاب والقبول إلی آخره“ اور اسی میں

ہے: ”وإذا حصل الإيجاب والقبول لزوم البيع، ولا خيار لواحد منهما“۔

۱۱۔ اگر بائع نے وہ سامان فروخت کر دیا تو وہ خریدار کی ملک ہو گیا، اب اس سامان کو
خریدار کے پاس رہن نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ مالک اور مرہن ایک نہیں ہو سکتے۔ اور اگر مالک بائع
ہے تو اسے رہن رکھنے کا حق ہے۔

۱۲۔ کسی قرض سے نفع اٹھانا درست نہیں ہے، لہذا اجرت ہو یا معاوضہ۔ ادھار کی صورت

میں ربا میں داخل ہو جائے گا۔ ہدایہ میں ہے: ”کل قرض جو نفعاً فہو ربا“۔

۱۳۔ اسی طرح دستاویز کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ معلوم
ہے کہ اس کی قیمت اصلی قیمت سے کم حاصل ہوگی۔

۱۴۔ ثمن میں زیادتی اور کمی دونوں جائز ہیں۔ البتہ ثمن میں زیادتی مشتری کی رضا سے تعلق
رکھتی ہے، اور کمی بائع کی رضا سے، اب اگر بائع وقت معین سے پہلے اپنی رقم لینے کے لئے اس میں
کچھ چھوٹ دے دے تو یہ جائز ہے، کیونکہ بائع کو کل قیمت بھی معاف کر دینے کا حق ہے۔

- اور مقررہ وقت سے آگے بڑھانے کے لئے زیادتی کا مطالبہ اس لئے ناجائز ہے کہ زیادتی اجل کے مقابلہ میں ہوگی، اور زیادتی اجل کے مقابلہ میں ناجائز ہے۔
- ۱۵- ادھار کی صورت میں ادائیگی کا وقت مبین ہونا ضروری ہے، اگر وقت کا تعین نہیں کیا گیا تو بیع فاسد ہے، لہذا ادھر ایجاب و قبول کیا جائے اور اس میں رقم گھٹا دی جائے۔
- ۱۶- چونکہ مشتری نے طے شدہ معاملہ کی خلاف ورزی کی ہے، اس لئے بائع کو حق ہے کہ اس معاہدہ کو ختم کر دے، اب اگر مشتری اس کو لینا چاہے اور بائع فی الفور رقم لے کر دینا چاہے تو یہ جائز ہے، جو رقم وصول ہو چکی ہے وہ اس میں منہا ہو جائے گی۔
- ۱۷- چونکہ بیع مکمل ہو چکی ہے، اس لئے یہ معاملہ علی حالہ باقی رہے گا، مشتری کے وارث معاہدہ کی شرائط پر قسطنیں او اکریں گے۔
- ۱۸- اس کا مقصد اپنے کاروبار کو مستحکم کرنا اور بڑھاوا دینا ہے، کیونکہ اس میں شرط ایک جانب سے ہے، اور انعام کی تقسیم ہر انداز کی ذریعہ ہے، اس لئے یہ نہ قمار ہے نہ ربا، یہ ایسا ہے، جیسا مدارس میں زیادہ نمبر لانے والے طالب علم کے لئے انعام کا اعلان کیا جاتا ہے۔
- ۱۹- سوال میں جو شکل بیان کی گئی ہے وہ جائز نہیں، کیونکہ یہ قمار کی شکل ہے۔

قسطوں کی بنیاد پر خرید و فروخت کا معاملہ

مفتی عزیز الرحمن مدنی مدظلہ

۱-۵ ”یصح البیع بضمن حال و مؤجل بأجل معلوم“ (الدر المنثور ۸/۷۷)۔

عدم جواز بیع میں اصل وقوع منازعت ہے، اور یہ اسی وقت ہوتا ہے کہ جب کوئی چیز مجہول ہو، اور جب مدت کی صراحت اور تعیین کر دی گئی کہ ثمن کی ادائیگی اس طرح ہوگی مثلاً ہر مہینہ سو روپے ادا ہوں گے، تو جہالت باقی نہ رہی اور منازعت ختم ہوگئی، ایسے ہی نقد اور اوصار میں بھی مدت کی صراحت ہو جانے سے جہالت اور منازعت دونوں ختم ہوگئی، اور بیع کا انعقاد تراخی طرفین کے ساتھ ہوا۔

لیکن حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس طرح بیع کرنا بشرطیکہ اسی جلسہ میں مقرر ہو جائے کہ نسیۃ لے لے گا، درست ہے، اور بیع صحیح ہے، مال حلال ہے، مگر خلاف مروت کے اور احسان کے ہے کہ فقیر پر احسان چاہنے نہ تشدد پس فعل مکروہ ہے اور بیع صحیح ہے..... (تاوی رشیدیہ ۳/۲۲)۔

۶-۷ - ظاہر ہے کہ عدم ادائیگی قسط کی صورت ہر ماہ دو روپیہ (مثلاً) اضافہ بلا بدل اور عوض ہے، مشہور کلیہ ہے: ”کل قرض جو نفعاً فہو الربا“۔

۸- الف - جب تک بائع نے بیع کو مشتری کے قبضہ میں نہیں دیا تو یہ مال بائع ہی کا ہے، یہ صورت رہن کی نہیں ہے، بلکہ مشتری نے وصولی کو یا بائع نے ثمن کی وصولی تک ادائیگی بیع یا قبضہ

علی المبیع کو موثر کر دیا ہے۔

ب۔ یہ خود بائع کا مال ضائع ہوا ہے۔

ج۔ مال بائع ہی کا ہے، یا تو وہ مشتری کو قیمت واپس کر دے، خواہ فر وخت کر کے بقدر مطالبہ اپنی رقم اپنے پاس رکھے، اور بقدر آمدہ رقم از مشتری، مشتری کو واپس کر دے۔

”واللبائع حبس المبیع الی قبض الثمن ولو بقی منه درہم ولو المبیع شیئین بصفقة واحدة وسمی لكل ثمننا فله حبسهما الی استیفاء الكل ولا یسقط حق الحبس بالرهن ولا بالكفیل ولا براء براء ہ من بعض الثمن حتی یتوفی ویسقط بحوالۃ البائع علی المشتري بالثمن اتفقا“ (رد المحتار ۴/۳۶۲)۔

اس سلسلے میں تمام اجزاء کے جوابات مذکورہ عبارت اور جوابات نمبر ۸ سے ظاہر ہیں۔
۱۰۔ اگر بائع وصول شدہ اقتساط واپس نہیں کرنا تو یہ غصب ہے، یہ مال بائع کا نہیں ہے اور مالی جرمانہ کا اس کو حق نہیں ہے۔

۱۱۔ کمپنی یا بائع نے جب بیع مشتری کے قبضہ میں دے دی اگر چہ پوری قیمت وصول نہیں ہوئی تھی، تو بقیہ قیمت مشتری پر قرضہ ہے، اور بیع کا وہ مالک ہے، یہ رہن کی صورت نہیں ہے۔

۱۲۔ کفیل تو لے سکتے ہیں، مگر اجرت اور معاوضہ جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ یہ دستاویزات کی بیع نہیں، بلکہ اس شی کی بیع ہے جو بائع کے قبضہ میں وصولی ثمن تک مجبوس ہے، بائع اس چیز کو کم قیمت میں فروخت کرے یا زیادہ میں اس کا مال ہے، لیکن وصول شدہ رقم واپس کرنا اس کو ضرور ہے۔

۱۴۔ بائع کو وصولی ثمن یعنی کم ثمن وصول کرنے کا اختیار ہے، اسی طرح مدت میں کمی مشتری کی مرضی سے جائز ہے، اس معاملہ میں تراضی طرفین موجود ہے، کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۱۵۔ جائز ہے (رد المحتار ۴/۱۸۷)۔

قسطوں پر خرید و فروخت - فقہاء کی نظر میں

منشی حبیب اللہ نقاشی ☆

- ۱- ایک سامان کو نقد فروخت کرنا کسی کے ساتھ اور ادھار فروخت کرنا زیادتی کے ساتھ جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں بتلا دیا جائے کہ یہ بیع نقد ہے یا ادھار، اور اگر ادھار ہو تو مجلس عقد میں قیمت کو متعین کرنا اور ادائیگی کی مدت کو متعین کرنا ضروری ہے، اگر متعین نہیں کیا جائے گا تو ادھار بیع جائز نہیں (کفایت المفتی ۳۰/۸)۔
- ۲- ثمن بائع کا حق ہے، اور بیع مشتری کا حق ہے، لہذا صورت مذکورہ میں اگر بائع اس بات پر راضی ہو جائے کہ میں ثمن یکمشت نہیں لوں گا، بلکہ دس ہزار میں مثلاً فروخت کیا ہے تو ہر ماہ کے شروع میں ایک ہزار کی ایک قسط لوں گا تو ادھار خریدنے کی صورت میں مشتری پر ہر ثمن کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں (درمنازح ۱۵۱/۳، ۲۲، ۲۳)۔
- ۳- بیع کے وقت ثمن کو دو شقوں میں دائر کرنا اور تعین نہ کرنا جائز نہیں، البتہ تعین ہو جائے تو جائز ہے (ملئنی الاجر ۳۶/۲، مانگیری ۳/۵۳، امداد الفتاویٰ ۳۰/۳، کتاب الربوع)۔
- ۴- ادھار فروختگی کی صورت میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا با وسود کے دائرے میں نہیں آتا۔
- ۵- جب خریدار کے سامنے معاملہ کی دونوں شکلیں پیش کی گئیں اور مجلس عقد میں ایک شکل کو متعین کر دیا گیا تو بیع کی یہ شکل جائز ہے، کیونکہ یہاں اجل مجہول نہیں ہے، اور ایسی جہالت

نہیں جو مفصلی ولی النزاع ہو۔

۶- بیع کی مذکورہ شکل ناجائز ہے جس میں وقت مقررہ پر قیمت کی عدم ادائیگی میں اضافہ کی شرط ہے، کیونکہ اس صورت میں ثمن کی تعیین نہیں ہوگی، معلوم نہیں کہ مشتری ثمن ایک ماہ کے اندر ادا کرے گا یا تاخیر کرے گا، اور اگر تاخیر کرے تو پھر کتنی تاخیر کرے گا، چونکہ یہ سب مجہول ہیں، لہذا بیع مجہول ہوئی، اور یہ شرعاً جائز نہیں، اور یہاں ربا کا شبہ بھی ہے۔

۷- صورت مذکورہ میں بھی شبہ ربا کی وجہ سے بیع کی یہ شکل درست نہیں۔

۸- (الف) اگر راہن نے مرہون کو راہن سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدی ہو تو مرہون کے لئے شئی مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، لیکن اگر اجازت انتفاع نہ دی ہو تو مرہون کے لئے شئی مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں (ہدایہ ۵۰۶/۳، نسخہ ہندیہ)۔

(ب) بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے اگر مال مرہون بلاک ہو جائے تو بائع اس کا ضامن ہوگا یعنی ضمان بائع پر ہوگا (ہدایہ ۵۰۱/۳، کتاب المرہون)۔

(ج) جب مشتری ثمن کے دینے میں نال منول کرتا ہے تو بائع جو مرہون ہے اس کے حق کی وصولیابی اس طرح ہو سکتی ہے کہ مشتری کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مرہون کی اجازت سے شئی مرہون کو فروخت کر کے بائع کا ثمن ادا کر دے، ورنہ قاضی وقت فروخت کر کے بائع کا ثمن ادا کر دے گا (درمنا مع الثانی ۳۲۵/۵، کتاب المرہون، ہدایہ ۵۲۲/۳، ۵۲۳)۔

۹- جب ایجاب و قبول ہو چکا تو اب مشتری بیع کا اور بائع ثمن کا مالک ہو گیا، اور کسی کو اختیار نہیں، الا یہ کہ خیار شرط و خیار ردیعت و خیار عیب وغیرہ حاصل ہو، صورت مذکورہ میں بائع کا اپنے فروخت شدہ سامان کو روکنا تا وقتیکہ اس کی مکمل قیمت یا چند اقساط جمع نہ کی جائیں شرعاً درست ہے، ہاں اگر بیع نقد ہے تو پہلے مشتری ثمن دے اس کے بعد بائع بیع دے۔

صورت مذکورہ میں اگر بائع فروخت شدہ سامان کو بطور رہن اپنے پاس اس وقت تک رکھے جب تک بائع کو ثمن وصول نہ ہو جائے تو شرعاً یہ درست نہیں (ہدایہ ۴۳/۳، نیز ۵۱۰)۔

- البتہ ”حبس المبیع لا ستيفاء الثمن“ (شامی ۴/۲۴) کی اجازت ہے۔
- ۱۰- شریعت کے اصول پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بائع اگر اپنے سامان کو روک لے، اس وجہ سے کہ ثمن کے طے شدہ اقساط جمع نہیں کئے گئے، لیکن اگر بعض قسطیں بائع کو مل چکی ہوں اور بائع اپنا سامان نہیں دے رہا ہے تو بائع کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس پر مشتری تو راضی نہیں ہوگا، اور حدیث میں فرمایا گیا:
- ”لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفسہ“ (مسلم)۔
- ۱۱- خود خریداری کے پاس اس کے استعمال میں رکھ کر فروخت کی ہوئی چیز کو رہن رکھنا شرعاً درست نہیں، کیونکہ رہن کے صحیح ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ وہ مضمون ہو یعنی جس کے فوت یا ہلاک ہونے سے ضمان واجب ہو، ظاہر ہے صورت مذکورہ میں بیع تو مشتری ہی کا حق ہے، لہذا پھر مضمون ہونے کا سوال نہیں (بہار ۵۰۱، ۳)۔
- ۱۲- ادارے و اشخاص جو متبائعین کے درمیان ثالث معتمد کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا معاوضہ لیما بظاہر دلالی کے حکم میں ہے، اس طرح اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔
- ۱۳- دستاویز کی خرید و فروخت دراصل اس میں مکتوب و مذکور مال کی خرید و فروخت ہے، دستاویز کی حیثیت ایک وثیقہ کی ہے لہذا اگر بیع و شراء کے جملہ شرائط باہم پائے جاتے ہوں تو ثمن کی کمی و زیادتی میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔
- ۱۴- صورت مذکورہ میں بائع کا وقت مقررہ سے قبل قیمت کا مطالبہ کرنا اس شرط پر کہ ایک حصہ ہم معاف کر دیں گے، اور اس بات پر بائع و مشتری رضامند ہو جائیں تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں، یعنی یہ صورت درست ہے، کیونکہ ثمن بائع کا حق ہے اور اس کو حق حاصل ہے کہ تمام کو یا بعض کو معاف کر دے۔

”ویجوز أن یحط البائع من الثمن“ (قدوری ص ۸۱، باب الراسخ والاولیہ تحت کتاب

۱۵ - صورت مذکورہ میں ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین نہ کرنے کی وجہ سے ادھار بیع فاسد ہو رہی تھی، لیکن جب بائع و مشتری نے باہمی رضامندی سے قیمت کم کر کے نقدی بیع کر لی تو اب یہ بیع درست ہوگی (ہدایہ ۴۵۳)۔

۱۶ - بائع و مشتری میں جب یہ بات طے پا چکی ہے کہ ثمن کی ادائیگی قسط وار ہوگی تو بائع کا مشتری کی طرف سے کسی قسط کی تاخیر پر تمام قسطوں کا فی الفور طلب کرنا خلاف معاہدہ ہے، ہاں مشتری کی ذمہ داری ہے کہ جب اس نے وعدہ کیا ہے تو ایفاء وعدہ کے لئے کوشاں رہے یا کسی مجبوری سے ثمن مہیا نہ ہو تو بائع کو چاہئے کہ مشتری کی اس مجبوری کا خیال رکھے۔

۱۷ - اہل علم کو غور کرنا ہوگا کہ بیع بالتقسیت میں جو قسطوں پر دینے کا اختیار ہے، کیا وہ ایسی چیز ہے جس کی وراثت چل سکتی ہے؟ یعنی یہ انتقال کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ہوگا کہ دائن یا مدیون میں سے کسی کے انتقال کی صورت میں معاملہ کی وہی شکل ہوگی جو دونوں کی موجودگی میں تھی یعنی قسطوں پر ثمن کی ادائیگی، یا یہ کہ یہ حق وارثین کو نہیں ہوگا، اور ان پر یکبارگی ثمن کی ادائیگی لازم ہوگی (ہدایہ ۱۶۳، ۱۶۴، ۵۵)۔

۱۸ - بظاہر خریداروں کو وقت مقررہ پر قسط کی ادائیگی کی ترغیب دینا ہے، اس زاویہ سے اس میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔ باقی اگر کوئی دوسرا مقصد پیش نظر ہو تو اس مقصد کے سامنے آنے کے بعد اس کے شرعی حکم پر غور کیا جاسکتا ہے۔

۱۹ - سوال میں بیع بالتقسیت کی جو صورت ذکر کی گئی ہے جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں ثمن کی کوئی تعیین نہیں ہے کہ کتنے ثمن میں بیع حاصل ہوگی؟ مذکورہ شکل تو لاٹری ہی کی طرح معلوم ہو رہی ہے جس میں جہالت ہے اور ربا کا شائبہ بھی ہے، لہذا لوگوں کو مذکورہ شکل سے اجتناب کرنا چاہئے۔

قسطوں کی بنیاد پر خرید و فروخت اور اس کے احکام

منتقلی جمیل احمد زبیری ✽

- ۱- ادھار سامان کی قیمت نقد کے مقابلے میں زیادہ رکھی جاسکتی ہے: ہدایہ میں ہے: "ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل" (ہدایہ ۵۸۳)۔
- ۲- قیمت کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں۔ قسط وار بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ بائع اور مشتری کے درمیان جس طرح طے ہو جائے۔
- ۳- نقد اور ادھار دونوں کی الگ الگ قیمت بتائی جاسکتی ہے لیکن بیع کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ مجلس عقد میں بائع اور مشتری کے درمیان کسی ایک پر معاملہ طے ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ بلا طے ہوئے دونوں الگ ہو جائیں (ترمذی ۲۳۳۱، باب ماجاء فی البیہ عن بیعین فی بیعة، تحفۃ الاحوذی ۲۳۶/۲)۔
- اگر بائع اور مشتری کسی ایک قیمت پر معاملہ طے کئے بغیر جدا ہو گئے تو اس کے عدم جواز کی وجہ جہالت ثمن ہے، جس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے (دیکھئے مرقات المفاتیح الجزء السادس ۸۱ باب المبیہ عنہا من البیوع، أشعة اللمعات ۵۳، بئذ الجہود ۶۳، ۲۷، اوجز المسائل ۵/۱۱۶)۔
- ۴- یہ ربا نہیں ہے، کیونکہ علت ربا، قدر مع الحس کا تحقق نہیں۔
- ۵- اگر دونوں مجلس عقد میں کوئی ایک صورت طے کر کے باہم معاملہ کر لیتے ہیں تو یہ صورت جائز ہوگی۔

- ۶- اضافہ کی رقم سراسر ربا اور سود ہے۔
- ۷- یہ مزید رقم بھی ربا ہے، اسے جرمانہ یا مالی تاوان قرار دینے کی احقر کے خیال میں گنجائش نہیں ہے، پھر یہ کہ مالی تاوان جائز بھی نہیں ہے۔ علامہ ثامی لکھتے ہیں: ”والحاصل أن المنهب عدم التعزیر بأخذ المال“۔ (خلاصہ یہ کہ مذہب مختار، مال لینے کے ذریعہ تعزیر کا جائز نہ ہونا ہے)۔
- ۸- (الف): بائع اس مال مرہون سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، کیونکہ یہ بھی ربا ہی ہے ”کل قرض جرنفعا فهو ربا“ کے تحت درمختار میں ہے: ”لا الانتفاع به مطلقا“ (۳۳۲/۵)۔
- البتہ اس میں اجازت کے ساتھ گنجائش ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:
- ”إلا ياذن كل للآخر وقيل: لا يحل للموتهن، لأنه ربا، وقيل: إن شرطه كان ربا وإلا لا“ (ردالمحتار ۳۳۳/۵)۔
- (راہن و مرتہن ایک دوسرے کو اجازت دے دیں تو ہر ایک کے لئے انتفاع جائز ہے، اور کہا گیا کہ مرتہن کے لئے حائل نہیں ہے، کیونکہ یہ ربا ہے، اور کہا گیا ہے کہ اگر مرتہن نے شرط رکھی تھی تو ربا ہے ورنہ ربا نہیں ہے)۔
- (ب) بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے مال مرہون ضائع ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے:
- ”فإن هلك وسأوت قيمته الدين صار مستوفيا دينه حكما أو زادت كان الفضل أمانة فيضمن بالتعدى أو نقصت سقط بقدره ورجع المرتهن بالفضل، لأن الاستيفاء بقدر المالية“ (ردالمحتار ۳۳۲/۵)۔
- (اگر مال مرہون ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت قرض کے برابر ہو تو حکما مرتہن نے اپنا حق وصول کر لیا، اور زیادہ ہو تو زائد رقم امانت ہوگی (راہن کو واپس کرنی ہوگی) لہذا تعدی سے ضامن ہوگا اور اگر رقم کم ہوگی تو اس رقم کے بقدر قرض ادا ہو گیا اور باقی رقم کے بارے میں مرتہن راہن سے رجوع کرے گا، اس لئے کہ وصولیابی مالیت کے بقدر ہوگی)۔

(ج) رقم وصول کرنے کے لئے مال مرہون فروخت کیا جائے گا، اگر مال مرہون کی قیمت سے قرض ادا ہو جائے تو فہما، ورنہ کم ہونے پر بقیہ رقم ادا کرنے کی ذمہ داری (قرض دار) کی ہوگی۔ اور بڑھ جانے پر فاضل رقم راہن کو واپس کرنی پڑے گی، جیسا کہ جواب ”ب“ کے تحت گذرا۔

یہ فروختگی عام حالات میں قرض دار یا اس کے وکیل کی معرفت ہوگی، لیکن اگر وہ فروخت کرنے سے انکار کرے اور قرض ہی ادا نہ کرے تو بالجبر بذریعہ قاضی اسے فروخت کیا جائے گا (فقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۲۷۵)۔

موجودہ زمانہ میں چونکہ اکثر مقامات پر قضاة نہیں ہیں، لہذا عامۃ المسلمین میں سے چند خواص کے ذریعہ اور ان کی نگرانی میں یہ کام کر لیا جائے، عامۃ المسلمین بمنزلہ قاضی ہیں (امداد الفتاویٰ ۲/۶۱۵)۔

۹- ادھارتع میں بائع کو اپنا ثمن وصول کرنے کے لئے بیع کو روکنے کا حق نہیں ہے۔ صرف نقد بیع میں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”قال أصحابنا رحمہم اللہ تعالیٰ: للبايع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن إذا كان حالاً كذا في المحيط، وإن كان مؤجلاً، فليس للبايع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا بعده، كذا في المبسوط“ (فتاویٰ عالمگیری ۱۵/۳، الباب الرابع کتاب البیوع)۔

(ہمارے اصحاب رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ بائع کو ثمن حاصل کرنے کے لئے بیع کو روکنے کا حق اس وقت ہے جب بیع نقد ہوئی ہو، ایسے ہی محیط میں ہے، لیکن اگر بیع ادھار ہو تو بائع کو بیع روکنے کا حق نہیں ہے، نہ مدت سے پہلے نہ مدت کے بعد)۔

لہذا مکمل قیمت یا چند اقساط کے جمع ہونے تک فروخت کردہ سامان کو روکنا بائع کے لئے جائز نہیں ہے۔

البتہ فروخت کردہ سامان کو بطور رہن رکھنے کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلے مشتری اس سامان پر خود قبضہ کرے، پھر اسی سامان کو بطور رہن، بائع کے پاس رکھ دے (کتاب علی فتح القدر ۹۹۹، کتاب الرهن)۔

۱۰- اگر بائع نے اس فروخت کردہ سامان کو بطور رہن اپنے پاس رکھا تھا اور اس سامان پر پہلے مشتری کا قبضہ ہو چکا تھا، یعنی جواب نمبر ۹ کی تفصیل کے مطابق رہن کی صورت تھی، تو طے شدہ اقساط کو ادا نہ کرنے کی صورت میں وہ سامان فروخت کیا جائے گا، اور ادا کردہ اقساط کے بعد جو رقم باقی رہ گئی ہو وہ اس سامان کی قیمت سے بائع لے لے گا، جو رقم فاضل ہوگی وہ مشتری کا حق ہوگی۔

لیکن بائع کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ادا کردہ اقساط بھی واپس نہ کرے اور سامان بھی خود رکھ لے۔ عوض اور معوض دونوں کسی ایک کی ملکیت میں جمع نہیں ہو سکتے۔

۱۱- اگر بائع ملکیت ثابت کرنے والی دستاویزات پر قبضہ کر لے تو ان پانچ ملاحظیات کی بنیاد پر جن کا تذکرہ حضرت مولانا مفتی عثمانی صاحب نے کیا ہے، احقر بھی گنجائش سمجھتا ہے۔

علماء کرام کو (فتویٰ مقالات حصہ اول صفحہ ۹۲ تا ۹۵) پر درج ان ملاحظیات و تفصیلات پر غور کر لینا چاہئے۔

۱۲- مفتی محمد مفتی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے کے عمل میں بینک کے جو واقعی اخراجات اور مصارف ہوتے ہیں، ان کا مطالبہ کرنا عمیل سے جائز ہے۔

امپورٹر اور اکسپورٹر کے درمیان معاملہ کی تکمیل کے سلسلے میں بینک جو خدمات بجالاتا ہے، اس پر بحیثیت وکیل، یا بحیثیت دلال یا درمیانی واسطہ ہونے کی حیثیت سے اپنی خدمات پر اجرت کا مطالبہ کرنا بینک کے لئے جائز ہے، لیکن صرف کفالت اور گارنٹی پر کسی اجرت کا مطالبہ جائز نہیں (فتویٰ مقالات ۹۸۱)۔

۱۳- جائز صورت:

اولا حامل دستاویز بینک (یا جسے یہ دستاویز فروخت کرنا ہے اس شخص کو) مشتری (دستاویز جاری کرنے والا) سے دین وصول کرنے کا وکیل بنا دے اور اس وکالت پر یہ شخص بینک (یا اس شخص کو جسے دستاویز فروخت کرنا ہے) کو کچھ اجرت بھی دے دے۔

اس کے بعد نئے معاملہ کے ذریعہ یہ شخص (حامل دستاویز) دستاویز پر تحریر شدہ رقم کے بقدر بینک (یا اسی آدمی سے قرض لے لے)۔ اور بینک (یا اسی آدمی کو) اس کا اختیار دے دے کہ جب مشتری سے اس دستاویز کے عوض رقم وصول ہو جائے تو وہ اس رقم سے اپنا قرض وصول کر لے۔ اس طرح یہ دو معاملات علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے (مختصی مقالات ۱۹۹/۱)۔

۱۴- یہ صورت جائز نہیں ہے، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

چنانچہ مندرجہ بالا نصوص فقہیہ کی بنیاد پر مدت کے مقابلے دین کے کچھ حصہ کے سقوط کی حرمت کو راجح قرار دیا گیا ہے (کتاب مذکور ص ۱۰۷)۔

۱۵- چونکہ دین مؤجل نہیں، اس لئے یہ صورت جائز ہوگی (کتاب مذکور ص ۱۰۸ تا ۱۱۳)۔

۱۶- یہ مطالبہ صحیح ہے:

خلاصہ الفتاویٰ میں ہے:

”ولو قال: کلما دخل نجم ولم تؤد فالمال حال صحیح و یصیر المال

حالا“ (کتاب اربعہ ص ۵۳)۔

(اگر کہے: ”جب ادائیگی کا وقت مقررہ آجائے اور تم ادا نہ کرو تو مال نقد ہو جائے گا یہ

کہنا صحیح ہے اور مال نقد ہو جائے گا)۔ یعنی ادھار کی مہلت ختم ہو جائے گی۔

۱۷- معاملہ اپنی طے شدہ تفصیل کے ساتھ باقی رہے گا بشرطیکہ میت کے ورثاء (خواہ دائن

کے ہوں یا مدیون کے) کسی قابل اعتماد طریقہ سے اس کی توثیق کر دیں، اس مسئلہ میں حنا بلہ کا

مسلك فی زمانہ قابل ترجیح لگتا ہے جو کہ المغنی جلد رابع / ۳۸۶، کتاب المفلس وغیرہ میں مذکور ہے۔

۱۸- سامان کے ساتھ انعامات:

ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

”فالذی یتبین لی أن الجوائز التي توزعها الشركات والمحلات التجارية على عملائها الذين يشتررون منها سواء تمثلت في مبالغ نقدية ام في بضائع وأشياء عينية، لا تدخل في دائرة الميسر المنهي عنه، وهو الذي لا يخلو من ربح أو خسارة لأحد الطرفين، و منه اليانصب الذی عرفه الغرب ونقل - للأسف - الى مجتمعا تنا تقليداً.

ذلك أن الجوائز التي تدفعها المؤسسات التجارية إنما هي من طرف واحد، ولا يتحمل الطرف الثاني أية خسارة أعني العملاء أو الزبائن وأما اختيار البعض بواسطة القرعة فلا حرج في ذلك شرعاً عند جمهور الفقهاء وتدل عليه عملة أحاديث تجيز الترحيح بالقرعة“ (فتاویٰ سامرہ ۳/۲۲۰)۔

(جو میرے سامنے ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ جو انعامات کمپنیاں اور تجارتی ادارے اپنے خریداروں کو تقسیم کرتی ہیں، خواہ نقد کی صورت میں یا سامان و اشیاء کی صورت میں وہ ممنوع جوئے کے دائرے میں نہیں آتے، جس میں کسی نہ کسی ایک فریق کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان ہوتا ہے انہیں میں وہ لاٹری بھی ہے جو مغرب کی تقلید میں افسوس کہ ہمارے معاشرہ تک آگئی ہے۔

ان انعامات کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ جو تجارتی ادارے انہیں دیتے ہیں وہ صرف ایک طرف سے دیتے ہیں، دوسری طرف گاہکوں کو کوئی خسارہ برداشت کرنا نہیں ہوتا۔ جہاں تک قرعہ اندازی کے ذریعہ انتخاب کا تعلق ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، بہت سی احادیث قرعہ کے ذریعہ ترجیح کے جواز پر دلالت کرتی ہیں)۔

{۳۷۳}

مختصر تحریریں

آگے لکھتے ہیں کہ اگر خریدار کا مقصد سامان نہ ہو، بلکہ انعام ہو تو اس صورت میں اس میں تماریا اس سے قربت کا مفہوم ہوتا ہے۔ چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

”علی کل حال لا أرى بأساً من أخذ الجائزة المذكورة مادام المقصد

الأساسی هو الشراء“ (فتاویٰ سامرة ۲۳/۲۰۲۰)۔

(بہر حال میں انعام کے لینے میں کوئی حرج نہیں دیکھتا، جب تک بنیادی مقصد سامان

خریدنا ہو)۔

۱۹ - کاروبار کا یہ طریقہ سراسر تماریا پر مشتمل ہے جس کی حرمت میں کوئی شک و شبہ نہیں،

ملاحظہ ہو (فتاویٰ رحمیہ، ۱۳۱/۱۳۱۲)۔

☆☆☆

نقد کے مقابلہ ادھار میں قیمت کا اضافہ

مفتی عبدالرحیم قاسمی، بھوپال

۱- جس سامان کو ادھار فر وخت کیا جائے، بائع اور مشتری آپسی رضامندی سے اس کی قیمت نقد کے مقابلہ کچھ زیادہ مقرر کر لیں، تو جائز ہے، ”اسلامی فقہ“ میں ہے بائع کو اختیار ہے کہ نقد کوئی چیز سستی بیچے اور ادھار کچھ گراں مگر اس بارے میں خریدار کو بتا دینا اور اس کا منظور کر لینا بھی ضروری ہے اگر بغیر بتائے فر وخت کرے گا تو یہ جائز نہیں (اسلامی فقہ ۳۳۷/۲، فتاویٰ محمودیہ ۱۷۵/۳)۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی نسطوں میں بھی کی جاسکتی ہے ”درزیوں کی مشین نسطوں پر خریدنا“ کے زیر عنوان ”امداد الفتاویٰ“ میں ہے: نسبت میں بہ نسبت نقد کے زیادہ قیمت لے لینا جب کہ مجلس عقد میں نقد یا ادھار ہونا متعین ہو جائے جائز ہے (امداد الفتاویٰ ۱۲۲/۳)۔

۳- اس طرح معاملہ کرنا کہ نقد قیمت مثلاً ایک سو روپے اور ادھار سو سو روپے ہے شرعاً جائز نہیں، ”رجل باع علی انه بالنقد بکنا وبالنسیئة او الی شہر بکنا و الی شہرین بکنا لم یجز“ (فتاویٰ مالگیری ۱۳۶/۳)۔

۴- وقت کے عوض قیمت زیادہ کرنا مطلقاً منع نہیں، بلکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ سامان کے سودے میں ادھار کا خیال کر کے کچھ قیمت میں اضافہ کیا جائے تو وہ براہ راست مدت کا معاوضہ نہیں، بلکہ اس سامان ہی کی قیمت ہے بخلاف اس کے اگر براہ راست مدت ہی کا معاوضہ سالانہ یا ماہوار طے کیا جائے تو یہ حرام ہے، چنانچہ جہاں صاحب ہدایہ نے مدت کی وجہ سے قیمت

میں زیادتی کو جائز کہا ہے وہاں پہلی صورت مراد ہے، اور انہوں نے مذکورہ صورت کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ اصلاً اور براہ راست نہیں، بلکہ ضمناً ہے، اگرچہ تاقضی خاں وغیرہ نے اسے بھی ناجائز کہا ہے، اور جہاں پر صاحب ”ہدایہ“ نے مدت کے مقابلہ میں عوض لینے کو حرام کہا ہے وہاں ان کا مطلب یہ ہے کہ براہ راست مدت کی قیمت نہیں لی جاسکتی (جوہر فقہ ۱۵۲/۳)۔

۵- اگر سوال میں مذکورہ صورتوں پر غور کر کے مجلس عقد ہی میں بائع اور مشتری باہمی رضامندی سے کسی ایک صورت کو طے کر لیں تو شرعاً یہ جائز ہے (فتاویٰ الرشیدیہ ۳۰۲)۔

۶- یہ سودی معاملہ ہے۔

”قال الكاساني: فلأنه اعتياض عن الأجل، وأنه لا يجوز، لأن الأجل ليس بمال فلا يجوز الاعتياض عنه“ (بدائع المنافع ۲۱۵/۵)۔

۷- اگر ادھار فرخت کے وقت نسطوں میں یا یکمشت قیمت یا جملہ قسطیں یا کوئی قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں کچھ مقررہ رقم کی ادائیگی ضروری قرار دی جائے تو یہ سود ہے، اس کا لینا دینا حرام ہے۔

”ذلك اعتياض عن الأجل وهو حرام“ (ہدایہ آخرین باب الصلح فی الدین)۔

۸- بائع خریدار سے کوئی مال رہن رکھوائے تو وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا ”نفع گرفتن مرتہن را از رہن مکروہ تحریمی است“ (مجموعہ الفتاویٰ شاہ عبدالعزیز دہلوی ۲۲/۲، فتاویٰ رشیدیہ ۳۲۹/۲، نیز دیکھئے درختارہ ۳۳۶/۵، بدیعیہ الجہد، فتاویٰ محمودیہ ۲۱۹/۳، امداد الفتاویٰ ۳۳۵/۳)۔

البتہ امام احمد اور اسحاق بن راہویہ جانور کے بارے میں اس حدیث کی روشنی میں ”الرهن موكوب ومحلوب“ یہ کہتے ہیں کہ اپنے چارہ اور اخراجات کے بقدر سواری کر سکتا ہے، مگر امام ابوحنیفہ کسی صورت میں اس کے لئے نفع اٹھانے کے قائل نہیں (اسلامی فقہ ۳۶۹/۲)۔

جو چیزیں غیر منقولہ ہیں، مثلاً زمین مکان وغیرہ، یا وہ منقولہ ہیں، مگر ان کے استعمال سے ان کی حیثیت کم ہو جاتی ہے، مثلاً زیور، گھڑی، سائیکل، موٹر وغیرہ ان سے انتفاع تو کسی حال

میں جائز نہ ہونا چاہئے، لیکن جانور وغیرہ میں جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما حدیث کی روشنی میں کہتے ہیں اپنے خرچ کے بقدر راہن کی اجازت سے وہ استعمال کر سکتا ہے، اس لئے کہ جانوروں کے چارہ کی ذمہ داری موجودہ زمانہ میں ایک وقت طلب بات ہے، اس لئے وہ چارہ اور اخراجات کے بقدر استعمال کر لے تو یہ ربا کی حد میں داخل نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس کے استعمال سے اس میں عیب پیدا نہ ہو، اس میں استعمال کی حد مقرر کی جاسکتی ہے، جیسا کہ امام مالک فرماتے ہیں (اسلامی فقہ ۲/۳۷۱)۔

(ب) مرہن کے قبضہ میں مال رہن ضائع ہو جائے تو اس کے قبضہ کے دن کی قیمت اور بیع کی قیمت دونوں کو پیش نظر رکھ کر اس طرح فیصلہ کیا جائے گا کہ اگر دونوں برابر ہیں تو خریدار قیمت کی ادائیگی سے سبکدوش مانا جائے گا، اور اگر مال رہن کی قیمت بیع کی قیمت سے زیادہ ہو تو خریدار اس کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو جائے گا، باقی زیادتی مرہن کے پاس امانت رہے گی، اور رہن کی قیمت کم ہونے کی صورت میں اس کے بقدر بیع کی قیمت ادا مانی جائے گی، اور باقی رقم مرہن خریدار یعنی راہن سے وصول کرنے کا حق دار ہوگا (فتاویٰ ماٹنگیری ۲۵/۳۳)۔

(ج) اگر رہن کی مدت پوری ہو جائے اور خریدار قیمت ادا نہ کرے تو مرہن کو رہن رکھی ہوئی چیز بیچ کر اپنی قیمت وصول کرنے کا حق ہوگا اور جہاں اسلامی حکومت ہوگی وہاں مرہن قاضی (جج) کے سامنے معاملہ پیش کر کے بیچنے کی اجازت لے گا پھر فروخت کرے گا۔

”إذا حل وقت الأداء وامتنع الراهن عن أدائه فالحاكم يأمر ببيع الرهن“ (المجلد ۱۱۶، بحوالہ اسلامی فقہ ۲/۳۷۲)۔

۹- بائع قیمت کی وصولی کو یقینی بنانے کا مطالبہ کرے اور خریدار بیع کو بائع کے پاس رہن کے طور پر چھوڑ دے تو اس کی گنجائش ہے (رد المحتار ۳/۳۲)۔

(ب) بائع نے ثمن کی میعاد مقرر کر کے اپنے پاس بیع روکنے کا حق ساقط کر دیا ہے، لہذا خریدار کو قیمت کی ادائیگی سے پہلے بیع پر قبضہ کرنے کا اختیار ہے (بداائع المسائل ۵/۲۵۰)۔

اب قیمت وصول کرنے کے لئے بائع مبیع کو روکنے کا حقدار نہیں۔

۱۰- قیمت کی طے شدہ اتساظ خریدار مکمل ادا نہ کر سکے اور مبیع بائع کے قبضہ میں ہی ہو تو ادا شدہ قسطوں کی مجموعی رقم بائع مشتری کو واپس کر دے اور اس معاملہ کو فسخ کر دیا جائے، کیونکہ ادا شدہ قسطیں ”خالصی عن العوض“ (بائع) کے قبضہ میں ہیں جب کہ فروخت شدہ سامان بھی اس کے پاس ہے تو قسطوں کی رقم اس کے لئے حائل نہیں اس کا مالک خریدار ہے اس کو واپس کرنا لازم ہے۔

۱۱- جو شخص صرف مرتہن ہو، اس کا قبضہ بطور امانت نیا بتا ہوتا ہے، لیکن خریدار عقد کے ذریعہ ملکیت حاصل کر چکا ہے، اس کے پاس مبیع کو رہن رکھنے کی صورت میں وہ اصل مالکانہ قبضہ کر لے گا، بائع کو اس کا قبضہ باطل کرنے کا اختیار نہیں ہوگا (بواع ۱۵۱/۵)۔

۱۲- خریدار کی جانب سے ضمانت اور گارنٹی کفالہ کے اصول پر پیش کی جاسکتی ہے (۲۶۸/۳)۔

اور کفیل قیمت ادا کرنے کے بعد اسیل (مشتری) سے وصول کر سکتا ہے (۲۷۲/۳)۔

یہ اخلاقی معاملہ ہے کریڈٹ لیئر کی قیمت لے کر اس کو جلب منفعت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔

۱۳- ادھار معاملہ کے کاغذات بیع نامہ لکھ کر مشتری سے مبیع کی ثمن کے علاوہ مزید قیمت وصول کر کے دیئے جاتے ہیں یا صرف ملکیت کی دستاویز زیادہ قیمت دینے والے عام آدمی کو فروخت کی جاتی ہے، دونوں صورتوں میں دستاویزی قیمت زبانی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے تو ادائیگی کس حساب سے کی جاتی ہے یہ امر وضاحت طلب ہے؟

۱۴- بائع کو قیمت میں کمی کرنے کا اختیار ہے، اور یہ تصریح و احسان ہے (فتاویٰ مالگیری ۱۷۳/۳)۔

۱۵- اوصار معاملہ جائز ہونے کے لئے قسط کی تعیین اور اس کے وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر یہ بیع فاسد ہو جائے گی تو بعد میں رقم کم کرنے کا سوال ہی نہیں ہوگا (نہی ۳۲۳)۔

۱۶- معاملہ کرتے وقت اگر یہ طے کر لیا تھا کہ قسط کی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر باقی قسطیں مجموعی طور پر طلب کی جائیں گی تو شرط کے مطابق باقی قیمت فوراً وصول کرنے کا حق ہے (درجہ اولیٰ ہاشم الرد ۳۳۳)۔

۱۷- خریدار کا انتقال ہو جائے تو قسطوں کی مدت متعینہ ختم ہو جائے گی، اور فوری طور پر کل قیمت ادا کی جائے گی، بائع کا انتقال ہونے سے معاملہ کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں ہوگا (رد المحتار ۳۳۳)۔

۱۸- ہر قسط کی ادائیگی کے وقت یا ماہ ب ماہ یا چھ ماہ یا سال بھر میں قرضہ اندازی کر کے خریداروں کو انعام دینا شرعاً قمار میں شمار ہے۔

۱۹- تمام خریداروں سے بالاقساط قیمت طے کرالی جائے، ایک متعینہ مدت میں سامان دینے کا وعدہ کیا جائے، خریداروں کو سامان دینے کے لئے قرضہ اندازی کی جائے، جس خریدار کو قرضہ سے منتخب کیا جائے اس کو فوراً وہ سامان دے دیا جائے، پھر اس سے کسی قسط کا مطالبہ نہ کیا جائے، بلکہ اس کی ادا کردہ قسط کو کافی سمجھا جائے، خواہ وہ ایک ہو یا مزید، باقی لوگ اپنی قسطیں جمع کرتے رہیں، اس طرح ہر مرتبہ کی قرضہ اندازی سے ایک آدمی جس کا نام قرضہ اندازی میں نکلا ہے مال حاصل کر کے الگ ہو جائے، اس صورت میں قمار ہے، لہذا یہ حرام ہے۔

فتسوں پر خرید و فروخت

مولانا ابوسفیان مفتاحی

- ۱- صورت مسئولہ میں جس سامان کو ادھار فر وخت کیا جائے اس کی قیمت نقد فر وختگی کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کر دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ مجلس عقد میں ادھار ہونے کی صراحت کر دی جائے اور ادائیگی کی مدت وغیرہ طے کر دی جائے (ہدایہ ۵۸/۳، فتاویٰ ہندیہ ۱۳۶/۳، امداد الفتاویٰ ۲۰/۳)۔
- ۲- صورت مسئولہ میں ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت ضروری ہے اور یہ گنجائش نہیں ہے کہ ادھار قیمت کو چند فستوں میں ادا کیا جائے (ہندیہ ۱۳۳/۳)، لہذا اگر انعقاد بیع کے وقت فستوں پر ادا کرنے کی بات طے ہوئی ہے تو ادھار قیمت چند فستوں میں ادا کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔
- ۳- معاملہ کی یہ صورت ناجائز ہے، اور ادھار فر وختگی کی صورت میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے یہ ضروری ہے کہ صرف ادھار قیمت کا تذکرہ کیا جائے اور اسی صورت پر معاملہ کیا جائے (فتاویٰ ہندیہ ۱۳۶/۳، امداد الفتاویٰ ۲۰/۳، ۱۲۲/۳)۔
- ۴- صورت مسئولہ میں ادھار فر وختگی کی صورت میں نقد کے مقابلہ میں قیمت زائد مقرر کرنا جائز ہے، یہ ربا کے دائرہ میں نہیں آتا، اور نہ وقت کا عوض ہے، بلکہ ادھار بیع میں اصل ضمن یہی ہے، اور یہ زیادتی نقد فر وختگی کے مقابلہ میں ہے (کفایت المعنی ۲۲/۸)۔
- ۵- معاملہ کی یہ شکل شرعاً درست نہیں ہے، ہاں دوسری صورت کے جائز ہونے کی شکل یہ

ہے کہ مدت بڑھانے کی وجہ سے قیمت میں کچھ اضافہ کر دیا جائے گا، تاکہ نقصان معدوم ہو جائے (فتاویٰ ہندیہ ۳/۱۳۳)۔

۶- صورت مسئولہ میں ہر ماہ کی تاخیر پر دو روپے کا اضافہ کرنا سود ہے جو حرام ہے، لہذا یہ معاملہ ناجائز ہے (قواعد فقہ ۳۰۲، امداد الفتاویٰ ۳/۹۳)۔

۷- صورت مسئولہ میں مذکورہ معاملہ کی صورت شرعاً جائز نہیں ہے اور یہ مزید رقم سو قمار پائے گی جو حرام ہے (فتاویٰ ہندیہ ۳/۱۷۱، امداد الفتاویٰ ۲/۱۲۲)۔

۸- (الف) بائع کے لئے مال مرہون سے فائدہ اٹھانا اگر مشروط یا معروف ہو جیسا کہ آج کل ہے یعنی خریدار نے اجازت دے دی ہو تب بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سود ہے، اور سود اجازت دینے سے حلال نہیں ہو سکتا (پا ۵/۳۳۳، امداد الفتاویٰ ۳/۵۲)۔

(ب) مال مرہون کی ہلاکت کی صورت میں اگر دین اور مال مرہون کی قیمت دونوں برابر ہوں تو دین ادا ہو جائے گا، اور قیمت زائد ہو تو بھی دین ادا ہو جائے گا، لیکن زائد رقم امانت ہوگی، اور اگر قیمت دین سے کم ہو تو بقدر قیمت دین ادا ہو جائے گا، اور باقی خریدار سے وصول کیا جائے گا (ہدایہ ۳/۵۰۲، فتاویٰ ہندیہ ۵/۲۷)۔

(ج) مال منول کی صورت میں فروخت کنندہ اپنی واجب الادا قیمت وصول کرنے کے لئے تقاضی سے عرض کرے گا اور جب تقاضی کے نزدیک مال منول کرنا ثابت ہو جائے گا تو تقاضی اس کو قید کرے گا۔ یا تقاضی اس پر کوئی جرمانہ لازم کر دے گا تاکہ اس کے خوف سے مال منول سے باز آ کر ادا جلد کر دے، کیونکہ نبی ﷺ نے بلا وجہ مال منول کرنے کو ظلم قرار دیا ہے (ہدایہ ۳/۵۰۳، فقہی مقالات ۱/۱۲۲، ازسولانا نقلی عثمانی)۔

۹- قیمت وصول کرنے کی خاطر بائع کے لئے فروخت کردہ سامان کا روکنا جائز ہے جبکہ بیع نقدی ہو، اور اگر بیع ادھار ہو تو بائع کے لئے فروخت کردہ سامان کو روکنے کا اختیار نہیں ہے، نہ مدت کے آنے سے پہلے اور نہ مدت کے گزرنے کے بعد (فتاویٰ ہندیہ ۳/۱۵)۔

(الف) بائع کے لئے قیمت وصول کرنے کی خاطر فروخت شدہ سامان کو رہن بنانے کی دو صورتیں ممکن ہیں: اول یہ کہ مشتری اس بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی بائع کے پاس بطور رہن چھوڑ دے، یہ صورت تو جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ وہی صورت بن جاتی ہے کہ بائع حصول ثمن کے لئے بیع کو اپنے پاس روک لے، اور حصول ثمن کے لئے جس بیع منع مؤجل میں جائز نہیں ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مشتری اس بیع کو پہلے اپنے قبضہ میں کرے اور پھر بطور رہن وہی بیع بائع کے پاس واپس رکھ دے، یہ صورت اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے (ہدایہ ۳/۵۳۲، کفایہ مع الفتح ۹۹۹، مغنی ۳/۳۲۰-۳۲۱)۔

(ب) صورت مسئولہ میں پہلی جہت کی گنجائش میں یہ پابندی عائد ہوگی کہ اگر بیع نقد ہے تو سامان کو روک سکتا ہے ورنہ نہیں، اور دوسری جہت کی گنجائش میں یہ پابندی عائد ہوگی کہ سامان کی بلاکت کی صورت میں بائع طے شدہ قیمت اور فروخت شدہ سامان کی اصل قیمت میں جو کم ہوگی اس کا ضامن ہوگا۔

۱۰- قیمت کی وصولیابی کے لئے بائع کا سامان کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز ہے اور پھر وہ سامان بائع کا ہو جائے گا اور بیع فسخ ہو جائے گی اور ادا کی ہوئی اقساط کا واپس نہ کرنا اور ضبط کر لینا جائز نہیں ہے (ابوداؤد ۳/۳۹۳، بذل الجود ۶/۲۸۶، مائتہ ۳/۳۷۷)۔

۱۱- خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس اور اس کے استعمال میں رکھ کر رہن نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ بیع مشتری کی ملکیت میں نہ تھی، لیکن اس شرط سے رہن رکھنا درست ہے کہ مشتری قبضہ کے بعد بطور رہن رکھے گا (فقہی مقالات ۹۱)۔

۱۲- یہ معاوضہ شرعاً باطل ہے، کیونکہ معاوضہ مال کا مال سے ہوتا ہے، اور ضمانت و گارنٹی کوئی مال نہیں ہے، بلکہ یہ تو آدمی کا تبرع و احسان ہے، لیکن مولانا قتی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: لیکن سوال یہ ہے کہ اسلامی بینکوں کو بین الاقوامی تجارت اور لین دین اور کریڈٹ لیئر جاری کرنے میں اس کی ضرورت رہتی ہے تو پھر اس کی متبادل صورت کیا ہو سکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ بینک کے

لئے اپنے عمیل سے دو چیزوں کا مطالبہ کرنا جائز ہے:

۱۔ کریڈٹ لیٹر جاری کرنے کے عمل میں بینک کے جو واقعی اخراجات ہوتے ہیں ان کا مطالبہ کرنا عمیل سے جائز ہے۔

۲۔ اپورٹ اور ایکسپورٹ کے درمیان معاملہ کی تکمیل کے لئے بینک جو خدمات بجالاتا ہے اس پر بحیثیت وکیل یا دلال یا درمیانی واسطہ ہونے کے اپنی خدمات پر اجرت کا مطالبہ کرنا بینک کے لئے جائز ہے لیکن صرف گارنٹی پر اجرت کا مطالبہ بینک کے لئے جائز نہیں ہے (فقہی مقالات ۹۸/۱)۔

۱۳۔ صورت مسئولہ میں دستاویز کی خرید و فروخت میں اس کے اندر تحریر کردہ قیمت و مالیت سے کم پر معاملہ کیا جانا شرعاً ناجائز ہے، لیکن اس معاملہ کو دو الگ الگ معاملہ کے ذریعہ تھوڑی سی تبدیلی کر کے درست کیا جاسکتا ہے، پہلا معاملہ یہ کہ یہ شخص بینک کو قرض وصول کرنے کے لئے کسی معین اجرت پر اپنا وکیل بنا دے تو شرعی لحاظ سے یہ معاملہ درست ہو جائے گا، کیونکہ شرعاً اجرت پر وکیل بنانا جائز ہے۔ اور دوسرا معاملہ یہ کہ وہ خود بینک سے قرض لے لے اور بینک کو دستاویز کے بدلہ وصول ہونے والی رقم سے اپنا قرض وصول کرنے کا اختیار دے دے، شرعی لحاظ سے یہ بھی درست ہے، اس لئے کہ اس میں کسی زیادتی کی شرط کے بغیر قرض کا مطالبہ کیا جا رہا ہے جو شرعاً جائز ہے (فقہی مقالات ۹۸/۱-۱۰۰)۔

۱۴۔ صحابہؓ میں حضرت ابن عباس اور تابعین میں امام نخعی، احناف میں امام زفر اور شوافع میں امام ابو ثورؒ جواز کے قائل ہیں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عمر اور زید بن ثابت اور تابعین میں امام ابن سیرین اور امام حسن بصری اور امام ابن مسیب اور حضرت حکم بن عتبہ اور امام شعبیؒ اس کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں، اور یہی ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کا مسلک ہے، یعنی جمہور علماء جائز کہتے ہیں (موطأ امام مالک، ۲۷۸، موطأ امام محمد، ۳۳۳، المغنی، ۵۶۴)۔

۱۵۔ ایسے دیون میں دین کے کچھ حصے چھوڑنے پر صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ دیون

باقی دیون فوراً ادا کر دے، علماء مالکیہ نے اس کے جواز کی صراحت کی ہے (المدونہ الکبریٰ ۳/۳۷۱، مسوی ۲/۳۸۲، نیز دیکھئے: المغنی ۳/۳۲۹، احکام القرآن للوجہ ص ۱/۳۸۳، فقہی مقالات ۱/۱۰۰)۔

۱۶ - طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا اور نوری طور پر ماہی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا جائز ہے (خلاصۃ الفتاویٰ ۳/۵۳، الفوائد الخیریہ علی جامع انصولین ۲/۳)۔

۱۷ - صورت مسئولہ میں حنفیہ کا اصل مسلک تو یہی ہے کہ مدیون کی موت کی وجہ سے وہ دین فی الفور واجب الادا ہو جائے گا، لیکن متاخرین حنفیہ رحمہم اللہ کے مفتی بقول کے اعتبار سے اس معاملہ کی نوعیت میں فرق آجائے گا بایں طور کہ ایسی صورت کے پیش آنے کے وقت مشتری شمن مرابحہ میں صرف اسی قدر ادا کرے گا جو گذشتہ مدت کے مقابل ہو، لیکن مولانا تفتی عثمانی صاحب نے حنا بلہ کے اس قول کو کہ جس طرح وہ دین مؤجل ہے اب بھی اسے اسی طرح مؤجل رہنے دیا جائے بشرطیکہ مدیون کے ورثاء کسی قابل اعتماد ذریعہ سے اس دین کی توثیق کر دیں، زیادہ بہتر کہا ہے، یعنی یہ معاملہ اب بھی طے شدہ تفصیل کے ساتھ باقی رہے گا، کیونکہ اس صورت میں سود کا تذبذب نہیں پایا جاتا (ٹاوی ۳/۱۹۱، ۵۳۲، المغنی ۳/۳۸۲، فقہی مقالات ۱/۱۳۷)۔

۱۸ - بیع بالتقسیط کے ساتھ اس نظام کو جوڑنا قمار میں داخل ہے، لہذا حرام ہے۔

۱۹ - مذکورہ معاملہ شرعاً قمار میں داخل ہے، لہذا حرام ہے۔

ادھار قیمت کی ادائیگی کے جدید طریقے

مولانا سلطان احمد اصلاحی، علی گڑھ

۱- ہاں یہ درست ہے کہ ادھار فر وخت کئے جانے والے سامان کی قیمت کو نقد فر وختگی کے مقابلہ میں زیادہ کر دیا جائے۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں ہے، یہ قیمت بالاقساط ادا کی جاسکتی ہے، مزید معاملات کے سلسلہ میں حضرت امام محمد کا فیہر مانا بالکل درست ہے کہ:

”أحكام المعاملات تلتزم مع المصلحة وجوداً وعلماً“ (ڈاکٹر محمد سلامہ

مذکورہ مدخل فقہ الاسلامی، ۱۰۱، الدار القومیہ للطباعة والنشر، القاہرہ ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء)۔

جس کی مزید وضاحت مصنف موصوف کے اس بیان سے ہوتی ہے:

”إن الأحكام الشرعية تتبدل بتبدل الزمان مهما تغيرت بتغيره، إن

المبدأ الشرعي فيها واحد وهو إحقاق الحق وجلب المصالح ودرء المفاسد

وتحقيق ما فيه نفع المجتمع الاسلامي في ضوء مبادئ الإسلام وقواعده

العامّة“ (حولہ سابق، ۱۱۱)۔

۳- معاملہ کی یہ صورت جائز ہے، ادھار فر وختگی میں قیمت کی زیادتی کے جواز کے لئے یہ

ضروری نہیں ہے کہ صرف ادھار قیمت کا تذکرہ کیا جائے اور اسی پر معاملہ کیا جائے، دراصل

ادھار کی صورت میں بائع کی رقم جو پھنستی ہے اس کی تلافی کے لئے وہ اپنے مال کی قیمت کو بڑھاتا

ہے، فی زمانہ بوجہ معاملہ کی یہ صورت بہت عام ہے، اور اس کے سلسلہ میں پابندی اور قدغن

لوگوں کے لئے حرج اور باعث ضرر ہے۔

- ۴- ادھار فر و ختگی کی صورت میں نقد فر و ختگی کے مقابلہ میں مال کی قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرہ میں نہیں آتا، وقت کے ساتھ ہر زیادتی ہر حال میں ربا نہیں، اور یہ اسی دائرے میں آتا ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تم نفقہ ماہ کے ماہ فوری لو تو ماہانہ ۵۰۰ روپے، لیکن اگر چھ ماہ بعد یکمشت لو تو ہر ماہ ۸۰۰ روپے کے حساب سے ادا کروں گا، یا کوئی آجر اپنے اجیر سے کہے کہ اجرت تم روزانہ نقد لو تو یومیہ ۱۰۰ روپے اور ایک ہفتہ بعد لو تو ۱۲۵ روپے کے حساب سے۔ ظاہر ہے اسے کوئی ربا تسلیم نہیں کرتا، اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے۔
- ۵- معاملہ کی یہ صورت درست ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

- ۶- خرید و خت کی یہ صورت بھی جائز ہے، یہ بھی دراصل ادھار کی صورت میں قیمت کی زیادتی کے ساتھ فر و خت کا معاملہ ہے، جس کے جواز کی بات آچکی ہے، اصولی طور پر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

- ۷- یہ صورت بھی شرعاً جائز ہے، جرمانہ یا مالی تاوان جو بھی نام دیا جائے یہ جزئیہ بھی اوپر کے جزئیہ کا ہی ایک حصہ ہے، اس لئے دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہے۔

- ۸- بحالات موجودہ معاملے کی یہ صورت مفصلی اہلی النزاع اور خریدار کے لئے ضرر کی موجب ہے، اس لئے اصولی طور پر جائز ہوتے ہوئے بھی تبدیلی احوال کے پیش نظر اس سے بچنا مناسب ہے، کیونکہ:

- ۱- دینداری میں اشمحلال اور امانت و دیانت میں عام کمی کے پیش نظر مرہون مال چاندی سونا ہونے کی صورت میں بائع اس میں ملاوٹ کر سکتا ہے اور چوری کر سکتا ہے۔
- ۲- مال مرہون کے ضائع نہ ہونے پر بھی اس کے ضائع ہونے کا بہانہ کر سکتا ہے۔
- ۳- سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بائع کی طرف سے اس کا چلن آج نہ ہونے کے برابر ہے، عام کاروباری طبقہ رہن رکھنے کا جھمیلا نہیں رکھتا ہے، یہ کام جوہری لوگ کرتے ہیں یا

معاشرہ کے مخصوص افراد، رہن کے ذریعہ ان سے رقم حاصل کر لی جائے، پھر کسی بائع سے نقد یا بالاقساط جیسی دولت ہو خریداری کا معاملہ کیا جائے۔

۹- آج کے حالات میں بائع کے لئے اپنے فروخت کردہ سامان کو روکنے کا اختیار دینا خریدار کے لئے بوجہ ضرر کا موجب ہے، قیمت کا ایک حصہ پیشگی وصول ہو جانے کے بعد وہ خریدار کو خراب سامان دینے پر اصرار کر سکتا ہے اور یہ منہجی الی النزاع ہوگا، اس لئے مناسب ہے کہ خریدار کو اپنی پسند کا سامان ہاتھ کے ہاتھ ملے، البتہ بالاقساط رقم کی ادائیگی کو دوسرے ذرائع سے یقینی بنایا جائے۔ آج جو طبقہ یہ کاروبار کرتا ہے وہ رقم وصول کرنے کا طریقہ خوب جانتا ہے، ”حبس المبیع لاستيفاء الثمن“ کی اس کو ضرورت نہیں ہے۔

۱۰- جب بائع کو سامان روکنے کا اختیار ہی نہیں ہے تو اس شق کا جواب واضح ہے کہ یہ نادرست ہے، سامان معاملہ کی تکمیل کے ساتھ ہی خریدار کے حوالہ ہو، قیمت کی وصولیابی کو دیگر ذرائع سے یقینی بنایا جائے۔

۱۱- جب اس سامان کو روکنے کی درست نہیں ہے تو اس کے رہن بنائے جانے کا سول ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

۱۲- سوال پوری طرح واضح نہیں ہو سکا۔

۱۳- معاملے کی یہ صورت ناجائز ہے، اس میں یہ مفہوم ہے کہ سامان بائع کے پاس رکھا ہوا ہے، اور اسی کا فائدہ اٹھا کر وہ خریدار سے Bargaining یا Black mail کرنا چاہتا ہے، بیع سے زیادہ یہ قمار کے مشابہ ہے، اور اس پر اسی کا حکم لاکو ہونا چاہئے۔

۱۴- معاملہ کی یہ صورت ”ضع وتعجل“ جائز ہے، مقررہ مدت سے آگے بڑھانے پر طے شدہ رقم میں زیادتی اگر پہلے سے طے اور واضح ہو تو جائز ہے اور یہ ربا نہیں ہے، یہی حکم اس میں کمی کا بھی ہے۔

۱۵- رقم کو کم کر کے نقد و نوری لین دین ہو جائے تو یہ جائز ہے، اوپر کی شقوں کا ہی یہ ایک

حصہ ہے۔

۱۶ - مہلت کے خاتمہ اور فوری ادائیگی کا مطالبہ درست ہے، بشرطیکہ معاملہ کرتے وقت یہ بات واضح اور صاف ہو، بلکہ ضروری ہے کہ یہ بات اسی وقت واضح اور صاف ہو جائے۔

۱۷ - یہ معاملہ اسی تفصیل کے ساتھ باقی رہے گا اور اس کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اس لئے کہ اصلاً معاملہ فرم اور دوکان سے ہوتا ہے اور وہ جوں کی توں باقی رہتی ہے، البتہ بہتر ہے کہ معاملہ کے وقت اس کی بھی صراحت کرائی جائے۔

۱۸ - بیع تقسیط کے حوالہ سے اس مسئلہ پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، سال بھر کے اپنے نقد خریداروں کو بھی کوئی فرم یا دوکان ایسا انعام دے سکتی ہے، اسے قمار اور ربا میں شامل کرنا مشکل ہے، ایسی ہی قرضہ اندازی سے دوکان دار کسی قسط دار کی رقم میں کمی بھی کر سکتا ہے، اگر یہ تخفیف ناجائز نہیں ہے تو اس انعام کو ناجائز نہ ہونا چاہئے۔

۱۹ - یہ صورت مفہمی الی النزاع ہے اس لئے ناجائز ہے، بظاہر یہ قسطیں دوکان دار کے پاس جمع ہوں گی اور وہ اس کا فائدہ اٹھا کر متعلقہ فرد کو خراب سامان لینے پر مجبور کر سکتا ہے، مناسب اور بہتر ہے کہ قسطوں کے جمع کرنے کا یہ کام متعلقہ فرد اپنے طور پر کریں، اور قرضہ اندازی سے جس کا نام آجائے وہ سوسائٹی کمیٹی سے رقم لے کر دوکان فرم سے نقد یا بالاقساط جیسی اس کی سہولت ہو سامان خرید لے۔

☆☆☆

سامان فروخت کرتے وقت ایک سے زیادہ قیمت بتانا

مفتی سعید الرحمن فاروقی، ممبئی

۱- جن چیزوں کی خرید و فروخت ادھار جائز ہے اس کی نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت مقرر کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ مملوکات اور خرید و فروخت کے معاملے میں شریعت مطہرہ نے تسعیر اور قیمت کی تحدید و تعیین کی ہے نہ اس کی کسی کو اجازت دی ہے، اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے تسعیر کو ظلم قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے:

”قال: غلا السعر على عهد النبي ﷺ فقالوا: يا رسول الله! سعر لنا، فقال النبي ﷺ: إن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق وإنى لأرجو أن ألقى ربي وليس أحد منكم يطلبني بمظلمة بدم ولا مال“ (ترمذی، ابوداؤد ابن ماجہ، دارئ، از مشکوٰۃ ۲۵۱/۲)۔

۲- بالاقساط ادا کرنے کی سہولت از قبیل انظار و تمسیر ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات مستحسن ہے۔

۳- شرعاً یہ پابندی نہیں ہے کہ ادھار خریدنے کی صورت میں صرف ادھار ہی کا تذکرہ کیا جائے، ہاں یہ پابندی ضرور ہے کہ کسی ایک صورت کو طے کر لیا جائے اور قیمت کی جہالت ختم کر دی جائے (دیکھئے: مرتاۃ ۶۱/۶۱، نثر تجرید ۵: ”لہی رسول اللہ ﷺ عن بعضی فی بیعة“)۔

۴- ادھار کی فروختگی میں نقد کے مقابلے میں قیمت زیادہ مقرر کرنا ربا کے دائرے میں نہیں آتا، اس کی ایک وجہ اولاً بالتفصیل گذر چکی، دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض جزئیات سے معلوم ہوتا

ہے کہ بعض صورتوں میں اجل کے بالمقابل معاہدے کی صحت کے لئے قیمت میں اضافہ ضروری ہے، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

”ولو باعه بالف درهم نسيئة الى سنة ثم اشتراه بالف درهم الى سنتين لا يجوز وإن زاد على الثمن درهما أو أكثر جاز و تجعل الزيادة في الثمن الثاني بمقابلة النقصان المتمكن بزيادة الأجل فينعدم اللقصان كذا في المحيط“ (۱۳۳)۔

اس جزئیہ میں صرف اور صرف ایک سال کی مدت کے مقابلے میں قیمت میں اضافہ لازمی اور جواز کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے، اس لئے اگر یہ درست ہے اور ربا میں داخل نہیں ہے تو برضاء بائع و مشتری قیمت کا تعین اور اس میں اضافہ بدرجہ اولیٰ درست ہونا چاہئے۔

۵- یہ صورت بھی درست ہے، کیونکہ بائع و مشتری دونوں ایک متعین صورت پر رضامند ہیں اور بیع اسی کا نام ہے ”مبادلة المال بالمال بالتراضي“۔ پھر جس طرح ان کو قیمت میں اضافہ کا حق اجل کے مقابلے میں ہے کم کرنے کا حق بھی ہے اور بقیہ شرائط خود سول میں موجود ہیں، اس لئے شرعاً یہ صورت درست ہے۔

۶- یہ صورت سود میں داخل اور ناجائز و حرام ہے جس کی ممانعت ”لا تاكلوا الربا أصغافا مضاعفة“ سے ثابت ہے، حقیقت میں یہ ربو انسینہ ہے، اس لئے یہ صورت قطعی ناجائز و حرام ہے۔

۷- مزید رقم کا مطالبہ ”كل قرض جرنفعا فهو ربا“ حرام میں داخل ہو کر ناجائز ہے، مالی جرمانہ کا قطعی ثبوت ہے نہ اس کی شرعاً کوئی نظیر ہے، اس لئے تاخیر کی صورت میں اضافی رقم کا مطالبہ اور عقد معاملہ ربا میں داخل ہے۔

۸- (الف) بائع کا مال مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، ابن عابدینؒ عبد اللہ محمد بن سلمہ کی روایت نقل فرماتے ہیں (جو سمرقند کے چوٹی کے علماء میں سے تھے) کہ ان کے نزدیک کسی طرح

مال مرہون سے انتفاع جائز نہیں، اگرچہ راہن کی اجازت ہو، کیونکہ یہ انتفاع سود ہے، اور سود اجازت دینے سے حلال نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ اس نے جتنا قرض دیا ہے مکمل وصول کر لے گا، لہذا یہ انتفاع کیسا اور اس کی اجازت کیسی؟ یہ بلاشبہ قرض کے علاوہ قرض پر زیادتی اور فضل ہے، اور یہی تو سود ہے، لہذا یہ معاملہ نہایت خطرناک ہے، علامہ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ لوگوں میں بہت رائج ہے، بلکہ ان معاملات میں یہی مقصود بن گیا ہے، اور معروف کا مشروط کے درجے میں ہے، لہذا انتفاع بالمرہون کے جواز کی کوئی صورت نہیں رہتی ہے (۳۸۲/۶)۔

(ب) بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے اگر مال مرہون ضائع ہو جائے تو اس کی تین صورتیں ہیں: قرض اور رہن دونوں کی قیمت یکساں ہوگی، یا زیادہ یا کم۔ اگر برابر اور یکساں ہے تو دین ساقط ہو جائے گا۔ اگر کچھ زیادہ ہے تو زیادہ میں مرتہن اٹین ہے، اور امانت پر بلا تعدی ضمان نہیں ہے، اور اگر کم ہے تو رہن کی مقدار قرض سے ساقط ہو جائے گی، اور بقیہ کے مطالبے کا حق باقی رہے گا (ہند یہ ۲۳۷/۵)۔

(ج) راہن سے خود کہا جائے کہ مرہون بیچ کر قیمت کے ذریعہ اپنا قرض ادا کر دو، اگر کسی طرح وہ راضی نہ ہو اور نہ کوئی دباؤ قبول کرے تو قاضی کے پاس مرافعہ کرے، قاضی کو یہ اختیار اور حق ہوگا کہ راہن کے انکار کرنے پر مال مرہون بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کر دے (۵۰۲/۶)۔ اور جہاں قضاة کی دشواری ہے جیسے کہ ہندوستان، وہاں کے لئے بہتر صورت بلکہ قابل عمل صورت یہ ہے کہ بوقت معاملہ راہن مرتہن کو وکیل بالبیع بنا دے، یا کسی عادل شخص کو جس کے ہاتھ میں رہن بھی ہو اپنا وکیل بنا دے، یا پھر کسی ثالث کو وکیل بنا دے اور یہ کہہ دے کہ اگر میں فلاں فلاں وقت تک اپنا قرض ادا نہ کر سکا تو آپ کو بیچنے کا اور قرض کی ادائیگی یا وصولیابی کا حق ہوگا، وکیل جس کو بنایا جائے اس میں اہلیت شرط ہے، اس طرح یہ معاملہ بڑی آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔

۹- (الف) زبردستی شدہ سامان کو رہن بنانے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مشتری اولاً بیع پر بطریق

معروف قبضہ کر لے، ثانیاً بائع کے حوالے کر دے، جیسا کہ صاحب ”در مختار“ کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اگر مشتری بعینہ بیع کو روکنے کے لئے بائع سے کہے قبضہ کے بعد تو اس کا رہن قرار دینا درست ہوگا، البتہ قبل القبض رہن بنانا درست نہیں ہے (در مختار علی ہاشم ۱۵۶/۶-۳۹۶)۔

(ب) محض اپنا حق وصول کرنے کے لئے بیع بالتقسیط میں بیع کو روکنے کا حق بائع کو نہیں ہے (ہندیہ ۱۵۳)۔

۱۰- اوصاف فرخت کردہ سامان مقررہ طے شدہ قیمت سے کم میں حاصل کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی ایک قسط یا اس سے بھی کم قرض باقی رہ گیا ہو اس صورت میں بھی اس سامان کو کم میں خریدنا رو نہیں ہے (ہندیہ ۱۳۲/۳)۔

۱۱- اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے: ”لأن الأمور بمقاصدها“، اور فرخت و تصرف کا حق جب بائع کو حاصل ہے تو وہ اپنا مقصد (وصول قرض) بلا ممانعت حاصل کر سکتا ہے، لہذا عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ قبضے کا مقصود یہی ہے۔

۱۲- صرف کفالت پر اجرت کا مطالبہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ عقد تبرع ہے، البتہ اگر اس کفالت پر کچھ واجبی اخراجات ہوتے ہوں، جیسا کہ آج کل عام ہے تو بقدر خرچ کچھ لینے کی گنجائش ہے، ورنہ کوئی کسی کا کفیل ہوگا نہ کفالت کے معاملات سے فائدہ اٹھانا ممکن ہوگا، لیکن یہ خیال ضروری ہے کہ یہ عقد تبرع ہے، اس لئے بقدر ضرورت واجبی اخراجات ہی لئے جائیں۔

۱۳- ان دستاویزات کی خرید و فرخت جائز نہیں، کیونکہ یہ دین کی غیر مدیون سے بیع ہے، اور یہ جائز نہیں (در مختار ۵۱۷/۳)۔

۱۴- یہ کمی کرنا اور قبل از وقت وصول کرنا جائز نہیں۔

۱۵- یہ شہل جائز ہے۔

- ۱۶ - اسی شکل میں جائز ہونی چاہئے، جبکہ کچھ مطالبہ میں کمی کر دے، جیسا کہ اوپر گزر چکا۔
- ۱۷ - ماہی ایام کا نفع چھوڑ کر فوری مطالبے کا حق ہے۔
مگر حنا بلہ کے قول کے مطابق معاملہ اسی تفصیل کے ساتھ باقی رہے گا، یہی زیادہ اصح و ارجح معلوم ہوتا ہے۔
- ۱۸ - یہ صورت قمار اور ربا میں داخل نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں کی تعریفیں اس پر صادق نہیں آتیں (تعریفات الفقہیہ، ۳۳۳)۔
ربا اس لئے نہیں کہ اس میں خود قرض دار کو فائدہ حاصل ہوگا لہذا ”کل قرض جور نفعاً“ میں داخل نہ ہوگا۔
- ۱۹ - یہ یقیناً قمار میں داخل ہے، ”لأن فیہ تعلیق الملک علی الخطر وهو عین القمار فلا یجوز“ (تعریفات)۔

قسطوں پر سامان خریدنا اور فروخت کرنا

مولانا عبداللطیف پالپوری، کجرات

۱- انڈیا اور جمہور فقہاء و محدثین کا مسلک یہ ہے کہ ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلہ میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ عاقدین عقد کے وقت ہی بیع کے موجد مل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں قطعی فیصلہ کر کے کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں، لہذا اگر بائع یہ کہے کہ میں نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں بیچتا ہوں، اور اس کے بعد کسی ایک بھاؤ پر اتفاق کئے بغیر دونوں جدا ہو جائیں تو یہ بیع ناجائز ہے (فقہی مقالات، ۸۲، ۸۳)۔

”الایروی انه یزاد فی الثمن لأجل الأجل“ (ہدایہ، ۵۸۳، نیز احسن الفتاویٰ، ۷۰/۳)۔

۲- ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں ہے، بلکہ ادھار قیمت کی ادائیگی قسطوں کی صورت میں طے کرنا بھی جائز ہے۔

۳- بھاؤ تاؤ کے وقت نقد اور ادھار کی مختلف قیمتوں کا تذکرہ جائز ہے، صرف ادھار قیمت کا تذکرہ ضروری نہیں ہے، البتہ عقد بیع یعنی ایجاب و قبول کے وقت عاقدین کا قیمت اور مدت دونوں کی تعیین پر اتفاق ضروری ہے، لہذا بھاؤ تاؤ میں ذکر کردہ مختلف قیمتوں اور مدتوں میں سے کسی ایک کی تعیین کے بغیر بیع جائز نہ ہوگی (فقہی مقالات، ۸۵)۔

۴- ادھار فروختگی کی صورت میں نقد فروختگی کے مقابلے میں قیمت میں جو زیادتی مقرر کی جاتی ہے اس پر ربا کی تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ وہ قرض نہیں ہے، اور نہ ہی یہ سوال ربا کی بیع ہو رہی ہے، بلکہ یہ ایک عام بیع ہے اور عام بیع میں بائع کو شرعاً مکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی

قیمت پر چاہے فروخت کرے (فقہی مقالات ۸۴)۔

۵- معاملے کی یہ صورت شرعاً درست ہے، کیونکہ نقد اور ادھار کی بنیاد پر جب قیمتوں میں اختلاف جائز ہے تو پھر مدتوں کے اختلاف کی بنا پر قیمتوں میں اختلاف بھی جائز ہے، اس لئے کہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے (فقہی مقالات ۸۵)۔

۶- جب ایک چیز کی اصل قیمت دس روپے طے ہوئی تو بیع کے نتیجے میں یہ دس روپے مشتری کے ذمہ دین ہو گئے، اب اس کی ادائیگی میں ایک ماہ کی تاخیر پر یا ہر ماہ کی تاخیر پر اضافی رقم کا مطالبہ یقیناً سود ہے، اس کے سود ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے (فقہی مقالات ۸۵)۔

۷- معاملہ کی یہ صورت بھی شرعاً سود میں داخل ہے۔

۸- ادھار قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے مشتری اپنی کوئی مملوکہ چیز بائع کے پاس بطور رہن رکھوائے اور بائع اس چیز کو بطور رہن اپنے پاس رکھ لے تو جائز ہے۔

(الف) لیکن اس شئی مرہون سے مستفیع ہونا بائع کے لئے کسی صورت میں جائز نہیں ہے، اس لئے کہ شئی مرہون سے مستفیع ہونا بھی ربا کی ایک صورت ہے (رد المحتار علی الدر المختار ۳۱۰/۵)۔

(ب) شئی مرہون بائع کے پاس بغیر تعدی کے بلاک ہو جائے تو وہ مشتری کے مال سے بلاک ہوگی اور بائع دین اور شئی مرہون میں سے اقل کی قیمت کا ضامن ہوگا، اور مشتری کے ذمہ سے ثمن سا قطنہ ہوگا، اور اگر بائع کی تعدی کی وجہ سے شئی مرہون بلاک ہوئی تو مرہن (بائع) اس چیز کی بازاری قیمت کا ضامن ہوگا، ثمن کا ضامن نہ ہوگا (ہدایہ ۳/۵۰۲-۵۰۶)۔

(ج) خریدار کے وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور مال منول کرنے کی صورت میں بائع (مرہن) شئی مرہون کو بیچ کر اپنی واجب الاداء قیمت وصول کر لے۔ لیکن عقد کے وقت جو قیمت مقرر ہوئی تھی اس سے زیادہ وصول کرنا اس کے لئے جائز نہیں، لہذا اگر اس شئی مرہون کے

بیچنے سے اتنی رقم وصول ہوئی ہو کہ بائع کے اپنا دین وصول کرنے کے بعد بھی کچھ رقم بچ جائے تو وہ بچی ہوئی رقم مشتری کو واپس لوٹانا ضروری ہے (فقہی مقالات، ۸۷، ۸۸)۔

مرتنہن کا شئی مرہون کو بیچ کر اپنی واجب الاداء قیمت کا وصول کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ راہن نے عقد رہن کے وقت مرتنہن کو شئی مرہون کے بیچنے کا وکیل بنایا ہو، اور اگر راہن نے عقد رہن کے وقت مرتنہن کو وکیل نہیں بنایا ہے تو مرتنہن کے لئے راہن کی اجازت و رضاء کے بغیر شئی مرہون کو بیچنا جائز نہیں ہے (ہدایہ، ۳، ۵۲۲)۔

۹- ادھار معاملہ میں مکمل قیمت یا چند اقساط وصول ہونے تک بائع کا فروخت کردہ سامان کور و کناد و حیثیت رکھتا ہے، پہلی حیثیت ”حبس المبیع لاستیفاء الثمن“ کی ہے (یعنی ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کور و کناد) اس صورت میں بیع مضمون بائع ہوتی ہے، مضمون بالقیمتہ نہیں ہوتی، لہذا اگر حالت جس میں وہ بیع ہلاک ہو جائے تو اس صورت میں بیع فسخ ہو جاتی ہے، اور بازاری قیمت کا ضمان اس پر نہیں آئے گا، لیکن ادھار معاملے میں یا بیع بالتقسیط میں یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ بائع کو ثمن کے استیفاء کے لئے جس بیع کا حق صرف نقد بیع میں حاصل ہوتا ہے، ادھار بیع میں یہ حق بائع کو نہیں ملتا (فقہی مقالات، ۸۸، نیز فتاویٰ ہند، ۳، ۱۵)۔

دوسری حیثیت رہن ہونے کی ہے، یہ صورت دو طریقوں سے ممکن ہے، اول یہ کہ مشتری اس بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی بائع کے پاس بطور رہن چھوڑ دے، یہ صورت تو جائز نہیں، اس لئے کہ یہ وہی صورت بن جاتی ہے کہ بائع حصول ثمن کے لئے بیع کو اپنے پاس روک لے اور حصول ثمن کے لئے جس بیع بیع مؤجل میں جائز نہیں، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مشتری اس بیع کو پہلے اپنے قبضہ میں لے لے اور پھر بطور رہن کے وہی بیع بائع کے پاس رکھ دے، یہ صورت اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے، اس صورت میں اگر بیع بائع کے پاس بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ نہ ہوگی، بلکہ مشتری کے مال سے ہلاک ہوگی، اور بائع دین و رہن میں سے اہل کا ضمان ہوگا اور مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط نہ

ہوگا، اور اگر بائع کی تعدی کی وجہ سے ہلاک ہوئی تو بائع اس چیز کی بازاری قیمت کا ضامن ہوگا
(رد المحتار علی الدر المختار ۵/۳۲۰)۔

۱۰- معاملے کی یہ صورت شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ اس شرط کے ساتھ بیع کرنا کہ اگر خریدار نے متعینہ قسطوں میں سے بعض کو ادا نہ کیا تو بائع فروخت کردہ سامان پر بھی قبضہ کر لے گا اور ادا کردہ قسطوں کو بھی واپس نہیں کرے گا ناسد ہے، لہذا عاقدین پر اس بیع کا فسخ کرنا واجب ہے، اور بائع کے ذمہ لازم ہے کہ ادا کردہ قسطیں خریدار کو واپس کر دے (احسن الفتاویٰ ۶/۵۱۹)۔

۱۱- خرید کردہ سامان کو خریدار کے استعمال میں رکھتے ہوئے رہن قرار دینے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مرہن رہن پر قبضہ کر کے رہن کے استعمال میں دیدے یہ صورت جائز ہے (بدایہ ۳/۵۳۰، الدر المختار علی ہاشم رد المحتار ۵/۳۲۸)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مرہن رہن پر قبضہ کئے بغیر رہن کے استعمال میں دیدے، ایسے رہن کو شریعت کی اصطلاح میں ”رہن سائل“ اور ”الذمۃ السائلہ“ کہا جاتا ہے، فقہی اعتبار سے اس رہن کے جواز میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر فقہاء نے رہن کے صحیح اور پورا ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ مرہن اس شئی مرہون پر قبضہ کر لے، جبکہ رہن کی مذکورہ صورت میں مرہن شئی مرہون پر قبضہ نہیں کرنا، اس لئے یہ رہن درست نہ ہونا چاہئے۔

لیکن جیسا کہ فقہاء نے ذکر فرمایا ہے کہ رہن پر مرہن کے قبضہ کو شرط قرار دینے کی علت یہ ہے کہ مرہن ضرورت کے وقت اس چیز کو بیچ کر اپنا دین وصول کر لے، اور مذکورہ ”رہن سائل“ میں مرہن کو شئی مرہون کی ملکیتی دستاویزات پر قبضہ کرنے کا حق حاصل ہے، نیز ایگریمنٹ میں مذکور شرائط کی بنیاد پر قانوناً مرہن کو یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ ضرورت کے وقت اس کو بیچ کر اپنا دین وصول کر لے، لہذا رہن کی یہ صورت جائز ہوگی، اور اس میں حسی قبضہ شرط نہیں قرار دیا جائے گا (فقہی مقالات ۴/۹۳)۔

۱۲- خریدار کی طرف سے گارنٹی و ضمانت لینے کی صورت میں آج کل اداروں و اشخاص کی

طرف سے اجرت و معاوضہ کا جو لین دین رائج ہے، یہ جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے، ہاں کریڈٹ لیٹر جاری کرنے میں بینک یا ادارے کے جو واقعی اخراجات و مصارف ہوتے ہیں خریدار سے ان کا مطالبہ کرنا جائز ہے، نیز بائع و مشتری کے درمیان معاملہ کی تکمیل کرانے میں بینک یا ادارے نے وکالت اور دلالی کی حیثیت سے کوئی خدمت انجام دی ہو تو اس خدمت پر اجرت کا مطالبہ کرنا جائز ہے، لیکن صرف کفالت اور گارنٹی پر کسی اجرت کا مطالبہ جائز نہیں ہے (فقہی مقالات ۹۷، ۹۸)۔

۱۳ - ادھار معاملے کے دستاویز کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، خصوصاً جبکہ دستاویز میں تحریر کردہ قیمت و مالیت سے کم پر معاملہ کیا جائے، کیونکہ فقہاء کی اصطلاح میں یہ صورت ”بیع المین من غیر من علیہ المین“ کی ہے یا کرنسی کی بیع کرنسی سے ہے، جس میں کمی زیادتی اور ادھار دونوں ممنوع ہیں، اور احادیث ربا میں اس قسم کی بیع کا ناجائز ہونا منصوص ہے۔

البتہ اس معاملہ کو اس طرح درست کیا جاسکتا ہے کہ اولاً حامل دستاویز بینک کو مشتری سے دین وصول کرنے کا وکیل بنا دے، اور اس وکالت پر یہ شخص بینک کو کچھ اجرت بھی دیدے، اس کے بعد نئے معاملہ کے ذریعہ یہ شخص دستاویز پر تحریر شدہ رقم کے بقدر بینک سے قرض لے لے، اور بینک کو اس کا اختیار دے دے کہ جب مشتری سے اس دستاویز کے عوض رقم وصول ہو جائے تو وہ اس رقم سے اپنا قرض وصول کر لے، اس طرح یہ دو معاملے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے، اور شرعاً یہ دونوں معاملے درست ہیں، پہلا معاملہ تو اس لئے کہ شرعاً اجرت پر وکیل بنانا درست ہے، اور دوسرا معاملہ اس لئے کہ کمی زیادتی کی شرط کے بغیر قرض کا مطالبہ کرنا بھی شرعاً درست ہے (فقہی مقالات ۹۹)۔

۱۴ - اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابراہیم نخعیؓ، امام زفرؓ، شیخ ابو ثورؓ اس کے جواز کے قائل ہیں، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، محمد بن سیرینؓ، حسن بصریؓ، سعید بن المسیبؓ، حکم بن حنبلہؓ، امام شعبہؓ اور ائمہ اربعہ اس کے عدم جواز کے

تائل ہیں، حضرت مولانا محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے اس سلسلے میں روایتی طور پر طویل بحث کرنے کے بعد مدت کے مقابلہ میں دین کے کچھ حصے کے سقوط کی حرمت کو راجح قرار دیا ہے (فقہی مقالات، ۱۰۰)۔

۱۵ - ادھار معاملہ میں جب قیمت کی ادائیگی کے لئے وقت طے نہیں کیا گیا تو اجل کے مجہول ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ فاسد ہے، اور عاقدین کے لئے اس معاملہ کو فسخ کرنا واجب ہے (ہدایہ، ۳/۳۷۷)۔

۱۶ - طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا، اور فوری طور پر باقی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔ چنانچہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ ”ولو قال: کلما دخل نجم ولم تؤد، فالمال حالّ صحیح و یصیر المال حالاً“ (فقہی مقالات، ۱۱۹)۔

۱۷ - اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مدیون کی موت کی وجہ سے دین مؤجل فوری واجب لاداء ہو جاتا ہے، اور حنابلہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ اگر مدیون کے ورثاء اس دین کی توثیق کر دیں اور اس کی ادائیگی پر اطمینان دلادیں تو اس صورت میں وہ دین مدیون کی موت سے فوری واجب الاداء نہیں ہوگا، بلکہ وہ پہلے کی طرح مؤجل ہی رہے گا۔

لیکن بیع بالتقسیط میں چونکہ ثمن کا کچھ حصہ مدت کے مقابلہ میں بھی ہوتا ہے، اب اگر ہم اس میں فوری واجب لاداء والا قول اختیار کریں تو اس صورت میں مدیون کے ورثاء کا نقصان ہے، لہذا مناسب یہ ہے کہ یا تو متاثرین حنفیہ کا یہ قول لیا جائے کہ ادائے دین کی جو مدت متفقہ علیہ تھی اس کے آنے میں جتنا وقت باقی ہے اس وقت کے مقابلہ میں جتنا ثمن آتا ہے وہ ساقط کر دیا جائے، یا پھر حنابلہ کا قول اختیار کرتے ہوئے جس طرح وہ دین مؤجل تھا اب بھی اسی طرح مؤجل رہنے دیا جائے البتہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ مدیون کے ورثاء کسی قابل اعتماد

ذریعہ سے اس دین کی توثیق کر دیں (فقہی مقالات، ۱۳۳)۔

۱۸- نمائشوں کے انعامی ٹکٹ کے سلسلے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے ایک مسئلہ لکھا ہے کہ چند سال سے کراچی، لاہور وغیرہ میں دیکھنے میں آیا ہے کہ مختلف قسم کی نمائشوں کے اندر داخلہ کا ٹکٹ ہوتا ہے اور نمائش کے منتظمین یہ اعلان کرتے ہیں کہ جو شخص مثلاً دس روپے کا ٹکٹ یکمشت خرید لے گا وہ اپنے اس ٹکٹ کے ذریعہ عام لوگوں کی طرح نمائش میں بھی داخل ہو سکے گا، اور ان ٹکٹوں پر بذریعہ قرض اندازی کچھ انعام مقرر ہوتے ہیں، جس کا نمبر نکل آئے اس کو وہ انعام بھی ملتا ہے۔

یہ صورت صریح قمار سے تو نکل جاتی ہے، کیونکہ ٹکٹ خریدنے والے کو اس ٹکٹ کا معاوضہ بصورت داخلہ نمائش مل جاتا ہے، لیکن اب مدارنیت پر رہ جاتا ہے، جو شخص موہوم انعام کی غرض سے یہ ٹکٹ خریدتا ہے وہ ایک کونہ قمار کا ارتکاب کر رہا ہے، اور جس کے پیش نظر صرف نمائش میں جانا ہو اور انتہائے انعام کی ہوس پیش نظر نہ ہو پھر اتفاقاً انعام بھی مل گیا وہ تو اعد کی رو سے قمار کے حکم سے نکل گیا (جوہر، صفحہ ۵۱۲/۳)۔

صورت مسئولہ میں بھی اگر موہوم انعام کی غرض سے قسط وار کوئی چیز خریدی ہے تو ایک کونہ قمار کا ارتکاب لازم آئے گا ورنہ نہیں۔

۱۹- اس معاملہ کا مدار بھی نیت پر ہے، اگر خرید اقرض اندازی کے ذریعہ کم قیمت میں سامان حاصل کرنے کی نیت سے اس اسکیم میں شریک ہوا ہے تو وہ ایک کونہ قمار کا ارتکاب کر رہا ہے، اور اگر خرید اقسط وار قیمت کی ادائیگی کی سہولت کی وجہ سے اس اسکیم میں شریک ہو رہا ہے، کم قیمت میں سامان حاصل کرنا اس کا مقصود نہیں ہے، کو پھر اتفاقاً مل جائے تو قوا اعد کی رو سے وہ قمار کے حکم سے نکل گیا (مستقداً از جوہر، صفحہ ۵۱۲/۳)، فی نفسہ یہ معاملہ جائز ہے، جیسا کہ مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے۔

بیع بالتقسیط کے مسائل

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، علی گڑھ

- ۱- جمہور فقہاء کے نزدیک نقد قیمت کے مقابلہ میں ادھار قیمت زیادہ ہو سکتی ہے، اس لئے ادھار نختگی کی قیمت زیادہ رکھنا صحیح ہوگا۔
- ۲- ادھار قیمت کی یکمشت ادائیگی کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے، یہ نسطوں میں بھی ادا کی جاسکتی ہے بشرطیکہ دونوں کے مجموعہ میں کوئی فرق نہ ہو، ورنہ یہ فرق وقت کے عوض میں ہوگا جو ربا ہے۔
- ۳- جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ سامان نقد و ادھار دونوں طرح سے فروخت ہو سکتا ہے اور نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت زیادہ ہو سکتی ہے، پھر اس میں کوئی حرج نہیں محسوس ہوتا کہ آدمی کہے کہ ابھی اگر دام دے دو تو میں سو روپے میں فروخت کرنے کو تیار ہوں، لیکن چھ ماہ بعد ادائیگی کی شکل میں اس کی قابل قبول قیمت ڈیڑھ سو روپے ہوگی، مگر بعض فقہاء نے اس طرح کے معاملہ کو جس میں نقد یا ادھار دو الگ الگ قیمتوں پر ایک ہی وقت میں معاملہ ہونے سے منع کیا ہے کہ اس میں ادھار کی زیادہ قیمت نقد کے مقابلہ میں محض وقت کے عوض رکھی گئی ہوگی جو ربا ہے۔
- ۴- نقد اور ادھار دونوں طرح کی بیع انسان کی ضرورت و مصلحت رعنی ہے اور ان پر ہمیشہ عمل رہا ہے، نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت کو زیادہ رکھنا ربا کے دائرہ میں نہیں آتا، کیونکہ بائع کو اختیار ہے کہ وہ اپنے سودے کو جس قیمت پر چاہے فروخت کرے۔ ربا اس وقت متحقق ہوگا، جبکہ معاملہ بیع ہو چکا ہو اور اس کے بعد مزید مہلت کے عوض مطالبہ ضمن میں اضافہ کر دیا جائے۔

۵- صورت مذکورہ میں قیمت میں اضافہ ادائیگی کی مہلت میں اضافہ کے عوض معلوم ہوتا ہے، اس وجہ سے ربا کا شبہ ہوتا ہے۔

۶- یہ معاملہ ربا الجاہلیۃ کے انداز کا ہے جو کھلا ہوا سود ہے۔

۷- اس طرح کے معاملہ میں اگر مشتری ”ذو عسرة“ (تنگ دست) ہے تو اسے موقع دینا ہوگا، اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر ادائیگی کی رقم بڑھانا ربا ہوگا لیکن اگر مشتری ”ذو میسرة“ (مالدار) ہے تو فوری ادائیگی کے لئے وہ اس کو مجبور کر سکتا ہے، تاخیر کی شکل میں قاضی کے ذریعہ اپنے ضرر کی تلافی کے لئے اس پر تاوان لگانے کا مطالبہ کر سکتا ہے، اس لئے کہ ”مطل الغنی ظلم“ اور ”لی الواجد ظلم یحل عرضه و عقوبته“ (الحدیث)۔ واصل الشریعة ”الضرر یزال“ لیکن بائع و مشتری یا دائن و مدیون کے درمیان اس طرح کا پیشگی معاہدہ کرنا کہ تاخیر کی شکل میں اتنی زیادہ رقم یا اسی حساب سے زیادہ رقم دینا ہوگا ناجائز ہے۔

۸ (الف) بائع کو مال مرہون سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر وہ اس پر کچھ خرچ کر رہا ہے تو اس خرچ کے برابر اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

(ب) بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے مال ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن ہوگا،

اس کے ضیاع پر اس کا حق جاتا رہے گا۔

(ج) اگر راہن نے اجازت دے رکھی ہے کہ اگر وقت پر ادا نہ کرے تو گروی رکھی چیز

کفر وخت کر کے وہ اپنا حق وصول کر سکتا ہے تو ایسا وہ کر سکتا ہے ورنہ حاکم کے ذریعہ اس کفر وخت کروا کے اپنا حق وصول کرے۔

۹- جمہور کے نزدیک مکمل ادائیگی تک روک سکتا ہے۔ کچھ کے نزدیک جب مطالبہ کا کچھ حصہ رہ جائے تو جزا مرہن کو روکے۔ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شی مرہون قابل تجزی ہو تو کچھ باقی مطالبہ کے لئے وہ پورے کو مرہن رکھنے کے بجائے صرف جزا کو مرہن رکھے۔

(الف، ب) اس مسئلہ پر فقہاء احناف کا اختلاف ہے کہ بائع کا فر وخت کردہ سامان

تا وقت ادائیگی اس کے پاس چھوڑ دینا رہن ہوگا، یا امانت، یا جس المبیع، خاکسار کے نزدیک یہ معاملہ جس میں مشتری نے بیع کو اپنے قبضہ میں نہیں لیا اور بائع کو ثمن نہیں ملی، نامتام و معلق ہے۔ شکاۃ یہ ”بیع الکالی بالکالی“ سے زیادہ مشابہ ہے، کسی وقت بھی بائع مشتری کے خیالات بدل گئے تو معاملہ نزاع کا باعث بن سکتا ہے، اس لئے اس طرح کے معاملہ ہی پر پابندی عائد کر دینی چاہئے۔ کم از کم ثمن یا بیع میں سے ایک کی ملکیت اور قبضہ منتقل ہو جانا چاہئے۔

۱۰۔ یہ شکل بیع العربون یا بیع العربان سے مشابہ ہے جس میں مشتری کچھ رقم پیشگی دے دیتا ہے اور وقت پر ادائیگی نہ ہونے کی شکل میں بائع اس رقم کو ضبط کر لیتا ہے، ابن ماجہ کی ایک حدیث میں اس کی ممانعت کی گئی ہے، لیکن امام احمد نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ بہت سی جگہوں پر یہ عرف کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

۱۱۔ یہ رہن نہیں کوئی اور معاہدہ یا معاملہ ہوا۔ اس لئے کہ رہن میں فروخت اور تصرف یا تو راہن کی اجازت سے ہو سکتا ہے یا نادرہنگی کی شکل میں حاکم یا تاضی کے حکم سے ایسا کر سکتا ہے۔

۱۲۔ او آئی سی کی فقہ اکیڈمی اپنے بارہویں اجلاس منعقدہ جدہ بتاریخ ۲۲-۲۵، دسمبر ۱۹۸۵ء میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ شریعت کی رو سے کفالہ میں کسی نفع یا اجرت کا لیما ناجائز ہے، مسئلہ اجتہادی ہے اور کریڈٹ لیٹر اس وقت بیرونی تجارت کے لئے ناگزیر ہے، اور اس عہد کی عام مروج چیز بن گیا ہے، اس لئے اس حد تک اجازت ہونی چاہئے۔

۱۳، ۱۴۔ یہ تقریباً یکساں معاملے ہیں اور ”ضع وتعجل“ کے تحت آتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ اور امام زہریؒ کے نزدیک یہ جائز ہے، یہ لوگ بنی نضیر کے واقعہ سے استشہاد کرتے ہیں جو حقیقت میں تحریم ربا سے پہلے کا واقعہ ہے، جمہور کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ یہ بھی ربا کی قسم ہے۔ اس میں قرض دہندہ کا استحصال ہو سکتا ہے۔ ”لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ“۔

۱۵۔ اگر نیت پہلے سے یہ ہو کہ ”ضع وتعجل“ کا معاملہ کرنا ہے تو ناجائز ورنہ جائز ہے۔

۱۶۔ ”وإن كان ذو عسرة فنظرة الی میسرة“ لیکن اگر مالدار ہے تو کر سکتا ہے۔

۱۷- فریقین میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو معاملہ پر نظر ثانی کا اختیار ہونا چاہئے کہ ضروری نہیں کہ وراثہ کے حالات اس طرح کی خرید و فروخت کی اجازت دیں۔

۱۸، ۱۹- یہ سب طریقے گا بکوں کو لبھانے اور بیوقوف بنانے کے ہیں، جس کو انعام ملتا ہے یا قسط سے بری کر دیا جاتا ہے اس کی رقم دراصل دوسروں سے وصول کی جاتی ہے، اس طرح اس حصہ تک یہ شمار سے مشابہ ہے، اسی لئے کراہیت سے خالی نہیں، انعام اگر پہلے سے طے نہیں ہے، یا معلوم ہے کہ انعام سے پہلے بھی وہی قیمت تھی تو مباح ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

ادھار فروخت میں قیمت کی زیادتی کا مسئلہ

مولانا عبدالرشید قاسمی، جوپور

مدت کے بدلے قیمت میں اضافہ:

اس مسئلہ پر علماء قدیم اور جدید دونوں نے بحث کی ہے، چنانچہ بعض فقہاء اس اضافہ کو ناجائز کہتے ہیں، اس لئے کہ ثمن کی یہ زیادتی مدت کے عوض میں ہے، اور جو ثمن مدت کے عوض میں دیا جائے وہ سود ہے، یا کم از کم سود کے مشابہ، یہ مسلک زین العابدین ابن الحسین، الناصر المصو رب اللہ اور ہادوویہ کا ہے، نیز علامہ شوکانی نے ان فقہاء کی یہی ترجمانی کی ہے (نیل الاوطار ۱۷۲/۵)۔

ائمہ اربعہ، جمہور فقہاء اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلہ میں قیمت میں اضافہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ عاقدین عقد کے وقت ہی بیع مؤجل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں حتمی فیصلہ کر کے کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں، لہذا اگر بائع یہ کہے کہ میں نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں بیچتا ہوں، اور اس کے بعد کسی ایک بھاد پر بلا اتفاق کئے ہوئے دونوں جدا ہو جائیں تو یہ بیع ناجائز ہے، لیکن اگر عاقدین مجلس عقد میں ہی کسی ایک صورت اور کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں تو یہ بیع جائز ہوگی (ترمذی ۱۸۱۸، ۳۰۱، المغنی ۱۷۷/۳)۔

۲- اگر عاقدین ایک ہی مجلس میں کسی ایک پر اتفاق کر لیں اور متفق ہونے کے بعد علیحدگی ہو تو جس شکل پر اتفاق ہوا ہے وہی جائز ہے، اور اگر دونوں صورتوں میں سے کسی پر بلا متفق ہوئے علیحدگی ہوگئی تو یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔

۳- دو قیمتوں میں سے ایک کا تعین ضروری ہے:

یہ صورت بھی جائز ہے، کیونکہ جب نقد اور ادھار کی بناء پر قیمتوں میں اختلاف جائز ہے تو پھر مدتوں کے اختلاف کی بناء پر قیمتوں میں اختلاف بھی جائز ہے، لیکن اس کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ عاقدین کے درمیان قیمت اور مدت دونوں کے تعین پر اتفاق ہو چکا ہو۔

۴- ثمن میں افز و فی جائز ہے:

مذکورہ بالا تفصیلات اس بیع کے جواز کے بارے میں تھیں جب نفس ثمن میں زیادتی کر دی جائے، لیکن اگر یہ بیع اس طرح کی جائے جس طرح آج کے تاجر عموماً کرتے ہیں کہ نقد کی صورت میں اس چیز کی ایک قیمت مقرر کر لیتے ہیں اور پھر اس قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کی بناء پر اصل قیمت میں اضافہ کر دیتے ہیں یہ صورت سود میں داخل ہے۔

۵- اگر صورت مسئولہ کی کوئی شکل عاقدین کی جدائیگی سے پہلے طے ہوگئی تو یہ معاملہ صحیح اور درست ہوگا ورنہ نہیں۔

۶- صورت مسئولہ میں آج کی اقتصادی پالیسی نظر آرہی ہے اور وہ یہ کہ بائع نے مشتری کو مجبور کر دیا ہے کہ ہر ماہ کی تاخیر پر مزید دو روپے دینے ہوں گے، لہذا یہ شکل سود میں داخل ہے اور شرعاً یہ معاملہ ناجائز ہوگا۔

۷- صورت مسئولہ دو وجوہ سے ناجائز ہے، ایک تو مدیون کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے اور جرمانہ یا مالی تاوان کے نام سے سود حاصل کرنے کی وجہ سے اور یہ دونوں امور شریعت اسلامیہ کی نظر میں قبیح ہیں، لہذا معاملہ کی یہ صورت شرعاً ناجائز ہے۔

۸- ادھار قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے رہن رکھوانا یا تیسرے شخص سے گارنٹی کا حاصل کرنا جائز ہے۔

(الف) بائع کے لئے مال مرہون سے مستفیع ہونا کسی صورت میں جائز نہیں، اس لئے کہ شی مرہون سے نفع اٹھانا بھی ربا کی ایک صورت ہے (ہدایہ ۵۰۶/۳، الفقہ الاسلامی ۴/۲۵۷)۔

(ب) بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے مال مرہون اگر ضائع ہو جائے تو اس کا حکم امانت کا ہے۔

ضائع ہونے کی صورت میں اگر مرتہن نے مال مرہون میں اپنا تصرف کیا ہے جس کی وجہ سے وہ ضائع ہوا ہے تو مال مرہون کا ضامن ہوگا اور ضمان بھی غصب کا یعنی پوری قیمت کے ساتھ، کیونکہ مال مرہون میں دین کی مقدار سے جو مال زائد تھا وہ امانت تھا اور امانت کا حکم یہ ہے کہ اگر امین کے تصرف سے ضائع ہوئی ہے تو اس میں ضامن ہوگا (ہدایہ ۵۰۶/۳)۔

اور اگر امانت کی غیر سے حفاظت کرائی اور وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا (ہدایہ

۲۵۷/۳)۔

(ج) خریدار کے وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرنے اور مال منول سے کام لینے کی صورت میں فروخت کنندہ مال مرہون کو فروخت کر کے اپنی واجب الاداء قیمت وصول کر سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر مال مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ مرتہن کا قرض اور مال مرہون کی قیمت برابر ہیں یا کم و بیش اگر برابر ہیں تو کہا جائے گا کہ مرتہن نے اپنا قرض وصول کر لیا ہے اور اگر قرض کم ہے اور مال مرہون کی قیمت زیادہ ہے تو یہ زائد مرتہن کے قبضہ میں امانت ہوگی۔

۹- اس قسم کے رہن کے جواز میں فقہاء متاخرین کا کوئی اختلاف نہیں ہے، بشرطیکہ صلہ عقد میں یہ رہن مشروط نہ ہو، لہذا صورت مسنولہ (الف) جائز ہے، بشرطیکہ صلہ عقد میں یہ رہن مشروط نہ ہو اور صورت مسنولہ (ب) جائز نہیں، کیونکہ بیع بالتسبیط بیع مؤجل ہوتی ہے اور بائع کو حصول ثمن کے لئے جس بیع کا حق صرف نقد بیع میں حاصل ہوتا ہے، ادھار بیع میں یہ حق بائع کو نہیں ملتا (فتاویٰ ہندیہ ۱۵/۳، بیع القدر ۹۹/۹، رد المحتار ۲۶/۲۹۷)۔

۱۰- ایسی صورت میں بائع پر واجب ہے کہ وہ ادا کردہ قسطیں مشتری کے حوالہ کر دے ورنہ یہ معاملہ حرام ہوگا۔

۱۱ - صورت مسئولہ میں خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس اور اس کے استعمال میں رکھ کر رہن قرار دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ بائع اس کے استعمال کی خود اجازت دے دے یا خود ہی خریدار کے پاس رہن رکھ دے۔

۱۲ - گارنٹی پر اجرت لینا کسی بھی حال میں جائز نہیں، لیکن موجودہ دور میں تاجر حضرات کے لئے کریڈٹ لیٹر جاری کرنے میں واقعتاً جو اخراجات اور مصارف ہوتے ہیں ان کا مطالبہ کرنا جائز ہے، لہذا تجارت کے درمیان بحیثیت وکیل یا دلال یا درمیانی واسطہ ہونے کی حیثیت سے یہ شخص جو خدمات بجالاتا ہے مثلاً آمد و رفت کا خرچ وغیرہ تو اس پر اجرت کا مطالبہ کرنا جائز ہے لیکن صرف کفالت اور گارنٹی پر اجرت کا مطالبہ کرنا جائز نہیں (فقہی مقالات ۹۶۱)۔

۱۳ - آج کل کی تجارت میں لین دین کے لئے دستاویزات تیار کرائے جاتے ہیں اور یہ دستاویز لین دین میں قابل انتقال آلہ بن چکا ہے، اور بائع جو اصل دائن اور حامل دستاویز ہوتا ہے وہی بعض اوقات اس دستاویز کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ پر تحریر شدہ دین کی مقدار سے کم پر بیچتا ہے تاکہ معین تاریخ سے پہلے اس کو رقم حاصل ہو جائے اس بیع کو عمل کی کٹوتی کہا جاتا ہے لہذا حامل دستاویز جب یہ رقم حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ تیسرے شخص کے پاس چلا جاتا ہے اور عموماً یہ تیسرا شخص بینک ہوتا ہے اور وہاں جا کر وہ دستاویز اس کے حوالے کر دیتا ہے اور بینک اس کے اینڈورس میٹ کے بعد وہ دستاویز قبول کر لیتا ہے اور بینک دستاویز پر تحریر شدہ رقم میں سے فیصد کے اعتبار سے کٹوتی کر کے باقی رقم حامل کے حوالے کر دیتا ہے۔

اینڈورس میٹ کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ حامل دستاویز اس دستاویز کی پشت پر دستخط کر دیتا ہے جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ دستاویز کا حامل بینک کے حق میں اس رقم سے دست بردار ہو رہا ہے۔

بل آف آپیکس:

یہ شرعاً جائز ہے، البتہ مولانا قسطنطینی نے مذکورہ معاملہ کو تھوڑی سی تبدیلی کے ذریعہ

درست کرنے کی ایک صورت تجویز کی ہے (فقہی مقالات، ۹۹)۔

۱۴ - صحابہ میں سے حضرت عبداللہ ابن عباس، تابعین میں سے ابراہیم نخعی، احناف میں سے امام زفر اور شوافع میں سے شیخ ابو ثور اس صورت کے جواز کے قائل ہیں، صحابہ میں سے حضرت عبداللہ ابن عمر اور زید ابن ثابت، تابعین میں سے محمد ابن سیرین، حسن بصری، ابن مسیب، حکم ابن عتبہ اور امام شعبی عدم جواز کے قائل ہیں، نیز یہی مسلک ائمہ اربعہ کا ہے (موطا امام مالک، ۶۰۶/۱، مصنف عبدالرزاق، ۱/۷۱، موطا امام محمد، ۶۰۶/۱، ۳۳۲، الواقدی، ۱/۲۷۳)۔

۱۵ - علماء مالکیہ کے نزدیک دیون حالتہ میں ”ضع و تعجل“ کا اصول جاری کرنا جائز ہے (المدونۃ الکبریٰ، ۱۱/۲۷)، اور ظاہر یہ ہے کہ فقہاء مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ متفق ہیں، اس لئے کہ دوسرے علماء نے جہاں کہیں ”ضع و تعجل“ کے حرام ہونے کا ذکر کیا ہے وہاں دیون مؤجلہ کی قید بھی لگائی ہے، جیسا کہ موطا میں امام محمد کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

نیز یہ بات بھی ثابت ہے کہ کتب فقہیہ میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے، لہذا اس سے ظاہر ہوا کہ دیون حالتہ میں ”ضع و تعجل“ جائز ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نصف دین ساقط کرنے کے بارے میں حضرت کعب اور حضرت ابن ابی حدردجہ کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اہل علم اس واقعہ کے درمیان اور ان آثار کے درمیان جو ”ضع و تعجل“ کے بارے میں مروی ہیں اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ ان آثار اور روایات کا تعلق دین مؤجل سے ہے اور یہ واقعہ دین حال سے متعلق ہے اور کتاب الرحمۃ میں ہے کہ اگر ایک شخص کا دوسرے پر کسی مدت کے لئے دین واجب ہو تو دائن کو مدت کے آنے سے پہلے یہ کرنا جائز نہیں کہ دین کا کچھ حصہ معاف کر دے تاکہ بقیہ دین فوراً وصول کر لے، ہاں اس میں کوئی حرج نہیں کہ جب دین کی ادائیگی کا وقت آ جائے اس وقت کچھ دین وصول کرے اور باقی معاف کر دے (المسوی علی المصنف، ۲/۳۸۲)۔

دیون مؤجلہ اور دیون حالہ میں فرق اس لحاظ سے بالکل واضح ہے کہ دین حال میں مدت کی شرط نہیں ہوتی اور تاخیر مدیون کا حق نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں مدت منتهی ہے، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ دین کا جو حصہ معاف کر دیا ہے وہ مدت کے عوض میں معاف کیا ہے، لہذا اس میں ربا کے معنی نہیں پائے جاتے ہیں اور ”ضع و تجمل“ کا اصول اس صورت میں استعمال کرنا جائز ہے۔

۱۶- طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا اور فوری طور پر مابقیہ جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا جائز ہے (خلاصہ الفتاویٰ ۳۳، ۵۳، الفوائد الخیریہ علی جامع انصولین ۲۰۲)۔

۱۷- جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مدیون کی موت سے وہ دین فی الفور واجب الاداء ہو جائے گا، لہذا صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ دیون مؤجلہ کی ادائیگی فی الفور ہونی چاہئے (تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۲۸۶/۳)۔

۱۸- صورت مسئولہ میں غور و فکر کے بعد یہ بات واضح ہوئی کہ آج کل عموماً تجارت کا یہ معمول ہے کہ مشتری کو بطور انعام کچھ بیع کے ساتھ یا اس کے بعد دیتے ہیں اور اس انعام کو قرض اندازی کے ذریعہ ادا کرتے ہیں، لہذا صورت مسئولہ سے بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اس پر تعامل ہو چکا ہے نیز عرفاً بھی اس پر عمل ہوتا ہے تو اتحساناً یہ صورت جائز ہے (فقہ اسلامی ۳۸۰/۳)۔

اور اگر اس پر تعامل اور عرف نہیں، نیز بیع میں مشروط طور پر طے ہوتا ہے کہ بائع مشتری کو بیع کے خریدنے پر یہ سامان دے گا تو پھر یہ صورت ناجائز ہوگی، کیونکہ عاقدین میں سے کسی ایک کا شرط لگانا اسلامی فقہ میں ناجائز ہے، کیونکہ عقد میں اضافہ نفع مشروط طور پر ہو تو یہ ربا ہے (فقہ اسلامی ۳۸۱/۳)۔

۱۹- یہ صورت دو وجوہ سے جائز ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ اس پر تعامل ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ شرکاء نے ایک متعین وقت کے لئے ایک شخص کو

قرض دیا اور تنہا اس شخص کے لئے سب کی ادائیگی ایک ہی وقت میں مشکل ہے، لہذا قرض اندازی کے ذریعہ ہر ایک کو اس قرض کے عوض میں ایک سامان مل جاتا ہے، اور وہ لے کر علیحدہ ہو جاتا ہے، لہذا یہ صورت بھی جائز ہے۔

☆☆☆

قیمت کی ادائیگی میں سہولت کا مسئلہ

مولانا اخلاق الرحمن ٹانسی ☆

۱- جس سامان کو ادھار فر وخت کیا جائے اگر اس کی قیمت نقد فر وختگی کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کر دی جائے تو درست ہے، کیونکہ یہاں ربا کی کوئی صورت نہیں پائی جا رہی ہے، باقی نفس ادھار کا جواز تو یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ مدت بھی معلوم ہو۔

”ویجوز البیع بشمن حال و مؤجل إذا كان الأجل معلوما“ (ہدایہ ۲۱/۳)۔
۲- ادھار قیمت کی ادائیگی جس طرح یکمشت ہوتی ہے اسی طرح اس میں یہ بھی گنجائش ہے کہ قسطوں میں ادا کی جائے جب کہ قسطوں کی صورت میں زیادتی کا مطالبہ نہ ہو، ورنہ ربا والی بات پائی جائے گی جو درست نہیں ہے، اور میں تو سمجھتا ہوں کہ کم پونجی والوں کے لئے بائع کی جانب سے ایسی سہولت میں بائع تمام تر نہ ہی، لیکن ایک حد میں اس فضیلت کے مستحق ہو جائیں گے جس فضیلت کے مستحق وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے مدیون کو زبوں حالی کے باعث مہلت دے دیتے ہیں یا مطالبہ ہی نہیں کرتے (تفصیل کے لئے دیکھئے: مسلم شریف ۱۸/۲، باب (نظاراً للمعسر)۔

۳- ایک شخص سامان کو نقد و ادھار دونوں طرح فر وخت کرتا ہے، اور ہر صورت میں قیمت کے فرق کے ساتھ معاملہ کرتا ہے تو علت ربوی کے نہ ہونے کی وجہ سے دونوں صورتوں کا جواز ہے۔

۴- باقی یہ شبہ کہ زائد قیمت ادھار فر وختگی کی صورت میں بظاہر وقت کے عوض محسوس ہوتی

ہے سو یہ واقعہ تاخیر ہی کے سبب قیمت میں بڑھوتری واقع ہوئی ہے، لیکن چونکہ اس میں علت ربوی نہیں پائی جارہی ہے، اس لئے فروختگی کے لئے مانع نہ ہوگی۔

۵- معاملے کی یہ شکل تبرعا درست ہے، کیونکہ علت ربا کا یہاں گزر نہیں۔

۶- یہ معاملہ ربوی ہے، شرعا درست نہ ہوگا اور ارشاد نبوی: ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ کے تحت آئے گا (تکملة فہم ۱/ ۵۷۳)۔

۷- معاملہ کی یہ صورت بھی شرعا جائز نہیں ہے، کیونکہ ”أخذ الزيادة على القرض“ اور ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ کے تحت نمبر ۶ کی طرح یہ معاملہ بھی آتا ہے۔

۸- ادھار قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے بائع بسا اوقات خریدار سے کوئی مال رہن رکھواتا ہے تو اس بارے میں واضح رہے کہ:

(الف) بائع اور مرہن شی مرہون سے مستفیع نہیں ہو سکتا، الا یہ کہ مالک کی اجازت ہو۔

”ليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن- إلا أن يأذن له المالك لأن له حق

الحبس دون الانتفاع“ (ہدایہ ۳/ ۵۲۲)۔

(ب) بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے شی مرہون ضائع ہو جائے تو دین ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ شی مرہون سے دین ادا ہو جاتے ہوں، کمی کی صورت میں راہن کے ذمہ باقی کی واپسی ضروری ہے۔

”ولو هلك في يده سقط الدين اذا كان به وفاء بالدين لبقاء

الرهن“ (حوالہ بالا)۔

(ج) اگر راہن دین کی ادائیگی میں نال مٹول کر رہا ہے تو مرہن اپنا حق وصول کرنے کی خاطر مال مرہون کو اپنے حق کے بقدر فروخت کر سکتا ہے۔

”وإذا حل الدين وهو على صفة القيمة استوفى المرتهن منها

قدر حقه، لأنه جنس حقه ثم إن كان فيه فضل يردده على الراهن“ (ہدایہ ۳/ ۵۲۵)۔

۹- خرید کردہ سامان کو یا یہ کہا جائے کہ فروخت کردہ سامان کو بائع اپنے پاس اس وقت تک کے لئے روک سکتا ہے جب تک مکمل قیمت یا اس کی چند اقساط جمع نہ کر دی جائیں، ایسی صورت کو حضرات فقہاء ”حبس المبیع لاستیفاء الشمن“ کا نام دیتے ہیں، لیکن ایسی صورت میں بائع کی ذمہ داری بیع سے متعلق یہ ہے کہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا، مگر دو صورتوں میں بائع کے لئے قبضہ سے پہلے بیع میں تصرف کی گنجائش ہے۔

(الف) بائع کے لئے اذن و اجازت ثابت ہو۔

(ب) مقررہ مدت تک ثمن کی عدم ادائیگی کی صورت میں اذن و اجازت ہو۔ اب اگر بائع مشتری کی اجازت کے بغیر قبضہ سے پہلے بیع میں تصرف کرتا ہے تو درست نہیں ہے، اور اس کی حیثیت ایسی ہے کہ کسی نے بیع کو قبضہ سے قبل رہن رکھ دیا ہو تو جس طرح یہ درست نہیں ہے اسی طرح بائع کا تصرف قبل اذن بھی درست نہیں۔

”فلو تصرف فیہ البائع قبل قبضہ فإما بأمر المشتري أو لا فلو بأمرہ.....صح و صار المشتري قابضاً.....وتصرفه بلا أمر المشتري كما لو رهن المبیع قبل قبضہ“ (۱۳۹/۵)

۱۰- شرعاً یہ معاملہ کہ قیمت طے شدہ ادا نہ کرنے پر بائع کا سامان واپس کر لینا شرط کی بناء پر درست ہے، لیکن طے شدہ اقساط میں سے بعض کے ادا کرنے کی صورت میں اور مکمل ادا نہ کرنے کی صورت میں سامان پر قابض ہونے کے ساتھ اس بنا پر اپنے سامان جیسا تصرف کر کے ادا کردہ قسط واپس نہ کرنا کھلا ہوا ظلم اور غصب ہے جو جائز نہیں۔

۱۱- ایسے خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس اور اس کے استعمال میں رکھ کر کہ جس میں فروخت و تصرف کا حق بائع ہی کو ہو رہن قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ ”رهن المبیع قبل قبضہ“ کے مرادف نہیں تو تقریباً اسی جیسا ہے غرض کہ رہن کے لئے جو باتیں درکار ہیں وہ یہاں نہیں پائی جاتیں ہیں، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۲ - حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور میں اداروں اور کمپنیوں کی طرف سے اس قسم کی ضمانت اور ذمہ داری اشخاص و افراد کی کفالت و ضمانت سے کم نہیں، بلکہ میرے خیال میں اداروں اور کمپنیوں کی کفالت و ضمانت موجودہ دور میں اشخاص و افراد کی ضمانت کے بالمقابل زیادہ افادیت پر مشتمل ہے، اور کفالت و ضمانت کی مشروعیت جس غرض کے پیش نظر ہے، یعنی متباہعین میں سے جس کسی کے نقصان کا اندیشہ ہواں کا سدباب، یہ شی جس طرح افراد و اشخاص کی کفالت اور ضمانت سے پوری ہوتی ہے اسی طرح ادارے اور کمپنیوں سے بھی، اس لئے کریڈٹ لیٹر جو اس عہد کی عام و مروج چیز بن گئی ہے اس کے لئے ”کفالت“ کے باب میں گنجائش ہے اور کفالت کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح القدیر ۶/۲۸۵)۔

۱۳ - اگر یہ صورت واقعی مروج ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان دنوں بیع اوصار سپرد کرتے وقت اوصار قیمت کی جو دستاویز تیار کرائی جاتی ہے اس دستاویز کی حیثیت عرفی یہ ہو سکتی ہے کہ اگر خریدار کے پاس وہ دستاویز ہے تو وہ سامان اس کا سمجھا جائے گا ورنہ نہیں، گرچہ متعینہ مدت تک بیع اس کے قبضہ میں ہے لیکن اس پر مشتری اور خریدار کا تصرف تام نہیں ہے، کیونکہ مقررہ مدت میں قیمت حاصل نہ ہونے پر بائع اختیار فروختگی کے سبب یا خریدار کے اذن سے وقت سے قبل رقم حاصل کرنے کی صورت میں خریداروں کے نام کو ساتھ کر کے خریدار ثانی کا نام دستاویز پر نامزد کر دیتا ہے تو سامان گویا کمپنی اور ادارہ کے نزدیک خریدار ثانی کا ہوتا ہے جو اب تک خریدار اول کے قبضہ میں ہے اور چونکہ بیع کو اول خریدار کے قبضہ میں دے دینے کی صورت میں استعمال نہ ہونے کا کوئی مطلب نہیں ہے، اس لئے پہلے کی طرح اس کی پوزیشن نہ رہی، بایں وجہ دستاویز کی خرید فروخت میں اس کے اندر کے تحریر کردہ قیمت سے کم پر معاملہ کیا جاتا ہے۔

اس پہلو سے دستاویز کی فروختگی اور مالیت کے بارے میں غور کرنے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

(الف) اسے رہن کا درجہ دیا جائے۔

(ب) یا جس مبیع کا، لیکن ہم رہن کا درجہ دستاویز کو اس لئے نہیں دے سکتے کہ رہن خریدار کی طرف سے بائع کے سپرد کیا جاتا ہے، یا اس کے جو اس کے قائم مقام ہو، جیسے کمپنی وغیرہ، اور یہاں بائع یا کمپنی دستاویز تیار کروا کر متعینہ مدت تک کے لئے خود اپنے پاس رکھتی ہے، اس لئے دستاویز کے لئے رہن کے معنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

البتہ دستاویز کو ”جس مبیع“ کا درجہ دینے کی گنجائش ملتی ہے، کیونکہ دستاویز میں اتنی طاقت ہے کہ قیمت وصول نہ ہونے پر بشرط اذن دستاویز کفر وخت کرنے کے بعد قیمت وصول ہو جاتی ہے، معلوم ہوا کہ جس مبیع سے بائع کو جو مقصد حاصل ہوتا ہے دستاویز کے اندر بھی یہ چیز ایک حد تک پائی جاتی ہے، لہذا دستاویز کو ”جس مبیع“ کا درجہ دینے کی گنجائش ملتی ہے، اور قبضہ سے پہلے مبیع پر بائع کا تصرف و اختیار کس دائرہ میں رہ کر ہوگا ان تمام باتوں پر نظر رکھنی پڑے گی۔

۱۴ - اس کی تفصیل گذر چکی ہے، یہ صورت ربا کے تحت شامل نہ ہونے کے سبب درست ہے۔

۱۵ - اس صورت میں اگر یہ مثل اختیار کی جائے کہ رقم کو کم کر کے نقد و فوری لین دین ہو جائے تو درست ہے جس طرح نمبر ۱۴۔

۱۶ - طے شدہ قسطوں میں سے کسی قسط کی تاخیر پر مہلت کے معاملہ کو ختم کرنا اور فوری طور پر باقی جملہ قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ جب کہ مدیون معسر بھی ہو بہتر نہیں ہے، جواز کی صورت ہر آن ہے، کیونکہ دائن کو اپنا قرض طلب کرنے کا حق ہر وقت رہتا ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں معسر مدیون کو مہلت دینے کی بڑی فضیلت آئی ہے، جس کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے۔

۱۷ - اس سلسلے میں اولادین کے بارے میں وضاحت یہ ہے کہ ”تعلیق التاجیل بالشرط صحیح“ (۱۵۷/۶)، اور جہاں تک مرنے کے بعد مدیون کے مذکورہ دین کا مسئلہ ہے تو دین مرنے کے بعد ساقط نہیں ہوتا، باقی اگر دائن کے کہنے کے مطابق اور مدیون کے ورثہ کے علم کے مطابق مدیون پر قرض ہے تو ادائیگی میں تو کوئی کلام ہی نہیں (۱۶۰/۶) رعی تاجیل تو قسطوں سے ادا کرنا یہ بھی تاجیل کے تحت آتا ہے، اور جب یہ بات ہے تو

تاجیل دین میت صحیح اور غیر لازم ہے، لہذا استظوں والی صورت کو ترک کر کے اگر ورثہ فوری طور پر ادا کرتے ہیں تو بھی صحیح ہے، اور استظوں سے بھی ادائیگی صحیح ہے (۱۵۰/۶۱)۔

باقی دائن کے مرنے کے بعد مدیون کو دو طرح سے دینے کا حق ہے، اور جب تاجیل ہے تو مقررہ مدت سے قبل بھی دائن کے ورثہ کو طلب کرنے کی گنجائش ہے۔

۱۸، ۱۹- مذکورہ دونوں صورتیں قمار میں داخل ہیں، البتہ بعض صورتوں میں ”أخذ الزيادة“ کے باعث ربا کا جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ صحیح نہیں، کیونکہ یہاں زیادتی بعوض سامان ہے۔

☆☆☆

کیا قسطوں میں قیمت کی ادائیگی جائز ہے؟

مولانا محمد ایوب مدوی، بھٹکل

- ۱- جائز ہے۔
- ۲- قسطوں میں ادائیگی جائز ہے۔
- ۳- اگر کوئی شخص دونوں طرح فروخت کرنا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ مجلس سے جدائی سے پہلے معاملہ کی نوعیت کو طے کر دے، اور نقد یا ادھار قیمت بھی طے کر دے۔
- ۴- یہ رہا کے دائرہ میں بالکل نہیں آتا۔
- ۵- درست ہے۔
- ۶، ۷- تاخیر کی صورت میں رقم میں اضافہ جائز ہے۔
- ۸ (الف) بائع یعنی مرہن مال رہن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔
- (ب) مال رہن امانت ہے یعنی بلا کوتاہی یا غفلت کے ضائع ہو جائے تو ضامن نہیں ہوگا۔
- (ج) یہ مقدمہ قاضی شہر یا بیچ پر پیش کیا جائے گا پھر وہ مناسب سمجھیں تو بیچ دیں گے اور بائع کی رقم ادا کریں گے۔
- ۹- (الف) فروخت شدہ سامان کو روک لینے کی حیثیت رہن کی نہیں ہوگی۔
- (ب) بلکہ جس المبیع لاستیفاء اٹمن ہوگا اور یہ جائز ہے۔
- ۱۰- اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ اقالہ بیع کیا جائے اور وہ (زمین) دوبارہ فروخت کی جائے پھر اگر اس میں نفع ہو تو بائع و مشتری دونوں کو اس میں حصہ ملے گا اور اگر نقصان ہو جائے تو نقصان

مشتری کے ذمہ ہوگا۔

- ۱۱ - رہن راہن ہی کے پاس اس کے زیر استعمال رہ سکتا ہے۔
- ۱۲ - یہ خدمت ہے اور حق الخدمت کی اجرت جائز ہے، لہذا اس کی اجرت بھی جائز ہے۔
- ۱۳، ۱۴ - معلوم نہیں۔
- ۱۵ - یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے۔
- ۱۶ - یہ جائز نہیں ہے۔
- ۱۷ - اگر میت کے ذمہ رقم واجب الوصول ہو تو وراثہ فوری طور پر وصول نہیں کر سکتے اگر میت کے ذمہ واجب الادا ہو تو وراثہ فوری طور پر ادا کریں گے۔
- ۱۸ - یہ قمار و ربا میں داخل ہے۔
- ۱۹ - یہ مکمل ربا ہے۔

☆☆☆

ادھار فروخت میں قیمت کی زیادتی کی حیثیت

مولانا تنویر عالم قاسمی

۱، ۴ - مالک کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کم قیمت پر فروخت کرے، یا زیادہ قیمت پر، نقد بیچے یا ادھار، اسے ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے، حالات و وقت کے اعتبار سے اگر وہ اپنے سامان کو ادھار اس طرح فروخت کرے کہ نقد فروختگی کے مقابلہ میں اس کی قیمت بڑھی ہوئی ہے تو یہ فروخت جائز ہے، ادھار شکل میں زائد رقم کو ربا کہہ کر حرام نہیں کہہ سکتے۔

”لأن للأجل شبهة بالمبيع، ألا يرى أنه يزداد في الثمن لأجل

الأجل“ (بدایہ ۷۶۳)۔

مذکورہ بالا بیان سے سوال نمبر ۴ کا جواب بھی معلوم ہو چکا، یہ شبہ کہ زائد رقم وقت کے عوض محسوس ہونے کی وجہ سے ”ربا“ ہے ناشی بلا دلیل ہے، کیونکہ بعوض اجل مدیون سے کچھ زائد لینا ربا ہوتا ہے، یہاں ابھی کوئی کسی کا مدیون ہی نہیں ہوا ہے۔

۲ - بائع نے بیع کی فروختگی ادھار اس شرط کے ساتھ کی ہے کہ فلاں وقت میں ثمن کی حوالگی ہوگی تو یہ شرط بیع کو فاسد نہیں کرے گی، وجہ یہ کہ مذکورہ شرط اختلاف و نزاع اور ضرر و غرر کا باعث نہیں، کیونکہ ثمن کی مقدار معلوم ہے، اور اس کی ادائیگی کی تاریخ متعین ہے (الاشاہہ ۲۱۰، قدیم نسخہ)۔

اسی طرح یہ صورت بھی جائز ہوگی کہ ادھار ثمن کو قسطوں پر ادا کیا جائے، جو قسطوں کی مقدار وقت کی تعیین کے ساتھ متعاقدین کے درمیان طے ہوئی ہے جس پر دونوں یعنی بائع و

مشتری رضامند ہو چکے ہیں، مثلاً خرید کردہ مال کی قیمت دس ہزار روپے ہے دس قسطوں میں ہر ماہ کے آغاز میں ایک ہزار کی ایک قسط ادائیگی طے پائی ہے۔

قسطوں کی ادائیگی میں بھی تا جیل ثمن مختلف اوقات میں معلوم ہونے کی وجہ سے متعاقدین کے درمیان اختلاف و نزاع اور ضرر و غرر کا احتمال جاتا رہا۔

۳- بائع سامان کو نقد و ادھار دونوں طرح فروخت کرے اور وہ اس طرح معاملہ کرے کہ نقد قیمت سو روپے اور ادھار قیمت سو سو روپے، مذکورہ تردد کے ساتھ ثمن مجہول ہو جانے کے سبب اس سامان کا خریدنا درست نہیں، ہاں اگر بائع نقد و ادھار کی صورت میں قیمت کے تفاوت کو بتلانے کے بعد متعین شکل نقد یا صرف ادھار میں معاملہ طے کر لے تو یہ شراہ درست ہوگی، کیونکہ اس صورت میں ثمن سے جہالت ختم ہو چکی (امداد الفتاویٰ ۳۰/۳)۔

۵- اگر بائع ایک طریقہ قسط پر ثمن کی مقدار زیادہ رکھتا ہے، اور دوسرے طریقہ قسط پر ثمن کی مقدار کم رکھتا ہے، اور خریدار کے سامنے دونوں صورتیں پیش کرنے کے بعد کسی ایک متعین طریقہ قسط پر معاملہ کر لیا جاتا ہے تو یہ خریدگی جائز اور درست ہوگی، کیونکہ ثمن مجہول نہ رہا، لیکن اگر کسی صورت کو متعین نہ کیا جائے، بلکہ بلا تعین طریقہ قسط پر معاملہ کر لیا جائے تو یہ خریدگی جائز اور درست نہ ہوگی، کیونکہ ثمن مجہول رہا۔

۶- ثمن مؤجل ہے، اس کے بعد یہ طے ہوا کہ اگر وقت مقررہ پر ثمن ادا نہ کیا گیا تو بوجہ تاخیر ہر ماہ دو روپے یا پانچ روپے کی زیادتی کے حساب سے ثمن ادا کرنا ہوگا، شریعت میں اس طرح کا معاملہ جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، کیونکہ مذکورہ صورت میں ”حقیقی ربا“ اس طرح موجود ہے کہ مدیون سے زائد اذین بعوض اجل لیا گیا ہے جو داخل ”ربا“ ہے۔

۷- تا جیل ثمن کے بعد وقت مقررہ پر ثمن کی تاخیر کی صورت میں زائد متعین یا غیر متعین رقم کی زیادتی صحیح کا عوض نہیں، بلکہ وہ زائد رقم خالی عن العوض ہے، لہذا اس زائد رقم کو بھی ”ربا“ ہی کہا جائے گا، جرمانہ اور مالی تاوان کہہ کر اسے جائز نہیں کہا جاسکتا۔

۸- ادھار قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے بائع مشتری سے طرفین کی رضامندی کے ساتھ مال بطور رہن رکھوائے تو یہ رہن درست ہے۔

(الف): لیکن مرہن یعنی بائع اس مال مرہون سے مفتی بقول کے مطابق راہن کی اجازت کے باوجود بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، کیونکہ یہ انتفاع من جنس الرباعی ہے (۳۱۰/۵)۔

(ب): اگر مال مرہون بائع کے یہاں سے بغیر نقدی و زیادتی کے ضائع اور ہلاک ہو جائے تو بائع بقدر دین ضامن ہوگا، اور باقی زائد رقم امانت ہوگی جس کا اس پر ضمان نہیں، ورنہ تعدی کی صورت میں زائد رقم کا بھی ضامن ہوگا۔

شئی مرہون کی قیمت قدر دین سے کم ہونے کی صورت میں بائع قدر دین کا ضامن ہوگا، اور باقی زائد دین وہ مشتری سے وصول کرے گا، لیکن شئی مرہون کی قیمت قدر دین کے برابر برابر ہونے کی صورت میں مال مرہون کی ہلاکت کو یا اس کے مکمل دین کی ہلاکت قبضہ میں آنے کے بعد ہوئی ہے، اب دوبارہ بائع مشتری سے دین وصول نہیں کر سکتا (درمختار ۳۱۰/۵)۔

(ج): ثمن کی حوالگی کا وقت آپکا مشتری ثمن کی ادائیگی سے مال منول کر رہا ہے وہ اس طرح کہ وعدہ پر وعدہ کرتا رہے اور اسے پورا نہ کرے، تو ایسی صورت میں راہن سے کہا جائے گا کہ شئی مرہون بیچ کر دین ادا کرو، اگر ایسا بھی نہ کرے تو راہن کی رضامندی کے بغیر تاقضی، یا حاکم وقت شئی مرہون کو زبردستی بیچوائے گا، حاصل شدہ رقم سے ثمن کی ادائیگی کی جائے گی، اور باقی زائد رقم اصل مالک، یعنی راہن کو واپس کر دی جائے گی (۳۲۵/۵)۔

۹- الف: بائع کا خرید کردہ مال پر پابندی اور اسے روکے رکھنا محض اپنا حق وصول کرنے کے لئے ہے، بائع کو بیع روکنے کا حق اس وقت ہے جبکہ ثمن مغلل ہو (فتاویٰ ہندیہ ۱۵/۳)، اس کی حیثیت ”حبس المبیع لاستفاء الثمن“ کی ہوگی، اسے رہن نہیں کہا جاسکتا، ”الرهن بالمبیع باطل“ (ہدایہ ۵۱۸/۳)۔

(ب): بائع کا بیع کو ”رہن“ کی حیثیت و جہت سے روکنا نہیں ہو سکتا، جس کی وجہ یہ

ہے کہ رہن کی درستگی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شئی مرہون مضمون بنفسہ ہو، یعنی ہلاکت کی صورت میں اس کا ”مثل“ یا ”قیمت“ ذمہ میں لازم آوے، اور جو شئی مضمون ہو بنفسہ اسی کے وصول کو گارنٹی بنانے کے لئے رہن رکھا جاتا ہے، بیع فی ید البائع چونکہ مضمون بنفسہ نہیں، بلکہ بغیرہ ہے، اس لئے اس کے بدلے رہن رکھا نہیں جاسکتا، تو خود اسی بیع مضمون بغیرہ کو رہن کی حیثیت کیسے دی جاسکتی ہے۔

۱۰- جب ثمن کی ادائیگی مؤجل قسط وار ہے تو بائع کو دین کی وصولیابی تک بیع کو روکنے کا حق نہیں، جیسا کہ سول ۹ کے تحت بات آچکی ہے، کیونکہ بیع کے نتیجے میں ثمن فی الحال مشتری کے ذمہ لازم ہوا تھا، اس حق تعجیل کو خود اس نے برضاء و رغبت ترک کر دیا جس سے جس بیع کا حق جاتا رہا۔ اس کے باوجود بائع بیع کو ناقص روک لے پھر اس عرصہ میں مشتری نے ثمن میں سے ایک دو قسط حسب معاہدہ رقم ادا کر دی، پھر ایسی صورت پیدا ہو کہ بیع بھی بائع کے قبضہ میں رہے اور جو قسطیں ادا کی گئی ہیں اس پر بھی قبضہ جمائے رکھے، وہ مشتری کو واپس نہ کرے تو ابتداءً یہ معاملہ درست تھا، لیکن انتہاء درست نہیں، بائع کی طرف سے زیادتی ہے، ادا کردہ قسطیں واجب الاعدادہ ہیں، کیونکہ وہ قسطیں اس بیع کا عوض ہیں جو عوض، یعنی بیع بائع ہی کے قبضہ میں موجود ہے۔

۱۱- رہن کی صحت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ”شئی مرہون فی قبض المرتهن ہو لم یشرع إلا مقبوضاً لقولہ تعالیٰ فرہان مقبوضۃ“، مذکورہ بالا شرط سے یہ بات واضح ہو چکی کہ خرید کردہ سامان کو خود خریدار کے پاس اس کے استعمال میں رکھ کر رہن قرار نہیں دیا جاسکتا، ”لأن الرهن ینبئ عن الحبس الدائم“ (ہدایہ ۵۰۱۳)۔

اس کے علاوہ بنیادی طور پر خود بیع رہن بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی (تفصیل سوال نمبر ۹ میں گذر چکی)۔

۱۲- خریدار کی طرف سے ثمن کی ادائیگی کی ضمانت ”عقد کفالہ“ ہے اس قسم کی ضمانت محض تبرع ہے جس پر اجرت و معاوضہ نہیں ہوتا ہے۔

الا یہ کہ وہ ادارہ یا اشخاص بائع (دائن) سے معاملہ اجارہ کر لے، اور یہ کہے کہ تمہارا جو ثمن و دین فلاں کے ذمہ ہے اس کے تسلیم و تسلیم کا میں ذمہ دار ہوں جس کی حوالگی کی ذمہ داری پر اتنا معاوضہ اور اجرت لوں گا، پھر یہ تراضی طرفین سے طے ہو جائے تو یہ جائز ہوگا، اب یہ معاملہ عقد کفالہ کا نہیں، بلکہ عقد اجارہ کا بن جائے گا، یہ معاملہ اسی طرح جائز ہوگا جس طرح توکیل بالاجرة جائز اور درست ہے۔

۱۳ - ایسے کاغذات جو دین کو وصول کرنے میں مکمل ہیں، جن میں کسی ادھار فر وخت شدہ اشیاء کی رقم لکھی ہوئی ہے، وقت مقررہ پر رقم ادا نہ کرنے کی صورت میں یا وقت سے پہلے رقم کو حاصل کرنے کے لئے اس دستاویز کی خرید و فروخت اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ جتنی رقم کاغذات پر درج ہے اتنی ہی مقدار میں فروخت کیا جائے ورنہ باللازم آئے گا جو حرام ہے، کیونکہ یہاں پر دستاویز رقم کے حصول کا ایک مستند وسیلہ اور ذریعہ ہے، دستاویز بذات خود بیع نہیں بلکہ اس پر درج رقم بیع ہے، اس لئے یہاں پر ایک ہی جنس سے ثمن کا تبادلہ ثمن سے ہو رہا ہے، جس میں ”بیع صرف“ کے احکام کے مطابق دونوں میں تساوی ضروری ہے۔

۱۴ - ادھار خرید و فروخت میں بائع طے شدہ رقم کو مقررہ وقت سے پہلے اس شرط پر مانگے کہ اس کا ایک حصہ ہم تم کو معاف کر دیں گے، اور اس حصہ کی مقدار بتلا دی گئی، مشتری اس تجویز پر رضا مند ہے تو ایسی صورت میں یہ معاملہ درست ہے، اس کمی کے ساتھ فروختگی کو ”استیفاء بعض الحق و ابراء و إسقاط بعض الحق“ کہا جاتا ہے۔

۱۵ - اگر معاملہ ادھار کیا گیا، مگر قیمت کی ادائیگی کے لئے صرف یہ طے ہوا کہ بعد میں دیدیں گے اور اس کے لئے وقت طے نہیں ہوا، اس صورت میں مذکورہ بالا شمل (سوال ۱۴) اختیار کی جائے کہ رقم کو کم کر کے نقد لین دین ہو جائے جس پر متعاقدین رضامند ہوں تو اس طریقہ سے ثمن کی کمی کے ساتھ اشیاء کی فروختگی صحیح اور درست ہے، اور یہ کمی ابراء عن بعض الحق کے قبیل سے ہوگی، جس کی نظیر یہ ہے۔

”فلو قال رب الدين لمن عليه ألف حالة: إن دفعت إلي غدا خمس مائة، فالخمس مائة الأخرى مؤخرة عنك إلى سنة، فهو جائز كذا في المذخيرة“ (المحررات ۱۳۱/۶)۔

۱۶۔ جس وقت قسط وار ثمن کی ادائیگی کے لئے گفتگو ہو رہی ہے اسی وقت بائع اگر یہ شرط لگائے کہ اگر کوئی قسط متعینہ وقت پر ادا نہ کی گئی تو دین نقد ہوگا، تا جیل باطل ہوگی، اس طرح کی شرط صحیح ہے، وجود شرط سے تا جیل رخصت ہو جائے گی اب دین نقد ہوگا (المحررات ۱۳۲/۶)۔

لیکن اگر معاملہ یہ ہے کہ قسطوں پر صرف ثمن کی ادائیگی طے ہوئی اس کے علاوہ کسی دوسری شرط کا تذکرہ نہیں ہوا، اب اس کے بعد مشتری نے وعدہ کے خلاف کسی قسط کی ادائیگی میں تاخیر کر دی، تو وعدہ کے خلاف قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے بائع کو کیا یہ حق ہوگا کہ تا جیل کو ختم کر کے ماہی جملہ دین و ثمن کی ادائیگی کو فی الفور لازم کر دے، یعنی کیا بائع کو تا جیل باطل کرنے کا حق ملے گا۔

جواب یہ ہے کہ بائع مذکور کو یہ حق نہیں ملے گا کہ تا جیل باطل کر دے اور دین کی ادائیگی نقد لازم کر دے۔ کیونکہ یہ مہلت ویسے مشتری کے لئے حق لازم ہے جسے کوئی باطل نہیں کر سکتا۔

”لأن الأجل حق المديون ولا يملك أحد إبطال حق الغير“۔

۱۷۔ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مديون مر جائے تو تا جیل باطل ہو جائے گی وجہ یہ ہے کہ مديون کو دین کی ادائیگی میں مہلت اس لئے دی گئی کہ تجارت کے ذریعہ آمدنی حاصل کرے اور اس طرح دین کو ادا کر سکے، ظاہر ہے کہ موت کی وجہ سے تا جیل کا مقصد فوت ہو چکا تو تا جیل بھی باطل اور رخصت ہو جائے گی، اب مديون کے متروک مال سے تجہیز و تکفین کے بعد دین کی ادائیگی فوری اور نقد ہوگی۔

اس کے برخلاف اگر دائن مر جائے تو تا جیل باطل نہیں ہوگی، کیونکہ دائن کے انتقال سے تا جیل کا مقصد باقی ہے (مٹا ی ۳۳، ۳۳ و ایضاً فی البحر ۲۸۰/۵)۔

۱۸- جو دوکاندار دستوں کے ساتھ خرید فروخت کا کاروبار کرتے ہیں، ہر قسط پر انعام دینے کا نظام بناتے ہیں، اور قرضہ اندازی کے ذریعہ کسی ایک خریدار یا چند خریدار کو انعام دیتے ہیں، ”بیج بالتقسیت“ کے ساتھ یہ نظام عطیہ و ہبہ کے حکم میں ہوگا، اس انعام کو قمار یا ربا نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس پر قمار و ربا کی تعریف صادق نہیں آتی۔

کمپنی کی طرف سے انعامات اس لئے دیئے جاتے ہیں، تاکہ کمپنی کا زیادہ سے زیادہ مارکیٹ میں نام اور اس کی تشہیر ہو، یہ انعامات دراصل تشہیر کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں جتنی شہرت ہوگی اسی حساب سے کمپنی کے مال کی کھپت مارکیٹ میں ہوگی۔

۱۹- تمام خریداروں کو ایک متعین مدت پر ایک سامان دینے کے لئے بالاقساط قیمت جمع کرائی جائے، ہر قسط کی ادائیگی پر قرضہ اندازی کے ذریعہ وہ سامان، یعنی بیج کسی ایک ہی شخص کے حوالہ اس طور پر ہو کہ آئندہ اس سے کسی قسط کا مطالبہ نہ ہو اس کے بعد باقی لوگ قسط کی ادائیگی کرتے رہیں اور قرضہ اندازی کے ذریعہ بیج دینے جانے کا فیصلہ ہوتا رہے، شرعاً یہ شکل قمار پر مشتمل ہے، کیونکہ ایک سامان بعض خریدار کو نہایت کم قیمت پر اور دوسرے کو نہایت زیادہ قیمت پر ملے گا بیج ملنے سے پہلے کسی خریدار کو معلوم نہیں کہ کتنی رقم میں وہ بیج ہمیں ملے گی، اس لئے مذکورہ صورت اور طریقہ بیج جائز اور درست نہ ہوگی۔

ادھار معاملہ میں شئی مرہون سے انتفاع

مولانا حبیب الرحمن نقاسی، پٹنہ

۸- (الف) شئی مرہون سے انتفاع:

بائع (مرتہن) کا شئی مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ سود ہے، کیونکہ سود نام ہے کسی چیز سے اس کا عوض دینے بغیر فائدہ اٹھانے کا، اور یہاں مرتہن قرض میں محسوب کئے بغیر مرہون چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس سلسلے میں چاروں امام متفق ہیں (بدیۃ المجتہد ۲/۲۰۸)۔

البتہ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ جانور کے بارے میں کہتے ہیں کہ اپنے چارہ اور اخراجات کے بقدر وہ استعمال کر سکتا ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت سواری کر سکتا ہے، اور وہیل میں یہ حدیث نبوی ﷺ پیش کرتے ہیں: ”الرهن مرکوب ومحلوب“ (ایضاً)، مگر امام ابو حنیفہ کسی صورت میں نفع اٹھانے کے قائل نہیں ہیں (شرح وقایہ ہدایہ ۲/۵۲۲)۔ یعنی خدمت لے کر یا مکان میں رہ کر یا کپڑے پہن کر کسی صورت میں مرتہن کو فائدہ اٹھانا جائز نہیں، اور صاحب ”ہدایہ“ کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے، مگر مولانا عبدالحی صاحب نے اس جزئیہ پر شرح وقایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف کسی صورت میں مرہون سے فائدہ اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے، باوجودیکہ وقایہ کے مصنف نے بھی عاریۃ استعمال کی اجازت دی ہے (مولانا کی عبارت کے لئے دیکھئے حاشیہ شرح وقایہ ۲/۷۳)۔

البتہ جو چیزیں غیر منقول ہیں، مثلاً زمین، مکان وغیرہ، یا وہ منقولہ ہیں، مگر ان کے استعمال سے ان کی حیثیت کم ہوتی ہے، مثلاً گھڑی، سائیکل، موٹر وغیرہ، تو ان سے انتفاع تو کسی حال میں جائز نہ ہونا چاہئے، لیکن جانور وغیرہ میں جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد حدیث کی روشنی میں کہتے ہیں، ان سے اپنے خرچ کے بقدر راہن کی اجازت سے وہ استعمال کر سکتا ہے، اس لئے کہ جانوروں کے چارہ کی ذمہ داری موجودہ زمانہ میں ایک وقت طلب بات ہے، اس لئے وہ چارہ اور اخراجات کے بقدر استعمال کرے تو یہ ربا کی حد میں داخل نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس کے استعمال سے اس میں عیب پیدا نہ ہو، اس میں استعمال کی حد مقرر کی جاسکتی ہے جیسا کہ امام مالک فرماتے ہیں۔ اسی طرح مکان کو اگر بالکل مفضل کر دیا جائے تو اس کے شراب ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کی صفائی اور مرمت کے بقدر رہنے کی گنجائش ہونی چاہئے، یہ بات اس لئے عرض کی گئی ہے کہ حدیث میں بعض چیزوں کا استثناء موجود ہے۔ احقر کی ناقص رائے یہی ہے۔

(ب) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بائع کے قبضہ میں رہ کر شئی مرہون ضائع ہو جائے تو شئی مرہون کی قیمت دیکھی جائے گی، اگر شئی مرہون کی قیمت دین کے برابر ہے تو دین بالکل ساقط ہو جائے گا، اور اگر شئی مرہون کی قیمت دین سے کم ہے تو شئی مرہون کی قیمت کے بقدر وضع ہو جائے گا، اور باقی مشتری پر دین قائم رہے گا، اس کی ادائیگی مشتری کے ذمہ باقی رہے گی، البتہ اگر شئی مرہون کی قیمت دین سے زیادہ ہے، تو بقدر دین تو ساقط ہو جائے گا باقی جو زائد رقم ہے وہ بائع کے پاس امانت ہوگی، اور امانت کا حکم یہ ہے کہ بلا تعدی بلاکت کی صورت میں امین ضامن نہیں ہوتا ہے، اور تعدی کی صورت میں ضامن ہوتا ہے (فتاویٰ ہندیہ ۱۵/۲۳۷)۔

اس کے برخلاف امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ شئی مرہون بائع کے پاس امانت ہے، شئی مرہون کے ہلاک ہو جانے سے دین ساقط نہیں ہوگا (فتاویٰ ۱۵/۳۰۹)۔

اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے علامہ ابن رشد بدایۃ المجتہد میں رقم طراز ہیں:

”الرهن أمانة وهو من الراهن والقول قول المرتهن مع يمينه أنه ما

فرط فيه وما جنى عليه وممن قال بهذا القول الشافعي وأحمد وأبو ثور
وجمهور أهل الحديث“ (بدایۃ المجتہد ۲/۲۰۸)۔

اگر بلا تعدی ہلاک ہو جائے، مثلاً ایک بکری تھی اور وہ طبعی موت مر گئی تو مرتہن اس کا
ضامن نہیں ہوگا، اسی بنا پر بائع کا ذین اس کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا، راقم الحروف کی ناقص رائے
یہی ہے۔

(ج) اگر رہن کا وقت ختم ہو جائے اور مشتری (راہن) ادا کر کے اپنی چیز نہ لے جائے تو
بائع (مرتہن) کو اسے قاضی کے حکم سے بیچ کر اپنا ذین وصول کرنے کا حق ہوتا ہے، لیکن عقد کے
وقت جو قیمت مقرر ہوئی تھی اس سے زیادہ وصول کرنا بائع کے لئے جائز نہیں ہے، لہذا اگر اس شے
مرہون کے بیچنے سے اتنی رقم وصول ہوتی ہے کہ بائع کے پاس اپنا ذین وصول کرنے کے بعد بھی
کچھ رقم بچ جائے تو وہ بچی ہوئی رقم مشتری کو واپس لوٹانا ضروری ہے:

”إذا حل أجل الدين وامتنع الراهن عن أدائه فالحاكم يأمره ببيع
الرهن وأداء الدين“ (شرح المجملہ ۳۱۹، بدایۃ المجتہد ۲/۲۰۸)۔

اقرار کو اس سے اتفاق ہے۔

۹- ادھار بیع میں بائع کا بیع کو مجبوس کرنا:

یہ صورت دو طریقے سے ممکن ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں بھی مذکور ہے، ایک یہ کہ ثمن کی
وصولیابی کے لئے بیع کو روک لیا جائے، دوسرے یہ کہ بطور رہن کے بیع کو روک لیا جائے۔
دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں جب ثمن کی وصولی کے لئے
فروخت شدہ سامان کو مجبوس کیا جائے گا اس وقت بیع مضمون بالثمن ہوگی، مضمون بالقیمتہ نہیں
ہوگی، لہذا اگر حالت جس میں وہ بیع ہلاک ہو جائے گی تو اس صورت میں بیع فسخ ہو جائے گی، اور
بازاری قیمت کا اس پر ضمان نہیں آئے گا۔

دوسری صورت، یعنی رہن کی صورت میں اگر وہ بیع بائع کے پاس تعدی کے بغیر ہلاک

ہو جائے تو بیع فسخ نہیں ہوگی، بلکہ وہ مشتری کے مال سے ہلاک ہوگی، اور (راہن) مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط نہیں ہوگا، اور اگر بائع کی تعدی کی وجہ سے ہلاک ہوئی تو مرہن (بائع) اس چیز کی بازاری قیمت کا ضامن ہوگا، ثمن کا ضامن نہیں ہوگا، جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے، یعنی ثمن کی وصولیابی کے لئے بیع کو روکنا، یہ صورت بیع بالتقسیط میں جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع بالتقسیط ادھار بیع ہے، اور بائع کو ثمن کے استیفاء کے لئے جس بیع کا حق صرف نقد بیع میں ہوتا ہے، ادھار بیع میں یہ حق بائع کو نہیں ملتا (فتاویٰ ہندیہ ۱۵۳، کتاب ایبیوع)۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ مشتری کے ذمہ اس بیع کا جو ثمن واجب ہو چکا ہے اس کے عوض میں بائع اسی کو بیع کے طور پر اپنے پاس رکھے، اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مشتری اس بیع پر قبضہ کرنے سے قبل ہی بائع کے پاس رہن کے طور پر رکھ دے، یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ وہی شکل بن جاتی ہے کہ بائع نے حصول ثمن کے لئے بیع کو اپنے قبضہ میں رکھا، اور حصول ثمن کے لئے جس بیع بیع مؤجل میں جائز نہیں ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری اس بیع کو پہلے اپنے قبضے میں لے اور پھر اسی بیع کو بطور رہن بائع کے پاس رکھ دے، یہ صورت اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے، جیسا کہ امام محمدؒ "الجامع الصغیر" میں رقم طراز ہیں:

"ومن اشتری ثوبا بدرہم، فقال البائع: أمسک هذا الثوب حتی أعطیک الثمن فالثوب رهن" (الجامع الصغیر)۔

"رد المحتار" (۱۰/۱۱۰-۱۱۱) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کے رہن کے جواز میں بعد کے فقہاء کرام کا کوئی اختلاف نہیں ہے، بشرطیکہ صلہ عقد میں یہ رہن مشروط نہ ہو، لیکن اگر صلہ عقد میں رہن مشروط ہو تو اس صورت کے جواز میں اختلاف ہے، جیسا کہ معنی کی عبارت سے پتہ

چلتا ہے، لیکن علامہ ابن قدامہؒ کے نزدیک قابل اعتماد مسلک جوازی کا ہے (المغنی لابن قدامہ ۴/۳۲۷، کتاب الزہن)۔

اقر کی رائے بھی جوازی کی ہے۔

☆☆☆

ادھار قیمت کی قسطوار ادائیگی

مولانا محمد انور بن طاہر القاسمی، پٹنہ

۱- ادھار بیع میں زیادہ قیمت وصول کرنا:

زین العابدین علی بن الحسین، الناصر، المنصور باللہ اور ہادویہ کہتے ہیں کہ نقد قیمت کے مقابلہ ادھار خریداری میں زیادہ قیمت وصول کرنا درست نہیں، بلکہ یہ زیادتی مدت کے عوض ہے، اس لئے ربا ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس کے برخلاف شافعیہ، حنفیہ اور زید ابن علی موید باللہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ادھار بیع میں نقد سے زیادہ قیمت وصول کرنا درست ہے، اور یہ زیادتی ربا نہیں ہے (نیل الاوطار ۵/۱۵۲)۔

اور دوسرا مذہب ہی صحیح ہے، کیونکہ ہر بیچنے والا شرعاً خود مختار ہے کہ وہ اپنا سامان جتنی قیمت پر چاہے فروخت کرے، البتہ اتنی زیادہ قیمت وصول کرنا کہ غبن فاحش کے درجہ میں آجائے مروت اور انسانیت کے خلاف ہے، تاہم بیع درست ہے۔

۲- ادھار قیمت کو قسطوار ادائیگی کرنا:

درحقیقت بیع بالتقسیط یہ ”بیع مؤجل“ ہی ہے، جیسا کہ ”درر الحکام“ میں ہے کہ تقسیط اور تا جیل میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے بایں طور کہ ہر تقسیط میں تا جیل لازمی ہے، جبکہ ہر تا جیل کے لئے تقسیط ضروری نہیں، معلوم ہوا کہ تقسیط تا جیل ہی ہے (درر الحکام ۲/۱۱۰)۔

اور ادھار بیع کا جواز کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان ”أحل الله البيع“ میں ”بیع“ مطلق وارد ہوا ہے جو ادھار بیع و نقد بیع دونوں کو شامل ہے، پس یہ

آیت دلیل بن گئی بیع کے جواز کی خواہ وہ بیع ادھار ہو یا نقد، اور جناب نبی پاک ﷺ کا ایک یہودی سے ادھار قیمت کے عوض سامان خریدنا ثابت ہے (دررالحکام ۲/۱۹۳)۔

اور جب ”بیع مؤجل“ قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو بیع بالتقسیط بھی ثابت ہوگئی کیونکہ بیع بالتقسیط بھی بیع مؤجل ہی ہے، جیسا کہ اوپر گذرا فرق اتنا ہے کہ بیع بالتقسیط میں ادھار قیمت کو یکمشت ادا کرنے کے بجائے متعدد حصوں میں ادا کیا جاتا ہے، اور بیع مؤجل میں قیمت کی ادائیگی یکمشت ضروری نہیں، بلکہ متعدد حصوں میں بھی اسے ادا کر سکتے ہیں، اور یہی بیع بالتقسیط ہے (مجلد الفقہ الاسلامی العدد السادس، الجزء الاول ۱۷۹)۔

لیکن ادھار بیع کے لئے ضروری ہے کہ عاقدین مجلس عقد ہی میں ہر قسط کی ادائیگی کا وقت، نیز مکمل قسطوں کی ادائیگی کی مدت متعین کر لیں (دررالحکام ۲/۱۹۵)۔

۳- ایک قیمت کا متعین کرنا ضروری ہے:

الف۔ اگر بائع خریدار کے سامنے نقد و ادھار دونوں قیمتوں کا تذکرہ کرے اور پھر دونوں متفق ہو کر کسی ایک قیمت پر معاملہ کر لیتے ہیں تو یہ درست ہے، اور اگر عاقدین کسی ایک کو متعین کئے بغیر اس طرح معاملہ کرتے ہیں تو تردد و جہالت ثمن کی وجہ سے اس طرح کا معاملہ کرنا درست نہیں (المغنی ۳/۲۵۸-۲۵۹، دررالحکام ۲/۱۹۵، نیز دیکھئے بولہ الجہد)۔

لیکن امام مالک کے نزدیک اس مسئلہ میں وسعت ہے بایں طور کہ اگر مشتری دو قیمتوں میں سے کسی ایک قیمت کو اپنے اختیار سے ادا کر دے اور یہ عقد معاملہ ہی کے وقت طے ہو گیا ہو تو مالکیہ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے۔

مگر جمہور علماء، حنفیہ و شوافع کا مسلک واضح ہے، اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

ب- خریدار کے سامنے قیمتوں کا تذکرہ:

ادھار خرید فخر و خست ہو یا نقد بہر دو صورت اگر بائع مراہقہ (نفع لے کر) فروخت کرتا ہے تو فقہاء نے اس کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ خریدار کے سامنے اس المال (سامان کی

قیمت خرید) اور نفع کا تذکرہ الگ الگ کر دے، نیز یہ بھی خریدار کے سامنے واضح کر دے کہ اس نے بیع (سامان) کو نقداً خریدنا ہے یا ادھار، کیونکہ نقد قیمت اور ادھار قیمت میں فرق ہوا کرتا ہے (دیکھئے: یعنی ۱۹۹۳ء، بدلیۃ المجهود ۲/۶۱، فہم العزیز للامام الرافعی، بدائع ۵/۲۲۳)۔

۴- اس کا جواب سوال اول کے جواب میں گذر چکا۔

۵- اس کا جواب سوال ۳ کے جواب میں گذر چکا (دیکھئے: ہبوط سرخصی ۸/۱۳، بدائع ۵/۱۵۸)۔

۶، ۷- ثمن کی ادائیگی میں تاخیر کے عوض منافع:

صورت مسئولہ میں تاخیر کے عوض منافع حاصل کرنا قطعاً درست نہیں۔ یہ ربا میں داخل ہے (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص ۱/۲۶۵)۔

۸- مرہن کا شی مرہون سے انتفاع:

(الف) مالکیہ کے نزدیک مرہن تین شرطوں کے ساتھ شی مرہون سے منتفع ہو سکتا ہے:

۱- صلہ عقد میں اس کی صراحت کر دی گئی ہو کہ مرہن شی مرہون سے منتفع ہوگا۔

۲- شی مرہون سے مرہن کے منتفع ہونے کی مدت متعین ہو۔

۳- مرہن کے پاس رہن قرض یا دین کے عوض نہ ہو، ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو مرہن کے لئے شی مرہون سے منتفع ہونا درست نہیں۔

حنابلہ شی مرہون میں فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک اگر شی مرہون ایسا جانور ہے جو سواری کے کام آتا ہے یا دودھ دینے والا جانور ہے تو مرہن ایسے مرہون جانور سے اس قدر منتفع ہو سکتا ہے جتنا کہ وہ اس جانور پر خرچ کرتا ہے، یعنی بقدر نفقہ دودھ نکال سکتا ہے اور سواری کا کام لے سکتا ہے، اگر چہ راہن نے اس کی اجازت نہ دی ہو، اور اگر شی مرہون مذکورہ (مرکوب و مخلوب) جانور کے علاوہ ہے تو مرہن شی مرہون سے راہن کی اجازت سے اس شرط کے ساتھ

مشتفع ہو سکتا ہے کہ رہن دین یا قرض کے عوض نہ ہو، نیز مرتہن بالعوض مشتفع ہو رہا ہو، اگر ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو مرتہن کا شئی مرہون سے انتفاع درست نہیں (کشف القناع ۱۶۸/۲)۔

”الموسومة القہریة“ میں شافعیہ کا مسلک اس طرح مذکور ہے کہ مرتہن کو شئی مرہون روکنے کا حق ہے، اس سے کسی قسم کا انتفاع مرتہن کے لئے درست نہیں۔

”وقالت الشافعية: ليس للمرتهن في المرهون إلاحق الاستيثاق فيمنع من كل تصرف أو انتفاع بالعين المرهونة“ (۱۸۵/۲۳)۔

کتب فقہ احناف میں اس مسئلے کے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ مرتہن کا شئی مرہون سے انتفاع درست نہیں (رد المحتار ۵/۳۱۰)۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر راہن مرتہن کو شئی مرہون سے انتفاع کی اجازت دے دے تو وہ مشتفع ہو سکتا ہے (ہدایہ ۵۰۶/۳)۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مرتہن کے لئے شئی مرہون سے انتفاع مکروہ ہے (رد المحتار ۵/۳۱۱)۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر حطب عقد میں مرتہن کے لئے شئی مرہون سے انتفاع کی شرط ہو تو مرتہن کا شئی مرہون سے انتفاع درست نہیں، اور اگر حطب عقد میں اس کی شرط نہ ہو اور نہ ماحول و معاشرہ اس طرح کا ہے کہ لوگ شئی مرہون سے انتفاع کی غرض سے قرض دیتے ہیں اور پھر بعد میں چل کر راہن بطیب خاطر مرتہن کو شئی مرہون سے انتفاع کی اجازت دے دے تو مرتہن کے لئے انتفاع درست ہے، لیکن اگر راہن بطیب خاطر اجازت نہ دے، یا معاشرہ اس طرح کا ہے کہ لوگ شئی مرہون سے مشتفع ہوتے ہیں تو پھر ”المعروف كالمشروط“ کی بنیاد پر مرتہن کا مشتفع ہونا درست نہیں (رد المحتار ۵/۳۱۰، ۳۱۱)۔

علامہ شامی کا رجحان آخری قول کی طرف معلوم ہوتا ہے، یہی درستگی کے زیادہ قریب ہے۔

بائع کے قبضہ میں شئی مرہون کا اتلاف:

(ب) اگر شئی مرہون مرہون کے قبضہ میں ضائع ہو جائے تو شافیعیہ و حنابلہ کے نزدیک اگر شئی مرہون مرہون کی تعدی کے بغیر ضائع ہوئی ہے تو مرہون (بائع) ضامن نہیں ہوگا، اور اگر مرہون کی تعدی سے ضائع ہوئی ہے تو ضامن ہوگا، دراصل شافیعیہ و حنابلہ کے نزدیک شئی مرہون پر مرہون کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوتا ہے، اس لئے یہ حضرات امانت کا قانون نافذ کرتے ہیں جو اوپر مذکور ہوا (المغنی ۲/۳۳۸، شرح مہذب ۳۳۹/۱۳)۔

مالکیہ شئی مرہون میں فرق کرتے ہیں کہ اگر شئی مرہون ان اشیاء میں سے ہے جن کو چھپانا ممکن ہے اور مرہون اس کے بلا تعدی ضائع ہونے پر بیئہ قائم کرنے سے عاجز ہے تو ضامن ہوگا، اور اگر شئی مرہون ان اشیاء میں سے ہے جن کو چھپانا ممکن نہیں تو ایسی اشیاء مرہونہ کے ضائع ہونے پر مرہون ضامن نہیں ہوگا، الا یہ کہ مرہون کی تعدی سے ضائع ہوئی ہو (بدیہ الجہد ۲/۲۰۸)۔

حنفیہ کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتوں میں دین اور رہن میں جس کی قیمت کم ہے اس کا ضامن ہوگا، اگر دین اور رہن کی قیمت برابر ہے تو راہن کے ذمہ سے دین ساقط ہو جائے گا، اور اگر شئی مرہون کی قیمت کم تھی اور دین کی زیادہ تو ایسی صورت میں مرہون کو باقی رقم کا راہن سے مطالبہ کا حق ہوگا، لیکن اگر شئی مرہون کی قیمت زائد تھی تو اس صورت میں زائد رقم مرہون راہن کو واپس کر دے گا، لہذا ضائع ہونے پر دین سے زائد رقم پر امانت کا قانون نافذ ہوگا، اگر مرہون کی تعدی سے ضائع ہوئی ہے تو وہ ضامن ہوگا ورنہ نہیں (ہندیہ ۵/۲۳۷)۔

(ج) شئی مرہون سے دین کی وصولیابی:

اگر راہن وقت مقررہ کے اندر دین ادا نہ کرے تو مرہون راہن سے ایفاء دین کا مطالبہ کرے گا، اگر ادا کر دیا تو فبیہا، اور اگر ادا نہیں کیا یا ادا کیا مگر بعض دین کو ادا کیا تو اب راہن یا اس کے وکیل پر ضروری ہے کہ مرہون کو فروخت کر کے دین ادا کرے، یہاں تک تمام ائمہ متفق ہیں، لیکن اگر راہن مرہون کو فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہے، نیز دین کبھی ادا نہیں کرتا ہے تو ایسی

صورت میں حنا بلہ و شافعیہ فرماتے ہیں کہ معاملہ کو تاقضی جس طرح مناسب سمجھے حل کرے، خواہ تاقضی راہن کو اس کے انکار کی وجہ سے جس یا تعزیر کے ذریعہ فروخت کرنے پر آمادہ کرے یا خود فروخت کر کے یا اپنے امین کے ذریعہ فروخت کرا کر ذین ادا کر دے (یعنی ۲۷۲/۴، ۲۷۲/۴، ۲۷۲/۴)۔

مالکیہ کے نزدیک تاقضی راہن کو قید و بند نہ کرے بلکہ خود مرہون کفر و خست کر کے ذین ادا کر دے (بویہ الحدیث ۲۷۲/۴)، حنفیہ میں سے صاحبین کا رجحان اسی طرف ہے، البتہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تاقضی فروخت نہ کرے بلکہ راہن کو قید و غیرہ کے ذریعہ فروخت کرنے پر آمادہ کرے (بدائع ۱۳۸/۱)، صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے (رد المحتار ۵۷۹/۳)۔

بہتر صورت یہ ہے کہ بوقت معاملہ مرتہن راہن کی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کروالے تاکہ راہن کے مال منول کرنے پر وکیل کے ذریعہ معاملہ حل ہو سکے۔

قسطوں کی بنیاد پر بیع و شراء

مولانا فضل الرحمن، فضل عباسی

- ۱- کسی شے کی ادھار قیمت بمقابلہ نقد قیمت کے زیادہ رکھنا درست ہے (بدائع لصناع ۲۲۳/۵)۔
- شوائف کے نزدیک بھی یہ جائز ہے (فتح العزیز علی ہاشم المجموع ۱۳، ۲۱، ۲۹، ۱۰)۔ امام مالکؒ بھی جائز قرار دیتے ہیں (بدایہ المجہد ۲۱۵/۲)۔
- حنابلہ کے نزدیک بھی جائز و درست ہے (المغنی ۱۳۲/۲)۔
- ۲- مجلس عقد میں کسی ایک صورت پر معاملہ طے ہو جائے تو جائز ہے (بدائع ۱۵۸/۵)۔
- شوائف کے یہاں بھی کسی ایک صورت پر معاملہ طے ہو جانے کی صورت میں جائز ہے (حواشی علی تحفۃ المحتاج ۲۲۳/۲)۔
- مالکیہ کے نزدیک بھی یہ صورت درست ہے (بدایہ المجہد ۱۵۳/۲)۔
- حنابلہ کے یہاں بھی یہ صورت جائز و درست ہے (المغنی ۱۶۱/۲)۔
- ۳- احناف کے یہاں اس قسم کی بیع درست ہے (البحر الرائق ۲۸۰/۵)۔
- یہی رائے جمہور ائمہ، شوائف، مالکیہ اور حنابلہ کی بھی ہے (کتاب الامم ۳۳/۳)۔
- ۴- ادھار کی صورت میں قیمت کی زیادتی جائز و درست ہے اور یہ زیادتی محض ادھار کی وجہ سے ہے، یہ ربا میں داخل نہیں ہے (بدائع ۲۲۳/۵، ۱۷۷/۵)۔
- یہی رائے شوائف کی بھی ہے (فتح العزیز علی ہاشم ۱۳، ۱۲، ۲۹)۔

- حنا بلہ کے یہاں بھی درست و جائز ہے (المغنی ۲۱/۳)۔
- مالکیہ بھی یہی فرماتے ہیں (بداية المجتهد ۱۳۰/۲)۔
- ۵- یہ بیع جائز ہے (بدائع الصنائع ۱۵۸/۵)۔
- یہی رائے امام مالکؒ کی بھی ہے (بداية المجتهد ۱۵۳/۲)۔
- امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی اسے جائز قرار دیتے ہیں، ملاحظہ ہو: (المجموع شرح
المہذب ۳۳۸/۲، المغنی ۱۶۲/۲، المدوینۃ الکبریٰ ۲۱۱/۳-۲۵۰)۔
- ۶- بیع میں اس قسم کے اضافہ کی شرط شرط فاسدہ ہے، اور یہ اضافہ ربا ہوگا، لہذا بیع درست
نہیں ہوگی (بدائع الصنائع ۱۸۳/۵)۔
- امام شافعیؒ کے یہاں بھی جائز نہیں ہے (المجموع ۱۶۲/۸)۔
- یہی رائے امام مالکؒ کی بھی ہے (المدوینۃ الکبریٰ ۱۸/۵)۔
- ۷- مذکورہ شرائط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ شرائط فاسدہ ہیں، اور وہ اضافہ مالی
تاوان یا جرمانہ نہ ہوگا، بلکہ وہ ربا شمار ہوگا (بدائع الصنائع ۱۸۳/۵)۔
- یہی رائے جمہور ائمہ بشمول امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ کی بھی ہے (دیکھئے: المجموع
۱۶۲/۸، المدوینۃ الکبریٰ ۱۸/۵)۔
- ۸- الف- بائع کے لئے مال مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے (بدايع ۱۳۶)۔
- شواہد اور مالکیہ کے نزدیک بائع راہن کی اجازت سے مال مرہون سے فائدہ
اٹھا سکتا ہے۔ دیکھئے: (المجموع ۲۵۱/۳، المدوینۃ الکبریٰ ۱۶۳/۳)۔
- حنا بلہ کے یہاں اجرت مثل کے ساتھ فائدہ اٹھانا مطلقاً درست ہے، ملاحظہ ہو (المغنی
۲۵۱/۳)۔
- (ب): ایسی صورت میں اگر قیمت مال مرہون کے برابر ہے تو دین ساقط ہو جائے گا، لیکن اگر
مال مرہون کی قیمت زائد ہے تو باقی مال کا بائع ضامن ہوگا (مئییٰ ۳۳۲/۵، بدائع ۱۳۹/۶)۔

ائمہ ثلاثہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مال مرہون کے ضائع ہونے کا سبب مرتہن بنا ہو تو اس پر ضمان ہوگا، ورنہ نہیں (دیکھئے المدونہ الکبریٰ ۴/۱۵۲)۔

(ج): صورت مسئولہ میں راہن اگر موجود ہو یا وہ غائب ہو لیکن اس کا وکیل موجود ہو تو راہن یا اس کے وکیل کو تاقضی دین ادا کرنے یا مال مرہون کو بیچنے پر مجبور کرے گا، اگر انکار کرے تو تاقضی شئی مرہون کو فروخت کر دے گا، اور مرتہن اس سے اپنا دین وصول کرے گا، یہ صورت صاحبین کے نزدیک ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، امام اعظم کے یہاں انکار کی صورت میں راہن کو قید کر دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ خود بیچنے پر مجبور ہو جائے (رد المحتار ۵/۳۵۱)۔

یہی رائے جمہور ائمہ بشمول شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی بھی ہے (دیکھئے المجموع ۱۰/۱۲۷، المدونہ الکبریٰ ۵/۱۱۶، المغنی ۳/۲۶۲، فقہ الاسلامی وادلہ ۵/۲۷۵)۔

۹- فروخت شدہ سامان کو روکنے کی دو صورتیں ہیں:

۱- یہ کہ مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا پھر اس کے قبضہ کے بعد بائع وہ مال اپنے پاس روکتا ہے۔

۲- یہ کہ فروخت شدہ مال پر مشتری نے ابھی قبضہ نہیں کیا ہے، قبضہ کرنے سے پہلے ہی بائع اسے روک لیتا ہے۔

پہلی صورت میں بائع کا فروخت شدہ مال کو روکنا رہن سمجھا جائے گا، اور اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً اگر اب بائع کے قبضہ میں اس کی زیادتی کے بغیر وہ مال بلاک ہو جائے تو بائع اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

دوسری صورت میں بائع کا اپنے پاس بیع کو روکنا رہن نہیں ہوگا، بلکہ اس کی حیثیت محبوس بالذین کی ہوگی۔

بائع بیع کو ایسی صورت میں روکنے کا حق رکھتا ہے، جبکہ بیع عین ہو اور قیمت ادھار، جبکہ مشتری کے ذمہ قیمت نقد واجب ہو (بائع المصنوع ۵/۲۳۹)۔

شوائع اور حنا بلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر بائع کو قیمت وصول نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں وہ جب تک مکمل قیمت وصول نہ کر لے اپنے پاس فروخت شدہ مال کو روکنے کا حق رکھتا ہے (ملاحظہ ہو: تحفۃ المحتاج علی حواشی ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹)۔

۱۰ - یہ صورت جائز نہیں ہے، بائع نے جو اقساط وصول کی ہیں ان کا واپس کرنا ضروری ہے، اگر واپس نہ کیوں تو وہ سود شمار ہوگا، کیونکہ اس کا فروخت کردہ سامان اسی کے پاس موجود ہے، لہذا جو اقساط وصول کی ہیں، وہ سود ہونے کی بناء پر حرام ہیں (فتاویٰ ۱۲۸، ۱۲۹)۔

شوائع اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے (دیکھئے: تحفۃ المحتاج علی حواشی ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹)۔

البتہ حنا بلہ کے یہاں یہ صورت درست ہے (المغنی ۱۶۰، ۱۶۱)۔

۱۱ - مال مرہون پر مرہون کا قبضہ ہونا ضروری ہے، بغیر قبضہ کے خریدار کے پاس ایسے سامان کو رہن قرار نہیں دیا جاسکتا، ہاں مرہون قبضہ کے بعد دوبارہ خریدار کے پاس بطور رہن رکھ دے تو یہ صورت درست ہے (بواع لمناہج ۱۶۱، ۱۶۲)۔

شوائع کے نزدیک بھی مرہون کا قبضہ کرنا ضروری ہے ورنہ وہ مال رہن کے طور پر نہیں رکھا جاسکتا (تحفۃ المحتاج علی حواشی ۶۸، ۶۹)۔

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ مال مرہون پر قبضہ کرنا ضروری ہے، نیز رہن کے درست ہونے کے لئے قبضہ کا دائمی ہونا بھی ضروری ہے (بویۃ المجهود ۲۷۳، ۲۷۴)۔

۱۲ - ضمانت و کفالت یہ تبرعات کی قسم سے ہے، جس سے کسی بھائی کی امانت مقصود ہوتی ہے، اس پر معاوضہ حاصل کرنا شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے، کیونکہ معاوضہ لینا تبرع اور احسان کی شان کے خلاف ہے، مگر جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ کوئی بغیر معاوضہ کے راضی نہ ہو تو مشہور قاعدہ ”الضرورات تیج الخیارات“ کے تحت خریدار کے لئے معاوضہ دینا درست ہوگا لیکن خود ان اشخاص یا ادارے کے لئے درست نہیں ہوگا۔

کریڈٹ لیٹر میں اگر کتابت اور وقت کی حد تک اجرت لی جاتی ہے تو جائز و درست ہے (فقہ اسلامی وادانہ ۱۶۱/۵)۔

۱۳ - یہ بیع دراصل دستاویز کی نہیں، بلکہ اس مالیت کی ہے جو اس دستاویز میں تحریر ہے، تو اس طرح یہ نقد کی بیع نقد سے ہو رہی ہے جس کے درست ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں:

۱۔ نقدین پر مجلس عقد میں قبضہ ہو چکا ہو، ۲۔ کسی میں کمی زیادتی نہ ہو، ۳۔ ان میں سے کسی کو اختیار شرط حاصل نہ ہو، ۴۔ اس میں ادھار نہ ہو۔

ان شرائط کا بیک وقت پایا جانا نقدین کی بیع کے لئے ضروری ہے، کوئی ایک بھی شرط نہ پائی گئی تو بیع درست نہ ہوگی۔ صورت مذکورہ میں چونکہ ادھار ثمن کی بیع نقد ثمن سے ہو رہی ہے، اس لئے یہ صورت ناجائز ہے (الدر المختار ۲/۵۰۲، البدائع ۵/۲۱۵، المجموع ۳/۴۰۳، تحفۃ علی حواشی ۲/۲۷۳)۔

۱۴ - بائع کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ بیع کی تکمیل کے بعد مکمل قیمت یا بعض قیمت معاف کر دے، بالکل اسی طرح جیسے کہ مشتری کے لئے یہ درست ہے کہ وہ معاملہ ہونے کے بعد ادھار کو نقد میں بدل دے، بائع کے قیمت معاف کرنے یا کم کرنے میں مشتری کے قبول یا عدم قبول کو کوئی دخل نہیں ہے (دررالحکام ۱۲/۳۳۰)۔

”ضع و تعجل“ کی یہ صورت جائز و درست ہے، برخلاف اس صورت کے کہ بائع طے شدہ رقم کو مقررہ مدت سے آگے بڑھانے پر زیادتی کا مطالبہ کرے، یہ صورت جائز نہیں ہے (المغنی ۳/۳۱۶)۔

۱۵ - مذکورہ بالا صورت جائز و درست ہے، کیونکہ مشتری کو ادھار کو نقد میں بدل دینے کا حق حاصل ہے (دررالحکام ۱۲/۲۲۹)۔ حضرت ابن عباس اور ابن سیرین وغیرہ کے یہاں بھی جائز ہے (ملاحظہ ہو: المغنی ۳/۳۱۶)۔

۱۶ - طے شدہ اقساط میں سے کسی قسط کی تاخیر پر بائع کا ماہی جملہ قسطوں کا مطالبہ جائز

ہے (ردالمحتار ۲۶/۳، دررللمکار ۱/۲۳۰)۔

شوائع بھی اسی نظر یہ کے قائل ہیں (مستاب الام ۳۳/۳)۔

۱۷- مذکورہ صورت میں اگر دائن کا انتقال ہو جائے تو معاملہ اس کے وارثین کی طرف منتقل ہو جائے گا، معاملہ ختم نہیں ہوگا، لیکن اس کے برعکس یعنی اگر مدیون مر جاتا ہے تو پھر معاملہ سرے سے ختم کر دیا جائے گا (مٹا ۲۶/۳)۔

شوائع بھی اسی کے قائل ہیں (تختعلی حواشی ۲۹۷/۳)۔

۱۸- صورت مذکورہ میں قیمت اور سامان دونوں متعین ہوتے ہیں، بس دوکاند ار زیادہ بکری کی غرض سے انعام کی تقسیم کا ایک نظم بنانا ہے، پہلے سے اس کا اعلان بھی کر دیتا ہے کہ قرضہ اندازی کے ذریعہ ایک یا چند خریداروں کو انعام دیا جائے گا، اس قسم کی صورتوں کا اختیار کرنا بائع کے لئے جائز و درست ہے جس سے مقصود نفع کم، بکری زیادہ ہو، نیز اس میں بیع اور ثمن میں سے کوئی مجہول نہ ہو، لہذا اس طرح کا معاملہ درست ہے، اور یہ قمار میں داخل نہیں ہے، کیونکہ قمار کہتے ہیں مستور العاقبت کو اور اس صورت میں ثمن اور بیع دونوں متعین ہونے کی وجہ سے کچھ بھی مستور العاقبت نہیں ہے، لہذا اس قسم کا معاملہ درست اور جائز ہونا چاہئے۔

۱۹- بیع کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بیع یا ثمن میں ایسی جہالت نہ ہو جو جنگڑے کا سبب بن سکے، یہاں اگرچہ قیمت اور اجل میں من وجہ جہالت ہے لیکن معاشرہ میں مروج ہونے کی وجہ سے یہ جہالت مفہمی الی النزاع نہیں ہے۔

نیز کسی بھی معاملہ میں بائع و مشتری کی رضامندی کو خاص دخل ہے، اور یہاں اس صورت میں ایجاب و قبول کے ذریعہ ان کی رضامندی معلوم ہے، لہذا یہ بیع جائز و درست ہوگی (بدایع الصنائع ۱۵۶/۵)۔

قسطوں پر خرید و فروخت

مولانا انیس احمد ٹاکی، پٹنہ

۱- صورت مسئولہ میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ عاقدین عقد کے وقت ہی بیع مؤجل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں قطعی فیصلہ کر کے کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں، لیکن اگر کسی ایک بھاؤ پر اتفاق کئے بغیر دونوں جدا ہو جائیں تو یہ بیع ناجائز ہے (ہدایہ ۲/۱۳، کتاب البیوع، بسوط المسرخصی ۸/۱۳)۔

۲- صورت مسئولہ میں ادھار قیمت کی ادائیگی یکمشت بھی جائز ہے اور قسطوں میں بھی، قسطوں پر بیع کا مطلب وہ بیع ہے جس میں فروخت کرنے والا اپنا سامان مشتری کو اسی وقت دے دے لیکن مشتری اس چیز کی قیمت فی الحال ادا نہ کرے، بلکہ طے شدہ قسطوں کے مطابق اس کی قیمت ادا کرے، لہذا جس بیع میں مذکورہ بالا صورت پائی جائے اس کو بیع بالتقسیط کہتے ہیں، چاہے اس چیز کی طے شدہ قیمت بازاری قیمت کے برابر ہو یا کم و بیش ہو، بہر دو صورت بیع جائز ہے بایں وجہ کہ:

”وإذا ثبت جواز تأجيل الثمن ثبت جواز تأجيله ليدفع قسطا واحدا أو أقساطا، لأن الحاليتين مشمولتان بالتأجيل“ (مجلد مجمع فقہ الاسلامی ۲/۲۹۶)۔

۳- (الف) مسئولہ صورت کی ایک شکل جائز و درست ہے اور ایک صورت درست نہیں ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ اگر عاقدین مجلس عقد ہی میں کسی ایک شق اور کسی ایک ثمن پر اتفاق کر لیں تو یہ بیع جائز و درست ہے، دوسری صورت اگر بائع مشتری سے یہ کہے کہ بیع نقد اتنے روپے میں اور

مؤجل اتنے روپے میں فروخت کرنا ہوں اور اس کے بعد کسی ایک نرخ پر اتفاق کئے بغیر دونوں جدا ہو جائیں تو یہ بیع ناجائز ہے۔

(ب) بائع کو چاہئے کہ ادھار نرخ و ختگی اور نقد نرخ و ختگی دونوں کا تذکرہ کر دے اور اگر بائع صرف ادھار نرخ و ختگی کا تذکرہ کرتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ مذکورہ صورت میں مشتری کوغبین فاحش ہے یا نہیں؟ اگر مشتری کے لئے غبن فاحش ہے تو مذکورہ بالا صورت ناجائز و حرام ہے، اور اگر مشتری کے لئے غبن فاحش نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ بیع جائز و درست ہے۔

۴- مسئلہ صورت میں اختلاف ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثمن کی زیادتی مدت کے عوض ہوتی ہے، اس لئے مسئلہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ ثمن کی کثرت مدت کے عوض ہونا سود میں داخل ہے اور رباً بالاتفاق ناجائز و حرام ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”الربا هو الزيادة على رأس المال بتأخير الآجال“ (ہدایہ ۳ کتاب ایبوع)۔

اور بعض لوگوں کے یہاں مسئلہ صورت جائز و حلال ہے، اس لئے کہ قیمت کی زیادتی مدت کے عوض نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ ثمن کا جز ہوتی ہے، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ اگر ثمن کی زیادتی مدت کے عوض ہوگی تو مسئلہ صورت بالاتفاق ناجائز و حرام ہوگی۔

”يحرم بيع الشيء بأكثر من سعر يومه لأجل النسيان“ (تحتہ)

الاحوذی ۳/۵۹۳۔

۵- صورت مسئلہ کی دونوں شقیں جائز و درست معلوم ہوتی ہیں، اس بارے میں فقہاء کی کوئی عبارت تو نظر سے نہیں گذری، البتہ فقہاء کرام کے سابقہ قول پر قیاس کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ صورت جائز و درست ہے، کیونکہ نقد اور مؤجل کی بنیاد پر قیمتوں میں اختلاف جائز ہو تو پھر مدتوں کے اختلاف کی بناء پر قیمتوں میں اختلاف بھی جائز و درست ہونی چاہئے، اس لئے کہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

۶- کسی شے کی خرید و فروخت نقد معاملہ کے طور پر دس روپے طے ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ

یہ طے ہوا کہ یہ دس روپے ایک ماہ کے اندر ادا نہ کئے گئے تو مزید ۲ روپے ادا کرنے ہوں گے، اور اسی طرح ہر ماہ کی تاخیر پر دو روپے کا اضافہ ادا کرنا ہوگا۔

یہ صورت ناجائز و حرام ہے، اس وجہ سے کہ یہ اضافہ مدت کے عوض ہے، اور یہ بات طے ہے کہ جو عوض مدت کے مقابلے میں ہو وہ ربا ہے (ہدایہ ۳/۲۳ کتاب المبیع)۔

۷- مسئلہ صورت ناجائز و حرام ہے، اس مزید رقم کو جرمانہ یا مالی تاوان نہیں قرار دیا جائے گا، بلکہ یہ سود میں داخل ہے، مثال کے طور پر اگر بائع مشتری سے یہ کہے کہ فلاں چیز تم کو دس روپے میں نقد فروخت کرنا ہوں، لیکن اگر تم نے ایک ماہ تک قیمت ادا نہ کی تو تمہیں دو روپے مزید ادا کرنے ہوں گے، اب اسی دو روپے کو منافع کا نام دیا جائے یا کچھ اور لیکن اس کے سود ہونے میں کوئی شک نہیں، اس لئے کہ اس شے کی اصل قیمت دس روپے مقرر تھی، اور یہ دس روپے بیع کے نتیجے میں مشتری کے ذمہ دین ہو گئے، اب اس دس روپے سے زیادہ کا مطالبہ کرنا یقیناً سودی ہے۔

۸- (الف) بائع کے لئے شے مرہون سے فائدہ اٹھانا بلا اجازت ناجائز و حرام ہے، کیونکہ اس شے مرہون سے مستفیع ہونا بھی ربا کی ایک صورت ہے، انتفاع کی حرمت اس لئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”کل قرض جر نفعاً فہو ربا“ (ارشاد نبوی، نیز دیکھئے ہدایہ ۵/۲۲۷)۔

(ب) اگر رہن بائع کے پاس بلاک ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ اگر بغیر تعدی کے بلاک ہوا ہے تو بیع فسخ نہیں ہوگی، اور وہ بلاک مشتری کے مال سے سمجھی جائے گی، مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط نہ ہوگا، اور اگر تعدی کی وجہ سے بلاک ہو تو بائع ضامن ہوگا، واضح رہے کہ مرہن بازاری قیمت کا ضامن ہوگا نہ کہ ثمن کا ضامن ہوگا۔

(ج) اگر مشتری مقررہ وقت پر دین ادا نہیں کر رہا ہے اور مال منول کر رہا ہے تو ایسی صورت میں بائع شے مرہون فروخت کر کے اپنی قیمت لے لے گا، واضح رہے کہ بائع وہی قیمت لے سکتا

ہے جو عقد کے وقت مقرر ہوئی تھی، مزید رقم مشتری کو لوٹانا واجب ہے۔

۹- الف، ب:

ادھار بیع میں بائع کے لئے بیع کو روکنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ بائع بیع کو ثمن کی وصولیابی کے لئے روک لے، دوسری صورت یہ ہے کہ بائع کوئی شی بظور رہن رکھے، اس میں سے پہلی صورت تو بیع بالتقسیط میں جائز ہے، بایں وجہ کہ نقد بیع میں ثمن کی وصولیابی کے لئے بائع بیع کو روک سکتا ہے، لیکن بیع موجدل میں بائع بیع کو نہیں روک سکتا ہے (فتاویٰ ہندیہ ۱۵/۳)۔

البتہ رہن کی صورت میں اگر بائع بیع کو مشتری کے قبضے سے پہلے روک لے تو یہ صورت جائز نہیں ہے، اور اگر مشتری بیع پر قبضہ کرے اور قبضہ کے بعد مشتری بائع کے پاس بیع کو بظور رہن رکھ دے تو یہ صورت جائز و حلال ہے، امام محمد علیہ الرحمہ الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں:

”ومن اشتری ثوبا بدراہم فقال البائع: امسک هذا الثوب حتی أعطیک الثمن فالثوب رهن“ (الجامع الصغیر ص ۳۱۹)۔

۱۰- یہ صورت از روئے شرع ناجائز و حرام ہے، اس لئے کہ بیع اور کچھ ادا کردہ اقتساط بائع کی ہو جاتی ہیں، یہ تو مشتری پر ظلم ہے، اس لئے یہ صورت شرعاً درست نہیں ہے، مذکورہ صورت میں ایک شغل جائز کی نکل سکتی ہے وہ یہ کہ بائع اولاً مشتری کو وکیل یا قاضی کے ذریعہ بقیہ اقتساط ادا کرنے پر مجبور کرے، اگر پھر بھی مشتری بقیہ اقتساط ادا کرنے سے قاصر ہو تو ایسی صورت میں بائع بیع کو فروخت کر کے ادا کردہ اقتساط مشتری کو لوٹا دے اور بقیہ اقتساط بائع خود لے لے۔

☆☆☆

جدید فتنہ تحقیقات

چوتھا باب
اختتامی امور

مناقشہ :

فسطوں پر خرید و فروخت سے متعلق شرعی احکام

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب :

احسان صاحب یہ بتائیں کہ یہ جو (Sale on installment) ہے، یعنی بیع بالتقسیت، اس مسئلہ کا موجودہ بینکنگ سے کیا ربط ہے، یا آج کی جو بین الاقوامی تجارت ہے اس میں اس اصول کا کیسے استعمال کیا جا رہا ہے؟ تصویر واقعہ احسان صاحب آ کر جو نیشنل بینک کے بینکنگ لا سے واقف بھی ہیں، ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تشریف لائیں، اور چند منٹ میں اس بات کی وضاحت کریں، جو موضوع ابھی زیر بحث ہے ”بیع بالتقسیت“ کا اس کا موجودہ معاملہ اور جو آج بازار میں رائج ہے، اس کے جائز اور ناجائز ہونے کی بات آپ سے نہیں پوچھی جارہی ہے، بلکہ واقعہ کیا ہے؟ صورت حال کیا ہے؟ اس کی وضاحت کریں۔

ڈاکٹر احسان الحق :

جہاں تک فسطوں پر سامان کے فروخت کا سوال ہے، اس میں معاملہ صرف یہی ہے کہ ایک آدمی فوری قیمت ادا نہیں کر سکتا، لہذا اس کو سہولت دی گئی کہ وہ قسط وار اس چیز کی قیمت ادا کر دے اور ایسی صورت میں اس سے بینکنگ کے اعتبار سے تو وہ انٹریسٹ کہا جاتا ہے، جو کہ ہر مہینہ اتنا روپیہ وہ ادا نہیں کر سکا، اس کے اوپر سو دلگتار ہوتا ہے، طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جتنا قرض وہ ادا کر دیتا ہے، اس کی اصل رقم اس لئے الگ الگ رکھی جاتی ہے کہ اصل کی رقم منہا کر دی جاتی ہے اور سود اپنی آمدنی میں شامل کر لیا جاتا ہے، اگلے مہینے میں پھر جو قسط آئے گی جتنی رقم اصل منہا

ہو چکی ہے، اس کے پاس اس رقم کا سود لگے گا، بینک کا طریقہ تو اس معاملہ میں یہی ہوتا ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب:

..... دوسرا میں نے یہ جاننا چاہا تھا کہ آج اس کا استعمال کیسے ہوتا ہے، اس کے لئے ڈاکٹر کھٹکھٹے صاحب سے بات کرنی ہے، یہ تو معلوم اور معروف بات ہے کہ آج ساری دنیا میں جو معاشی اور تجارتی نظام ہے، اس کی بنیاد سود پر ہے، اس لئے موجودہ معاشی اور تجارتی نظام کے کسی جزئیہ کو سود کے پس منظر سے خالی کر کے سوچنا ممکن نہیں، ہمارے سامنے جو مسئلہ ہے وہ یہ کہ اس طرح کے مالیاتی ادارے۔ میں قصداً لفظ بینک استعمال نہیں کر رہا ہوں، اس طرح کے مالیاتی ادارے جو اسٹیمار کا (Investment) کا جو رقم جمع کر کے آگے کا کام کر رہے ہیں، ان اداروں میں جو اسلامی اصول تجارت ہیں ان کا استعمال کیسے کیا جائے، مثلاً مراہمہ کا استعمال، مضاربہ کا استعمال، شریک کا استعمال، یہ سارے امور دراصل آہستہ آہستہ الحمد للہ بڑھ رہے ہیں، اس نظام کی طرف اس معاشی و تجارتی نظام کی طرف جو مجھے یقین ہے انشاء اللہ اگلے چند برسوں میں اسلامی اصول پر تجارت، معاملات، اسٹیمار اور انویسمنٹ کے مواقع فراہم کرے گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ ماہرین جو آج کی معاشیات پر نظر رکھتے ہیں، اور اپنے دل میں اللہ کا خوف رکھتے ہیں، وہ شریعت کے مطابق ایک ایسے نظام کی تشکیل کر سکیں گے، جو اسلام کے اصول تجارت اور اسلام کے اصول معاملات پر مبنی ہو، اور سود سے پاک ہو، ہم آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہے ہیں اس کی طرف، ساری مشکلات کے باوجود۔ بیج بالنتیجہ کا جو موضوع آپ کے سامنے ہے کہ عام طور پر اس کی سیدھی سادی صورت یہ ہے کہ جو ایک انفرادی زندگی میں واقعہ پیش آتا ہے کہ ہم نے آپ کی دکان سے سامان خریدا اور کہا کہ اس وقت میرے پاس پیسہ پورا نہیں ہے، میں دو روپے مہینہ تم کو دے دیا کروں گا، پانچ فٹسٹوں میں یا چار فٹسٹوں میں میں پوری قیمت ادا کروں گا، اس طرح کا ادھار معاملہ، عام طور پر سادہ معاملہ زندگی میں روز پیش آتا ہے، ادھار خرید و فروخت اور ادھار بھی اقساط کے ساتھ خرید و فروخت، تو جہاں تک اس کے بیج ہونے کا تعلق

ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بیع ہے اور بیع حلال ہے، اپنی اس سادہ صورت میں اس کی حلت پر کہیں پر کوئی دشواری نہیں ہے، لیکن اس کا استعمال اگر کسی بہت اجتماعی کے ذریعہ اور کسی انویسٹمنٹ کمپنی کے ذریعہ ہو، تو وہاں یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ وہ عام طور پر جو قیمت نقد کی لیتے ہیں، اس سے زیادہ ادھار کی لیتے ہیں، پھر اس کی دو صورتیں ہیں، جو ایگریمنٹ ہوتا ہے، اس ایگریمنٹ میں اگر معاملہ آسنے سامنے کا ہے، اور طے ہوا کہ اگر چھ مہینہ میں ادا کرو گے تو چھ ہزار دام اور بارہ مہینے میں اگر ادا کرو گے تو ۹ ہزار دام، اگر وقت عقد میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ باعتبار زمانہ قیمت میں ہم فرق کریں گے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے یہ کہا کہ ہم کو چھ مہینہ کے بعد ادا کرنا ہے اور آپ ہم کو دے دیجئے اس میں..... نقد کی قیمت کچھ اور ادھار کی قیمت کچھ اور، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آج خاص کر جو اسلامی طریقہ پر کچھ اس طرح کا معاملات کرنے کا جواز بنتا جا رہا ہے، یعنی بین الاقوامی تجارت میں بھی بالاقساط ادائیگی کا عام رجحان ہے، خود اب ہندوستان میں بھی اس طرح کے بالاقساط ادائیگی کے کاروبار ہو رہے ہیں، اس میں اس اصول کا کس طرح استعمال کیا جاتا ہے؟ موجودہ بینکنگ سسٹم میں اور موجودہ تجارتی سسٹم میں اور ان اداروں میں جو ادارے اسلامی بنیادوں کے ساتھ چلنے کی کوشش کرتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ کھٹکھٹے صاحب ”بیت انصر“ کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں وہ ہمیں اس بارے میں رہنمائی کریں گے، مجھے خوشی ہے کہ یہاں پر کئی ماہرین موجود ہیں ابھی میری نظر پڑی ہے، ہو سکتا ہے کہ ہم کسی وقت ان کی معلومات سے بھی استفادہ کریں۔

..... آواز صاف نہیں ہے۔

ایک آواز:

..... یہ تو صحیح ہے کہ سو نہیں لیا جاسکتا اور جو دین ہے اس کے اوپر اس میں اضافی رقم نہیں لی جاسکتی، مگر جس صورت میں جس سے لینا ہے وہ جان کر اور اپنے پاس روپے رکھتے ہوئے بھی اگر دیر کرتا ہے، اور روپیہ نہیں دیتا ہے تو اس میں کیا کیا جاسکتا ہے اور اس کے اوپر کیا

کوئی تاوان رکھا جاسکتا ہے اور اگر رکھا جاسکتا ہے تو وہ کس طرح کا ہوگا اور اس کا مصرف کیا ہوگا؟ یہ کچھ سوالات ہیں اگر اس سمینار میں طے کئے جائیں تو اسلامی مالیاتی اداروں کو اس سے مدد ملے گی اور ایک نشاندہی ہوگی۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب:

دوسرا سوال یہ ہے کہ مطلق بیع نسبیہ کا ثبوت تو خود جناب رسول اللہ ﷺ سے ہے، یہاں تک کہ یوم وصال نبی ﷺ میں حضور کی ذرہ ایک یہودی کے یہاں رہیں تھی، حضور نے اس کو نسبیہ یعنی ادھار اس سے لیا تھا، ادھار کی بیع تو خود عمل رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اب رہی بہت اہم بات جو ہمارے..... صاحب نے کہی ہے: ”الامور بمقاصدھا ولا عبرة للالفاظ والمبانی والعبارة للمعانی“ یہ ہمارے یہاں تو اہل کلیہ فقہیہ نہیں، ان کے ساتھ ساتھ مقاصد کے مختلف درجات ہو سکتے ہیں، اس میں ایک اہم درجہ جس کی طرف شیخ و بیہ زحیلی صاحب نے اشارہ کیا ہے، وہ ہے ”بیع سلم“، بیع سلم میں آج ایک کاشتکار جس کے پاس اناج موجود نہیں ہے، چھ مہینے کے بعد جب اس کے کھیت سے فصل آئے گی تو وہ مالدار ہو جائیگا اور آج ہے وہ فقیر، آج اسے وہ شی اس قیمت پر فروخت کرنی پڑتی ہے کہ اگر اس کو یہ مجبوری نہ ہوتی تو جس وقت کھیت سے فصل آ جاتی تو اس کو پچاس سو روپے من بیچتا، آج اسے اس کو چالیس روپے من بیچنا پڑ رہا ہے، ایڈوانس پیسہ لینے کے لئے آج اس کو ضرورت ہے، کاشتکاری نہیں چلا سکتا، اس مجبوری کے لئے کسی صاحب سرمایہ سے وہ دس ہزار روپے لے لیتا ہے، تاکہ ہم کھیتی بھی کریں گے اور گھر بھی چلائیں گے اور جب فصل ہمارے پاس آئے گی، تو اگر چھ مارکیٹ میں اس وقت پچاس روپے من کا ہو، لیکن آج بھی ہم اس کو چالیس روپے من پر فروخت کر رہے ہیں، یہ بھی اس استحصال کی تعریف میں آتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا ہمارے جناب شمس پیرزادہ صاحب نے اور اسی لئے اس کو ”بیع المغاليس“ بھی کہا جاتا ہے، اب سول یہ ہے کہ جس درجہ کا بھی استحصال ہو مجھے اس کو ماننے میں کوئی دشواری نہیں ہے، لیکن حدیث نبوی ﷺ اور جملہ

فقہاء امت کے اجماع کے ذریعہ سے بیع سلم کو جائز قرار دیا گیا ہے، بیع سلم میں ”بیع لا اجل بالعاجل“ ہے، یعنی جو بیع ہے وہ بعد کو دیا جائے گا اور قیمت پہلے لے لی جاتی ہے اور بیع بالتقصیط میں بیع لا اجل ہے یہاں پر جناب والا قیمت بعد کو دی جائے گی، شی پہلے لے لی جائے گی، ایک نوع کا استحصال اگر دیکھا جائے تو دونوں میں پایا جاتا ہے، لیکن شرع میں جو توازن ہے کہ حاجات ماس کی رعایت اور ساتھ ساتھ ممکن حد تک استحصال سے تحفظ، میں سمجھتا ہوں کہ شرع محمدی ﷺ کا سلم کو مباح قرار دینا اور خود حضور ﷺ کا بیع نسبیہ کرنا، ان دونوں چیزوں کو سامنے لا کر دیکھا جائے تو شاید مسئلہ کو حل کرنے میں مدد ملے۔

پھر میں معافی چاہتا ہوں، میں تصداً اپنی رائے کا اظہار کرنا نہیں چاہتا، میں پھر سوال کی صورت میں آپ حضرات کے سامنے اس مسئلہ کو رکھنا چاہتا ہوں، ایک بحث تو یہ ہوگئی، جو حدیث اس سلسلہ میں وارد ہے اس میں جو صورت خود سیدنا امام شافعیؒ نے جو پیشک عارف بمعانی الحدیث ہیں انہوں نے اس حدیث کا جو مفہوم سمجھا ہے اس پر بھی نظر رکھنی چاہئے اور ان کی تفصیلات شیخ صاحب کے مقالے میں موجود ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس مقالے کی کاپیاں ہمارے ہارون بھائی صاحب کروادیں، تاکہ علماء کو یہ دولت مل جائے، چھپنے میں تو بہت وقت لگے گا تو ان حالات میں اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے اور ہم کو کسی پر اپنی رائے تھوپنے کے بجائے واقعہ جو شرع کی رہنمائی ہے، اور اللہ یہ توفیق دے کہ ہم خیر پر اور صحیح راستہ تک پہنچ سکیں، ان مسائل کا حل کرنا چاہئے، ان مختصر الفاظ کے بعد کے بعد میں اپنی بات ختم کرنا ہوں اور کوئی صاحب اظہار رائے کرنا چاہیں تو ان سے درخواست کروں گا۔

ایک آواز:

”بیع سلم“ میں قیمت پہلے او کر دی جاتی ہے اور مال بعد میں حاصل کیا جاتا ہے اور یہ جو ادھار کی فروخت ہے اس میں اس کے بالکل برعکس معاملہ ہوتا ہے، اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، ایک تو بات یہ ہے، اب علت و فرق سمجھ میں آیا، وہاں پہلے سامان دیا جاتا

ہے پیسہ بعد کو لیا جاتا ہے، اور دوسری جگہ پر پیسہ پہلے دیا جاتا ہے اور سامان بعد میں لیا جاتا ہے تو اس میں کوئی ایسی صفت ہے جس کو ہم علت حکم قرار دے کر دونوں کے درمیان فرق کر سکیں؟
..... آواز صاف نہیں ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب:

اگر دیہات میں جا کر آپ تماشا دیکھنے بیچ سلم تو بہت مبارک صورت ہے، دیہات میں سوایا، ڈیوڑھا اور دوگنا یہ اصطلاحات ہیں، دیہات کے کاشتکاروں کے بیچ، سوایا، ڈیوڑھا اور دوگنا ایک من چاول ایک من دھان دیا ایک من نہیں دو من لیں گے یا ڈیڑھ من لیں گے یا سو من لیں گے، یعنی پہلے بہت زیادہ اس کا رواج تھا اور ابھی بھی ہے وہ تو صورت بیچ ہے کیونکہ جنس کا جنس کے ساتھ تبادلہ ہوتا ہے، اس کو تو ہم لوگ منع کرتے ہیں اور الحمد للہ اس میں کچھ صورت حال بھی اچھی بنتی چلی جا رہی ہے، لیکن اولاً تو یہ صورت اموال ربویہ کے باہمی تبادلہ کی نہیں ہے، یہ بھی ایک بہت اہم نقطہ آپ کے غور کرنے کا ہے..... بہر حال اگر آپ کا یہ کہنا ہے کہ یہ اسلامی مالی ادارے ان کو ہم یہ ہدایت کریں کہ اس طرح جن پر تھوڑی ہماری بات چل سکتی ہے کہ ”بیچ بالتقسیط“ میں اگر چہ ظاہر ہے کہ نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت زائد ہوگی، لیکن یہ زیادتی عادلانہ ہونی چاہئے، نہ کہ جناب استحصال والی ہو تو اس حد تک ہم سب سے زیادہ آپ سے اتفاق کریں گے، کیوں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟
..... آواز صاف نہیں ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب:

استحصال..... اور اس کا ایک نصاب متعین کرنا بہت مشکل ہے
..... استحصال تو صحیح نہیں ہوگا، لیکن ایک سرمایہ دار مان لیجئے وہ کچھ لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر قیمتوں کو بہت بڑھا دے تو آپ کے یہاں کم از کم یہ چیز ضرور موجود ہے، ایک تو ”احتکار“ کو آپ نے ممنوع قرار دیا ہے..... اور حکومت اسلامی کو آپ نے بھی

اجازت دی ہے، بازار کے ریٹ کو کنٹرول کرنے کے لئے آپ کی حکومت اسلامی اگر اللہ کبھی وجود میں لادے تو وہ ایسے قواعد ایسے قوانین عائد کر سکتی ہے کہ مارکیٹ میں تجارت کسی شے کی قیمت کا اتنا زیادہ اضافہ نہ کر دیں جس کی وجہ سے عام لوگ جبر و پریشانی کا شکار ہو جائیں.....

..... بہر حال ضرورتاً آدمی خریدتا ہے صحیح ہے، لیکن آج اس ضرورت کا ایسا استعمال نہ کیا جائے کہ جس کے نتیجے میں اس کو زیادہ سے زیادہ مجبور کر دیا جائے، بہت قیمت بڑھا کر یا خاص کر اپنے ان اسلامی اور مالیاتی اداروں کو تو کہہ سکتے ہیں، کہ صاحب قیمت ایسی رکھے جس سے آپ کا بھی کام چلے اور اس کا بھی کام چلے، جو سود کی ذہنیت ہے، یا جو ربوی نظام کی ذہنیت ہے زیادہ سے زیادہ لوگوں کا خون چوسو، وہ ہمارے اسلامی مالیاتی اداروں میں نہیں آنا چاہئے، یہ اگر تھوڑی روک آپ کی طرف سے لگتی ہے تو میرے خیال سے اچھا رہے گا۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم:

استحصال کی ایک مثال آپ حضرات کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تاکہ اس کی روشنی میں خاص طور سے جو اسلامی مالی ادارے کام کر رہے ہیں، اس پر غور کریں، گاڑی کے لئے قرضہ اسلامک بینک بھی، اسلامک مالی ادارے بھی اور سودی کاروباری ادارے بھی دیتے ہیں، قسطوں پر، میری معلومات کی حد تک بغیر نام لئے ہوئے کسی ادارے کا، اور میں نے بھی کچھ اس طرح کی چیزیں کی ہیں، لیکن جو سودی ادارے ہیں اور جب وہ ادارے سے کوئی گاڑی خریدتا ہے اور جو وہ قسطوں میں ادا کرتا ہے وہ قیمت اور جو اسلامی مالی اداروں سے قسطوں میں لئے گئے ہیں وہ قیمت دونوں میں بڑا فرق ہے، سودی والے حصہ میں قسطوں میں جو ادا کیا گیا ہے وہ کم اور جو غیر سودی ہے اس میں جو قسطوں میں ادا کیا گیا ہے، وہ زیادہ ہے، یہاں پر جو چیز بڑی اہم ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ غیر اسلامی مالیاتی اداروں میں نہیں جانا چاہتے سود کی وجہ سے، میرے خیال سے، کیونکہ وہ سود کے ذریعہ سے چیزوں کو نہیں لینا چاہتے انہیں قیمت زیادہ ادا کرنی پڑتی ہے، کیونکہ وہاں غیر سودی طریقہ سے ادا کیا جا رہا ہے، تو میرا اپنا خیال ہے کہ یہ استحصال کا ایک بہت اہم پہلو

ہے کہ چونکہ ہم سود سے پاک ہونا چاہ رہے ہیں، اسلئے اگر ہمیں زیادہ قیمت ادا کرنا پڑے اور میرا اندازہ ہے کہ بہت سے لوگ اسی لئے اسلامی ادارے کی طرف نہیں جا رہے ہیں تو میں خاص طور سے ان حضرات کو جو اس میں شامل ہیں اور جو یہ کام کر رہے ہیں میں ان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ وہ ہر اکرم اس پر توجہ دیں تاکہ اگر آپ کم نہیں کر سکتے تو سودی ادارے سے تو براہ کم از کم رکھئے، اس سے زیادہ ادا نہ کرائیے تاکہ اسلام کا ٹیکس نہ محسوس ہو۔ جزاکم اللہ خیرا۔

..... آواز صاف نہیں ہے۔

ایک آواز:

..... محترم یہ استحضال اور اس کے تمام پہلوؤں پر ابھی غور کیا گیا، درمیان میں موضوع سے بھی بہت دقیق موضوع پر اور اس کی باریکیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی، کیونکہ اس وقت بیع بالتقسیط کا سوال چل رہا ہے، اس وقت ہمارا تعلق بھی ایک مالی ادارے سے ہے، اب ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہم عوام کا کم عوام ہمارا زیادہ استحضال کرنا چاہتا ہے، اور وہ کن کن طریقوں سے کرنا چاہتا ہے، وہ بہت طویل فہرست ہے، بہر حال ایک پہلو جس پر منظور عالم صاحب نے بھی روشنی ڈالی ہے کہ ”بیع بالتقسیط“ میں تاخیر کے دو اسباب ہیں، ایک تو مجبوریاں انسان کی، دوسرے یہ کہ وہ اپنے اور مالیاتی نظام کو مضبوط کرنے کے لئے اس سرمایہ کو اپنے پاس محفوظ رکھ رہا ہے اور یہ سراسر ادارے کا استحضال ہے، اس سے ادارے میں جو خرابی آرہی ہے اور معاشرے میں جو نظام بگڑ رہا ہے وہ ہمارے پاس جملوں میں اور لوگوں کے تاثرات میں وہ آرہی ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ جب فلاں شخص نے روپیہ برحق نہیں دیا اور اس کا کچھ نہیں بگاڑا گیا تو ہم ہی کیوں صحیح وقت پر روپیہ ادا کریں، تو میں علماء کرام کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہوں گا کہ یہ جو معاشرے میں ان صورتحال کی وجہ سے بیع بالتقسیط میں تاخیر کے سبب یہ (معاشرے کے) اداروں کے ساتھ رویہ اختیار کیا جا رہا ہے، اس رویہ کے لئے عوام میں جو بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اس عوام کے بگاڑ کی اصلاح کے لئے ہمارے علماء ہمیں کیا رہنمائی عنایت فرماتے ہیں۔.....؟

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب:

ضرور اجازت دیں گے۔ آپ کو کیسے نہیں دیں گے، مشکل ہو جائے گی۔

ایک آواز:

حضرات! میں نے جیسا ابھی عرض کیا تھا مشینوں اور پرزوں کے خریداروں کے لئے خاص طور سے..... آپ حضرات ان چیزوں کو بہت اچھی طریقے سے جانتے ہیں، معاملے کے دو جز ہیں، ایک فائننس کمپنی کو جو اپروچ کرتے ہیں کہ ہمیں گاڑی خریدنی ہے وہ فائننس کمپنی ہمیں گاڑی کی قیمت کا ڈرائنٹ بنا کر اس کمپنی کے نام دے دیتی ہے، یہ معاملہ ہوا ہمارے اور کمپنی کے درمیان قرض کا، وہ کمپنی قرض کی رقم ہمارے نام پر ڈال دیتی ہے، پھر وہ قرض ہم سے وصول کرتی ہے، ہم اس ڈرائنٹ کو لے کر کمپنی میں جاتے ہیں، جو اصل قیمت ہوتی ہے، کار کی..... وہ اس کو دیدیتے ہیں وہ مشینری ہمیں دیدیتی ہے، یہ معاملہ کے دو جز کو ایک معاملہ مانیں گے، یا بیع کا معاملہ علیحدہ مانیں گے اور قرض کا معاملہ علیحدہ مانیں گے، اگر بیع کا معاملہ علیحدہ ہے تو بیع جائز ہوگئی، اس لئے کہ ہم نے اس کو جا کر کے ڈرائنٹ دیا اور اس نے ہمیں مال دے دیا جائز، کمپنی کا قرض ہم پر باقی رہا اور کمپنی اپنے قرض کو وصول کر رہی ہے، ان دونوں چیزوں کو آپ ایک معاملہ مانیں گے یا دونوں کو علیحدہ علیحدہ مانیں گے، اگر دو علیحدہ علیحدہ مانیں گے تو بیع کو جائز قرار دیں گے، اس کو کیا کہیں گے جو صورت حال ہو اس کو بتادیں۔

ایک آواز:

..... حضرت قاضی صاحب نے جو سوالات اٹھائے تھے، اس میں پہلا سوال یہ تھا کہ بد لین میں تعین کی شرط ہے یا نہیں، ہر جگہ ہے یا کچھ جگہوں پر ہے، غالباً یہی بات تھی اگر بیع مقارضہ ہو، یعنی اس میں دونوں طرف بیع ہو، بد لین، یعنی ثمن اور بیع دونوں طرف جو ہے سامان ہی ہو، تو اس صورت کے اندر تعین ضروری ہے چونکہ دونوں میں ثمن ہونے کا امکان ہے اور بیع ہونے کا بھی امکان ہے تو بیع کی حیثیت سے اس میں تعین ہونا چاہئے،.....

اور یہ جو بیع صرف ہوا کرتی ہے، اس میں چونکہ دونوں طرف ثمن ہے، اسی لئے مجلس ہی میں قبضہ شرط ہے، تا کہ ”بیع الکالی باکالی“ نہ ہونے پائے۔

یہ سوال نہیں تھا میرا، پتا نہیں کیسے بات ابھ گئی؟ میں نے کہا کہ تحقق ربا کے لئے اموال ربا یہ ہونا ضروری ہے یا نہیں یا مطلق ہر معاملہ میں ربا ہو جائے گا۔

ایک آواز:

ربا جو ہے امام ابوحنیفہ کے یہاں قدر مع لجنس ہے اور قدر مع لجنس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کیلی ہو یا موزونی ہو۔

ایک آواز:

ابھی یہ بحث ہی نہیں ہے، ہم ربا پر بحث نہیں کر رہے ہیں، صرف اتنی بات کہ کیا ربا کے تحقق کے لئے اموال ربا یہ ہونا چاہئے، چاہے وہ منصوصہ فی الحدیث ہو یا مستنبطہ بالجہدین ہو، بیع سے بات ختم ہوگئی۔

.....آواز صاف نہیں ہے۔

ایک آواز:

ابھی جو استحصال کے سلسلہ میں بات ہوئی تھی سود کے سلسلہ میں، تو اس میں صرف یہ بات ہوئی ہے کہ کم اور زیادہ، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں آپ کو یہ بھی شامل کرنا چاہئے کہ سود جو ہے متعین ہوتا ہے اور اسکے برعکس جو غیر سودی معاملات ہیں اس میں تعین نہیں ہوتا ہے، یہ بات تو ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی جگہوں میں جہاں وہی چیز اگر سود کے پیسے سے فائدہ ناس کریں گے، جیسے کہ یہ عام ہے کہ عرب ممالک میں سود کی شرح بہت کم ہے، اگر بزنس میں خود اس چیز کو کرنا ہے اس سے مال لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتا ہے تو اس کو کہیں زیادہ اس میں منافع ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ دس بیس پرسنٹ منافع ہوتا ہو، جبکہ سود کی شرح اگر وہ سود لے کر ادا کرتا ہے تو..... پانچ پرسنٹ اس کو ادا کرنا پڑے گا، تو یہ جو مقید اور غیر مقید جو اس کا جز ہے سود اور غیر

سودی خود ان کو اسکا بھی لحاظ رکھنا چاہئے، جہاں تک اس وقت قسطوں میں دینے کی بات ہے اس میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ہم کو سوچنا چاہئے کہ قسطوں پر اگر ہم دے رہے ہیں تو اس میں یہ چیز بالکل متعین ہو رہی ہے، یا اس میں کچھ رسک باقی ہے، اگر رسک باقی ہے..... اگر متعین ہو جاتا ہے تو پھر ہو سکتا ہے کہ سود سے بہت قریب ہو جائے تو یہ ایک دوسری چیز ہے۔
..... آواز صاف نہیں ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب:

مولانا کا دوسرا سوال ہے مسئلہ سے متعلق ہے، میں آپ حضرات کے سامنے اس کو رکھ دیتا ہوں۔

مولانا کا پہلا سوال تو وہی ہے جو بار بار آچکا ہے، ایک ہے مدیون مماثل وہ شخص جس کے ذمہ واجب ہے قیمت کا ادا کرنا اور وہ دین ہے تو اس کو دین ادا کرنے میں وہ اپنی صلاحیت کے باوجود نال منول کرتا ہے تو اس سے دین کی وصولیابی کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ اس پر علما، کونوور کرنے کو فرما رہے ہیں، مولانا کا دوسرا سوال یہ ہے کہ شی مرہون جو شی آپ نے رہن رکھی ہے اگر اس پر قبضہ نہ ہو تو ابھی وہ مرہون ہو سکتی ہے یا نہیں، اس پر رہن کے احکام لازم ہوں گے یا نہیں، جس کے سمجھانے کی ذمہ داری مجھ پر نہیں مولانا پر ہے۔

بدون قبضہ، یعنی شی مرہون، مرہون ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتی، اور اس پر رہن کے احکام لاکوہوں گے یا نہیں، مولانا کا کہنا ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ متعین طور پر اولاً مذکورہ بالا دو نمبر پر بحث کرائی جائے۔

ایک آواز:

..... جہاں تک وہ بات ہے کہ قیمت زیادہ کر کے طے کر لیا جائے اور نقد کی قیمت کم ہو اور ادھار کی زیادہ ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ تعین اس بات کی ہو جائے کہ سود نقد ہو رہا ہے یا سود ادھار ہو رہا ہے، لیکن اس میں کئی صورتیں سامنے

آئیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات اس پر بھی توجہ دیں، کچھ حضرات نے یہ کاروبار بنالیا کہ مثلاً ٹیکسی وغیرہ دلا دیا، ایک لاکھ کی ٹیکسی ہے اور ہم ٹسٹوں پر سوالا کھ آپ سے لیں گے، لیکن ان کا خود کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ غیر سے قرض لیتے ہیں، بینک سے ٹیکسی نکالتے ہیں تو خود تو سود میں ملوث ہیں اور دوسرے کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے وہ غیر سودی، یعنی انہوں نے بارہ پرسنٹ دے دیا بینک کو سود پر لے کر کہ ٹیکسی اور ۲ یا ۳ پرسنٹ ان کا، نفع جو ملا، تو یہ ایک شکل جو سامنے آ رہی ہے، عام طور سے سامنے آتی ہے، یہاں کئی لوگ اور ادارے انفرادی طور سے کر بھی رہے ہیں تو یہ زیر بحث رہنا چاہئے، اس پر توجہ دینی چاہئے، یہ ایک شکل کیسی ہے؟

اچھا اتفاق کی بات یہ ہے کہ اگر ان سے کہا بھی جاتا ہے کہ تم سودی معاملہ کر رہے ہو تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ہمارا معاملہ ہے آپ کو تو ہم غیر سودی دے رہے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ادھار میں اگر زیادہ قیمت طے ہوتی ہے تو یہ ربا میں آتا ہے یا نہیں آتا، میں سمجھتا ہوں کہ ربا تو کہا جاسکتا ہے، لیکن صحیح ربا نہیں ہے، اس کی تعریف کے لحاظ سے بھی اگر ہم غور کریں تو ربا نہیں اور حقیقت کے لحاظ سے بھی ربا نہیں، دوسری ایک بات یہ کہ آپ سے جو آدمی سامان لے کر دو سال میں آپ سے قیمت لیتا ہے، تو بنیادی نقطہ توجہ دینے کا یہ ہے کہ یہ چیز جو آپ کو آج ۱۰۰ روپے میں دے رہا ہے وہ شخص دو سال کے بعد یہی چیز سو سو یا ڈیڑھ سو کی ہو سکتی ہے اور جو رفتار گرانی کے بڑھنے کی ہے کہ یہ چیز اتنے کی ہوگی، تو اگر یہ ادھار میں زیادہ لیتا ہے تو وہ قیمت آج وصول نہیں کر رہا ہے، اس کو جب قیمت وصول ہوگی تو یہ چیز جب نئی لینے جائے گا تو اتنے ہی کی یا اس سے زیادہ یا کم کی پر سکتی ہے، تو اگر اس پہلو کو مد نظر رکھا جائے تو میرے خیال سے ربا والا شبہ دور ہو سکتا ہے، لیکن جو میں اصل بات کہنا چاہتا تھا اور جو کاروبار لوگوں نے اپنالیا ہے اس کو خاص طور سے ذہن میں رکھ کر اس سلسلہ میں مزید گفتگو کریں۔

..... آواز صاف نہیں ہے۔

ایک آواز:

سوال نمبر ۵ یہ ہے کہ ایک تاجر ادھار فریختگی اگر اس طرح کرتا ہے کہ چھ ماہ میں اگر چھ

قسطوں میں ادا کرنے کی صورت میں مال کی قیمت ۱۲ ہزار روپے ہے، اور ایک سال میں بارہ قسطوں میں ادا کرنے کی صورت میں مال کی قیمت تیرہ ہزار روپے ہے، خریدار کے سامنے دونوں صورتیں پیش کرنے کے بعد وہ دونوں ایک صورت طے کر لیتے ہیں، تو معاملہ کی شکل شرعاً درست ہے یا نہیں؟ یہ سوال ہے؟ آپ کا کہنا کیا ہے، قیمت جیسے جیسے بڑھانی گئی ویسے ویسے پیسہ بڑھا دیا گیا..... جو تلخیص آئی ہے کہ متعین مدت میں قیمت یا قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید رقم کا مطالبہ ہے (یہی ما) تو اس میں جملہ مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ متعین قسط پر کسی قسم کی زیادتی کا مطالبہ ناجائز اور سود ہے، اوصاف و خصلت کی صورت اس طرح ہوگی کہ چھ ماہ میں چھ قسطوں میں ادا کرنے کی صورت میں مال کی قیمت گیارہ ہزار اور ایک سال میں بارہ قسطوں میں ادائیگی کی صورت میں ۱۲ ہزار اور متعاقباً ایک صورت طے کر لیں تو معاملہ کی شکل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

اکثر مقالہ نگاروں نے اس صورت کے جواز کو راجح سمجھا ہے اور مندرجہ ذیل عبارات سے استدلال کیا ہے: ”و کذا إذا قال: بعتك هذا العبد بالف درهم إلى سنة أو بالف و خمس مائة إلى سنتين، لان الثمن مجهول، و قيل: هو الشرطان في البيع و قدروى أن رسول الله ﷺ نهى عن شرطین فی البیع، فإذا علم ورضی به جاز البیع، لان المانع من الجواز والجهالة عند العقد، وقد زالت في المجلس“ تو اس سلسلہ میں آپ کا جو سوال ہے اس کی روشنی میں اس میں اپنی رائے نہیں دے سکتا، لیکن آپ کے سوال کی روشنی میں میرے ذہن میں جو بات آتی ہے کہ اگر بوقت بیع جو عقد بیع ہوا ہے عقد بیع میں یہ رکھا جائے کہ تم چھ مہینہ میں دو گے تو چھ ہزار دینا ہوگا، اور اگر گیارہ مہینہ میں دو گے تو اتنا دینا پڑے گا تو یہ بیع میں ثمن مشروط مختلف حالتوں میں الگ الگ ثمن ہے، اس لئے ثمن مجہول رہے گا، لہذا بیع صحیح نہیں ہوگی، اور اگر پیش کش ہوتی ہے اور آخر یہ ہے کہ اتنے دنوں میں دو گے تو یہ دام اور اتنے دنوں میں دو گے تو یہ قیمت، لیکن معاملہ طے ہوا کسی ایک بات پر

.....
اور ایجاب و قبول ہوا، بیع کا عقد جو ہوا وہ کسی ایک بات پر ہوا کہ صاحب میں تم سے دس ہزار میں
مال لیتا ہوں چھ مہینہ میں تمہیں ادا کروں گا، اس میں کوئی شرط نہیں ہے تو یہ صورت اس حدیث
میں جو نبی کی صورت ہے اس میں آتی ہے یا نہیں؟

سوال یہ ہے کہ اوصاف و سختگی کے وقت قسطوں میں ثمن کی ادائیگی کے لئے دو مدت
بیان کرتے ہیں، ایک مدت قصیر میں مال کی قیمت اور دوسری مدت طویل میں مال کی قیمت کے
زیادہ ہونے کا بھی تذکرہ کر کے، مگر معاملہ ایجاب و قبول پر متعین ہو جاتا ہے، ان کے ساتھ صرف
ایک ہی صورت ہے کہ قطعاً تعین کے ساتھ ایک قیمت اور ایک مدت پر ہو تو یہ جائز ہے۔

☆☆☆